یہ جہاں فانی ہے کوئی بھی شے لافانی نہیں
پھر بھی اس دنیا میں انور شاہ کا ثانی نہیں

تقدسِ انور

امام العصر محدثِ کبیر بخاری وقت ابوحنیفۂ زمانہ

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

کی زندگی جاوداں حیاتِ پُر الطاف علوم وکمالات کا آئینہ

از

عبد الرحمن کوندو

تقدیم

شیخ الحدیث والتفسیر مولانا مفتی محمد زر ولی خان صاحب دامت برکاتہم



الجامعۃ العربیۃ احسن العلوم
گلشن اقبال 2 کراچی

يَهْدِي اللّٰهُ لِنُورِهٖ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۚ

یہ جہاں فانی ہے کوئی بھی شے لافانی نہیں
پھر بھی اس دنیا میں انور شاہ کا کوئی ثانی نہیں



امام العصر، محدث کبیر، بخاریٔ وقت، ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ زمانہ
حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ
کی زندگی جاوداں، حیات پُر الطاف، علوم و کمالات کا آئینہ

از

عبدالرحمٰن کوندو

تقدیم و تعارف

شیخ الحدیث والتفسیر مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب دامت برکاتہم
رئیس جامعہ عربیہ احسن العلوم

ناشر

احسنی کتب خانہ

جامعہ عربیہ احسن العلوم گلشن اقبال کراچی

نام کتاب .... تقدسِ انور

مصنف .... عبدالرحمٰن کوندو

اشاعتِ اول .... دسمبر 2011ء

تعداد 1100

طابع .... القادر پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر .... احسنی کتب خانہ

فہرست مضامین

تقدس انور

ختم شد



MUHAMMAD ZAR VALI KHAN
FOUNDER & CHANCELLOR OF JAMIA KHADIM-UL-HADITH-WAL-TAFSEER WAL IFTA AL JAMIA-TUL-ARABIA AHASAN-UL-ULOOM GULSHAN-E-IQBAL BLOCK-2, KARACHI PAKISTAN
TELPHONE 468710 4968358

DATE ________
REF ________

محمد زر ولی خان

____
____

نقشِ اول

تقدسِ انور

حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے کہ:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ

(سورہ الم سجدہ:۲۴)

اور جناب نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی جو امام بخاری ؒ وغیرہ ائمہ حدیث نے نعمان بن بشیر ◆ سے صحیح بخاری وغیرہ میں نقل فرمایا ہے:

ان العلماء ورثة الانبياء (الحديث)

حق تعالیٰ نے اس کے پیشِ نظر ہر دور اور ہر زمانہ میں ایسی قابلِ قدر ہستیاں پیدا فرمائی ہیں جن کا وجود اسلام کی دلیل اور ان کی زندگی رسول اکرم ﷺ کی عالمیت اور خاتمیت کا اعجاز اور ان کی ہر ہر ادا کردار اور گفتار رہتی دنیا کے لئے مشعلِ راہ ہے، انہی میں سے امام العصر محدث کبیر آیت من آیات اللہ فی جمیع العلوم والفنون استاذ اساتذتنا وشیخ مشائخنا حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری دیوبندی ؒ ہیں جو ایک طرف فقہ واجتہاد میں امام ابوحنیفہ ؒ کے مظہر تھے تو حدیث میں امام احمد بن حنبلؒ اور علی بن مدینی اور قتیبہ بن سعید کے آئینہ تھے، تفسیر وتاریخ آداب اور دیگر علوم وفنون میں وہ بغیر شک وشبہ کے امام تھے حضرت کی حیات جاوداں پر کبار محدثین جیسے ہمارے اُستاد وشیخ شارح بخاری وترمذی حضرت مولانا سید احمد یوسف صاحب بنوریؒ نے عنفوان شباب میں ''نفحة العنبر'' جیسی کتاب لکھی جس میں حضرت شاہ صاحب کی حیات طیبہ کے تمام اطراف پر ایسے کامل اور دیدنی تبصرے فرمائے کہ جن کی مثال نہ متقدمین میں ہے اور نہ بعد کے حضرات میں نظر آئی

اور اس پر حضرت کی فصیح و بلیغ و معیاری عربی جس کی وجہ سے مصر کے ایک بڑے ادیب نے حضرت مولانا سے فرمایا: "قرات کتابک النفحة فسحدت لبیانک" "میں نے آپ کی کتاب دیکھی آپ کی فصیح و بلیغ رواں دواں عربی کے سامنے میں نے سرنیاز جھکایا بہرحال نفحة العنبر جہاں تک امام العصر کی زندگی پر محیر العقول دستاویز ہے وہاں جاحظ کی تبیین اور ابوالعباس مبرد کی الکامل اور شہاب نویری کی نہایۃ العرب کے ٹکر کی ایک ادیبانہ اور فنی کتاب سامنے آئی۔ حضرت شاہ صاحب پر ان کے خاص شاگرد مولانا محمد انوری نے بھی ایک مختصر مگر جامع سیرت لکھی ہے۔ جو حُسن اتفاق سے ان ایام میں پہلی مرتبہ ان کے صاحبزادے سے ملی ہے حضرت کے صاحبزادے غالباً اظہر شاہ قیصر نے حیاتِ انور لکھی ہے اور ان کے چھوٹے بھائی حضرت شاہ صاحب کے علوم کے مشتے از خروارے محدث ہند بزرگوارم انظر شاہ نے "نقش دوام" لکھی جو علمی حلقوں میں وقعت کی نظر سے دیکھی گئی اور اس کے علاوہ بہت ساری چھوٹی بڑی کتابیں حضرت شاہ صاحب کے علوم و کمالات سیرت و صورت حیاۃ و زندگی الغرض مختلف اطراف و میادین میں لکھی گئی ہیں۔

عباراتنا شتیٰ و حسنک واحد　　　　وکل ذلک الی الحسن یشیر

حال ہی میں ہمارے مخدوم اور محقق عالم مولانا محمد میاں صدیقی کاندھلوی کی خاص عنایت و مہربانی سے "الانور" نامی ایک کتاب ملی جو حضرت شاہ صاحب کے عاشق زار اور مقامات کے قدر شناس عبدالرحمٰن کندو نے حضرت شاہ صاحب کے دیارِ مبارکہ کے مکین و ساکن ہونے کے ناتے لکھی ہے اور مجھ تک پہنچی کتاب کی جامعیت دیدنی ہے مصنف سے کوئی حال اور ماحول جو حضرت شاہ صاحب یا ان کے حسب و نسب کے متعلق ہو۔ چھوٹ نہ سکا بہت ساری وہ معلومات جو عام سیرت نگاروں سے رہ گئیں عبدالرحمٰن کندو نے حسین پیرائے میں اپنے موقع اور محل کے اندر آشکار کر دیئے اگر علم حدیث کی بعض اصول جس سے روایت اور درایت کے نقد و ابرام کا کام ہو جاتا تو شاید یہ کتاب زبانِ اُردو میں کافی حد تک نفحة العنبر کی شیرنی و حلاوت آگے بڑھانے والی تھی۔ غالباً ہمارے مخلص اور محسن عبدالرحمٰن کندو خود باقاعدہ میادین علم کے شناور نہیں ہیں اس لئے متفق علیہ موضوع اور مکذوب روایت "اطلبوا العلم ولو بالصین" تک نقل کر کے اس کا حکم واضح نہیں فرمایا اس قسم کے چند مقامات ہیں جو قابلِ نظر ہیں مجھے خیال تھا کہ میں اس پر قلم اُٹھاؤں اور کتاب کا یہ قرضہ

چکاؤں لیکن افسوس کہ اس وقت یہ کام زیادہ ہے اور وقت کم ہے طبیعت یہ برداشت نہیں کر رہی کہ حضرت شاہ صاحب کے احوال وسوانح پر یہ جامع دستاویز مزید تاخیر کی نظر ہو کر علم وتحقیق کے قدردانوں سے زیادہ فاصلے پر رہے بس یہ چند اشارات کر کے کتاب کا نام ''الانور'' کے ساتھ تقدس کا اضافہ کر کے پریس کے حوالے کر دیا اُمید ہے کہ علم وتحقیق کے بادہ پیماؤں کے لئے شربت وصال ثابت ہو کر تشنۂ دیرینہ کی پیاس بجھانے کے لئے ایک چشمہ مسلسل ثابت ہوگا جو کتاب کے مندرجات سے اپنی قد وقامت منوا کر رہے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو حضرت اقدس امام العصر حضرت مولانا شاہ صاحب کے بہترین ایصالِ ثواب بنائے اور حضرت کے علوم واعمال تحقیقات وکمالات کے شناوروں کے لئے حوضِ کوثر وتسنیم ثابت فرمائیں اور جن اکابر اور حضرت کے نسبت برداروں نے آج تک اس وادی سرسبز سے خوشہ چینی کر کے ہم نابکاراؤں کو سیراب فرمانے کی سعی فرمائی ان کے لئے خیر ذخر دنیا والآخرۃ ثابت فرمائے۔ نیز اس عاجز وفقیر جس کے پاس سوائے حضرت شاہ صاحب کی عقیدت اور محبت کے علاوہ علم یا عمل کی پونجی تو درکنار ایک رتی نارسا تک نہیں حضرت شاہ صاحب کے ساتھ علم وعمل کے بہترین انتساب کے قیام ودوام کا شجر مثمر ثابت فرمائے۔

یہاں تک بڑھ گئے وارفتگی شوق کے نظارہ حجابات نظر سے پھوٹ نکلا حسن جانانہ

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین.

وانا الاحقر والافقر

محمد زرولی خان عفا اللہ عنہ

خادم الجامعۃ العربیۃ احسن العلوم

وخادم الحدیث والتفسیر والافتاء بہا

گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی، پاکستان



نقشِ ثانی

تقدسِ انور

الحمد للہ کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے وقت کے عظیم محدث، علی الاطلاق فقیہ اور مشکل علوم وفنون میں امام اور مجتہد ثابت ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی تقویم اور تقسیم کے لئے ہر دور اور ہر زمانے میں ایسے کاملین پیدا فرمائے ہیں جن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے زبان نبوت سے اس طرح ارشادات صادر ہوئے ہیں

"ان اللہ یبعث لھذہ الامة علی راس کل مائة سنة من یجدد لھا دینھا" (ابو داؤد کتاب الملاحم ج ۲ ص ۲۴۰ رحمانیہ)

اس کے علاوہ بھی صدہا ارشادات اور اسرار ورموز آنے والے رجال کاملین کے بارے میں اعلام اور اعلان نبوت کے طور پر محدثین کے یہاں معروف ہیں۔

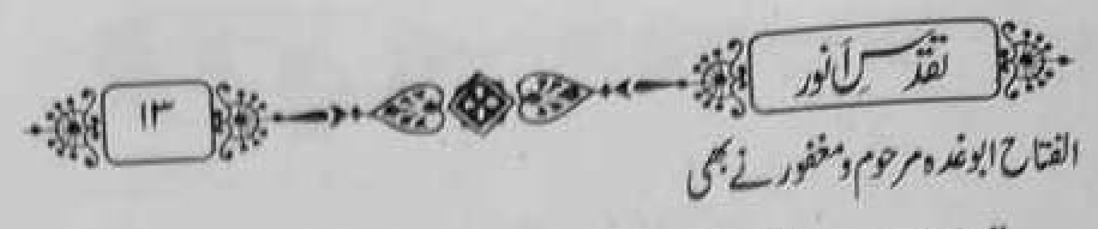
ہندوستان کے دورِ آخر میں شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز رحمہم اللہ سے لیکر مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور شیخ العالم شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی اور مفتی اعظم ہند مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور شیخ الاسلام شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہم ان اسرار اور ارشادات کے آبدار جواہر علم وعمل ہیں۔ اسی جماعت کے گل سر بد، محدثِ بے بدل، مفسر عجیب الشان، فقیہ علی الاطلاق آیت من آیات اللہ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہر میدان میں تقدس علم، رفعتِ مقام اور مجتہدانہ صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں وہ اپنے زمانے کے آسمان پر اُفق کی طرح مشہور ومعروف ہیں اور علماء اور علم کے نقادین کے قدر دانوں کی طرح سبع سماوات کی طرح مسلّم ہیں، چنانچہ استاذنا المحترم حضرت بنوری رحمہ اللہ کی "نفحۃ العنبر" مولانا محمد انور صاحب کی "انوار انوری" اور حضرت کے صاحبزادے مولانا ازہر کی "حیات انور" اور حضرت کے چھوٹے صاحبزادہ مولانا انظر شاہ صاحب کی "نقشِ دوام" واقعی

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

کا عکس تسلسل ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ہمارے بزرگ اور مخدوم مولانا عبد الرحمٰن کندو نے کشمیر ہی کی سرزمین پر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی زندگی مبارک پر ایسی جامع اور سائع کتاب ''الانور'' کے نام سے جمع فرمائی ہے جس کی خوشبو اور کوثر و تسنیم سے ڈھلے دھلائے مقالے ابد نشان رہیں گے وہ سربستہ زاویے جو عموماً تشنۂ طلب اور عطشانِ تحقیق رہتے ہیں ان کے کھولنے کے لئے اُنہی کی ایک اور کتاب ''نقیبِ انور شاہ'' لکھنے کی توفیق دی جو ان کے بیان کے مطابق ۲ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

چند سال قبل میرے عزیز دوست ''ماہنامہ الاحسن'' کے نائب مدیر اور علوم و کمالات کے جمع و ترتیب اور نشر و اشاعت کے عظیم بارگراں کے اٹھانے کے لئے ایک عفریت جو کہ صلاح و فلاح کے آرزو و تسلسل سے آراستہ ایک مَلَک کی حیثیت رکھتا ہے عزیزم محمد ہمایوں مغل حسن کی کاوشوں سے ''ماہنامہ الاحسن'' اپنے مقام اور ناموس کے ساتھ تقریباً ہر ماہ شائع ہو رہا ہے جس نے علماء اور علمی میادین کے قدر شناسوں سے اپنا مقام منوایا ہے۔ جب کہ اس عاجز و فقیر کا نام اور کام اس میں برائے نام بلکہ مخمل کے قالین میں ٹاٹ کے پیوند کی طرح ہے۔ اُنہی کے جہد مسلسل سے ''الانور'' ''تقدس انور'' کے نام سے جامعہ عربیہ احسن العلوم کے شعبہ نشر و اشاعت کی طرف سے شائع ہو چکی ہے جس کی علماء اور بہی خواہوں نے ایک جیسی قدردانی اور شرفِ نگاہی فرمائی ہے۔ یہ ''تقدس انور'' کا نقش ثانی اور دوسرا ایڈیشن ہے جو عنقریب منصۂ شہود پر آنے والا ہے، اللہ تعالیٰ حضرت اقدس امام العصر مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کے لئے رفع درجات کا باعث بنائے اور اس کے شائع کرنے والے حضرات کے لئے اجر و ثواب کا باعث بنائے۔

مضمون کے اختتام پر ایک واقعہ یاد آیا کہ چند سال قبل سعودی حکومت نے جامعہ امام محمد ریاض کی طرف سے ایسے چھ علماء جو چودھویں صدی ہجری کے یگانۂ روزگار اور تمام علوم و فنون میں آئمہ اور مجتہدانہ صفات کے حامل ہوں اُن پر مشتمل ایک وقیع مقالہ تیار کیا جائے چنانچہ بہت سارے اصحاب علم و فضل نے اس پر قلم آزمائی اور مطبع نگاری فرمائی مگر بلادِ عرب کے انور شاہ ثانی اور اس صدی کے بڑے محقق اور مدقق عالم دین علامہ شیخ زاہد الکوثری رحمہ اللہ کے علوم و کمالات کے جامع اور لائق و فائق شاگرد ہمارے شیخ حضرت اقدس مولانا عبد



الفتاح ابوغدہ مرحوم ومغفور نے بھی

" تراجم ستة من فقهاء العالم الاسلامی فی القرن الرابع عشر و آثارهم الفقهية "

کے موضوع پر ایک گراں قدر مقالہ تحریر کیا اور اس میں عالم کے چھ بڑے فقہاء پر مفصل و مدلل کلام فرمایا ہے اور اس میں امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کو اول نمبر پر ذکر فرمایا ہے۔

جب یہ مقالہ مکمل ہوا اور منعقدہ لجنہ میں پیش کیا گیا تو مقالہ تو یہی اول آیا لیکن اہل انتظام وانصرام نے اپنی خاص طبیعت سے مجبور ہو کر یہ اعتراض فرمایا کہ مقالہ عرب علماء کے حالات پر مشتمل ہے، عربی ادارہ شائع کر رہا ہے، عربی قلم سے لکھا گیا ہے، عربی نفقات سے تیار ہو رہا ہے اور اس پر ایک ہندی اور کشمیری عالم کو اول اور سرفہرست رکھا گیا ہے۔ بہت ساری تگ ودو کے بعد جب حضرت اقدس شیخ عبد الفتاح ابوغدہ مرحوم ومغفور اپنی مطلوبہ استقامت پر قائم رہے اور فرمایا کہ آپ کی دی ہوئی شرائط کے مطابق صرف مولانا محمد انور شاہ صاحب ہی اس کے پکے اور سچے حقدار ہیں، لہٰذا وہ اول نمبر پر ہی رہیں گے اور آخر تو درکنار دوسرے نمبر پر بھی نہیں آسکیں گے اگر سچ پوچھیں تو یہ کتاب حقیقت میں اُن ہی کے علم وفضل کے کمالات کا آئینہ ہے، دوسروں کا ذکر طبعاً وتبرکاً کیا گیا ہے۔

ولنعم ما قال

بحر العلوم فما بحر يشاكله

لو نقب الارض لم يوجد له شبهه

چنانچہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے اول مقام کے دیدہ زیب اور کامل واکمل اطراف حیات کے انبساط ونشاط کے ساتھ یہ گرانقدر کتاب مذکورہ لجنہ نے ہی شائع کی "فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ" اور یوں شیخ ومرشد عبد الفتاح ابوغدہ مرحوم ومغفور کی تحریر وتحقیق کا کرشمہ اور حضرت شاہ صاحب جیسے ولی باصفاء کی بین کرامت ظہور پذیر ہوئی۔

ولنعم ماقال "ما هی باول برکتکم یا آل ابی بکر"

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد و آله واصحابه اجمعین



تعارُف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"ندوۃ المصنفین" کے قیام وقت سے ہی میری تمنا تھی کہ علمی دُنیا کی بے مثال شخصیت شیخ الاسلام حضرت الاستاذ علامہ محمد انور شاہ کشمیری قُدِّسَ سِرُّہٗ کی سیرت اور کمالاتِ علمی پر حضرت کی شخصیت کے شایان شان کوئی معیاری کتاب شائع کی جائے، کیونکہ "ندوۃ المصنفین" کے تمام بنیادی رُفقاء اور خُدام نہ صرف براہ راست حضرت کے دامنِ فیض سے وابستہ ہیں بلکہ ان کی علمی زندگی کا وجود ہی اُس آفتابِ علم وعمل اور ماہتاب تقدس وتقویٰ کی ضیأ پاشیوں اور ضوافگنیوں کا عکس ہے اور ان کے پاس جو کچھ بھی ہے اسی گنجینۂ علم وفضل کے فیض صحبت سے حاصل کیا ہوا ہے لیکن وقت گذرتا گیا اور اڑتیس (۳۸) سال کی یہ مدت ایک خواب کی طرح گزر گئی۔ ادارہ ۱۹۴۷ء کے انقلاب کی لپیٹ میں آگیا اور اس کے ارادوں کی بساط اُلٹ کر رہ گئی بکھرے ہوئے تنکوں کو دوبارہ یکجا کرنا شروع کیا تو یہ دردناک صورت پیش آئی کہ خاص خاص رُفقاء جن کی حیثیت ادارے کے جسم وروح میں ریڑھ کی ہڈی کی تھی دُنیا سے رخصت ہوگئے، پہلے "قصص القرآن" کے مؤلف مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سیوہاروی اور چند سال کے بعد "ترجمانُ السنۃ" کے مُرتب مولانا محمد بدر عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر چلے گئے، ایک مولانا سعید احمد اکبر آبادی صاحب رہ گئے جو یہ خدمت نہایت قابلیت اور خوش اسلوبی سے انجام دے سکتے ہیں اور مجھے اس میں ذرا بھی تردُّد نہیں کہ اکبر آبادی صاحب کا قلم حرکت میں آگیا تو کم سے کم مولانا الطاف حسین حالی کی "حیاتِ جاوید" اور مولانا سلیمان ندوی کی "حیاتِ شبلی" کی یاد تازہ ہوجائے گی اور اس آئینے میں حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات اور اس دور کے حالات وخصوصیات کا عکس خاص طور پر دیکھا جاسکے گا۔

قدرت کی کارفرمائیوں کے عجیب وغریب نمونے ہر وقت دنیا کے سامنے آتے رہتے ہیں، زیرِ تالیف "الانور" کا وجود میں آنا بھی قدرت کی کارفرمائی کا ایک ایسا ہی کرشمہ ہے، کون کہہ سکتا تھا کہ جو کام مسلسل ارادے اور تمنا کے باوجود "ندوۃ المصنفین" کے ذریعہ

سے نہ ہو سکا وہ کشمیر کے ایک سیماب صفت نوجوان عبد الرحمٰن صاحب کوندو کے واسطے سے عالمِ شہود میں آئے گا گذشتہ چالیس پینتالیس سال میں حضرت الاستاذ کی سیرت اور علمی کمالات وخصوصیات پر مختلف زبانوں میں متعدد کتابیں شائع ہوئی ہیں اور بے شمار مضامین رسالوں اور اخباروں میں نکلے ہیں لیکن یہ کہنا شاید مبالغہ نہیں ہے کہ ''اَلْاَنْوَرْ'' کے وجود میں آجانے سے ایک اہم اور قابلِ قدر تالیف کا اضافہ ہوا ہے اتنی معلومات کا ذخیرہ اگر کسی منجھے ہوئے اور کہنہ مشق مصنف کو میسر ہو جاتا تو وہ اپنے زورِ قلم اور تصنیفی تجربے سے اس تالیف کو بامِ عرش پر پہنچانے کی کوشش کرتا۔ مگر خاندانِ انوری کے ایک مایۂ ناز عالم اور بزرگ اور میرے قابلِ احترام مخلص دوست مولانا محمد سعید صاحب مسعودی کے فیضِ تربیت نے نوجوان کوندو صاحب کے قلب و دماغ پر کچھ ایسا اثر کیا کہ وہ ہر چیز سے بے خبر ہو کر اس خدمت میں محو ہو گئے اور شب و روز کی عرق ریز جدوجہد کے بعد اعلیٰ درجے کا نکھرا ہوا ضخیم مجموعہ مرتب کر لیا۔

کوندو صاحب نے اپنی غیر معمولی لگن سے جس کو جذبۂ بیتاب بھی کہا جا سکتا ہے، ثابت کر دیا کہ وہ اس خدمت کے پوری طرح اہل تھے۔ دیگر مباحث سے قطعِ نظر ''اَلْاَنْوَرْ'' کا وہ حصہ جس کا تعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان اور ذاتی حالات وکوائف سے ہے کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت ہے مؤلف نے اس کے لئے قابلِ رشک محنت اور جدوجہد کی ہے اور ان کی محنت کی وجہ سے کتاب کا پایۂ اعتبار نہایت بلند ہو گیا ہے۔ اب جب کبھی حضرت الاستاذ کی سوانح حیات پر کوئی بڑی تحقیقی کتاب لکھی جائے گی کوندو صاحب کی یہ تالیف اس کے لئے نشانِ راہ کا کام دے گی۔

عتیق الرحمٰن عثمانی
ندوۃ المصنفین دہلی
یکم فروری ۱۹۷۸ء

پیش لفظ

از حضرت العلام پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی (مد ظلہ العالی)
سابق ڈین فیکلٹی آف تھیالوجی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ الکشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اس زمانے میں آیۃٌ مِنْ آیاتِ اللّٰہ اور حُجَّۃٌ مِنْ حُجَجِ الٰہیۃ تھی۔ یوں تو آپ کی عام شہرت ایک محدث جلیل القدر کی حیثیت سے تھی، لیکن درحقیقت علوم وفنون متداولہ میں کوئی علم اور فن ایسا نہیں تھا جس میں آپ کو کمالِ بلوغِ نظر اور دقتِ نگاہ حاصل نہ ہو، چنانچہ جن حضرات کو حضرت موصوف کے درسِ بخاری میں باقاعدہ اور باضابطہ شرکت کی سعادت حاصل ہوئی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ درس ایک دریائے بیکراں کی مانند ہوتا تھا جس کی موجیں پابند ساحل وکنار نہیں رہ سکتی تھیں، بلکہ اپنی گزرگاہ کے ہر پست و بلند وادی اور قرب وجوار کے ہر نشیب وفراز سے اٹھکیلیاں کرتی ہوئی آگے بڑھتی تھی، پھر حضرت شاہ صاحب کی سب سے بڑی نمایاں اور علمی خصوصیت یہ تھی کہ مبدأ فیاض نے آپ کو رسوخ فی العلم کے ساتھ ہر علم وفن کے مباحث ومسائل پر اجتہادی اور ناقدانہ و بصرانہ نظر عطا فرمائی تھی حضرت موصوف کی تصنیفات وتالیفات اور صحیح بخاری اور سنن ترمذی کی درسی تحریروں کے مجموعے جو مختلف حضرات نے شائع کیے ہیں انہیں ملاحظہ فرمایئے آپ پر خود یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی اس حیثیت سے حضرت الاستاذ ایک فردِ واحد نہیں، بلکہ اپنی ذات سے ایک انجمن تھے۔ حدیقہ علم وفضل کے گلِ سر سبز نہیں بلکہ سرتاسر یک گلشن ہزار لالہ وگل بکنار تھے۔ وہ بیک وقت حافظ ابنِ حجر بھی تھے اور ابنِ جریر طبری بھی، ابن دقیق العید بھی تھے اور شیخ ابن ہمام بھی، ادب اور بلاغت میں جاحظ بھی اور عبد القاہر جرجانی بھی۔ فارسی شعر وشاعری میں اگر وہ انوری اور خاقانی کے ہم رنگ تھے تو عربی شاعری میں ابو العتاہیہ اور بحتری کے ہم پایہ نظر آتے تھے۔ وَقِسْ عَلٰی ذَالِکَ۔

ہر انسان کو اپنے نفس کا علم حضوری ہوتا ہے، علوم وفنون پر اپنی اجتہادی نظر کا احساس واعتراف خود حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو تھا۔ جب بھی موقع ہوتا تھا آپ اس کا ذکر کرتے تھے بلکہ متعدد بار یہ بھی فرمایا ہے کہ بعض علوم وفنون آپ نے ایجاد بھی کیے ہیں جو افسوس ہے کہ مُدوَّن نہیں ہو سکے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علمی شہرت کا غلغلہ برصغیر ہندوپاک سے باہر اسی زمانے سے

پہنچنا شروع ہوگیا تھا جب کہ ابھی آپ کا عہدِ شباب تھا اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی موجودگی میں دارالعلوم دیوبند سے بحیثیت مدرس کے آپ کا تعلق ابھی قائم ہوا ہی تھا۔ چنانچہ ۱۵ اپریل ۱۹۱۲ء کو علامہ سید رشید رضا مصری صاحب المنار دارالعلوم دیوبند میں تشریف لائے، اُن کے اعزاز میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے عربی میں دیوبند کے مسلک علمی وفقہی پر کم وبیش ایک گھنٹہ ایسی فصیح وبلیغ تقریر کی، کہ علامہ مصری اس سے حد درجہ متاثر اور محظوظ ہوئے۔ چنانچہ مراجعت وطن کے بعد موصوف نے المنار میں اپنے سفر ہند کی روائیداد شائع کی تو اس میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے علم وفضل کی کھلے لفظوں میں داد دی۔

اس واقعہ کے بعد حضرت مولانا بدر عالم صاحب رحمہ اللہ کی تہذیب وترتیب اور مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ اور مولانا سید رضا احمد صاحب بجنوری کے اہتمام وانتظام سے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تقاریر بخاری کا مجموعہ فیض الباری کے نام سے قاہرہ میں شائع ہوا اور لب ممالک عربیہ کے علماء اعلام اور محققین کرام کو براہِ راست حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے علوم سے استفادہ کا موقع ملا تو وہاں کے علمی ایوانوں کے بام ودر حضرت الاستاذ کی علمی اور تحقیقی ژرف نگاہی کی صدا سے گونج اُٹھے جس کا سب سے بڑا مظہر وہ مقالہ ہے جو علامہ شیخ محمد زاہد کوثری نے حضرت موصوف پر لکھا اور جو مقالات زاہد کوثری میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں شیخ عبدالمنعم النمر نے دارالعلوم دیوبند میں مندوب مصر کی حیثیت سے دو (۲) برس تک قیام کرنے کے بعد علماء ہند پر دو (۲) جلدوں میں ایک بلند پایہ اور تحقیقی کتاب لکھی ہے اس میں شیخ النمر نے جس طرح حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کو خراجِ عقیدت وارادت پیش کیا ہے اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مصر کے علمی اور دینی حلقے گنجینۂ دیوبند کے اس گوہر گرانمایہ کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ پھر اسی کے قریب زمانے میں شام کے نہایت فاضل اور محقق شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کی دو معرکۃ الآراء کتابیں عقیدۃ الاسلام اور اکفار الملحدین اپنے مقدمہ اور حواشی کے ساتھ بڑے اہتمام وانتظام سے اپنے ادارہ کی طرف سے دمشق سے شائع کیں، تو اب حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی شہرت اور تعارف کا حلقہ ممالک عربیہ میں قاہرہ سے مراکو تک وسیع ہوگیا۔ چنانچہ ۱۹۶۵ء میں جب میں مراکو گیا اور ایک اجتماع میں تقریر کر کے فارغ ہوا تو ایک سن رسیدہ عالم نے دریافت کیا کہ میں نے عربی کہاں پڑھی ہے؟ میں نے کہا دیوبند میں، یہ سنتے ہی انہوں نے پوچھا کہ کیا تم شیخ السید انور شاہ الکشمیری کو جانتے ہو؟ میں نے کہا کیوں نہیں! مجھ کو تو اُن سے شرفِ تلمذ حاصل ہے، یہ سننا تھا کہ شیخ پر عالمِ وجد طاری ہوگیا۔ میری پیشانی کو بوسہ دیا

، ہاتھ چومے اور مجھے ایک کونے میں لے کر بیٹھ گئے اور بولے: اچھا اب تم مجھ کو اپنے اُستاذ کے حالات سُناؤ کہ صورت شکل کیسی تھی ، لباس کیا تھا، عادات و خصائل کیا تھے وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب کچھ تھا، لیکن یہ دیکھ کر افسوس ہوتا تھا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود اپنے وطن میں عملاً گمنام رہے، نہ یہاں کبھی حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ پر کوئی کتاب شائع ہوئی نہ یہاں آپ کے نام پر کسی اکادمی کا قیام عمل میں آیا اور نہ حضرت کی کوئی یادگار قائم ہوئی ، خوشی کی بات ہے کہ کشمیر کے ایک ہونہار اور پُر جوش نوجوان عبدالرحمٰن صاحب کوندو نے یہ المناک حقیقت محسوس کی اور بقدر ہمت واستطاعت تلافی مافات کے لئے کمر ہمت باندھ لی۔ یہ کتاب موصوف کی اسی جدوجہد اور سعی پیہم کا ثمر خوش اثر ہے۔ اس کتاب کے لئے مضامین کی فراہم آوری ان کی ترتیب وتہذیب اور ان کی کتابت وطباعت کے سلسلے میں انہوں نے جو تکالیف شاقہ دل کی لگن اور دھن کے ساتھ برداشت کی ہیں اُنہیں وہی لوگ اچھی طرح سے محسوس کر سکتے ہیں جنہیں ان کاموں کا تجربہ ہو۔

پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ عبدالرحمٰن صاحب کوندو نے صرف کتاب کے مُرتب اور ناشر کا رول ادا نہیں کیا بلکہ خود کمالِ تحقیق وجستجو سے محنت ومشقتِ بسیار کے بعد حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندانی ، مقامی اور ذاتی سوانح حیات کا پورا حصّہ خود مرتب کیا اور اس جامعیت سے کہ موضوع زیرِ بحث کا کوئی گوشہ اور پہلو تشنہ نہیں رہا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علمی اور تحقیقی کمالات کا معاملہ تو یہ ہے کہ اہلِ علم حضرات نے اس پر بہت کچھ لکھا اور آئندہ بھی لکھا جائے گا اور تحقیق کا قدم جتنا آگے بڑھتا جائے گا اسی قدر حضرت الاستاذؒ کے علمی اور تحقیقی امتیازات وخصائص نکھر کر سامنے آتے رہیں گے ، البتہ جہاں تک ذاتی احوال وسوانح کا تعلق ہے، کہا جاسکتا ہے کہ عبدالرحمٰن صاحب کوندو نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس میں جُزوی طور پر کوئی ترمیم یا اضافہ ہوسکتا ہے لیکن بنیادی طور پر اس میں نہ اضافہ ہوسکے گا اور نہ تغیر اور تبدّل اور اسکی وجہ یہ ہے کہ نوجوان مُرتب نے نہایت مُستند اور مُعتبر ذرائع معلومات میں سے کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہے جس سے براہِ راست استفادہ نہ کیا ہو اور ظاہر ہے کہ یہ مواقع ہر شخص کو کہاں حاصل ہوسکتے ہیں؟ اس مجموعہ میں مشاہیر عُلماء وارَبابِ قلم کے مقالات جو اچھے سے اچھے اور مُفید ہیں، شریکِ اشاعت ہیں۔ اُمید ہے کہ ایک نوجوان کی یہ کوشش قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی اور اَربابِ ذوق اس کے مُطالعہ سے شادکام ومحفوظ ہوں گے۔

سعید احمد اکبرآبادی

نئی دہلی ۲ / اکتوبر ۱۹۷۶ء



تَقرِیظَات

تقریظ

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیّب صاحب (دامت برکاتہم)
(مہتمم دار العلوم دیوبند)

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے آپ اس زمانہ میں آیَةٌ مِنْ اٰیَاتِ اللہ تھے۔ اگرچہ آپ کی شہرت ایک مُحدّث کی حیثیت سے ہے لیکن اہلِ علم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں ایک عالم جمع کر دیا تھا۔

لَيْسَ عَلَى اللّٰهِ بِمُسْتَنْكَرٍ   اَنْ يَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِي وَاحِدٍ

اسلامی علوم وفنون کے دائرے کا شاید ہی کوئی علم یا فن ایسا ہو جس سے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ واقف نہ ہوں اور اس کے مسائل کے متعلق خاص تحقیقی نظر نہ رکھتے ہوں، بلاشبہ بیشتر عصری علوم پر بھی آپ کو عبور حاصل تھا اور جدید مسائل میں بھی مجتہدانہ رائے رکھتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وسعتِ نظر، کثرتِ مطالعہ، استحضار اور رسوخ فی العلم کی مثال گذشتہ کئی صدیوں کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ آپ کا تعلّق کشمیر کی وادیٔ لولاب سے تھا، کشمیر سے ہر دَور میں سینکڑوں عُلماء اور مُحدّثین پیدا ہوئے ہیں، بعض ان میں سے اپنی عظمت اور شہرت میں ساتویں آسمان تک پہنچے۔ لیکن حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی خصوصیات اور خدمات کے لحاظ سے ان سب میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔

مجھے جس پہلو پر سب سے زیادہ افسوس رہا وہ یہ ہے کہ کشمیر نے اپنے اس مایۂ ناز فرزند کی کما حقہ قدر نہ کی ضرورت اس کی تھی کہ کشمیر اپنے علمی اور دینی ارتقاء کے سفر میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نقوشِ پا سے رہنمائی حاصل کرتا، لیکن افسوس اور حیرت اس پر ہے کہ جس شخصیت کے علم کے چرچے ہند و پاک کی سرحدوں سے گذر کر عالمِ عرب کی علمی مجلسوں تک جا پہنچے ہوں اور وہاں کے مُمتاز عُلماء اس شخصیت کے دلباختہ و شیدا نظر آتے ہیں وہ خود اپنے وطن میں اس حد تک گمنام ہو کہ اس کا تعارف بس پُرانے زمانے کے ان بوڑھوں تک محدود ہو جنہوں نے

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے اور ان کی مجلسوں میں بیٹھنے کا شرف حاصل کیا ہے۔

ضرورت تھی کہ کشمیر اپنے اسلاف کو پہچانتا اور وہاں کی نوجوان نسل کے قلوب اپنے آباؤ اجداد کے علوم کی روشنی سے لبریز ہوتے۔ الحمدللہ اب یہ رُجحان پیدا ہو رہا ہے اور یہ بات لائقِ تحسین ہے کہ وادی کے ایک ہونہار اور لائق نوجوان عبدالرحمٰن صاحب کوندو نے اپنے فرض کا احساس کیا ہے اُنہوں نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اسمِ گرامی سُنا اور اس عظیم المرتبت شخصیت کے تمام علمی روحانی پہلوؤں کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ ''اَلْاَنْوَر'' دراصل اسی مبارک احساس کا نتیجہ ہے اور اس تفصیلی مطالعہ کا خوب صورت مُرقّع، فاضلِ مؤلف نے ''اَلْاَنْوَر'' کی ترتیب وتالیف کے سلسلہ میں بڑی تگ ودو کی ہے خاص طور پر وہ حصہ جو اُنہوں نے خاندانِ انوری کے حالات کے سلسلے میں سپردِ قلم کیا ہے، بلاشبہ انتہائی مُحققانہ ہے۔ اپنے اسلوب بیان اور استدلال کی قوت کی بنا پر ''اَلْاَنْوَر'' حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق لکھی گئی کتابوں میں ایک قیمتی اضافہ ہے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف کو جزائے خیر دے اور اُنہیں علوم انوری سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

مُحمّد طیّب

(مُہتمم دارالعلوم دیوبند)

۲۴ محرم ۱۳۹۸ھ



''الانور'' پر ایک نظر

از جناب پروفیسر آلِ احمد سرورؔ۔ اقبال چیئر پروفیسر (شعبۂ اقبالیات) کشمیر یونیورسٹی

برِ صغیر کے اُن علماء میں جنہوں نے فکر و نظر، رُشد و ہدایت اور درس و تدریس کا علم برِ صغیر میں بلند رکھا حضرت انور شاہ کشمیری کا درجہ بہت بلند ہے کشمیر کے اس فرزندِ جلیل نے علومِ اسلامیہ خصوصاً حدیث میں وہ بلند مرتبہ حاصل کیا جو اس دور میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس بات کی بڑی سخت ضرورت تھی کہ ایسے بلند پایہ عالم اور بزرگ انسان کی سیرت و شخصیت اور کارناموں پر قرار واقعی روشنی ڈالی جائے اور ان کی جامعیت کے تمام گوشوں کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اچھی طرح جائزہ لیا جائے اور افسوس ہے کہ مسلمانوں میں اپنے بزرگوں کے کمالات سے ناواقفیت بڑھتی جاتی ہے اور مذہب، تہذیب اور علم و ادب کی جو گرانقدر خدمات ان بزرگوں نے انجام دی ہیں اُن سے موجودہ نسل بڑی حد تک بے بہرہ ہے۔

ان حالات میں کشمیر کے ایک نوجوان، مخلص اور باصلاحیت اسکالر، عبدالرحمٰن کونڈوؔ کی اس تالیف کا اہلِ نظر کو خیر مقدم کرنا چاہئے جس کے ذریعہ سے حضرت انور شاہ کشمیری کے حالات اور کارنامے اور اِن کے اپنے دور کے عالموں اور ممتاز اساتذہ اور مشاہیر سے تعلق کا علم ہوتا ہے، عبدالرحمٰن کونڈو نے اس سلسلے میں بڑی محنت کی ہے اور بڑی تلاش و جستجو سے ایک ایسی تصویر بنائی ہے جس کا ہر رُخ جاذبِ نظر ہے۔ اُن کی تحقیق کے بعد نتائج سے اختلاف ممکن ہے، مگر ان کی تلاش اور جستجو اور اتنے اہم مواد کی فراہمی سے کون کا فر انکار کرسکتا ہے؟

عبدالرحمٰن کونڈوؔ نے دوسرے علماء اور اربابِ فکر کے ساتھ حضرت شاہ صاحب اور علامہ اقبال کے تعلقات کا بھی ذکر کیا ہے اور اس سلسلے میں ''مُلّا زادہ ضیغم لولابی کشمیری کا بیاض'' بھی زیرِ بحث آیا ہے۔ عبدالرحمٰن صاحب کونڈوؔ کا خیال ہے کہ ''مُلّا زادہ ضیغم لولابی کشمیری'' سے مُراد حضرت انور شاہ ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ محراب گُل کی طرح یہ بھی ایک فرضی نام ہے، بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ وادیٔ لولاب کا انتخاب اور اس کے ذریعہ سے عالمِ اسلامی اور کشمیر کے مسائل کا تذکرہ یہ ضرور ظاہر کرتا ہے کہ اس پردے میں شاہ صاحب کا تصور اور ان کی تعلیمات ضرور اقبال کے ذہن میں رہی ہوں گی۔ اقبال کے یہاں براہِ راست شاعری بھی ہے

اور رمز و ایماء بھی اور سب ہی باتیں اُنہوں نے رمز و ایماء کے پردے میں ہی کہی ہیں۔

کشمیر پر حضرت انور شاہ کشمیری کے اتنے احسانات ہیں کہ اہلِ کشمیر کو حضرت کے شایانِ شان کوئی ایسا علمی ادارہ قائم کرنا چاہیے ہیں جس کے ذریعہ سے اسلامی علوم کی تعلیم جدید معیاروں کے مطابق دی جا سکے۔ اس غرض سے حکومت جموّں و کشمیر کو ایک انور شاہ اکیڈمی جلد سے جلد قائم کرنی چاہیے۔ مجھے معلوم ہے کہ جناب شیخ محمد عبداللہ وزیرِ اعلیٰ جموّں و کشمیر کی خود بھی خواہش ہے مگر اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے میں اب دیر نہیں ہونی چاہیے۔ بقول غالبؔ

"ناخن پہ قرض اس گرہِ نیم باز کا"

ابھی باقی ہے۔

اُمید ہے کہ اس کتاب سے حضرت انور شاہ پر تحقیق کی اور بھی نئی راہیں کھُلیں گی۔

آلِ احمد سرورؔ

کشمیر یونیورسٹی، ۸ دسمبر ۱۹۷۸ء



تبصرةٌ علیٰ "الانور"

لفضیلة الاستاذ مولانا بدر الحسن القاسمی مدیر جریدة "الداعی" (نصف شهریه) دیوبند (الهند)

کتاب، صدر حدیثاً فی ترجمة امام العصر الشیخ محمّد انور شاه الکشمیری قام بتالیفهِ السّید عبدالرحمٰن کوندو، والتزمَ طبْعَهُ ونشرَهُ المجمع العلمی المعروف بندوة المصنّفین فی دهلی فی ثوبٍ قشیبٍ وطبعٍ جمیلٍ براق.

والکتاب عبارةٌ عن مقالاتٍ وبحوثٍ علمیّة مستوعبة کبتها الباحثون مِمّن تلمذوا علی امام العصر وآخرون من العلماء البارعین وجمعها السّید عبدالرحمٰن کوندوواضاف الیها کثیرًا، فکم مِن مقالاتٍ وبحوثٍ طریفة، دبجتها یراع الجامع. والکتاب یقع فی سبع مائةِ صفحةٍ من القطع المتوسّط.

ولمّا کان امام العصر الشیخ محمّد انورشاه الکشمیری فی طلیعة المحدّثین والاعلام ومن افذاذ الرجال. ولهٗ مآثر علمیّة خالدة. فکانت الحاجة ماسة الیٰ مثل هٰذا الکتاب الّذی یلقی ضوء علیٰ کل من بلادهٖ وموٰلدهٖ ونشاتهٖ ونبوغهِ العلمی ونشاطهٖ ومآثرهٖ ومؤلّفاتهٖ فجاء هٰذا الکتاب فی وقتهٖ وسد فراغًا رهیبًا فی المکتبة الاسلامیّة ونالَ قبولًا ورواجًا فی الاوساط العلمیّة.

والمؤلّف یستحقّ الثّناء والتقدیر علیٰ هٰذه الماثرة العلمیّة. کافاه اللّٰه علیٰ ماکابد من المشاق فی جمعِ تِلْکَ البحوث القیّمة.

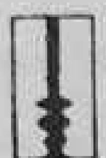
("الدّاعی" ۲۵/دسمبر ۱۹۷۷م)



مکتوبِ گرامی

جناب ڈاکٹر انور ایس۔ دِل

پروفیسر یونائیٹڈ سٹیٹس انٹرنیشنل یونیورسٹی سین ڈیگو۔ کیلیفورنیا


Anwar S. Dil
Professor of Language Science and Communication

United States International University, San Diego, California 92131
Telephone: (714) 271-4300

۲۳ نومبر ۱۹۸۹ء

محترم [illegible] صاحب۔ سلام مسنون۔

آپ کی تالیف "الانور" ماشاء اللہ گنجینۂ معلومات ہے۔ آپ نے جس تندہی اور محنت سے حضرت انور شاہ کشمیریؒ کی سوانح حیات اور کمالاتِ علمی و روحانی کو مرتب کیا ہے اس کے لئے اہلِ دل کی جانب سے ہزاروں تبریک قبول فرمائیے۔ خدا کرے آپ کی تالیف سے عالمِ اسلام کے مفکرین زیادہ تر استفادہ کی توفیق نصیب ہو۔

انور شاہؒ جیسے علمائے باعمل نہ صرف اہلِ کشمیر، ہندوستان، پاکستان اور دنیائے اسلام کے لئے بلکہ افریقہ، امریکہ، اور دنیا بھر کے لوگوں کے لئے روشنی کے میناروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کی زندگی اور اندازِ فکر و عمل کا دورِ جدید کے تقاضوں کے پیشِ نظر تجزیہ اور اعادہ آنے والی نسلوں کے لئے ہدایت اور روشنی کا سرچشمہ ہے۔ اس پس منظر میں "الانور" کی اشاعت ندوۃ المصنفین کے وسیع تر مقاصد کے عین مطابق ہے۔ خداوند کریم آپ سب کو جزائے خیر عطا کرے۔ آمین۔

میں کچھ عرصے سے اشرف علی تھانویؒ، انور شاہ کشمیریؒ، سید سلیمان ندویؒ، شبیر احمد عثمانیؒ کی شخصیات اور ان کی تصانیف پر ریسرچ کر رہا ہوں۔ دعا کریں کہ خداوند کریم کی مدد شاملِ حال ہو اور میں ان بزرگانِ دین کے اندازِ فکر و عمل کو انگریزی زبان کے ذریعے بین الاقوامی اور ہر طرح کے مسلم اور غیر مسلم قارئین تک پہنچا سکوں۔ آپ بھی ان بزرگانِ دین پر اپنا کام جاری رکھیں۔ ان شاء اللہ ہماری کوشش بار آور ہو گی۔

آپ کی تالیف سے میں نے خاص طور پر استفادہ کیا ہے۔ خداوند کریم آپ کو جزائے خیر دے۔

والسلام

مخلص

انور دل

A WORD OF APPRECIATION

FROM

Janab Mian Jalal-ud-Din

Honourable Chief Justice

JAMMU & KASHMIR HIGH COURT

CHIEF JUSTICE
sp/tp/kap/jammu



MIAN JALAL-UD-DIN,

December 22,19[illegible]

I was really delighted to go through the pages of the book entitled 'Al-Anwar' written by its author Mr Abd-ur-Rahman Kondoo. It encompasses the brilliant facets of Kashmir's famous scholar, Allamah Anwar Shah, who grew into prominence at the well-known Islamic sanctuary of Deoband. The Allamah flourished during the early decades of this century. He was an authoritative commentator of the Holy Quran, the Hadith and the Fiqqah(Jurisprudence); He was a prolific writer an eloquent speaker, a poet of great order and repute and above all a spiritualist of lofty magnitude. ~~Most~~ *greater* part of his life was devoted to the teaching at Deoband and writing on Islamiyat.

Unfortunately, before the appearance of the book "AL-ANWAR", this erudite scholar was little known in his own land(The valley of Kashmir), particularly among most of the educated. Mr Kondoo has rendered valuable service by working patiently on available source material and also by conducting interviews with the near and dear ones of the Allamah. The book, 'AL-ANWAR', has filled the gap and fulfilled the need of the world of learners. My own view is that the book be translated into Arabic and English languages so that many outside the country could benefit by this literature and from the mission of Allamah. I feel sanguine that every lover of literature shall take advantage of the book in understanding the works of this great luminary.

I congratulate Mr Abd-ur-Rahman Kondoo for his bold venture and express the hope that he will continue further researches in the realm of Islamic literature and make his sustained contributions in this behalf.

I wish Mr Kondoo all success.

(MIAN JALAL-UD-DIN)

عرضِ حال

پیش نامہ طبعِ ثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ،وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام عَلٰی سَیِّدِالۡمُرۡسَلِیۡنَ خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ وَسَائِرِ عِبَادِاللّٰہِ الصّٰلِحِیۡنَ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ.

اَمَّا بَعۡد: فَقَدۡ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ: وَمَا یَسۡتَوِی الۡاَعۡمٰی وَالۡبَصِیۡرُ .وَلَاالظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوۡرُ. وَلَاالظِّلُّ وَلَا الۡحَرُوۡرُ. وَمَا یَسۡتَوِی الۡاَحۡیَاءُ وَلَاالۡاَمۡوَاتُ ط اِنَّ اللّٰہَ یُسۡمِعُ مَنۡ یَّشَاءُ ج وَمَآ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ. (الفاطر)وَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الۡعَالِمَ یَسۡتَغۡفِرُلَہٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡحِیۡتَانُ فِیۡ جَوۡفِ الۡمَآءِ. وَاِنَّ فَضۡلَ الۡعَالِمِ عَلَی الۡعَابِدِ کَفَضۡلِ الۡقَمَرِ لَیۡلَۃَ الۡبَدۡرِ عَلٰی سَآئِرِ الکواکب وَاِنَّ الۡعُلَمَاءَ وَرَثَۃُ الۡاَنۡبِیَآءِ.

(احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

اَخُ الۡعِلۡمِ حَیٌّ خَالِدٌ بَعۡدَ مَوۡتِہٖ ☆ وَاَوۡصَالُہٗ تَحۡتَ التُّرَابِ رَمِیۡمٗ
وَذُوالۡجَہۡلِ مَیِّتٌ وَہُوَمَاشٍ عَلَی الثَّرٰی ☆ یَظُنُّ مِنَ الۡاَحۡیَآءِ وَہُوَ عَدِیۡمٗ

اس کتاب کی پہلی اشاعت کے پیش نامہ میں، میں نے لکھا تھا کہ شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے سبق آموز سوانح حیات پر قلم اُٹھانا، میرے علم اور تجربے کی محدودیت اور موضوع کی وُسعت وضخامت کے لحاظ سے ایک جسارت ہی تصور ہو گی، لیکن کیا کیا جائے بقول حضرت ترجمان الحقائق ع

”کچھ کام نہیں بنتا ہے جُرأت رندانہ“

خداوند کریم کا شکر کس زبان سے ادا کروں کہ اہلِ علم وبصیرت بالخصوص حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علمی کمالات کے وارثوں اور آپ کی عبقریت کے قدر شناسوں نے اس جرأتِ رندانہ کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کتاب کا پہلا ایڈیشن چند ماہ کے اندر اندر ختم ہوگیا اور اب شائقین کے اصرار سے میں دوسری مرتبہ طباعت کے مَراحل طے کرنے پر مجبور ہوگیا ہوں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

ایک ضخیم کتاب جو ایک دینی پیشوا اور عالم کے مخصوص حالات پر مُشتمل ہے اس کو سمجھنے اور اس سے کماحقہٗ استفادہ کرنے کی اہلیت رکھنے والوں کی تعداد رفتارِ زمانہ کی وجہ سے روز بروز محدود سے محدود تر ہوتی جارہی ہے لیکن اس کے باوجود ''اَلْاَنْوَر'' کو جدید وقدیم ہر قسم کے اہلِ علم کے ہاں قبولیت کی جو سند حاصل ہوئی ہے یہ محض اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم ہے جس کے لئے مجھے عُمر بھر بارگاہِ ایزدی میں شکر گزار رہنا چاہئے۔

''اَلْاَنْــــوَر'' کے پہلے ایڈیشن کا ملاحظہ کرنے کے بعد آسمانِ علم وفضل کے جن روشن ستاروں نے میری کوششوں کی تحسین کی اور میری ''بضاعتِ مُزجاۃ'' کو سعیٔ مشکور کا رُتبہ عطا کیا ان سب کے نام یہاں درج کرنا مشکل ہیں تاہم ان میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیّب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی (ناظم اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی) حضرت مولانا منظور نعمانی (مُدیر ''الفرقان'' لکھنو) حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی (سابق صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) صاحبِ انوارالباری حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوری اور حضرت اقدس مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی (ناظم دارالعلوم ندوۃُ العلماء لکھنو) کے اَسماءِ گرامی سرِ فہرست ہیں۔ میں ان کا فرداً فرداً ممنونِ احسان ہوں۔ جَزَاھُمُ اللّٰہُ خَیْرَ الْجَزَاء۔

ریاستِ جموں کشمیر کے اہلِ علم اور اربابِ فکر ونظر میں جن حضرات نے ''اَلْاَنْوَر'' کی پذیرائی میں دل کھول کر میری ہمت بڑھائی، اُن میں مندرجہ ذیل اصحاب خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں:

جناب شیخ محمد عبداللہ (وزیرِ اعلیٰ جموں وکشمیر) حضرت مولانا محمد سعید مسعودی، جناب سیّد میر قاسم (ایم پی)، مولانا محمد فاروق (امیر واعظ کشمیر)، پروفیسر غلام رسول بچہ (چیرمین مُسلم ایجوکیشنل ٹرسٹ، سوپور) جناب غلام احمد (سکریٹری وزیرِ اعلیٰ) جناب محمد یوسف ٹینگ (سکریٹری جموں وکشمیر کلچرل اکادمی)، جناب غلام علی بخش (ناظم اطلاعات جموں

وکشمیر) پروفیسر غلام محی الدین حاجنی، جناب جی۔ایم میر (ڈپٹی ڈائریکٹر ایجوکیشن کشمیر) جناب ایم ایم کاظم (ڈپٹی ڈائریکٹر ایجوکیشن ایڈمنسٹریشن)۔

میں ان سب حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور صدق دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں اجرِ جزیل سے نوازے۔

عربی مقولہ ہے کہ "مَنْ صَنَّفَ فَقَدْ اِسْتَهْدَفَ" مُصنّفین کے زُمرے میں شامل ہونا جرح وقدح اور تنقید کے تیروں کے سامنے سینہ تان کر کھڑے رہنا ہے۔ "اَلْاَنْـوَرْ" مُرتب کرنے والا اس کُلیّہ سے مُستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔ لیکن یہ امر موجب مسرت ہے کہ اکثر و بیشتر ناقدین نے مُوافقانہ اور مُؤیدانہ تبصرے لکھے اور ان تبصرہ نگاروں میں بڑی صاحب علم وفضل ہستیاں ہیں۔۔ اخبارات اور رسائل نے بھی "اَلْاَنْـوَرْ" کے اپنے موضوع پر جامع ترین ہونے کا اعتراف پوری فراخ دلی سے کیا ہے۔اس زُمرے میں کشمیر کے قریباً تمام جرائد کے نام اور بیرونِ ریاست کے مُوقر جراید میں سے ماہنامہ "مَعَارِفْ" اعظم گڑھ، ماہنامہ "بُرھان" دہلی اور دارالعلوم دیوبند کا عربی ترجمان "اَلدَّاعِی" وغیرہ شامل ہیں، فرداً فرداً بھی درجنوں قارئین نے "اَلْاَنْوَرْ" کے مطالعہ کے بعد اپنے تأثرات پریس میں شائع کرائے۔

کچھ مُدت تک "اَلْاَنْـوَرْ میری نظر میں" کے مستقل عنوان کے تحت کشمیر کے پریس میں مختلف قارئین کے تبصرے چھپتے رہے جن میں سے ایک آدھ کو چھوڑ کر باقی سب لکھنے والوں نے "اَلْاَنْـوَرْ" کی خوبیاں بیان کی ہیں اور مُصنّف کی مساعی کو خراج تحسین ادا کیا ہے۔

کتاب شائع کرنے کے وقت ایسا ہوا کہ صفحات کی تعداد جب بہت زیادہ ہوگئی تو بہت سے مقالات اور دیگر جمع شُدہ مواد کے لئے گنجائش نہ نکل سکی، کتاب شائع ہوجانے کے بعد مزید تاریخی معلومات فراہم ہوگئے جو کتاب کے مختلف ابواب میں جگہ حاصل کرنے کے مُستحق ہیں یہ دیکھ کر ارادہ ہوا کہ کتاب کی ایک اور جلد مُرتب کی جائے جس میں یہ بقایات سمیٹ لئے جائیں لیکن اخراجات کا سوال ایک لاجواب سوال ہے، جو ہر ارادے کے راستے میں آہنی دیوار بن کر حائل ہوجاتا ہے اسی دوران میں اشاعتِ اوّل کا ذخیرہ ختم ہوگیا اور دوسری اشاعت کی نوبت آگئی تو مزید حاصل شدہ معلومات کو شاملِ کتاب کردینے کا اچھا موقعہ نکل آیا تھا لیکن اس سے پورا استفادہ نہ کیا جاسکا۔ کیونکہ دوسری اشاعت کے لئے تقاضے شدید ہیں اور وقت کی تنگی ازسرِ نو مُسودہ تیار کرنے اور نئے سرے سے کتابت وغیرہ کے مراحل سے گذرنے کی متحمل نہیں

ہو سکتی اور اس لئے اس اشاعت میں ترمیمات واضافات بہت خفیف ہیں، نہایت معمولی ترمیمات اور تصحیحات کے ساتھ یہ دوسری اشاعت قارئین کی خدمت میں پیش کر کے قسم بہ قسم مزید معلومات کے ساتھ کتاب کا تیسرا ایڈیشن ان شاء اللہ عن قریب ہدیۂ ناظرین ہوگا۔

وجہ تالیف:

ابتداء اس جسارت کا محرک حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء وعرفائے زمانۂ حال کی زندگیوں کا سرسری سا مطالعہ ہوا۔ کچھ مدت سے دینی اور تاریخی کتابوں سے استفادہ کر کے میں نے اپنے حاصل مطالعہ کو حسبۃً للہ جدید تعلیم یافتہ حضرات کے فائدہ کے لئے انگریزی اور اُردو میں چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں (مثلاً Divine Commandments Saying's of Prophet Mohammad (s.w.) احکامِ الٰہی، ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمودات حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ملفوظاتِ حضرت پیر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ) ہزاروں کی تعداد میں چھاپ کر تقسیم کرنے کا سلسلہ جاری کیا تھا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات سے اجمالاً باخبر ہونے کے بعد ارادہ ہوا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر ایک رسالہ لکھ کر کشمیر کے ان لکھے پڑھے لوگوں کو بتاؤں کہ ان کے اسلاف جب علم کے سمندروں میں شناوری کرنے اُترتے تھے تو تیرتے تیرتے کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتے تھے اسی اثناء میں اپنی مُروجہ تعلیم سے فراغت کے بعد "جامعہ دینیات دیوبند" کے نصاب کی تکمیل کر کے "فاضل دینیات" کا امتحان پاس کیا اور دیوبند جا کر دار العلوم اور اس کے اکابر کی تاریخ سے قریبی واقفیت حاصل کرنے کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف نامہ لکھنے کا ارادہ پختہ ہو گیا اور کشمیر واپس آ کر اپنے ایک جلیل القدر رفیق الحاج خواجہ عبد المجید صاحب لون (آئی، پی، ایس) نے اس سلسلے میں مجھے اپنے بھرپور تعاون کی پیش کش کی اور اپنی تمام تر شفقتوں سے نوازا۔

یوں تو اس مقصد کے لئے ایک چھوٹا سا کتابچہ یا ڈیڑھ سو دو سو صفحات کی ایک متوسط درجے کی کتاب مُرتب کر دینا ہی کافی تھا اور ذہن میں کام کا پہلا خاکہ بھی کچھ ایسا ہی تھا لیکن جب کام شروع کیا تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علمی کمالات اور شخصی کوائف وذاتی صفات وحسنات کا ایک بحرِ بے کنار آنکھوں کے سامنے موجزن ہو گیا۔ ہر چند اس ساگر کو گاگر میں سمیٹ لینے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے مگر اختصار کی تمام کوششوں کے باوجود کتاب کا حجم اُمید وارادہ سے متجاوز ہوتا گیا، پھر بھی موضوع کے بے شمار گوشے تشنۂ تکمیل رہ گئے اور خدا تعالیٰ کو منظور ہوا تو تیسری

اشاعت میں کتاب کو نقشِ ثانی سے بہتر بنانے کی کوشش کی جائے گی ورنہ ہمارے بعد کسی اور کو خداتعالیٰ توفیق ارزانی کرے گا کہ وہ تلافی مافات کردے۔ کیا عجب ہے کہ:

''مردے از غیب بروں آید وکارے بکند''

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری ؒ کی تاریخ وفات ۲۹ رمئی ۱۹۳۳ء ہے، تب سے آج چھیالیسواں (۴۶) سال چل رہا ہے، تقریباً نصف صدی کی اس طویل مدت میں وہ لوگ جو آپ کے ہم عصر تھے یا آپ کے براہ راست فیض یافتہ تھے اور جن کے سینے آپ کے تفصیلی حالات کا خزینہ تھے (معدودے چند مستثنیات کو چھوڑ کر) اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اس لئے آپ کے حالات کے خاص خاص پہلو جن پر سوانح نگار اپنی تخلیق کی بنیاد قائم کرتا ہے دسترس کی حدود سے باہر ہو چکے ہیں اور عام حالات کے مآخذ کا دائرہ بھی تنگ ہوتے ہوتے آج تک شائع شدہ تحریرات تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اور یہ تحریرات بھی آسانی سے ہاتھ آجانے والی جنس تو ہیں نہیں، ان کا سب سے بڑا حصہ وہ مضامین ہیں جو آپ کی وفات کے وقت سے ۴۶ سال کی اس طویل مدت میں غیر منقسم ہند میں اور برِّ صغیر کی تقسیم کے بعد ہندوپاکستان اور بنگلہ دیش میں آپ کے مداحین اور قدر شناس اہلِ علم کے قلم سے نکلتے رہے ہیں۔ ایسے مضامین عربی، فارسی، اُردو، انگریزی، بنگالی، سندھی، گجراتی، پشتو اور بعض افریقی زبانوں میں بے حد وحساب شائع ہوئے ہیں اور اگر کوئی ان کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا چاہے تو اس کو حجاز، مصر، شام ایران، افغانستان، افریقہ، ڈھاکہ، کلکتہ، پٹنہ، اعظم گڑھ، الہ آباد، لکھنؤ، علی گڈھ، مُرادآباد، بجنور، احمد آباد، سورت، ڈابھیل، دہلی، دیوبند، سہانپور، لدھیانہ، لاہور، راولپنڈی، پشاور، ملتان، حیدرآباد اور کراچی وغیرہ شہروں سے لے کر جموں وسرینگر تک کی تمام لائبریریوں میں محفوظ ادبی اور علمی رسالوں کی ورق گردانی کے مرحلوں سے گذرنا اور ان تمام مضامین کا جائزہ لینا چاہئے جن کو اگر ترتیب دے کر کتابی شکل میں چھاپا جائے تو کئی ضخیم مجلدات تیار ہو جائیں لیکن ایسا کام تو کوئی اکادمی ہی انجام دے سکتی ہے۔ جو شاہ صاحب ؒ کے نام سے قائم کی جائے۔ مجھ جیسے فردِ واحد کے لئے بحالاتِ موجودہ چاند اور مریخ پر جا اُترنا شاید آسان ہو مگر یہ کام بہت مشکل ہے۔ ان صعب الحصول مآخذ کے بعد جو کچھ رسائی کی حدود میں ہے وہ ہے عربی زبان میں حضرت شاہ صاحب ؒ کے ایک شاگردِ رشید مولانا سید یوسف بنوری ؒ کی تالیفِ لطیف ''نفحۃ العنبر من ھدی الشیخ الانور''

مطبوعہ ۱۹۳۶ء اور اُردو زبان میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفِ اکبر مولانا محمد ازہر شاہ قیصر کا مُرتب کردہ مجموعۂ مقالات بعنوان ''حیاتِ انور'' (مطبوعہ دیو بند ۱۹۵۵ء) یہ دو ایسے شاہکار رہ جاتے ہیں جن کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جدید سوانح حیات کا مأخذ بنایا جاسکتا ہے اور لُطف یہ ہے کہ یہ دونوں کتابیں بھی اب نایاب ہو چکی ہیں، میرے لئے ان کا حصول بھی جوئے شیر کاٹ لینے سے کم نہ تھا البتہ دار العلوم دیو بند کا آفیشل آرگن ماہنامہ ''دار العلوم'' ایک مفید اور سہل الحصول اور معلوماتی مأخذ ہے۔ جس میں دیگر بزرگانِ دیو بند کی طرح حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات پر بھی وقتاً فوقتاً مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں، جس کے مکررات سے قطع نظر حیات وکمالاتِ انوریہ پر قابلِ قدر معلومات کا ذخیرہ ہاتھ آسکتا ہے۔

ہند میں علی العموم مضامین ''دار العلوم'' سے ہی استفادہ کر کے بعض اہلِ قلم نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات اور کارناموں پر کچھ چیزیں شائع کی ہیں جو کہ میرے مطالعہ سے گزریں۔ لیکن یہ تحریریں یا تو اس قدر سرسری ہیں ان سے کوئی مدد مل ہی نہیں سکتی، یا طالبعلمانہ مشق ہیں، جن میں ''دُرست'' کے پہلو بہ پہلو ''نادُرست'' بھی کھڑی ہیں۔ البتہ معلوم ہوا تھا کہ پاکستان میں مرحوم مولانا محمد انوری لائلپوری نے ''انوارِ انوری'' کے نام سے حیاتِ انور پر مستقل کتاب لکھی ہے اور مصنف نَفْحَةُ الْعَنْبَر مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کو نظر ثانی کے بعد کچھ اضافے کر کے مُرتب کیا ہے لیکن ان کتابوں تک رسائی آسان نہ تھی میں نے ''رسالہ دار العلوم'' اور نَفْحَةُ الْعَنْبَر (قدیم ایڈیشن) سے استفادہ کرنے کے علاوہ مولانا محمد ازہر شاہ صاحب قیصر کی مُشفقانہ اجازت سے ''حَیَاتِ اَنْور'' میں چھپے ہوئے متعدد ایسے مقالات جو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اَرشد واَخص تلامذۂ کرام کا ہدیۂ عقیدت تھے۔ جُزو کتاب بنا لیے ہیں، حضرت موصوف کے علمی کمالات آپ کا فلسفۂ تعلیم اور طریقۂ تعلیم، قوتِ حفظ واستحضار ذہانت وفطانت اور عبقریت کی دیگر خصائص کا جو نقشہ ان مضامین کے طفیل پیشِ نظر ہو جاتا ہے اس تک کسی دوسرے ذریعہ سے رسائی ممکن نہ تھی۔ مگر ان سرچشموں سے اپنے موضوع کے گلشن کی آبیاری کرنے کے بعد بھی سوانحاتِ انور کے بہت سے گوشے پردۂ خفا میں رہ جاتے ہیں اور آپ کی زندگی کے بعض اہم واقعات کے متعلق مطالعہ کنندہ کے بہت سے سوالات کا جواب متذکرۂ بالا مآخذ سے حاصل نہ ہو سکتا تھا، اس خلاء کو پُر کرنے کے لئے مجھے ہندوستان کے بہتیرے شہروں کا سفر کرنا پڑا۔ متعدد کُتب خانوں

میں جا کر سینکڑوں کتابوں، رسائل وجرائد اور مخطوطات کی ورق گردانی کرنی پڑی۔ کشمیر کی گذشتہ پانچ سو سال کے تاریخی واقعات کی جھیلوں میں غوطے لگانے پڑے، بالخصوص حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے مورثِ اعلیٰ حضرت شیخ بابا مسعود نوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کا گہرا مطالعہ کرنا پڑا اور اس کے علاوہ شاہ صاحب کے ہم وطنوں اور ہم قبیلہ لوگوں کے معلومات سے بھی گھر گھر جا کر مدد لینی پڑی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ بہت کچھ کنج کاوی اور خاک چھاننے کے بعد اکثر حل طلب سوالات کے شافی وکافی جوابات حاصل ہو گئے جس کے بعد جو کچھ لکھا گیا علیٰ وجہ البصیرت لکھا گیا۔ اپنی بساط کی حد تک کوشش کی گئی ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ لوگوں کی موجودہ پیڑھی اور نئی نسل حضرت شیخ الحدیث علامہ انور شاہ کشمیری کی ذات بابرکات سے متعارف ہو جائے تاکہ آپ کی پاکیزہ سیرت کو اپنے لئے نمونہ کردار بنا سکے۔ کیونکہ یہی امر اس کتاب کی تحریر کا مقصد اولین ہے۔

مالکِ ارض وسماوات سے دُعا ہے کہ وہ میرے ارادے اور کوشش کو قبول فرمائے اور میری اس ٹوٹی پھوٹی تحریر کو پڑھنے والوں کے لئے حصولِ فیض وبرکت کا موجب بنائے۔ (آمین)

عبدالرحمٰن کوندو

تحریر یکم مارچ ۱۹۷۱ء

کوکر باغ، نوشہرہ، سرینگر نمبر ۱۱ کشمیر

پیش نامۂ طبعِ ثالث

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدُاللہ العلیّ العظیم ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونصلّی علیٰ رسُولہِ الکریم

الانور کا یہ تیسرا ایڈیشن ہے سوا دو سال کے مختصر عرصے میں ایک ضخیم کتاب کے تین ایڈیشن نکل جانا اور وہ بھی کاغذ، کتابت اور طباعت کی حوصلہ شکن مشکلات کو عبور کرکے، یہ مجھ ایسے بے بضاعت انسان کا کوئی کمال نہیں بلکہ محض فضلِ ربّی ہے۔

من آں خاکم کہ ابرِ نو بہاری ☆ زلطفش کرد بر من قطرہ باری
اگر بر روید ازتن صد زبانم ☆ چو سوسن شکرِ نعمت کے توانم؟

۱۹۷۱ء میں الانور کو جب دوسری بار شائع کیا گیا تو میرا ارادہ تھا کہ کتاب کو نئے سرے سے مرتب کرکے اس کا تیسرا ایڈیشن جو خوب سے خوب تر شکل میں ہو، منظرِ عام پر لایا جائے لیکن اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ضروری ہے کہ اصل کتاب میں حذف واضافات کی ''مہم'' سرانجام دی جائے۔ ایک نئی کتاب لکھنے سے یہ کام زیادہ مشکل ہے۔ اس کے لئے جس یکسوئی اور فرصت کی ضرورت ہے افسوس ہے ابھی وہ میسر نہیں ہوئی۔ ان حالات میں الانور پھر ایک بار اوّلین شکل وصورت میں ہی چھپ رہی ہے۔

مطلوبہ ترمیم شدہ ایڈیشن کی تیاری میں تاخیر تو ہو رہی ہے لیکن اس تاخیر سے ان شاء اللہ یہ فائدہ ہوگا کہ میں اب اطمینان سے ان کتابوں سے بھی استفادہ کرسکوں گا جو ابھی تک ملک کے اندر اور باہر شاہ صاحب ؒ پر زیرِ ترتیب ہیں۔

اس کے علاوہ برِصغیر سے باہر شاہ صاحب ؒ کی زندگی اور آپ کے کارناموں پر کتابیں لکھی جارہی ہیں۔ اب امریکہ کی ایک بین الاقوامی یونیورسٹی سین ڈیگو کیلفورنیا میں بھی شاہ صاحب ؒ پر تحقیقی کام ہو رہا ہے۔ ایک پاکستانی فاضل ڈاکٹر انور ایس دِل صاحب وہاں (۴) چار بزرگ ہستیوں (۱) مولانا اشرف علی تھانوی صاحب ؒ۔ (۲) مولانا سید سلیمان ندوی ؒ۔ (۳) مولانا انور شاہ کشمیری ؒ اور (۴) مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب ؒ کی حیات اور علمی کمالات پر تحقیقی کام کررہے ہیں۔ انگریزی زبان میں

یہ کتاب ان شاء اللہ عن قریب شائع ہو رہی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اَلْاَنْـوَرُ کا جو نیا ایڈیشن زیرِ ترتیب ہے ان شاء اللہ بہمہ وجوہ جامع ہوگا۔

اَلْاَنْوَرُ چھپنے سے آج تک بیسیوں اہلِ علم اور صاحبانِ کمال نے اپنی تقاریظ عنایت فرمائی ہیں، ان سب کرم فرماؤں کا دِل عمیق ترین گہرائیوں سے شکر گذار ہوں۔ موقعہ ملنے پر ان سب تقریظات کو علیحدہ کتابی صورت میں شائع کیا جائے گا۔ فی الحال ان میں سے چند تبصرے تبرّکاً شاملِ اشاعت کیے جاتے ہیں۔

طالبِ دُعا
عبدُ الرّحمٰن کوندو
سری نگر
یکم اپریل ۱۹۷۹ء

تصویرِ انورؒ

از محمد ضیاء الرحمن ضیاءؔ

(۱) گلستانِ وادئ لولاب کا تازہ گلاب
چہرۂ انور تھا شرحِ آئینہ نور وکتاب

(۲) تھا جبینِ پاک پہ سیمائے مِنْ اَثَرِ السُّجُوْد
دیکھ کر حلقہ بگوشِ دیں ہوئے اہلِ جحود

(۳) سِلکِ قرنِ اوّلین کا گم شدہ دُرِ فرید
جانِ محمودُالحسنؒ نورِ دل احمد رشید

(۴) قالبِ روحِ بُخاریؒ ہمسر ابنِ الحجرؒ
جانشینِ بوحنیفہؒ، رشکِ یعقوبؒ وزفرؒ

(۵) چلتا پھرتا وہ کُتب خانہ تھا مثلِ زیلعیؒ
نکتہ دانِ فقہ ومیراذکیاء وترمذی

(۶) تھا لبیدؔ وسعدیؔؒ پُرگونظیرِ بونواسؔ
خوش اداء وخوش مزاج وباجمال وخوش لباس

(۷) بوعلیِ وقت فخرالدین رازیؒ زماں
شہ ولیؔ اللہؒ دوراں وغزالیؔ زماں

(۸) فلسفی وآشنائے رمزِ قرآنِ مُبیں
شارحِ علم حدیثِ پاک ونکتہ آفریں

(۹) دین❶ کی حقانیت کا حُجت وبُرہاں رہا
تھا فرشتہ اور گمانِ حضرتِ انساں رہا

---

❶ ...... حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا وجود اسلام کی حقانیت کی ایک دلیل ہے۔

(۱۰) قولِ مرداں جان میدارد، کی جو تفسیر تھی
فرقۂ باطل کے آگے وہ زباں شمشیر تھی

(۱۱) بے نیازِ خانۂ وجاہ وجلال وسیم وزر
محو تھا درس وبیان ووعظ میں شام وسحر

(۱۲) تھا دلِ شیشہ میں انوارِ جمال کبریا
اشرف واؤرع سراپا دانش وحلم وحیا

(۱۳) علم کے چرخِ چہارم پر ضیا افشاں رہا
ہرستارہ کاسب انوار بے پایاں رہا

(۱۴) نفحۃ العنبر مکمل داستاں ہے آپ کی
فیض باری بارگاہِ جاوداں ہے آپ کی

(۱۵) آپ ہی کی ذات تو صد نازشِ کشمیر ہے
فخر کے قابل ازل سے آپ کی تقدیر ہے

(۱۶) اے خوشا دیوبند جلوہ زارِ حسنِ عالماں
ملۂ ہندی ،زیارت گاہِ اربابِ دِلاں

(۱۷) بوئے علمِ آسمانی، تجھ سے آئی تھی کبھی
چھتۂ مسجد میں شانِ دلربائی تھی کبھی

(۱۸) آج بھی دارالعلوم پُرشکوہ سینہ پہ ہے
بارشِ انوار ورحمت جس کے ہر زینہ پہ ہے

(۱۹) تیرے دامن میں گلاب ولالہ چیدہ چیدہ ہیں
قاسم ومحمود وانوریاں پہ آرامیدہ ہیں
مرکزِ نور اللہ و وارثان مصطفی ﷺ
گویا ظلمت گاہ میں خورشید انور کی ضیا

❁❁❁❁❁❁



حضرت شاہ صاحب کی عبقریت

آئینۂ آراءِ اکابرین

☆........"خداوند تعالیٰ نے مولانا انور شاہ میں علم، عمل، سیرت، صورت، ورع، زہد، رائے صائب اور ذہنِ ثاقب کو جمع کر دیا ہے"۔

(حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ)

☆........مَا رَأَيْتَ مِثْلَ هٰذَا الْأُسْتَاذِ الْجَلِيْلِ ❶

(علامہ سید رشید رضا مصری، پر"المنار" قاہرہ)

☆........ایک عیسائی فلسفی نے اسلام کی حقانیت کی یہ دلیل دی ہے کہ غزالیؒ جیسا محقق اور مفکر مذہب اسلام کی صداقت کا علمبردار تھا۔ اس زمانہ میں میرے نزدیک اسلام کی حقانیت کی بہت سی دلیلوں میں سے ایک دلیل حضرت مولانا محمد انور شاہؒ کا محافظِ اسلام ہونا ہے۔ اگر اسلام میں کوئی کجی یا کمی ہوتی تو (زمانۂ حاضرہ کی ذہین ترین شخصیت) مولانا انور شاہؒ دین اسلام سے کنارہ کش ہو جاتے"۔

(حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

☆........"اسلام کی ادھر کی پانچ سو سالہ تاریخ شاہ صاحبؒ کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں"۔

(ترجمان الحقائق علامہ اقبالؒ)

☆........مولانا محمد انور شاہ مرحوم وسعتِ نظر، قوتِ حافظہ اور کثرتِ حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے۔ علومِ حدیث کے حافظ اور نکتہ شناس، علوم ادب میں بلند پایہ، معقولات میں ماہر، شعر و سخن سے بہرہ مند اور زہد و تقویٰ میں کامل تھے اللہ تعالیٰ انہیں اپنی نوازشوں کی جنت میں ان کا مقام اعلیٰ کرے، کہ مرتے دم تک علم و معرفت کے اس شہید نے قَالَ اللّٰهُ وَقَالَ الرَّسُوْلُ کا نعرہ بلند کیا"۔

(وکیل اسلام علامہ سید سلیمان ندویؒ)

---

❶........ترجمہ: "میں نے (آج تک) اس جیسا عالمِ جلیل نہیں دیکھا" کو ندو

☆.........حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات بلا شبہ وقتِ حاضر کے کامل ترین عالمِ ربانی کی وفات ہے جن کی نظیر مستقبل (قریب) میں متوقع نہیں۔ طبقۂ علماء میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تبحر، کمالِ فضل، ورع وتقویٰ، جامعیت واستغناء مُسلّم تھا۔ موافق ہو یا مخالف ان کے سامنے تسلیم وانقیاد سے گردن جھکا دیتا تھا''۔

(مُفتی اعظم ہند علامہ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ)

☆.........''مجھ سے اگر مصر وشام کا کوئی آدمی پوچھتا کہ کیا تم نے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ تقی الدین بن دقیق العید اور سلطان العلماء حضرت شیخ عزالدین عبد السلام کو دیکھا ہے تو میں استعارہ کر کے کہہ سکتا کہ ''ہاں! دیکھا ہے''

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

☆.........''بے نظیر عالمِ دین رُخصت ہو گیا''۔

فاتح قادیان امام المناظرین شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ

☆.........مولانا محمد انور شاہ صاحب چمنِ ولی اللّٰہی کے ایک بار آور اور ثمر دار درخت تھے۔ جو اپنے گُنجان سایہ سے تمام عالم کو مُستفید کر رہے تھے اور جس درخت کے شیریں پھلوں سے ایک عالم اپنی گرسنگی کو دور کر رہا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ ایک فیض جاری کے ایسے سرد اور شیریں چشمہ تھے جس کے پانی کا بہاؤ نہ صرف ہندوستان تک محدود تھا بلکہ تمام عالم اسلامی اس چشمہ سے سیراب ہو رہا تھا۔ اس کا منبع اگرچہ دیوبند میں تھا لیکن اس کا دھارا چین، بخارا، جاوا، مصر اور ترکی میں پڑتا تھا''۔

سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی مرحوم

☆.........میں ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو ایک لاکھ حدیثیں یاد ہیں اور ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو صحیحین حفظ یاد ہیں لیکن ایسا عالم کہ کتب خانہ کا کتب خانہ ہی جس کے سینے میں محفوظ ہو سوائے حضرت مولانا انور شاہ کے کوئی نہیں دیکھا۔

''میں نے ہندوستان، حجاز، عراق، اور شام وغیرہ ممالکِ اسلامیہ کے علماء وفضلاء سے ملاقات کی اور مسائلِ علمیہ میں ان سے گفتگو کی۔

لیکن تبحر علمی، وسعتِ معلومات اور علوم نقلیہ (یعنی قرآن کریم وحدیث رسول اکرمؐ) کے احاطہ میں شاہ صاحب کا کوئی نظیر نہیں پایا۔''

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

☆......''حضرت مولانا انور شاہ صاحب کی نظیر علوم میں خصوصاً علمِ حدیث میں پیش کرنے سے تمام ایشیا عاجز ہے۔ جی چاہتا ہے کہ شاہ صاحب کے چہرے کو دیکھتا ہی رہوں۔''

بابائے صحافت مولانا ظفر علی خان مرحوم

☆......''اس قسم پر کوئی کفارہ نہیں جو اس امر پر کھائی جائے کہ مولانا انور شاہؒ اس زمانے میں بے نظیر عالم ہیں۔''

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

☆......''صحابہ کا قافلہ جا رہا تھا، یہ پیچھے رہ گئے تھے۔''

خطیبُ العصر رئیس الاحرار مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

☆......''شاہ صاحبؒ سلف صالحین کا نمونہ ہیں اور علم کا ایک چلتا پھرتا کتب خانہ ہیں۔''

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ

☆......''اَلشَّیْخُ الْفَاضِلُ الْعَلَّامَةُ اَنْوَرْ شَاہ اَحَدُ کِبَارِ الْفُقَھَاءِ الحنفیه وعلماء الحدیث الاجلاء''[1]

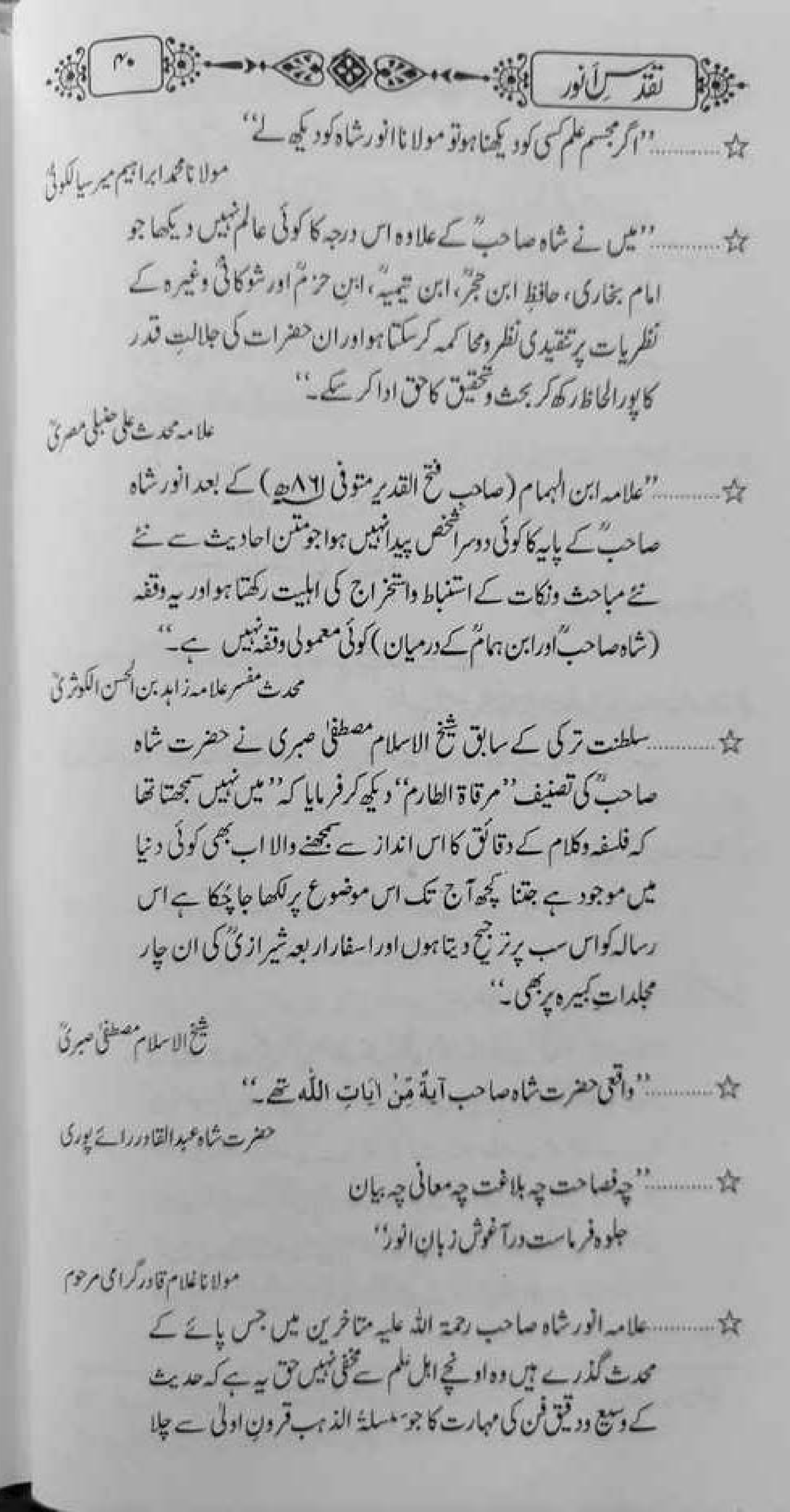
ابن خلکان ہند حضرت مولانا سید عبدالحئی لکھنویؒ

☆......''مجھے جب کبھی کسی مسئلہ میں کوئی دشواری پیش آتی تو کتب خانہ دارالعلوم کی طرف رجوع کرتا، اگر کوئی چیز مل جاتی تو فبہا ورنہ پھر حضرت شاہ صاحبؒ سے رجوع کرتا، شاہ صاحب جو جواب دیتے اُسے آخری اور تحقیقی پاتا اور اگر حضرت شاہ صاحب نے کبھی یہ فرمایا کہ میں نے کتابوں میں یہ مسئلہ کہیں نہیں دیکھا تو مجھے یقین ہو جاتا کہ اب یہ مسئلہ کہیں نہیں ملے گا اور تحقیق کے بعد ایسا ہی ثابت ہوتا۔''

مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ

---

[1] ......نزہۃ الخواطر ج ۸ (خطوط وحدانی میں حضرت کے فرزند ارجمند مولانا علی میاں صاحب مدظلہ العالی کی عبارت ہے جیسا کہ انہوں نے خود تصریح فرمائی ہے) کوہدو



☆......"اگر مجسم علم کسی کو دیکھنا ہو تو مولانا انور شاہ کو دیکھ لے"

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

☆......"میں نے شاہ صاحبؒ کے علاوہ اس درجہ کا کوئی عالم نہیں دیکھا جو امام بخاری، حافظِ ابن حجرؒ، ابن تیمیہؒ، ابنِ حزمؒ اور شوکانیؒ وغیرہ کے نظریات پر تنقیدی نظر و محاکمہ کر سکتا ہو اور ان حضرات کی جلالتِ قدر کا پورا لحاظ رکھ کر بحث و تحقیق کا حق ادا کر سکے۔"

علامہ محدث علی حنبلی مصریؒ

☆......"علامہ ابن الہمام (صاحب فتح القدیر متوفی ۸۶۱ھ) کے بعد انور شاہ صاحبؒ کے پایہ کا کوئی دوسرا شخص پیدا نہیں ہوا جو متن احادیث سے نئے نئے مباحث و نکات کے استنباط و استخراج کی اہلیت رکھتا ہو اور یہ وقفہ (شاہ صاحبؒ اور ابن ہمامؒ کے درمیان) کوئی معمولی وقفہ نہیں ہے۔"

محدث مفسر علامہ زاہد بن الحسن الکوثریؒ

☆......سلطنت ترکی کے سابق شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری نے حضرت شاہ صاحبؒ کی تصنیف "مرقاۃ الطارم" دیکھ کر فرمایا کہ "میں نہیں سمجھتا تھا کہ فلسفہ و کلام کے دقائق کا اس انداز سے سمجھنے والا اب بھی کوئی دنیا میں موجود ہے جتنا کچھ آج تک اس موضوع پر لکھا جا چکا ہے اس رسالہ کو اس سب پر ترجیح دیتا ہوں اور اسفار اربعہ شیرازیؒ کی ان چار مجلدات کبیرہ پر بھی۔"

شیخ الاسلام مصطفیٰ صبریؒ

☆......"واقعی حضرت شاہ صاحب آیۃٌ مِنْ اٰیاتِ اللہ تھے۔"

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری

☆......"چہ فصاحت چہ بلاغت چہ معانی چہ بیان
جلوہ فرماست در آغوش زبان انورؒ"

مولانا غلام قادر گرامی مرحوم

☆......علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ متاخرین میں جس پائے کے محدث گذرے ہیں وہ اونچے اہل علم سے مخفی نہیں حق یہ ہے کہ حدیث کے وسیع و دقیق فن کی مہارت کا جو سلسلۃ الذہب قرونِ اولیٰ سے چلا

تھا موصوف اس کی آخری کڑی تھے اور آپ کے بعد پوری دنیائے اسلام میں اس شان کے محدث اور حافظ حدیث کم از کم ہماری معلومات کی حد تک عنقا کے درجے میں ہیں حدیث کو سمجھنے والے، اس پر عمدگی سے کلام کرنے والے اور اس کے مطالب ومفاہیم کو دلنشین پیرائے میں بیان کرنے والے تو بفضلہ تعالیٰ اب بھی ہیں اور فنی نزاکتوں پر عبور رکھنے والے بھی مفقود نہیں، لیکن جلیل القدر حفاظ حدیث کی یہ مخصوص شان کہ صدہا احادیث لفظ بہ لفظ حافظے میں محفوظ ہو اور بروقت ان کا استحضار بھی ہو، علامہ انور شاہ صاحبؒ کے بعد کہیں نظر نہیں آتی۔''

مشہور نقاد مولانا عامر عثمانی مرحوم

☆........''میں حضرت شاہ صاحب کے یگانہ کمالات اور ان کے تبحر علمی، محیرّ العقول حافظہ اور فن حدیث میں ان کے علوِ مرتبہ، نیز ان کی حیرت انگیز وسعت نظر سے نہ صرف واقف بلکہ اس کا معتقد ہوں لیکن مجھے ان سے تلمذ کا شرف حاصل نہیں، میری واقفیت بالواسطہ اور ان کے تلامذہ کے ذریعہ سے ہے۔''

فخر ملت اسلامیہ مولانا سید ابوالحسن ندوی دامت برکاتہم

☆........''حنفیوں میں علامہ انور شاہ کاشمیریؒ علم وفضل خصوصاً علمِ حدیث میں اپنی نظیر بس آپ ہی تھے۔''

مفسر قرآن مولانا عبد الماجد دریابادیؒ

☆........قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی (بانی دارالعلوم) اپنے عہد میں جس طرح اپنے وہبی علوم وافکار کے لئے ممتاز تھے، کہ امامتِ عصر ان کے حصہ میں آئی تھی، ٹھیک اسی طرح شیخ الحدیث علامہ انور شاہ کشمیریؒ اپنے کسی علوم وافکار کی وجہ سے امام العصر ہوکر رہے میرا یقین ہے کہ ماحول اور عمر نے اگر وفا کی ہوتی تو وہ اس صدی کے مجدد ہوتے، اپنی علمی جامعیت اور تبحر کی وجہ سے وہ بجا طور پر عبقری (Genius) اور نابغۂ عصر تھے۔''

مولانا شمس تبریز خان آروی مدظلہ العالی

☆........''لَمَّا رَأَيْتُ وَجْهَهُ عَرَفْتُ اَنَّهُ عَالِمٌ مُتَوَرِّعٌ مُتَشَرِّعٌ جَامِعٌ

لِعُلُومِ الْاٰلِیَۃِ وَالْاِلٰھِیَّۃِ"

(افسوس کہ ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ بروز جمعۃ المبارک (مطابق ۱۶ مارچ ۱۹۷۹ء) کو آپ ۷۸ سال کی عمر میں انتقال فرماگئے آپ کے تبلیغی کارنامے قریباً ۶۰ سال کی مدت پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مغفرت وبخشش کی نعمتوں سے نوازے)

فخر الواعظین میر واعظ المحدیث مولانا غلام نبی مبارکی کشمیری

☆............"ہر چند مرحوم ہر فن میں مہارت تامہ رکھتے تھے لیکن حدیث اور فقہ میں بلاشبہ تمام دنیائے اسلام میں کوئی شخص ان کا ہمسر نہ تھا۔"

(شارح کلام اقبال) پروفیسر یوسف سلیم چشتی

☆............Among The Ulma of kashmir origin, The Name of the late Shak-ul-hadith Maulavi Muhammad Anwar Shah of the Lolab Valley is worth Mentoning, On Account of His Eminence in Muslim theology.

With him Died, Perhaps, The Greatest Scholar of Hadith of The Day."

Ghulm Mohi-ul-Din Sufi (M A D litt)
Kashir vol 2nd Page 383 (1974)

ترجمہ: کشمیری علماء میں سے وادیٔ لولاب کے (رہنے والے) شیخ الحدیث مولانا محمد انور شاہ مرحوم کا نام نامی علوم اسلامیہ میں ان کے علو مرتبہ کے لحاظ سے قابل ذکر ہے ان کی رحلت زمانہ حاضرہ کے عظیم ترین محدث کی وفات ہے۔"

(ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی، مصنف کشیر)

---

❶......ترجمہ: "جونہی میری نظر پہلی بار ان کے چہرے مبارک پر پڑی، میرے دل پر یہی عکس پڑا کہ یہ ایک پرہیزگار، پابند شریعت اور علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع عالم ہیں۔" کوندو



تاریخ کشمیر کا دورِ ظلمت

(از کوندو)

حضرت شیخ الحدیث علامہ انور شاہ کشمیری ثم دیوبندی کی حیات مجموعہ کمالات کی حکایت شروع کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ریاست جموں وکشمیر کے اس دور ظلمت کی تھوڑی سی نقاب کشائی کردی جائے۔ جو آپ کے زمانہ پیدائش اور اس سے قبل اور متصل مابعد وادی کشمیر پر مسلط تھا۔

جنت پر جہنم کا تسلط:...... حضرت محدث کشمیری انور شاہ صاحبؒ انیسویں صدی عیسوی کی چوتھی چوتھائی کی ابتداء یعنی ۱۲۹۲ھ بمطابق ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے۔ اس انیسویں صدی کا قریبا سارا زمانہ کشمیری عوام کے لئے ظلم وتشدد قحط ووبا اور بدترین سیاسی انقلابات کے بے پناہ طوفانوں سے گذرنے کا زمانہ تھا۔ جب یہ صدی شروع ہوئی تو وادیٔ کشمیر کابل کے زیر نگین تھی اور اس خطہ جنت نظیر کی بے بس مخلوق کی تقدیر کے فیصلے سرینگر کے بدلے کابل اور قندھار میں کئے جاتے تھے اور وہاں سے جو حاکم آتے تھے ان کے نام تو بے اشک مسلمانوں کے سے تھے اور وہ کلمہ گو ہونے کے مدعی بھی تھے، مگر وہ کشمیر میں آتے ہی اپنے عمل سے چنگیز اور ہلاکو کی بے رحمی، درندگی اور انسان کشی کے مکمل نمائندے بن جانا لازمۂ حکمرانی تصور کرتے تھے۔ ظلم کو پائیداری نصیب نہیں۔ یہ کابلی حکمران بھی جب ایک طرف اپنے پیشہ ستمگری کے صدقے میں عوام کی تائید سے محروم ہوتے گئے اور دوسری طرف اپنے مراکز کابل اور قندھار اور ہرات میں تاج وتخت کے لئے سازشوں اور برادر کشی کی وجہ سے آپ اپنے ہاتھوں میں بیخ کنی کرتے گئے، تو پہلے لاہور میں اس کے بعد کشمیر اور بالآخر پشاور میں بھی ان کے قدم اکھڑ گئے اور انہوں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اسکے جانشینوں کی تازہ دم، ابھرتی ہوئی طاقت کو پنجاب، کشمیر اور صوبہ سرحد سونپ کر اپنا دامن کوہ سلیمان کے اس پار سمیٹ لیا۔

طوفان تعصبات:...... خطہ کشمیر جنت نظیر پر سکھوں کا تسلط ۱۸۱۹ء میں ہوا۔ جو ۱۸۴۶ء یعنی خالصہ راج کے خاتمہ تک جاری رہا۔ اہل کشمیر کے لئے افغانوں کا جانا اور سکھوں کا آنا ایک ظالم کے پنجے سے نکل کر دوسرے ظلم کے چنگل میں گرفتار ہو جانے کے مترادف تھا۔ جان ومال تو پہلے کے ہاتھ سے بھی محفوظ نہ تھے، مگر نیا ظالم چونکہ کشمیریوں کے دین اور مذہب پر بھی ٹیڑھی نظر رکھتا تھا اس لئے اس کے ہاتھ سے درسگاہیں، عبادت گاہیں، اور زیارات ومساجد بھی نہ بچ سکیں۔

لاہور میں مہاراجہ رنجیت سنگھ اگرچہ اپنی بے تعصبی کے نقارے بجوار ہا تھا لیکن کشمیر میں اس کے

کارندوں نے مذہبی تعصب کا جو ننگا ناچ ناچا، اس کا ادنیٰ سا نمونہ یہ ہے کہ کشمیر پر قابض ہوتے ہی جامع مسجد سرینگر میں پہلے گھوڑے باندھے گئے اذان، نماز درس وتدریس اور مسجد کی تعمیر وتقدیس کے ہر کام کو ناممکن بنا ڈالا۔ اور جو چھوٹی مسجدیں شہر وقصبات میں دربندی سے بچ گئیں ان میں اذان دینے کی ممانعت ہوگئی اور بار ہا بے چارے موذن اس خطا پر گرفتاری اور مار پیٹ کا نشانہ بنے کسی '' سردار صاحب'' کے کان میں صدائے '' اللہ اکبر'' ہل چل کا موجب بن گئی تھی۔ لاقانونیت اور دہشتگری کے اس دور میں کشمیر کے اکثر دینی مدارس اور ہر قسم کی تعلیم کے دوسرے ادارے جو صدیوں سے چلے آرہے تھے ہمیشہ کے لئے بند ہوگئے اور کشمیر کے لوگوں میں افغانی ظلم کے خاتمہ تک بھی اگر زندگی کی کوئی رمق بچ گئی تھی تو سکھ حکومت کے اہل کاروں نے اس کو کچل ڈالنے میں اپنی پوری طاقت صرف کرڈالی اور وادی کشمیر کی پوری آبادی خاص کر مسلمان آبادی کو مجبور کردیا گیا کہ وہ مظلومیت، محکومیت اور زندگی کے ہر اختیار سے محرومیت کو اپنی قسمت ازلی یقین کر کے اپنے قول وفعل سے ہی نہیں بلکہ اپنے تصور اور خیال سے بھی اس کی مخالفت نہ کرے۔

ڈوگرہ دور کی پیدائش:......۱۸۴۶ء میں جب رنجیت سنگھ کے جانشینوں کی خانہ جنگیوں نے بھائیوں کے ہاتھوں بھائیوں کا گلا کاٹ کر انگریزی امپیریل ازم کو دلی سے درہ خیبر تک اور ماتان سے سرینگر تک سارا شمالی ہندوستان سونپ دیا، تو انگریزوں نے سکھ حکومت کے ہی ایک سابق رکن اعلیٰ راجہ گلاب سنگھ کو پچھتر لاکھ روپے میں پوری ریاست جموں وکشمیر فروخت کر ڈالی۔

چوراسی ہزار چار سو اکہتر (۸۴۴۷۱) مربع میل کا رقبہ اونچے اونچے پہاڑ، سینکڑوں ندیاں، نالے اور دریا، ہزارہا چشمے، مرغزار اور گلزار، سیبوں، ناشپاتیوں، انگوروں، اخروٹوں، باداموں، شفتالوں، زردالوں، گلاسوں آلوچوں اور دیگر درجنوں اقسام کے میووں سے بھر پور باغات، شالی اور دیگر اقسام کی غلہ کے سونا اگلنے والے کھیت اور سب سے بڑھ کر لاکھوں زن ومرد اور ان کے بچے ان کے مال ومویشی گھربار دیہات وشہر مکان ودکان، اور بازار غرضیکہ جو داشت وبداشت تھی انگریز امپریل ازم نے اپنے ایک منظور نظر کے ہاتھ صرف پچھتر لاکھ روپے میں بیچ ڈالی۔

مہاراجہ گلاب سنگھ صرف حکمرانی میں سکھوں کا جانشین نہ تھا بلکہ کشمیر پر تشدد وتعصب اور حکمرانی بشکل ستمرانی میں بھی دربار لاہور کا وارث تھا۔

افغانوں کی خوں ریزی اور سکھوں کی بے رحمانہ لوٹ کھسوٹ کے بعد ڈوگرہ راج میں خاص کر ان کے ابتدائی دور میں کشمیر کے مسلم عوام کی قسمت میں سیاسی غلامی، بے بسی محکومیت اور مظلومیت کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔

قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند:...... ۷۵ لاکھ روپیہ والے اس سودے پر قریباً ۷۵ سال کا زمانہ گزر جانے کے بعد ترجمان الحقائق حضرت اقبالؒ کے حساس دل سے یہ درد بھری اور پر اثر صدا بلند ہوئی۔

باد صبا اگر بہ جینوا گذر کنی
حرفے زما بہ مجلس اقوام بازگو
دہقان و کشت وجوئے و خیاباں فروختند
قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند

ہم اس مرحلے پر صرف انیسویں صدی کے واقعات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ شاعر مشرق اقبال مرحوم کا یہ جانگاہ نالہ جو بیسویں صدی کی چیز ہے اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ جیسا کہ ہم نے سطور گذشتہ میں عرض کیا کہ حضرت شاہ صاحب کی پیدائش کا سال اس انیسویں صدی کا پچھترواں سال (۱۸۷۵ء) اور یہ دوسرے ڈوگرہ حکمران مہاراجہ زنبیر سنگھ کا دور ہے۔ (مہاراجہ زنبیر سنگھ نے ۱۸۵۷ء سے ۱۸۸۵ء تک جموں وکشمیر پر حکومت کی) اس مہاراجہ کی حکومت کا اٹھارہواں سال تھا جب حضرت شاہ صاحبؒ پیدا ہوئے اور جب مہاراجہ مرا تو اس وقت حضرت شاہ صاحبؒ کی عمر دس سال کے لگ بھگ تھی۔

شاہ صاحبؒ کے ہوش سنبھالنے اور تعلیم کے مختلف مراحل طے کرنے کا زمانہ زنبیر سنگھ کے آخری دور اور مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے ابتدائی دور کے واقعات ہیں اور یہ سب واقعات ۱۹۰۰ء کے خاتمہ سے ماقبل کے ہیں۔

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے:...... تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ڈوگرہ راج کے پہلے پچپن سال یعنی ۱۸۴۶ء سے ۱۹۰۰ء تک نصف صدی سے زائد مدت کا دور کشمیری عوام کے حق میں عذاب شدید کا دور تھا۔ اس دور میں حکومت کے ظلم وتشدد کے علاوہ حسب ذیل واقعات بھی وادی کشمیر کے لوگوں کی تباہ حالی ترک وطن اور خانہ خرابی کا موجب بنتے رہے۔ ان واقعات سے تاریخ کے صفحات پُر ہیں، یہاں پر چند حادثات کی طرف اشارہ کافی ہوگا۔

ہر طرف آگ ہی آگ:...... مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد حکومت میں کثرت سے بستیوں کے نذر آتش ہوجانے کے حادثات سے شہر سرینگر کا بیشتر حصہ بار بار تباہ ہوگیا، محلے اور بازار ملبے اور راکھ کے ڈھیر بن گئے۔ مؤرخ حسن اپنی مشہور تاریخ "تاریخ حسن" کے حصہ اول ۷۹ ۴ پر لکھتا ہے کہ:

۱۸۵۰ء/۱۲۶۷ میں جب مہاراجہ گلاب سنگھ کی حکمرانی تھی، محلہ ٹینگی پورہ سے آگ شروع ہوئی تو محلہ زینہ دار صاحب وغیرہ (آج کل کے پورے وارڈ نمبر۳) کے محلوں کو خاکستر میں تبدیل کر گئی۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے زمانہ میں آتشزدگی کے واقعات شہر و دیہات میں اس کثرت سے ہونے لگے کہ توہم زدہ لوگ اس کو پراسرار حوادثات یقین کرنے لگے۔ خاص کر سال ۱۸۷۸ء ۱۲۹۵ کے دوران قصبات اور گاؤں میں آگ کی جو وارداتیں ہوئیں ان سے محلوں کے محلے ختم ہو گئے اور اپنے ساکنین کو زمانہ کے ناسازگار حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ گئے۔

مورخ حسن جو زمانہ رنبیر سنگھ کا چشم دید گواہ ہے اور کسی حد تک مہاراجہ مذکور کا مداح بھی ہے۔ ۱۸۷۸ء کی آتشزدگیوں کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

در حکومت رنبیر در ۱۲۹۵ء در ملک کشمیر قحط واقع شدہ بود مدت شش ماہ بارش و باران موقوف شد۔ در شہر دہ ہزار ہا خانہ سوختہ شدند۔ ہیچ روزے بغیر آتش نہ بود۔ بتاریخ ۲۲ ماہ بہادون ۱۹۳۵ء از جبہ کدل آتش شعلہ ور گشتہ تا سد قاضی زادہ (موجودہ محلہ ستھو بربر شاہ) یک ہزار خانہ در یک دو ساعت افروخت۔

لکڑی سے بنی ہوئی عمارتوں کو لگی ہوئی اور ہوا کی مدد سے محلے پر محلہ ختم کرتی ہوئی آگ پر قابو پانے کا اس زمانہ میں کوئی ادنیٰ سا انتظام بھی نہ تھا۔ لوگوں کے گھربار اور موروثی داشت و نداشت منٹوں میں دہکتے انگاروں اور اڑتی ہوئی راکھ میں تبدیل ہوتی جاتی تھی۔ اس طرح اجڑتے ہوئے عوام کو از سر نو آباد کرنا تو کجا ان کی کسی وقتی اور معمولی ہمدردی کو بھی حکومت اپنا فرض نہ سمجھتی تھی۔ یہ بدقسمت آبادیاں جہاں سینگ سمائی چلی جاتی تھیں اور اکثر حاکمان وقت مکمل بے پروائی سے ان کی تباہی و بربادی کا تماشہ دیکھتے رہ جاتے تھے۔

مہاراج گنج بازار کیسے ایجاد ہوا؟...... مہاراجہ رنبیر سنگھ کی تخت نشینی سے پہلے بھی اس صدی کے دوران سولہ بار آگ کی وارداتوں سے سرینگر تباہ ہو گیا تھا۔ تازہ آتشزدگیوں سے شہر کے علاوہ علاقوں کے علاقے ختم ہو گئے۔ رنبیر سنگھ نے ایک بڑی پر آتشزدگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے شہر سرینگر کا وہ مرکزی بازار بھی ختم کر دیا جو جامع مسجد کے قریب واقع تھا اور جس کا نشیبی حصہ ملا عراقی ہٹہ (موجودہ ملارٹہ) کے نام سے اور بالائی حصہ نوہٹہ کے نام سے مشہور تھا۔

ملارٹہ اور نوہٹہ کی تاریخی اہمیت:...... یہ کوئی معمولی بازار نہ تھا بلکہ ایک مرکزی منڈی تھی۔ جمعہ کے دن جامع مسجد کے چاروں طرف خراسانی رواج اور طرز کے مطابق "ہفتہ وار بازار" لگتا تھا۔

جہاں گاؤں سے آئے ہوئے لوگ اپنی دیہاتی پیداوار غلہ، گھی، شہد، سبزیاں، لکڑی اور گھاس وغیرہ فروخت کرتے تھے اور اس کے بدلے اپنی ہفتہ بھر کی ضروریات شہر سے لے جاتے تھے۔

ملارٹہ اور نوہٹہ کا یہ بازار شہر سرینگر کا ایک تاریخی بازار تھا اور اس کی حیثیت لاہور کے انارکلی بازار اور دہلی کے چاندنی چوک کے بازار کی سی تھی۔ جس طرح شاہجہاں نے دہلی کو آباد کرنے کے وقت چاندنی چوک کی تعمیر کا ماسٹر پلان میں شامل رکھ کر خاص مقصد اور خاص نقشے کے مطابق تعمیر کرایا تھا۔ اسی طرح جب حضرت میر محمد ہمدانی کی ہدایت کے مطابق سلطان زین العابدین بڈشاہ کے والد بزرگوار سلطان سکندر کشمیری نے ۸۰۰ھ میں سرینگر کی جامع مسجد تعمیر کی تو اس مسجد کو مسلمانان وادی کشمیر کے لئے دینی اور علمی مرکز بن جانے کی وجہ سے اس کے ماحول کو ملک بھر کی تجارت کیلئے مرکزی منڈی بنا دینے کی غرض سے یہ دونوں بازار سرکاری حکم سے تعمیر ہوئے اور بڑے بڑے تاجروں نے سرکاری احکام سے ہی یہاں اپنے کاروبار شروع کئے۔ اس بازار نے شہر کو دیہات سے اور دیہات کو شہر سے ایک ایسی وابستگی عطا کر دی تھی جو اپنی مثال آپ تھی اور پورے معاشرے کی زندگی پر اس ہفتہ وار بازار کا گہرا اثر تھا۔ بڑے بڑے مدرسے اور کتب خانے بھی اس کے آس پاس واقع تھے اور اس طرح جامع مسجد کا یہ ماحول ملکی ترقی تجارت اور پوری اسلامی تہذیب وتمدن کی آئینہ داری کرتا تھا۔

تجارت کشمیر پر حاسدانہ حملہ:...... ڈوگرہ حکومت چاہتی تھی کہ کشمیر کی تجارت پر پنجاب کے ان مہاجنوں کی قوم کا تصرف ہو جائے جنہوں نے کشمیر کی خریداری کے وقت مہاراجہ گلاب سنگھ کو لاکھوں روپیہ قرض دیا تھا۔ مگر اس ارادہ کو عملی شکل دینے کا کوئی موقعہ نہ ملتا تھا۔ آج کل جہاں مہاراج گنج بازار ہے، یہ علاقہ جب آتشزدگیوں کے صدقے میں خالی ہو گیا تو بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔

پنجابی مہاجن حکماً ٹھونسے گئے: مہاراجہ رنبیر سنگھ نے وہاں اپنے نام سے ایک منڈی اور بازار قائم کیا اور پنجاب سے بڑے بڑے مہاجن بیوپاری لاکر تھوک بیوپار کا کاروبار ان کے حوالہ کر دیا مگر اندیشہ تھا کہ سابق مقامی تاجروں کے مقابلے میں کہیں وہ ناکام نہ رہ جائیں۔ اس لئے ۱۲۸۸ھ میں سرکاری حکم اور اعلان کے ذریعہ نوہٹہ، ملارٹہ اور جامع مسجد کے مضافات کے بازار بند کرا دیئے گئے۔

الغرض چار سو اٹھاسی سال تک یہ بازار نہ صرف سرینگر بلکہ پوری وادی کشمیر کی مرکزی تجارت گاہ رہنے کے بعد ہمیشہ کیلئے ختم ہو گئے۔ آج ان کی حیثیت معمولی گذرگاہوں کی سی ہے۔ اور اب بھی یہ علاقے سرینگر کے سلم ایریا (SLUM AREA) میں شمار ہوتے ہیں۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کو

صرف رنبیر گنج پر مہاجنوں کا تسلط جمانے سے ہی تسلی نہ ہوئی۔ اس نے امیرا کدل پل کے دونوں طرف بھی پنجابی مہاجنوں کی دکانیں قائم کرائیں اور سرائے بالا کی پشت پر مہاراج بازار کے نام سے ایک اور نیا بازار قائم کر کے اپنے منظور نظر سود خواروں کو وہاں لا کر آباد کیا۔

قیامت خیز زلزلے: علامہ اقبال نے عالمگیر حادثات اور بنی نوع انسان کی عمومی مصائب بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

بجلیاں ہیں، زلزلے ہیں، قحط ہے، آلام ہیں
کیسی کیسی دخترانِ مادرِ ایام ہیں

انیسویں صدی عیسوی کا کشمیر حضرت موصوف کے اس شعر کا پورا مرقع تھا۔ آتش ہائے ناگہانی کی خرمن سوزی اور قحط و آلام سے جو کچھ بچ جاتا تھا وہ مسلسل اور شدید زلزلوں کی نذر ہو کر رہ جاتا تھا۔ اس انیسویں صدی میں کشمیر میں چار بہت بڑے بھونچال آئے لیکن ان میں سے آخری دو (۱۸۶۳ء، ۱۲۸۰ھ اور ۱۸۸۴ء، ۱۳۰۲ھ) زلزلوں سے کشمیر کی تباہی انتہا کو پہنچ گئی۔ بے شمار مکان آنکھ جھپکنے میں زمین بوس ہو گئے۔ ناقص سرکاری اندازے کے مطابق ساڑھے تین ہزار انسان لقمہ اجل ہو گئے۔ جو لوگ ملبے کے نیچے سے دب کر مر جانے سے بچ گئے وہ خوف و ہراس کے مارے مدت تک اپنے مکانوں سے باہر دور میدانوں میں جا کر سوتے رہے۔ ۱۸۸۴ء، ۱۳۰۲ھ کا زلزلہ جو ماہ شعبان میں ٹھیک شب برات کو آیا (اور جس کا مادہ تاریخ بھی "زلزلہ شدید شب برات" رہا) اس قدر تباہ کن تھا کہ کئی جگہ زمین پھٹ گئی اور مکان اپنے مکینوں کو لیکر "فخسفنا به وبداره الارض" کے مصداق بن گئے۔ جس علاقے پر زلزلہ کا زیادہ اثر پڑا تھا وہاں اس سے ہلاک ہونے والے انسانوں کی تعداد دس ہزار پانچسو شمار میں آئی اور گائے بیل اور دیگر مواشی کا کوئی شمار نہیں ہو سکا۔

آبادیوں کا خاتمہ کر دینے والا قحط: ۱۸۷۷ء۔ ۷۸ء میں کشمیر میں قحط عظیم پڑا جس میں انسانوں نے انسانوں کا گوشت کھایا لوگ مردوں کو دفنانے کے بدلے ان کو اپنے تنور شکم کے حوالے کر دیتے تھے۔ بے شمار لوگ موت کا شکار ہوئے اور اس طرح سے گاؤں کے گاؤں خالی ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ اس وقت وادی کی آبادی جو قحط سے پہلے آٹھ لاکھ تھی، کم ہو کر صرف دو لاکھ رہ گئی اور باقی چھ لاکھ یا تو ملک چھوڑ کر بھاگ گئے یا بھوک سے تڑپ تڑپ کر مر گئے، اکثر ایسا ہوا کہ جن لوگوں نے کشمیر سے بھاگ کر آس پاس کے علاقوں ہزارہ سرحد اور پنجاب وغیرہ میں پناہ لینے کی کوشش کی، وہ منزل مقصود تک شاذ و نادر ہی پہنچ پائے۔ راستوں کے دائیں بائیں ان کی ہڈیوں کے

ڈھیر برسوں تک ان کے دردناک انجام کی یاد دلاتے تھے۔

مہلک وبائیں:......قحطوں کے ساتھ ساتھ وبائی امراض کا یہ حال تھا کہ انیسویں صدی میں دس بار کشمیر میں سخت کالرا پھوٹ پڑا، جس علاقہ میں وبا پہنچی وہاں چھ چھ مہینہ تک قدم جما کر انسانی آبادی کا خاتمہ کرتی رہی۔

کالرے کا ٹیکہ جیسے علاج تب تک کشمیر میں کسی کے خواب وخیال میں بھی نہ تھے اس وبا کا قدیم طب میں جو علاج تھا حکومت نے کبھی اس پرواہ نہ کی۔ سب سے زیادہ تباہ کن کالرا ۱۸۹۲ء کا بیان کیا جاتا ہے جس میں لگ بھگ بارہ ہزار افراد چند دنوں میں جاں بحق ہو گئے۔

سیلاب ہائے کشمیر: جس زمانہ کا حال بیان ہو رہا ہے، یہ دور سیلابوں کے لحاظ سے بھی دور تباہی تھا یوں تو کشمیر میں سیلاب اکثر آتے ہی رہتے ہیں لیکن ۱۸۹۲ء کے سیلاب کو مؤرخین کشمیر نے ابتلائے عظیم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس ریکارڈ توڑ سیلاب کی تباہ کاریاں کتنی زیادہ تھیں اس میں کمر توڑ مہنگائی اور ضروریات زندگی خصوصاً غذا کی نایابی سے لوگوں کی کیا حالت ہوگئی کتنے مکان گر گئے فصلوں اور مویشیوں کا کیا حال ہوا اور کتنی جانیں تلف ہوئیں یہ بجائے خود ایک المناک داستان ہے۔

سرلارنس کے تاثرات: ان مصائب وشدائد کا مارا ہوا کشمیر تھا جس کی دیہاتی زمینوں کا بندوبست کرنے جب سٹلمنٹ کمشنر مسٹر والٹر۔ آر لارنس آئے تو عوام کے خوں چکاں حالات اور ان کی حیوانوں سے بھی پست تر زندگی کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے۔ چنانچہ مسٹر لارنس نے اپنی مشہور کتاب دی ویلی آف کشمیر (مطبوعہ لندن ۱۸۹۵ء) میں اپنے تاثرات اس طرح بیان کیے ہیں۔

"When I first came to Kashmir in 1889" I found the people sullen, desperate and suspicious. They had been taught for many years that they were serfs without any right but with many disabilities. They werecalled "*ZULM PARAST*" or worshippers of tyranny and every facillty was afforded to their cult. They were forced by Soldiers to plough and sow, and the same soldlers attended at harvest time. They were dragged away from their houses to carry loads to Gilgit, and every offcial had a right to their labour and their property.

When I commenced the work of inspecting Villagss in 1889, there was herdly a village where i did not see deserted houses and abandoned fields, the owners of



which had perised in the great famine of 1878".

Ref. Page 2 & 216

THE VALLEY OF KASHMIR *by* Walter R. Lawrenc, (london 1895)

مفہوم: ۱۸۸۹ء میں پہلی دفعہ جب میں کشمیر آیا تو یہاں کے لوگوں کو میں نے اداس ناامید اور ہر ایک پر شک وشبہ کی نظر سے دیکھتا ہوا پایا۔ سالہا سال سے انہیں (عملاً) یہی ذہن نشین کرا دیا گیا تھا کہ وہ محض غلام بے دام ہیں جن کا کوئی حق نہیں ہے، البتہ ان میں بہت سی نالائقیاں ہیں۔ انہیں ظلم پرست (یعنی ظلم اور ناانصافی کے سامنے جھکنے والے) کہہ کر کے پکارا جاتا تھا۔ اور ان کی عادت ذلت پرستی کو بڑھاوا دینے اور اسی پر قائم رہنے کے لئے ان کی ہمت افزائی کی جاتی تھی۔ (اور چونکہ زمین کی پیداوار کو حکومت ان سے جبراً چھین لیتی تھی اس لئے) زمین جوتنے اور بیج بونے کے لئے انہیں سرکاری پولیس سے مجبور کیا جاتا تھا اور جب فصل پک کر تیار ہو جاتی تھی تو اس اناج کو چھیننے کیلئے یہی سپاہی ان کے پاس پھر آن موجود ہوتے تھے۔ انہیں گلگت تک (سرکاری) بوجھ اٹھانے کے لئے اپنے گھروں سے گھسیٹ کر (بطور بے گار) لیا جاتا تھا۔ اور ہر سرکاری کارندے کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ ان سے بغیر معاوضہ کے کوئی بھی خدمت لے اور ان کی کمائی میں سے بھی جو چاہے بغیر قیمت کے لے لے۔ (اور) جب ۱۸۸۹ء میں (بندوبست اراضی کا عملی کام شروع کرنے سے پہلے) میں نے دیہات کا جائزہ لینا شروع کیا تو شاذ و نادر ہی کوئی گاؤں ایسا تھا جہاں میں نے اجڑے ہوئے مکان اور بنجر پڑے ہوئے کھیت نہ دیکھے، جن کے مالک ۱۸۷۸ء کے قحط عظیم میں (مر کھپ کر) ختم ہو چکے تھے۔

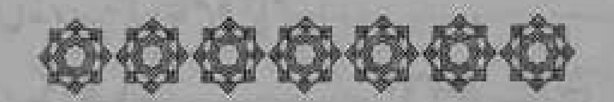
سر بنرجی کی شہادت:...... مسٹر لارنس نے ۱۸۹۵ء میں کشمیر کے لوگوں کی جس تباہ حالی کا رونا رویا تھا وہ تیس بتیس سال بعد تک بھی اسی طرح جاری تھی چنانچہ مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنی تخت نشینی کے بعد ۱۹۲۷ء میں بطور پولیٹکل اور فارین منسٹر کے بنگال کے ایک بڑے قابل انسان سر البین بنر جی (Sir Albion Bannerjee) کو یہاں لایا تو وہ یہاں کے عوام کی مصائب کو دیکھ کر کانپ اُٹھا اور دو سال تک اپنے عہدے پر رہ کر تبدیلی حالات کی کوشش کرتا رہا لیکن جب کامیابی نہ ہوئی تو استعفیٰ دے کر گھر کو روانہ ہو گیا اور جاتے جاتے اس نے ریاست کی بدحالی کی عبرت انگیز تصویر ایک اخباری بیان میں بالفاظ ذیل کھینچی:

Jammu & Kashmir State is labouring under many disadvantages, With a large Mohammadan Population absolutely illiterate, labauring under poverty and very low economic condltions of livning in the Villages and



practically governed like dumb driven Cattle"
Ref: Page650 A History of Kashmir
by P. N. Kaul Mamzai-Delhi-1962

مفہوم:......ریاست جموں و کشمیر کے عوام قسم قسم کی محرومیوں کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ اس ریاست میں مسلمانوں کی اکثریت ہے جو بالکل ناخواندہ ہیں اور مختلف مصائب کا شکار ہیں، وہ غربت و افلاس کے پنجے میں گرفتار ہیں اور ان کی معاشی حالت بہت ہی پست ہے، یہ لوگ زیادہ تر دیہات میں رہتے ہیں (ان پر مہذب طریقے سے حکومت نہیں کی جاتی ہے) بلکہ عملاً انہیں چوپایوں کی طرح ہانکا جاتا ہے۔



سوانح حیات

ٹائم چارٹ: ولادت سے وفات تک

☆ ......ولادت:
.......۲۷ شوال المکرم ۱۲۹۲ھ (۱۷ اکتوبر ۱۸۷۵ء)

☆ ......حصول علم کے لئے سفرِ ہزارہ:
.......۱۳۰۵ھ

☆ ......ہزارہ سے واپسی:
.......۱۳۰۸ھ

☆ ......دار العلوم دیو بند میں داخلہ:
.......۱۳۱۰ھ

☆ ......دار العلوم سے فراغت:
.......۱۳۱۴ھ

☆ ......حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے شرف بیعت وتلمذ:
.......۱۳۱۵ھ

☆ ......مدرسہ امینیہ دہلی کی صدر مدرسی: ......ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ سے ۸ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ تک

☆ ......سفرِ حرمین:
.......۱۳۲۳ھ

☆ ......بارہ مولا کشمیر میں مدرسہ فیض عام کا قیام:
.......۱۳۲۴ھ

☆ ......فیض عام میں تدریسی خدمات:
.......۱۳۲۴ھ سے ربیع الاول ۱۳۲۸ھ تک

☆ ......دار العلوم دیو بند کے جلسہ دستار بندی میں شرکت:
.......ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ

☆ ......دار العلوم میں بحیثیت مدرس حدیث:
.......۱۳۲۸ھ سے ۱۳۳۳ھ تک

☆ ......دار العلوم کی صدر مدرسی اور حضرت شیخ الہندؒ کی جانشینی:
.......شوال ۱۳۳۳ھ سے ربیع الاول ۱۳۳۹ھ/۱۹۱۵ء-۱۹۲۱ء

☆ ......تاہل:
.......۱۳۳۶ھ

☆ ......دار العلوم کی مستقل صدر مدرسی:
.......۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء سے ۱۳۴۶ھ تک

☆ ......جمعیۃ العلماء ہند کے آٹھویں سالانہ اجلاس منعقدہ پشاور کی صدارت: دسمبر ۱۳۴۵ھ

☆ ......دار العلوم دیو بند سے ترکِ تعلق:
.......۱۳۴۶ھ

☆ ......جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریسی خدمات:
.......۱۳۴۶ھ سے ۱۳۵۱ھ

☆ ......مقدمہ بہاولپور میں شہادت اور لاہور کا آخری سفر: ......اگست ۱۳۵۱ھ/۲۳۹۱ء

☆ ......وفات حسرت آیات:
.......۳ صفر ۱۳۵۲ھ ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء

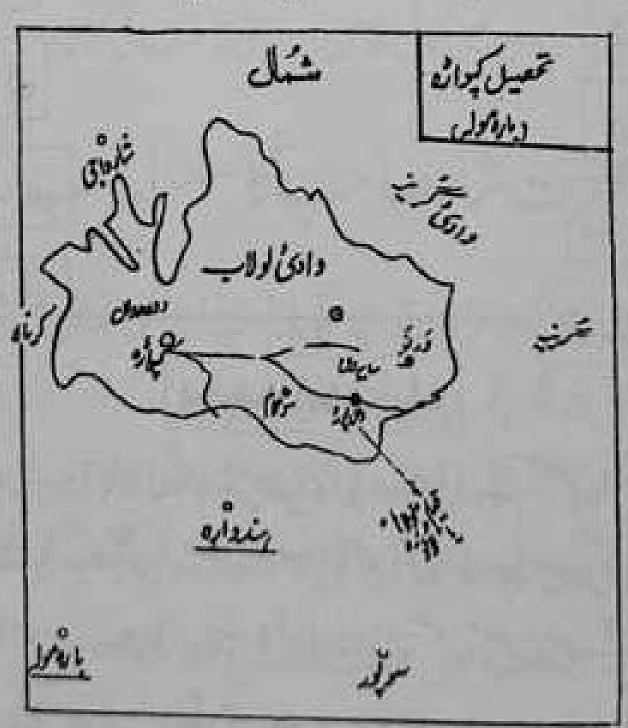
ولادت باسعادت

۲۷، شوال المکرم ۱۲۹۲ھ۔ ۱۷، اکتوبر ۱۸۷۵ء

شیخ الحدیث علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری (رحمہ اللہ تعالیٰ) ۲۷، ماہ شوال المکرم ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۷، اکتوبر ۱۸۷۵ء بروز شنبہ بوقت سحر اپنے ننھیال موضع ''دودھ وان [1]'' علاقہ لولاب (کشمیر) میں پیدا ہوئے۔

آپ کے والد بزرگوار عوام میں پیر محمد معظم شاہ کے نام سے معروف تھے اور آپ کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی بی بی مال دیدی تھا۔

بی بی مال دیدی:...... کشمیری زبان میں ''مال'' کے معنی ''پہاڑ کی اونچی چوٹی'' ہے۔ اور ''دیدی'' کا لفظ کشمیری زبان میں عزت واحترام کا مفہوم ادا کرنے کے لئے بڑا جامع لفظ ہے جس کے معنی ماں بھی ہیں اور بڑی بہن بھی۔ یوں بھی اگر کسی خاتون کا عزت یا عمر کے لحاظ سے ادب کرنا ہو تو اس کو بھی ''دیدی'' کہہ کر خطاب کیا جاتا ہے۔ بنا براں ''مال دیدی'' کا مفہوم ہے پہاڑ کی اونچی چوٹی کی طرح بلند رتبہ خاتون یعنی سربلند اور پروقار ہستی۔

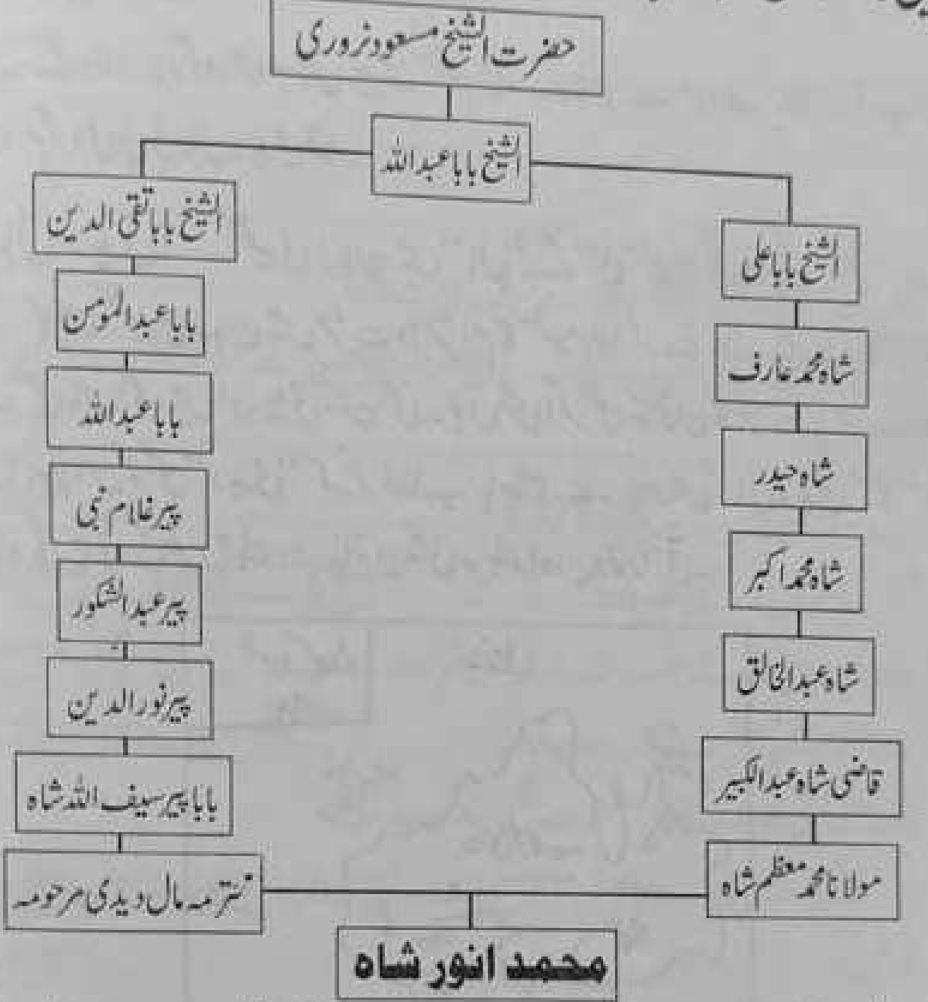


---

[1] ...... ''دودھ وان'' دراصل ''دُودوَن'' ہے اور اس کا مفہوم بزبان کشمیری ہے ''دودھ سے بھرا جنگل'' اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس گاؤں کے شمال مشرق کی طرف نہایت سرسبز چراگاہ تھی جس میں گائے، بھینس خوب نشوونما پا کر وافر مقدار میں دودھ دیتی تھیں۔ اس لئے مقامی لوگوں نے اس چراگاہ کو ''دُودوَن'' کا نام دیا تھا اور بعد ازاں یہ گاؤں ''دودھوان'' کے نام سے موسوم ہوا۔

کشمیر میں تفاؤلاً بچیوں کے جو اچھے نام اپنی مادری زبان میں رکھے جاتے ہیں ان میں سے مال ایک پسندیدہ نام ہے۔ نسب کے لحاظ سے محمد انور شاہ کے باپ مولانا معظم شاہ کی طرح آپ کی والدہ ماجدہ محترمہ بی بی مال دیدی مرحومہ بھی چند پشتیں اوپر جا کر الشیخ بابا مسعود نروری رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھیں۔

والدین کا متقابل شجرہ نسب: حضرت شاہ صاحب کے والدین کا متقابل شجرہ نسب یوں ہے۔



معظم، مال، انور: ......ذرا ان تین ناموں پر ایک نگاہ ڈالئے معظم۔ مال۔ انور۔ یعنی عظمت۔ سربلندی اور نورانیت۔ آگے چل کر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کو جو درجات عالیہ نصیب ہوئے وہ ان تینوں ناموں کے دعائیہ پہلو کا قبولیت یافتہ عکس معلوم ہوتے ہیں اور الاسماء تنزل من السماء کی تصدیق کرتے ہیں۔

محترمہ مال دیدی کے خدا دوست والد پیر سیف اللہ شاہ نے اپنی اس دختر نیک اختر کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ صرف کی تھی اور یہ بچی جس کو قدرت نے نابغۂ عصر علامہ انور شاہ اور آپ کے دیگر پانچ ذہین اور حسین و جمیل بھائیوں کی ماں بننے کے لئے پیدا کیا تھا زمانہ طفولیت سے ہی صوم و صلوٰۃ

اور تلاوت قرآن مجید سے والہانہ شغف رکھتی تھی اور خواتین کی مروجہ زیب و زینت سے ان کی بے نیازی ضرب المثل تھی۔ اس پارسا اور پاکباز خاتون میں حضرت رابعہ بصریہ کے اوصاف نمایاں تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی ولادت کے زمانے میں آپ کی والدہ محترمہ اپنے والدین کے ہاں موضع دودھوان میں وقتی طور تشریف فرما تھیں ورنہ ان دنوں مولانا محمد معظم شاہ مستقل طور ضلع مظفر آباد کی وادی نیلم کے موضع لوات میں بودوباش رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ کی پیدائش کے بعد آپ کی والدہ صاحبہ نومولود لے کر واپس اپنے گھر لوات چلی گئیں یہ حضرت شاہ کے بچپن کا زمانہ تھا جب مولانا معظم شاہ صاحب کچھ قلبی شوق سے اور کچھ اپنی زوجہ محترمہ کے برادر پیر اکبر شاہ کے اصرار کے باعث وادی نیلم سے منتقل ہو کر پہلے دودھوان میں آکر مقیم ہوئے اور اس کے بعد پر گنہ لولاب کے موضع ورنو کو اپنا مسکن بنالیا۔ جہاں آپ کی ذریت پھیلی اور اب تک موجود ہے۔ ورنو ہی وہ خوش قسمت گاؤں ہے جس کے کھیتوں میں چل پھر کر اور جس کے چشموں کا پانی پی کر شاہ صاحبؒ سن رشد کو پہنچے ورنو کی اس شان امتیازی پر آج تک بھی اس گاؤں کا بچہ بچہ متفخر ہے۔

موضع ورنو دودھوان سے تقریباً دس بارہ میل کی دوری پر شمال مشرق کی طرف واقع ہے اور قصبہ کپواڑہ جہاں آجکل تحصیل کا ہیڈ کوارٹر ہے، اس کی آبادی بڑھتے بڑھتے موضع دودھوان سے ملحق ہوگئی ہے، اب کپواڑہ اور دودھوان میں کوئی خاص درمیانی فاصلہ باقی نہیں رہا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا سلسلہ نسب

حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہ نے اپنا سلسلہ نسب اپنی کئی تصانیف خاصکر نیل الفرقدین اور کشف الستر کے آخر میں خود تحریر فرمایا ہے جو اس طرح ہے۔

محمد انور شاہ بن مولانا محمد معظم شاہ بن شاہ عبدالکبیر بن شاہ عبدالخالق بن شاہ محمد اکبر بن شاہ حیدر بن شاہ محمد عارف بن شاہ علی بن شاہ عبداللہ بن الشیخ مسعود النروری الکشمیری الحنفی۔

وفی المکتوبات الخطیہ عن خلف الشیخ ان سلفہ جاء وا من بغداد الی الھند و دخلوا ملتان ثم ارتحلوا الیٰ بلدۃ لاھور ثم الی الکشمیر. واللہ اعلم۞.

حضرت شاہ صاحبؒ کے خاندانی کاغذات کے مطابق مذکورہ بالا سلسلہ نسب اس کی اپنی شاخ

۞ نیل الفرقدین فی مسئلہ رفع الیدین ص ۲۵ (۲) کشف الستر عن صلوٰۃ الوتر ص ۷۲

اور حضرت شیخ مسعود نروریؒ کی اولاد کی دوسری شاخوں کے خاندان کا متواتر دستاویزات سے ثابت شدہ شجرہ نسب ہے۔ اور حضرت شیخ مسعود نروریؒ (وفات قریباً ۱۰۰۸ھ ہے) سے حضرت شاہ صاحبؒ تک جن اشخاص کا نام آتا ہے ان میں سے اکثر مشہور و معروف اور تاریخی ہستیاں ہیں۔ اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ شجرہ نسب کا یہ حصہ جو قریباً چار سو سال سے آج تک کی مدت پر حاوی ہے، بہ روایت متواترہ ثابت شدہ ہے۔ حضرت شاہ صاحب جیسے اعاظم رجال اور مشہور شخصیتوں کے حسب ونسب کا چار سو سال تک پیش منظر ہو جانا سیرت نگاری کے مقاصد کے لئے کافی سے بھی زیادہ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی اولاد سے ہونے کی شہرت:...... حضرت شیخ مسعود نروری کے ساتھ نسبی تعلق رکھنے والے اکثر اہل علم میں حضرت مسعود کے از اولاد امام ابوحنفیہ ہونے کی شہرت اس کثرت سے ہے کہ اس کو نظر انداز کرنا قرین انصاف نہ ہوگا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت امام اعظمؒ کی اولاد سے ہونے پر بعض تاریخی کتب کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ گو کشمیر کی مطبوعہ تاریخیں اس مسئلے پر قریب قریب خاموش ہیں۔ ان تاریخوں میں حضرت شیخ مسعودؒ کے تصوف اختیار کرنے سے قبل ایک بڑے تاجر ہونے اور تلاش حق میں حضرت میر سید احمد کرمانیؒ تک رسائی حاصل کرنے اور پھر دنیا کو ترک کر کے ریاضت و عبادت اور خدمت اسلام کے لئے وقف ہو جانے اور کمالات عالیہ تک پہنچنے کی مفصل کہانی موجود ہے۔ لیکن سلسلہ نسب کی طرف ان مصنفین نے کوئی اشارہ نہیں کیا۔ مسعودیوں میں سے بعضوں کے پاس کچھ شجرہ ہائے نسب بھی ہیں مگر ان شجروں میں مذکورہ نام بردہ اشخاص اور ان کے زمان و مکان کے متعلق تاریخی مواد کی تائید دستیاب نہیں ہے۔

خود حضرت شاہ صاحبؒ کے والد ماجد مولانا معظم شاہ صاحبؒ کے پاس بھی اپنے قدیمی کاغذات میں حضرت مسعودؒ سے حضرت امام اعظمؒ تک ایک شجرہ نسب تھا جس کو موصوف نے کسی وقت تفریح طبع کے طور فارسی زبان میں نظم کر ڈالا تھا۔ اس شجرے سے ملتا جلتا ایک شجرہ نرورہ میں زیارت علم صاحب کے سجادہ نشین بھی پیش کرتے ہیں۔ اس شجرے کی موجودگی سے علی الاقل یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ زمانہ قدیم ہی سے بعض اہل علم حضرات ایسے چلے آئے ہیں جو حضرت شیخ مسعود نروریؒ کے متعلق اس بات کے قائل تھے کہ آپ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی اولاد سے تھے۔

نام کے ساتھ حنفی:...... حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ نے حضرت شیخ مسعودؒ کے نسب کے بارے میں کوئی تصریح نہیں کی، البتہ اپنی تصانیف نیل الفرقدین اور کشف الستر کے خاتمہ پر اپنے نسب نامہ کو حضرت شیخ مسعود تک پہنچانے کے بعد اپنے نام کے ساتھ حنفی لکھا ہے۔ اس میں دو احتمال ہو سکتے ہیں: (۱) ہو سکتا ہے کہ اس سے آپ کی مراد حنفی نسباً ہو۔ جیسا کہ آپ کے والد صاحب اس کے قائل

تھے۔(۲) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس لفظ سے فقہی مسلک کے لحاظ سے حنفی مراد ہو۔ اور آپ نے آگے چل کر اس موقع پر جو واللہ اعلم تحریر فرمایا ہے اس سے تو متبادر ہوتا ہے کہ حنفی سے نسباً حنفی مراد ہے لیکن اس مسئلے پر آپ کے سامنے کوئی تنقیح شدہ تاریخی مواد دستیاب نہیں تھا۔ اس لئے تقویٰ اور احتیاط کے تقاضوں کے پیش نظر آپ نے واللہ اعلم لکھ کر معاملہ اللہ کو سونپ دیا ہے۔ آپ ہی کی پیروی کرتے ہوئے اس مرحلہ پر ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ واللہ اعلم۔

مزید تفصیلات تتمہ میں:...... حضرت شیخ مسعود نروریؒ سے اوپر آپ کے سلسلہ نسب اور شجرہ نسب کے متعلق اس مرحلہ پر ہم صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور مفصل بحث کتاب ہذا کے تتمہ ۲ میں آجائے گی۔ یہاں حضرت مسعودؒ کا اس قدر تعارف کافی ہے کہ:

دسویں صدی ہجری کے مشائخ کشمیر میں سے حضرت شیخ مسعود نروریؒ اپنے معاصرین میں مراتب عالیہ پر فائز تھے اور کیا بلحاظ دولت وثروت ظاہری اور کیا بلحاظ علم وعمل اور تقویٰ وطہارت باطنی اپنے زمانہ کے عوام تک آپ کی فیض رسانی کی نہریں جاری تھیں۔ آپ کے مرشد حضرت میر سید احمد کرمانیؒ اور آپ کے ہم عصر اولیاء حضرت سلطان العارفین مخدوم شیخ حمزہؒ حضرت جامع الکمالات علامہ شیخ یعقوب صرفیؒ (محدث) حضرت مخدوم احمد قادریؒ حضرت مولانا بابا داوٗد خاکیؒ اور حضرت سید محمد مسافرؒ وغیرہ آپ کے علو مراتب کے معترف تھے۔ اور اس کے بعد تمام کشمیری تاریخیں آپ کے مناقب میں رطب اللسان ہیں۔ ملا بہاء الدین (م ۱۲۴۸ھ) اپنی منظوم تاریخ خمسہ بہاء الدین میں حضرت مسعودؒ کا تذکرہ شروع کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

آنکہ برتخت سروری زیبد شیخ مسعود نروری زیبد

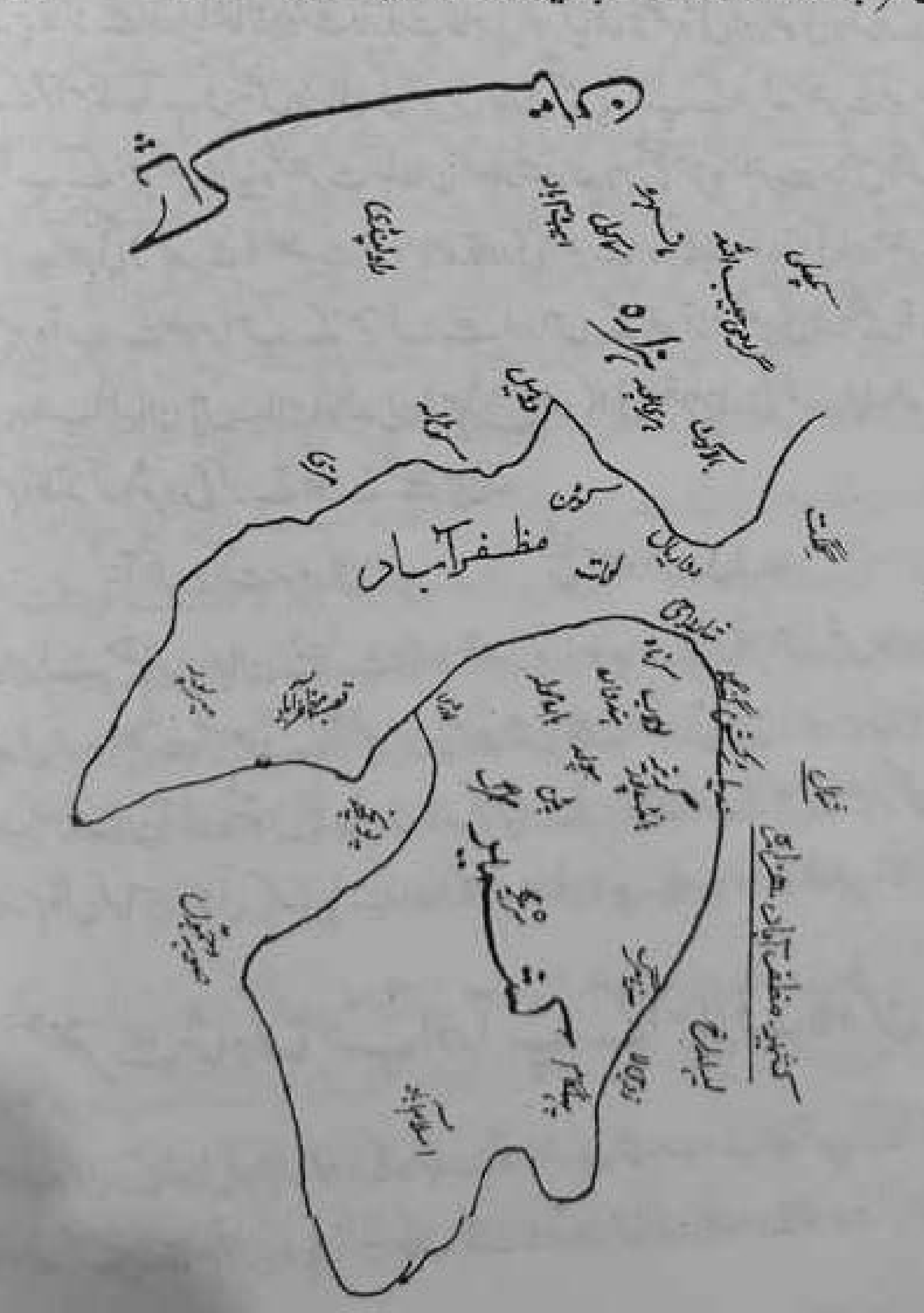
یہاں صرف یہ حقیقت جان لینے سے ہمارا مقصد پورا ہو جاتا ہے کہ فخر المحدثین علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ حضرت مسعودؒ کے آٹھویں پشت میں خلف الصدق ہیں۔ اور جب خود حضرت شاہ صاحبؒ صرف ان آٹھ پشتوں تک نسب نامہ تحریر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں تو ہم کو بھی آپ ہی کے قدم بقدم چل کر اسی کو کافی سمجھنا چاہئے اور اگلا قدم اٹھانا چاہئے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

حضرت شاہ صاحبؒ اور آپ کے اسلاف کا وطن

وطن؟:...... وطن کے سوال کو بنظر غور دیکھا جائے تو حضرت شاہ صاحبؒ اور آپ کے آباؤ اجداد کا وطن کوئی واحد متعین مقام نہیں رہا۔ ''ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست'' کے مطابق

صدیوں سے اس خاندان کے لوگ ایک ملک سے دوسرے ملک میں اور ایک مقام سے دوسرے مقام میں منتقل ہوتے چلے آئے ہیں۔

کشمیر کی تاریخی کتابوں کی ورق گردانی سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت الشیخ مسعود صاحبؒ ۹۵۰ھ یا اس سے بھی کچھ مدت پہلے وارد سرینگر ہوئے اور گذشتہ چار سو یا ساڑھے چار سو سال کی مدت میں حضرت مسعودؒ کے خاندان نے کشمیر کے مختلف مقامات میں توطن کا سلسلہ جاری رکھا ہے ۹۵۰ھ سے ۱۱۰۰ھ تک اس خاندان کے بزرگ شہر سرینگر کے علاقہ زورہ میں پہلے بحیثیت تاجر (اور تاجر بھی معمولی درجہ کے نہیں بلکہ اپنے وقت کے ملک التجار) اور بعد ازاں بحیثیت مرشد روحانی و مبلغ دین اسلام سرگرم عمل دکھائی دیتے ہیں۔ اور اس کے بعد بارہویں صدی ہجری کے دوران اولاد حضرت مسعودؒ کی وہ شاخ جس کے گل سر سبد مولانا انور شاہ صاحبؒ ہیں، وادی کشمیر کے شمالی حصہ یعنی علاقہ کامراج اور خاص کر



لولاب کے گل بداماں احاطے کو اپنا ٹھکانہ بنا لیتی ہے۔

وادی نیلم کی طرف ہجرت:...... تیرہوں صدی ہجری میں (۱۲۳۴ھ) جب ریاست جموں وکشمیر پر لاہور کی رنجیت سنگھی حکومت کا قبضہ ہو جاتا ہے تو لاہور سے کشمیر پر ایسے حاکم بھیجے جاتے ہیں جن کا مذہبی تعصب جنون کی حدوں سے بھی تجاوز کرتا ہے، ان گورنروں کے ہاتھوں ظلم وتشدد کے ایسے واقعات سرزد ہوتے ہیں جو مسلمانانِ کشمیر کو اپنے گھر بار اور وطن سے ہی بیزار کر دیتے ہیں ہزاروں باشندے بھاگ کر وادی سے باہر سر چھپانے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور بقول مسٹر لارنس گاؤں کے گاؤں اجاڑ اور کھیت بنجر بن جاتے ہیں۔اس سکھا شاہی دور میں لولاب وکامراج کے دیگر ہزاروں تارکین وطن کی طرح حضرت شاہ صاحبؒ کے جدامجد شاہ عبدالکبیر اور مسعودی قبیلہ کی دوسری شاخ کے رکن اعلیٰ شاہ محمد صالحؒ اور اس خاندان کے دوسرے کئی گھرانے لولاب کے لہلہاتے گلزاروں، سیماب گوں چشموں، سونا اگلتی ہوئی زمینوں اور سوسال سے جمع کی ہوئی جائیدادوں کو چھوڑ کر ہمہ گیر ظلم سے پناہ مانگتے ہوئے لولاب جیسے محبوب وطن کو ترک کر دیتے ہیں اور شمالی دروں کو عبور کر کے وادئ نیلم کے اونچے پہاڑوں کے اس پار دیودار کے جنگلات سے گھری ہوئی سرسبز وادیوں میں پہنچ جاتے ہیں اور وہاں کے مواضعات کوٹن، لوات اور دواریاں وغیرہ میں مقیم ہو کر اپنی محنت اور قابلیت سے اس نئے وطن میں دینی پیشواؤں کی حیثیت میں باعزت زندگی بسر کرنا شروع کرتے ہیں۔اس وقت وادیٔ نیلم کا حاکم راجہ منصور علی خان ہوتا ہے جو ان تارکانِ وطن کو فراخ دلی اور احترام سے جگہ دیتا ہے اور یہ بھی خوشی سے اس کی رعایا بن کر اشاعت اسلام کا فریضہ جاری رکھتے ہیں۔اس خاندان کے بہت سے گھرانے اب بھی وادیٔ نیلم میں آباد ہیں اور بہت سے واپس وادیٔ کشمیر کی حدود میں آگئے ہیں۔

لولاب کی طرف واپسی:...... زمانہ چند مزید کروٹیں بدلتا ہے۔سکھ حکومت اپنا سارا پارٹ ادا کر کے تاریخ کے سٹیج سے ہٹ چکی ہوتی ہے۔کشمیر پر ڈوگرہ راج مسلط ہو چکا ہوتا ہے اور ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ راجہ منصور خان اور اس کے جانشین راجہ شیر علی خان کی وہ چھوٹی سی پہاڑی سلطنت جو پچاس ساٹھ پہاڑی دیہات پر مشتمل ہزاروں مظلوموں کی پناہ گاہ تھی، ڈوگرہ حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے اور شکست سے دوچار ہو جانے کے بعد مہاراجہ رنبیر سنگھ کے ہاتھوں ختم ہو جاتی ہے۔اور وادیٔ لولاب اور وادیٔ نیلم کے نظام حکومت میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا ہے۔جب کشمیر سے سکھا شاہی کے اثرات کم ہو جاتے ہیں۔مہاراجہ نبیر سنگھ کا نسبتاً کم متشددانہ زمانہ آجاتا ہے۔یعنی تیرھویں صدی ہجری کا ابتدائی زمانہ آتا ہے تو اس تبدیل شدہ فضا

میں مولانا معظم شاہ صاحب اپنے باپ اور دادا کے وطن لولاب کی کشش سے اور اپنے سرال والوں کے اصرار سے واپس وادیٔ لولاب میں آجاتے ہیں، کچھ مدت تک موضع دودھ وان میں قیام فرمانے کے بعد وادیٔ لولاب کے موضع ورنو میں ایک تیز رفتار اور شور مچاتی ہوئی چھوٹی سی ندی کے کنارے دامن کوہ میں قیام پذیر ہو جاتے ہیں۔

موضع ورنو:.....لولاب کے اس گمنام موضع ورنو کی قسمت میں لکھا گیا تھا کہ شہرت کے آسمان پر ستارہ بن کر چمکے مگر اس میں حضرت شاہ صاحب ؒ کے حسن انتخاب کا بھی دخل ہے۔جن لوگوں نے جناب معظم شاہ صاحب ؒ کو دیکھا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ جہاں ایک بڑے عالم وفاضل ،ایک سحر بیان واعظ اور زاہد شب زندہ دار تھے، وہاں فارسی زبان کے قادر الکلام شاعر اور مناظر قدرت کے رمز شناس اور دلدادہ بھی تھے۔علامہ اقبال ؒ نے ذیل کے اشعار میں نہ صرف اپنے احساسات کی بلکہ مولانا معظم شاہ صاحب ؒ جیسے عاشقان جلوہ ہائے فطرت کے جذبات کی بھی ترجمانی کی ہے:

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یارب
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

شورش سے بھاگتا ہوں دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

مرتا ہوں خامشی پر یہ آرزو ہے میری
دامن میں کوہ کے ایک چھوٹا سا جھونپڑا ہو

آزاد فکر سے ہوں، عزلت میں دن گذاروں
دنیا کے غم کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو

لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو

گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا گویا مجھ کو جہاں نما ہو

ہو ہاتھ کا سرہانہ ،سبزے کا ہو بچھونا
شرمائے جس سے جلوت ،خلوت میں وہ مزا ہو

مانوس اس قدر ہو صورت سے میری بلبل
ننھے سے دل میں اس کے کھٹکا نہ کچھ مرا ہو

صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو

ہو دلفریب ایسا کوہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو

آغوش میں زمین کی سویا ہوا ہو سبزہ
پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو

پانی کو چھو رہی ہو، جھک جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو

مہندی لگائے سورج، جب شام کی دلہن کو
سرخی لئے سنہری، ہر پھول کی قبا ہو

راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم
امید ان کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

بجلی چمک کے ان کو کٹیا مری دکھادے
جب آسماں پہ ہر سو بادل گھرا ہوا ہو

پچھلے پہر کی کوئل، وہ صبح کی مؤذن
میں اس کا ہمنوا ہوں، وہ میری ہم نوا ہو۔

کانوں پہ ہو نہ میرے دیر وحرم کا احساں
روزن ہی جھونپڑی کا مجھ کو سحر نما ہو

پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو، نالہ میری دعا ہو

اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے
تاروں کے قافلے کو میری صدا درا ہو

ہر دردمند دل کو رونا میرا رلا دے
بے ہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگا دے

درنو کی دل کشی:...... یہ منظر کشی محض خیالی اور تصوراتی نہیں ہے۔ بلکہ قدرت کے ایک شاہکار اور ایک جیتی جاگتی حقیقت کی تصویر ہے۔ اور درنو وہ مقام ہے جس کو زندگی بھر کی قیام گاہ بنا کر مولانا معظم شاہ صاحبؒ اس کی رعنائیوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ماہ مئی، جون اور جولائی کے ایام میں کوئی شخص معظم صاحب کے درنو میں چلا جائے اور اس ندی کے کنارے بیٹھ جائے جو مولانا موصوف کی قیام گاہ، آپ کی مسجد اور مزار کے سامنے سے پتھروں کے ساتھ سر ٹکراتی، جھاگ اڑاتی اور اونچی سروں میں نہ جانے کیا کچھ گاتی اور شور مچاتی ہوئی گذر رہی ہے۔ ندی کے ایک طرف لہلہاتے کھیت ہیں اور دوسری طرف پہاڑ کی ڈھلوان میں دیودار اور چیل کا دلکش جنگل ہے، بیچ میں ایک چھوٹا سا ٹیلہ ہے جو اب حضرت معظم شاہ صاحبؒ اور ان کے فوت شدہ فرزندوں کی آخری آرام گاہ ہے۔ یہ سارا نظارہ سنگ دل سے سنگ دل انسان کو متاثر کر لینے اور ترجمان فطرت اقبال مرحوم کے مندرجہ صدر اشعار گنگنانے پر مجبور کر دینے کے لئے کافی ہے۔

نویں صدی ہجری سے پہلے کا وطن:...... الغرض کشمیر کی حدود میں حضرت شاہ صاحبؒ کے خاندان کا وطن سری نگر کے محلہ نزورہ سے ضلع بارہمولہ تک پھیلا ہوا ہے، اور اس سے بھی ماقبل یعنی نویں صدی ہجری اور اس سے بھی پہلے آپ کے آبائی وطن کو تلاش کریں تو تاریخیں بتاتی ہیں کہ اس خاندان کے بزرگ کوفہ سے بغداد اور بغداد سے ملتان آکر بسے اور پھر لاہور کو وطن بنایا اور بالآخر لاہور سے کشمیر چلے آئے [1]۔ چنانچہ خود حضرت شاہ صاحبؒ بھی کشمیر میں اس خاندان کے بانی اول حضرت شیخ مسعود نروریؒ تک اپنے سلسلۂ نسب کو بیان کرنے کے بعد موصوف کے وطن کے متعلق یوں رقمطراز ہیں کہ:

وفی المکتوبات الخطیة عن خلف الشیخ (مسعود) ان سلفه جاء وا من بغداد الی الهند و دخلوا ملتان ثم ارتحلوا الیٰ بلدة لاهور ثم الی الکشمیر . واللّٰه اعلم [2]

(یعنی حضرت شیخ (مسعودؒ) کے اخلاف کے پاس قدیم قلمی تحریرات میں درج ہے کہ موصوف

---

[1] ...... (۱) فیض الباری جلد۱، ۲ مولانا بدر عالم میرٹھی (مطبع حجازی قاہرہ مصر ۱۹۳۸ء) (۲) مقدمہ انوار الباری حصہ دوم مولانا سید احمد رضا بجنوری ص ۲۳۷ (طبع سوم ۱۹۶۹ء)

[2] ...... ملاحظہ ہو خاتمہ کتاب "کشف الستر من صلوٰۃ الوتر" مولانا انور شاہ کشمیری۔

کے اسلاف کرام بغداد سے ہندوستان آئے اور ملتان میں وارد ہوئے پھر وہاں سے شہر لاہور میں آبسے اور بعدازاں کشمیر کی طرف منتقل ہوئے۔ واللہ اعلم۔)

جہاں تک کوفہ، بغداد، ملتان اور لاہور کا تعلق ہے یہ چاروں دنیائے تاریخ وجغرافیہ کے جانے پہچانے اور مشہور ومعروف مقامات ہیں جن پر تفصیل سے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

زورہ، لولاب اور نیلم:..... البتہ شاہ صاحبؒ کے تذکرہ میں تین دیگر مقامات کا نام بار بار آتا ہے، جو کسی حد تک غیر معروف مقامات ہیں اور وہ ہیں: زورہ، لولاب اور وادئ نیلم۔

ہم محسوس کرتے ہیں کہ آگے بڑھنے سے پہلے قارئین کرام کو زورہ، لولاب اور نیلم سے متعارف کردیا جائے کیونکہ ان مقامات کی نقاب کشائی شاہ صاحبؒ کی زندگی کے بہت سے گوشوں تک رسائی حاصل کرنے میں مددگار ثابت ہوگی۔

زورہ:..... کشتیوں کے ذریعہ باربرداری اور سفر کی سہولتوں کے لئے کشمیر کے محسن حکمران سلطان زین العابدین المعروف بڈشاہ (دورحکومت ۱۴۲۳ء تا ۱۴۷۴ء) نے سرینگر شہر کے وسط میں سے ایک گہری نہر کٹوا کر جھیل ڈل اور جھیل آنچار سر کے پانیوں کو آپس میں ملادیا تھا۔ اس نہر کو نالہ مار کہتے ہیں۔ شہر کے شمال مغربی کنارے سے یہ نالہ جب جھیل آنچار سر میں جانے سے پہلے جھیل خوش حال سر کا رخ کرتا ہے تو وہاں عیدگاہ کے بالمقابل پرانے وقتوں میں نالہ کے آس پاس خالی میدان تھے، جن میں نالے کا پانی جذب ہوکر سرکنڈے اور دیگران نباتات کا مرکز ہوگیا تھا جو مسلسل گیلی رہنے والی زمین میں اپنے آپ پیدا ہوجاتی ہیں۔ سرکنڈے کو کشمیری زبان میں نر کہتے ہیں۔ چونکہ یہاں دور دور تک اسی گھاس کے پلاٹ دکھائی دیتے ہیں اس لئے عوام اس جگہ کو نروور یعنی نر گھاس کا کھیت کے نام سے پکارتے تھے اور بعدازاں یہ جگہ زورہ کے نام سے موسوم ہوگئی فارسی زبان میں نرَوور کا معنی خیز ترجمہ کیا جائے تو نیستان ہوگا۔

حضرت مسعود کا زورہ میں ورود:..... مشائخ کشمیر میں ایک مشہور بزرگ حضرت بابا مسعود نروری تھے جن کے والد جناب جنید (اور غالب دادا جناب قاسم بھی) ملتان سے آکر لاہور میں ٹھہرے اور کچھ عرصہ کے بعد لاہور سے کشمیر میں بطور تاجر وارد ہوئے۔ یہ سلطان زین العابدین اور اس کے جانشینوں کا دور حکومت تھا، جن کی راجدھانی سرینگر کے شمال میں وہاں تھی، جہاں آج کل سرینگر کا محلہ نوشہرہ ہے۔ چونکہ قدیم زمانہ کے بادشاہوں کا دستور تھا کہ وہ دوسرے ملکوں سے آنے والے نامی گرامی تاجروں کو اپنے محلات کے قرب وجوار میں جائے رہائش مہیا کرتے تھے، اس لئے

علاقہ نزورہ یا نیستان جو نوشہرہ سے تھوڑے سے فاصلہ پر واقع ہے، نو وارد تاجروں کی بود و باش اور تجارتی کوٹھیاں قائم کرنے کے لئے منتخب ہوا جو رفتہ رفتہ ایک بستی بن گئی۔ حضرت شیخ مسعودؒ جن کو اپنے ہمعصر تاجر ملک التجار کہتے تھے، نزورہ کی اس بستی کے اولین آباد کاروں میں سے تھے۔ آج کل نزورہ کا جغرافیہ یہ ہے کہ نالہ مار کے مغرب میں عیدگاہ ہے اور اس کے مشرق میں محلہ نزورہ ہے۔ اس محلہ کے ڈیڑھ سو یا دو سو گھروں میں سے آج بھی کوئی ۲۵ یا ۳۰ گھر حضرت بابا مسعودؒ کی اولاد کے آباد ہیں۔ اور اسی محلے میں حضرت موصوف کا مزار ہے۔ نیز آپ کے جن فرزندوں اور پوتوں کا تذکرہ تواریخ میں ہے وہ بھی آپ کے پہلو بہ پہلو مدفون ہیں۔ اس کے علاوہ وہ مسجد اور وہ خانقاہ بھی اسی نزورہ میں واقع ہے جو زیارت علم صاحب کے نام سے مشہور ہے۔ جس میں وہ تاریخی تبرکات محفوظ ہیں جو حضرت مسعودؒ کے مرشد حضرت میر سید احمد کرمانیؒ ملتان سے اپنے ہمراہ لائے تھے اور جو آپ کے فرزند میر سید محمد مسافر کرمانی نے ۹۷۶ میں حضرت مسعودؒ کے حوالہ کیے تھے۔

اولادِ مسعودؒ کی کثرت و تعداد :...... پچھلے چار سو سال سے اسی نزورہ یا نیستان سے نکل نکل کر حضرت مسعودؒ کی اولاد کے علماء اور فقراء ہر طرف منتشر ہوتے گئے اور وادی کشمیر کے اطراف و اکناف کے علاوہ دوسرے ممالک تک پھیل گئے۔ ریاست کے اندر صوبہ کشمیر کے چاروں اضلاع سرینگر اسلام آباد بارہ مولہ اور مظفر آباد اور صوبہ جموں میں پونچھ بانہال ہر ایک علاقہ میں کہیں کم اور کہیں زیادہ حضرت بابا مسعود نزوری کی نسل کے لوگ جا کر بس گئے ہیں اور تعلیم و تدریس اور پیری و مریدی کے علاوہ تجارت زراعت ملازمت وغیرہ زندگی کے تمام مشاغل میں مقامی لوگوں کے دوش بدوش چل رہے ہیں۔ ریاست جموں و کشمیر سے باہر لاہور دیوبند کراچی (اور اب امریکہ کی ریاست انڈیانا میں بھی) فرزندان شیخ مسعود نزوری مستقل باشندوں کی حیثیت سے بس گئے ہیں۔ وادی کشمیر میں اندازاً ان کی مجموعی تعداد پانچ ہزار سے کچھ اوپر تصور کی جاتی ہے۔ جوہر ذہانت و فطانت کے ساتھ ساتھ تعلیم کو خاص کر عربی اور فارسی زبانوں کو ان لوگوں کے ہاں موروثی دولت کا درجہ حاصل ہے اور اب سیاست میں بھی ان کا حصہ بہت نمایاں ہے۔

نزورہ سے مسعودیوں کا لگاؤ:...... اولادِ شیخ مسعودؒ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ کہیں بھی چلے جائیں محلہ نزورہ کے ساتھ اپنے قلبی تعلق کو کم نہیں ہونے نہیں دیتے۔ اپنے ناموں کے ساتھ مسعودی کے علاوہ نزوری اور اکثر اوقات صرف مسعودی لکھ کر اس تعلق کا اظہار کرتے ہیں۔ خود حضرت شاہ صاحبؒ نزورہ کے ساتھ اپنی وابستگی کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور آخر عمر تک عادت شریف یہی تھی کہ سرینگر میں آئیں تو نزورہ ضرور جاتے تھے اپنے جد بزرگوار حضرت الشیخ مسعودؒ

کے مقبرہ پر فاتحہ اور پھر خانقاہ زورہ یعنی مسجد علم صاحب میں داخل ہو کر تبرکا کچھ نہ کچھ بطور وعظ بیان کرنا آپ کا معمول تھا۔ آپ کے شاگرد رشید مرحوم مولانا سید میرک شاہ اندرابی (کشمیری) نے حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات پر لکھے ہوئے مرثیہ کے آخر میں محلّہ زورہ کے ساتھ شاہ صاحب کے اسی تعلق کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فیا فخر هند ثم دیوبند مرقدا	یباهی بك الكشمير ثمت نرور
عليك سلام الله ماعاش عائش	وما دارت الافلاك اونار نير ❶

لولاب:...... ضلع بارہ مولہ کے شمالی حصہ میں جنگلات سے ڈھانپے ہوئے پہاڑوں کے بیچوں بیچ ایک نہایت حسین وادی ہے جس کو لولاب کہتے ہیں۔ اندرونی حصہ میں یہ وادی دو شاخوں میں بٹ جاتی ہے ایک شاخ ورنو شاخ ہے اور دوسری لال پور شاخ دو میں سے ہر ایک تقریباً ۶ میل لمبی اور ۳ میل چوڑی ہے مشہور انگریز مؤرخ فریڈریک ڈریو (Frederic Drew) اپنی کتاب دی جموں اینڈ کشمیر ٹریٹریز میں سطح سمندر سے اس کی بلندی پر لکھتا ہے کہ:

"I do not know sureiy its altitude: Probably it is near good feet, The J & K Territories" (london 1875)

"مجھے پورے وثوق کے ساتھ سطح سمندر سے اس کی بلندی کا علم نہیں ہے غالباً چھ ہزار فٹ کے قریب ہوگی"۔

لولاب یا لولو:...... یہ امر قابل ذکر ہے کہ لولاب کا قدیم نام لولو تھا چنانچہ لولاب کے باشندے (جو پچاس ہزار کے قریب ہیں) اب بھی اس علاقہ کو لولاب کے بدلے لولو ہی کہتے ہیں۔ لیکن فارسی اور اردو کی تحریرات میں چونکہ لولاب لکھا جاتا رہا۔ اس لئے اب لکھنے میں لولاب ہی لکھا جا رہا ہے۔ اور کشمیر سے باہر اب نام کا یہی تلفظ مشہور ہو چکا ہے۔

لولاب کی وجہ تسمیہ:...... لولوٗ یا لولاب کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کلام کو طول دینے کا یہ موقع نہیں ہے۔ مختصراً کچھ اس طرح عرض کیا جا سکتا ہے۔

مؤرخ حسن شاہ کھویہامی کے بیان کے مطابق شہر لولو راجہ لو نے آباد کیا تھا جو ۱۰۵۹ میں تخت پر بیٹھا اور ۶۰ سال حکومت کی۔

ڈاکٹر سنیل چندرا رے اپنی کتاب ارلی ہسٹری اینڈ کلچر آف کشمیر کے صفحہ ۱۳ پر لکھتے ہیں۔

❶ ...... ملاحظہ ہو "نفحۃ العنبر من ھدی الشیخ الانور" از مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

"Laulaha of Kalhana seems to preserve the old name of the presont Lolsb

یعنی مورخ کلہن نے موجودہ لولاب کو لولاہا لکھ کر اس کے قدیم نام کو گویا محفوظ کر دیا ہے۔

مسٹر جیمس پی فرگیوسن (James P. Ferguson) اپنی کتاب کشمیر ان ہسٹوریکل انٹروڈکشن (Kashmir on Hislorical Intorduction) (مطبوعہ لندن ۱۹۶۱ء) کے ص ۱۱۵ پر رقمطراز ہیں۔

"The Loiab is the ancient Laulahe, but has no historical sifes".

یعنی: (لولاب وہی قدیم زمانہ کا لولاہا ہے لیکن اس میں تاریخی آثار نہیں ملتے)

مسٹر جیمس کا اشارہ اس روایتی قدیم شہر "لولاہا" کی طرف ہے جس کی آبادی راج ترنگنی وغیرہ قدیم کشمیری تاریخوں میں لاکھوں تک بیان کی گئی ہے ❶۔ رہی آثار نہ ملنے کی بات تو اس پر حیرت نہ ہونی چاہیے کیونکہ لولاب کے آس پاس کثرت سے جنگلات ہونے کے باعث اس شہر کی عمارات لکڑی کی ہوں گی۔ اور آتشزدگیوں سے ایسے شہر جب تباہ ہو جائیں تو ان کا نشان نہ رہا تھا۔ یہی معاملہ اس شہر کو بھی پیش آیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

لولاب قدرت کا ایک شاہکار:...... بہر حال وادی لولاب سرزمین کشمیر پر قدرت کی کاریگری اور صناعی کا ایک دل آویز شاہکار ہے، صاف و شفاف قدرتی چشموں آبشاروں اور کوہساروں میں آباد اس مینو سواد حسین وادی کی جتنی تعریفیں کی گئی ہیں وہ اس کے حسن کو بیان کرنے کا حق ادا کرنے سے قاصر ہیں۔

حفیظ جالندھری کی منظر کشی:...... مشہور شاعر حضرت حفیظ جالندھری نے ایک منظر کشی کی ہے جو وادی لولاب پر حرف بہ حرف صادق آتی ہے۔

دور دنیا کی شاہراہ سے دور ☆ دور انسان کی نگاہ سے دور
حسن کی فطرتی بہاروں میں ☆ ایک وادی ہے کوہساروں میں

---

❶ ــــ ویسے شہر کی کثرت آبادی کے بارے میں کلہن پنڈت اور رتناگر دونوں ہی مبالغہ آمیزی سے کام لینے کے باوجود باہم مختلف ہیں۔ کلہن کے نزدیک شہر کے مکانات کی تعداد اسی لاکھ اور رتناگر کے قول کے مطابق اسی ہزار تھی چنانچہ مورخ حسن لکھتے ہیں:

"زلجہ لو ــــ درمیان درۂ لولاب شہر لولو بعمارات کثیرہ و اسواق ودکا کین دلپذیر معمور ساخت کہ تعداد عمارات آں بقول کلہن پنڈت ہشتاد لک خانہ و بروایت رتناگر ہشتاد ہزار خانہ مشہور است۔" (تاریخ حسن، ج ۲ ص ۳۰)

نغمہ زن آبشار چار طرف ☆ ندیاں بے شمار چار طرف
پھول اور لالہ زار چار طرف ☆ ایک خود رو بہار چار طرف
پھوٹتے ہیں ہزار ہا چشمے ☆ سرد و شفاف و خوشنما چشمے
لپٹ گئی ہے زمین پھولوں سے ☆ بن گئی نازنین پھولوں سے
سرخ پھولوں سے زرد پھولوں سے ☆ اور کہیں لاجورد پھولوں سے
جھاڑیاں ہیں تمام پھول ہی پھول ☆ نہیں کانٹے کا نام پھول ہی پھول

علامہ شبلی کا قصیدہ کشمیریہ:...... حضرت علامہ شبلی نعمانیؒ ماہ جون ۱۸۹۸ء کے آخری ہفتہ میں وارد کشمیر ہوئے۔ وہ چونکہ ملیریا تپ کے مزمن مریض تھے آب وہوا تبدیل ہوتے ہی ان کا بخار عود کر آیا اور جتنی مدت کشمیر میں رہے اکثر بیمار ہی رہے۔ تندرست رہے تو نہ جانے نظم ونثر میں ان کی کون کون سی علمی تخلیقات کے ساتھ در کشمیر نوشہ شد کے الفاظ نظر نواز ہوتے۔ اس کے باوجود ان کی ایک مایہ ناز کتاب الفاروق کو کشمیر کے ساتھ یہ تعلق پیدا ہو گیا کہ بقول مولانا سید سلیمان ندویؒ الفاروق جلد دوم کا خاتمہ کشمیر میں ہی لکھا اور ۵ جولائی ۱۸۹۸ء مقام کشمیر لکھ کر جب قلم ہاتھ سے رکھا تو بستر پر بے ہوش پڑ گئے۔ (حیات شبلی ۳۳۴) تپ اور ضعف نے آپ کو وادی کشمیر کے حقیقی نظارے دیکھنے کی اجازت نہ دی، شکارہ میں لیٹے لیٹے ایک آدھ بار مشکل سے ڈل اور اس کے ارد گرد کے باغات پر نظر ڈال سکے اور صحت سے مایوس ہو کر ماہ جولائی کے اندر اندر ہی کشمیر سے واپس چلے جانے پر مجبور ہو گئے۔

قریباً اس سے دو سال بعد تک آپ کی صحت اور مرض کی درمیان جنگ جاری رہی اور کام بھی ہوتے رہے۔ اسی اثنا میں عارضی حصول صحت کے بعد ایک موقعہ پر آپ نے قصیدہ کشمیرہ کے عنوان سے پچہتر اشعار کی کی طویل فارسی نظم میں اپنی علالت کے واقعات بیان کیے ہیں۔ اس نظم میں خلد کشمیر پر آپ کی گلکاری اس قابل ہے کہ لولاب کے تذکرے میں اپنا مقام حاصل کرے۔

دوستان! ایکہ رہ ورسم وفا کیش شماست
ہیچ دانید کہ شبلی بچہ حال ست وکجا ست

ورند انید ونہ دارید زحالش خبرے
باید البتہ پژ وہش کہ پژہش زوفاست

ازسید کاری ایام وزخود رائی خویش
ہست یک سال کہ بے چارہ گرفتار بلاست

بوددر گوشہ تنہائی خود فارغ وشاد
کہ بہ ناگاہ بہ عزم سفراز جابرخاست

سوی کشمیر روان گشت بدان گرم روی
کہ نمی خواست دران رہ نفسی کردن راست

ہیچ شک نیست کہ آن ناحیہ درزیبائی
گرتنزل بکنم خلد برین رامانا ست

بسکہ جوشید زہر سوی گل ولالہ بدشت
ازکران تابہ کران ۔روی زمین ناپیداست

ہیچ جائے زگل ولالہ تہی نتوان یافت
پائے دیوار اگرہست وگرسقف سراست

جادہ راخود زخیابان نتوان کرد تمیز
بسکہ گل صف زدہ سرتاسراوازچپ وراست

جام گلرنگ کہ دربزم بآئین چنید
ہم بدان گونہ گل ،ازپہلو گل جلوہ نماست

نقشبند چمن طبع زترد ستی فیض
دشت راہم بہ گل ولالہ وشمشادآراست

سبزہ برکوہ فروریختہ ازسرتابن
یاقبائے ست کہ برقامت شخص آید راست

راہبر وراندیدول کہ نہد گام بہ راہ
بسکہ بر ہر قدمش لالہ وگل درتہ پاست

دیدۂ طفل کہ بردامن مادر غلطد
جنبش باد۔بدان گونہ بروی صحراست

گل بہ ہر شاخ زبرگ ست فزون ترگوئی
ہمہ بر گل بفزودانچہ کہ از برگ بکاست

سرِواگرپای بدامن نکشد خود چہ کند
زانکہ از جوش گل ولالہ چمن تنگ فضاست

بسکہ برہرقدم ازلالہ چراغے بنہند
درشب تار کسے گم نشود ازرہ راست

آبگیرے ❶ کہ بشہرست وبودنامش ڈل
گوئیا آینہ دردست عروسے زیبا ست

سینۂ صاف دلان ست ہمانا کزلطف
ہرچہ دربن بود، ازصفحہ رویش پیداست

گرد برگردڈل آن صف زدن لالہ وگل
چون طراز لیست کہ بردامن شوخی رعناست

شالمارست ونشاط ست ونگین ست ونسیم
باغہائے کہ بہ پیراہن ڈل غالیہ راست

شالمارست ازان جملہ فزون تر بجمال
کہ چونہ چرخ طبق برطبق وتابرتاست

آب بالائے زمین باشد وانیجا بنی
کہ زمین برسر آبست وہماں پابرجاست

دربن آب دمد سبزہ ونیلوفر و گل
قوت نامیہ بنگر زکجاتا بہ کجاست

گرچہ دانم کہ سخن خود بہ درازی بکشید
چہ توان کرد سخن ہم زسر نشود نماست ❷

مولانا حالی مرحوم کی سیر کشمیر:......مولانا الطاف حسین حالی کی نظم سیر کشمیر بھی اگرچہ پوری وادئ کشمیر سے متعلق ہے لیکن مولانا شبلی نعمانیؒ کے قصیدۂ کشمیر کی طرح آپ کی اس نظم میں بھی لولاب کی جھلکیاں کشمیر کے دوسرے مناظر کے ساتھ صف بستہ کھڑی دکھائی دیتی ہیں، اس لیے اس کے چند اشعار بھی ہدیۂ ناظرین ہیں۔

ہرچمن یاں پھول سے اور پھل سے مالا مال ہے
ہر چمن میں یاں مہیا ہیں مکان بہر مکین

❶......جھیل تالاب۔ ❷......ملاحظہ ہو"کلیاتِ شبلی" ص ۲۵، ۲۶ مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۳۰ء

ان مکانوں اور خیابانوں سے جب آگے بڑھے
پھر وہ عالم ہے جہاں غیراز خموشی کچھ نہیں

جیسے ہوتا ہے ابد پر وقت جاکر منتہی
ختم ہوجاتی ہے دنیا بھی یہاں آکر یونہی

یعنی اقلیم ابد اور یہ جہان خامشی
طاقت انسان کی حد سے ہیں پرے دونوں کہیں

طرفہ سناٹا ہے اس سنسان کوہستان پر
جس کی دنیا میں نہیں تمثیل کوئی دلنشین

اے وادی لولاب:......علامہ اقبال کی دور آخری کی ایک مرصع نظم ملازادہ ضیغم لولابی کشمیری کا بیاض حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف تلمیحات اور اشارات سے لبریز ہے اس میں آپ فرماتے ہیں۔

''پانی ترے چشموں کا تڑپتا ہوا سیماب''
اے وادی لولاب! اے وادی لولاب!

اولاد مسعود کا لولاب:......حضرت بابا مسعود نوری کے سب سے بڑے فرزند (جو مئورخین کشمیر کی شہادت کے مطابق علم وفضل اور زہد وتقویٰ کا پیکر تھے) بابا عبداللہ کے ایک پوتے بابا عارف (بن بابا علی بن بابا عبداللہ) کی اولاد جنت کشمیر کے اس فردوس بدامان احاطے یعنی وادی لولاب میں تبلیغ دین کرتے کرتے ماحول کی دلکشی سے متاثر ہوکر ہمیشہ کے لئے وہیں بس گئی اور مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ وہاں شاخ در شاخ پھیل کر لولاب کے مواضعات سایہ ون، شاٹھ مقام، کانٹھ پورہ، گنگ بوگ، دار پورہ، سونہ نار، دودھ وان، ہیری، گلگام، لال پورہ اور لولاب سے باہر علاقہ کامراج میں ترگہ پورہ، چک شلو ہہ اور سوپور تک متوطن ہوگئے۔ اور نئے دور میں موضع ورنو بھی نہ صرف اس طویل فہرست میں شامل ہوگیا بلکہ حضرت شاہ صاحبؒ کی ذات بابرکات کی وجہ سے اس کی شہرت کے سامنے باقی سب ماند پڑ گئے۔

خلاصہ یہ کہ ریاست بھر میں جتنے مسعودی ہیں ان کا نصف سے زیادہ حصہ صرف سوپور سے آگے کامراج اور لولاب میں مجتمع ہے۔

وادیٔ نیلم:......علاقہ لولاب کے پہاڑوں کے دروں کو شمال مغربی سمت میں عبور کریں تو دریا

ئے کشن گنگا کی وادی پاؤں کے نیچے آجاتی ہے جو اس دریا کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ قصبہ مظفرآباد سے ذرا آگے بڑھ کر دومیل نام کے اس مقام پر ختم ہوتی ہے جو دریائے جہلم اور دریائے کشن گنگا کا سنگم ہے۔ خود قصبہ مظفرآباد بھی کشن گنگا میں واقع ہے اس دریا کے دائیں بائیں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر درجنوں شاخ در شاخ چھوٹی چھوٹی وادیاں ہیں جن سے بہہ کر آنے والی ندیاں دریا کے بڑے دہارے میں شامل ہو جاتی ہیں، پہاڑوں، جنگلوں اور سرسبز چراگاہوں سے گھرے ہوئے متعدد گاؤں ان وادیوں میں پھیلے پڑے ہیں۔

مرکزی وادی کا نصف اعلیٰ خوبصورت زرخیز اور جنگلات کی دولت سے مالا مال ہے۔ قدیم زمانہ میں اس علاقہ کو دراوہ کہتے تھے اور آج کل اس کو وادی نیلم کے نام سے پکارتے ہیں دراوہ کے علاقہ پر بمبہ قوم کے مورث اعلیٰ راجہ لمظفر خان بانئ شہر مظفرآباد کے اخلاف بارہویں صدی ہجری سے طویل مدت تک حکمران رہے ہیں آج سے کوئی سو سال پہلے راجہ مظفر خان کا پوتا راجہ منصور خان اور بعدازاں اس خاندان کا آخری حکمران راجہ شیر احمد خان یہاں راج کرتا تھا یہ خود مختار راجے جو کبھی سلطان اور کبھی راجہ کے خطاب سے مخاطب ہوتے تھے، برائے نام حد تک دربار کشمیر کے تابع اور ماتحت اور تصور ہوتے تھے مگر عملاً ان کو اپنے علاقہ کے سیاہ وسفید میں آزادی کامل حاصل تھی۔

راجہ شیر احمد خان کی بغاوت:...... ۱۲۸۲ء/۱۸۶۵ء میں جب مہاراجہ رنبیر سنگھ والئی کشمیر تھا تو راجہ شیر احمد خان نے سرینگر راج کی اس برائے نام ماتحتی سے بھی آزاد ہو جانے کی کوشش میں بغاوت کی مگر اس کی فوجی قوت ریاست کشمیر کی منظم اور مکمل مسلح افواج کے مقابلہ میں بہت کم تھی، اس لئے اس کی یہ جرأتِ رندانہ کامیاب نہ رہی۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے نہ صرف علاقہ دراوہ ہی راجہ شیر احمد خان سے چھین لیا، بلکہ اس کو وہاں کے گھر بار سے محروم کر کے گلگام (ضلع اننت ناگ) کے قریب یاری پورہ نامی گاؤں میں نظر بند رکھا، اور گذر راہ کے لئے دو تین گاؤں کی آمدنی بطور جاگیر دے دی۔ چنانچہ راجہ شیر احمد خان موصوف کی اولاد کے لوگ اب تک وہاں موجود ہیں۔

الغرض ۱۲۸۲ھ سے وادیٔ نیلم مکمل طور سے سرینگر کے ماتحت علاقہ بن گیا اور ۱۹۴۷ء میں کشمیر پر جھگڑے کی وجہ سے از سرِ نو اس کا انقطاع ہو گیا اور سیز فائر لائن کے معاہدات کے نتیجے میں آج اس کا اکثر حصہ آزاد کشمیر کی تحصیل آٹھ مقام میں شامل ہے۔ البتہ دریائے کشن گنگا کے مشرق میں جو چند گاؤں واقع ہیں، وہ اس وقت بھی سرینگر کے تصرف میں ہیں۔

قاضی شاہ عبدالکبیر:...... ڈوگرہ راج سے قبل سکھ راج کے زمانہ میں لولاب سے نکل کر حضرت شاہ صاحبؒ کے دادا مولانا شاہ عبدالکبیر جب وادیٔ نیلم کے موضع لوات میں مقیم تھے، تو راجہ

منصور نے آپ کے علم وفضل اور عوام پر اثر ورسوخ کو دیکھ کر تو راجہ منصور خان نے آپ کو اپنی سلطنت کا قاضی مقرر کیا تھا جنھوں راجہ شیر احمد خان کے وقت وہیں وفات پائی۔ اس واقعہ سے کچھ سال قبل لولابی مسعودیوں کی دوسری شاخ کے ایک بزرگ شاہ محمد صالحؒ بھی لولاب کے موضع سایہ ون سے گھر بار ترک کر کے وادی نیلم کے موضع لوات میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ان دونوں بزرگوں کی اولاد کو اس علاقہ میں بہت کچھ عروج نصیب ہوا اور علاقہ بھر میں اشاعت اسلام اور تعلیم دین کے کام میں شاہ عبدالکبیر اور شاہ محمد صالحؒ کی اولاد واحفاد کو پیشوائی کا رتبہ حاصل رہا اور آخری دور میں یعنی ۱۹۳۱ء کی تحریک کے بعد نہ صرف وادی نیلم کے علاقوں اور ضلع مظفر آباد میں بلکہ ریاست کشمیر کے دیگر اضلاع میں بھی سیاسی بیداری پھیلانے کا سہرا جن لوگوں کے سر باندھا جاسکتا ہے ان میں ان دونوں بزرگوں کی ذریات میں سے ایسے لیڈر دستیاب ہوئے جن کے شاندار کارنامے اور قربانیاں تاریخ کے صفحات پر نمایاں مقام حاصل کر چکی ہیں۔

بچہ نامت خوانم ؟:...... حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ اور آپ کے اسلاف کے بارے میں یہ تفصیلات امید ہے کہ کافی متصور ہوں گی آخر میں یہ عرض کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے چونکہ دیوبند میں مستقل قیام فرمالیا اور آپ ہمیشہ کے لئے وہیں کے ہو کر رہ گئے اس لئے اب حضرت شاہ صاحبؒ کے وطن کے بارے میں ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ اپنے ذوق کے مطابق سرینگر کے محلہ نروره، شمالی کشمیر کے علاقہ ورنو لولاب، ضلع مظفر آباد کی وادی نیلم کے مواضع لوات اور یو۔ پی کے ضلع سہارنپور کے قصبۂ دیوبند میں سے جس مقام کو چاہیں آپ کا وطن قرار دے دیں۔نروری، لولابی، مظفر آبادی، کشمیری اور دیوبندی، جس وطنی نسبت کو آپ کے اسم گرامی کے ساتھ پیوند کرنا چاہیں، کر لیں۔

اے کہ تو مجموعہ، خوبی بچہ نامت خوانم

شاہ صاحبؒ کی ابتدائی تعلیم وتربیت

بالائے سرش زہوشمندی:...... اللہ تعالیٰ کے ہاں سے حضرت شاہ صاحبؒ دل ودماغ کے غیر معمولی کمالات ساتھ لے کر پیدا ہوئے تھے۔آپ ایام طفولیت سے ہی نہایت ذہین تھے اور اپنے ہم عمر بچوں کے مقابلہ میں غیر معمولی ذکاوت وفطانت کے مالک تھے اور شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے ضرب المثل اور بار بار تکرار شدہ اس شعر کے آپ اصدق المصداق تھے

بالائے سرش زہوش مندی ☆ می تافت ستارۂ بلندی

ان خداداد اوصاف کو صحیح نشوونما دینے کے لئے آپ کے ماہر نفسیات اور علم فراست کے نور سے منور والد ماجد نے ایام رضاعت سے ہی آپ کی ذہنی تربیت کا خاص خیال رکھا۔ جونہی گویائی شروع ہوئی تو آپ کو کلمات طیبات اور تہلیل و تسبیح یاد کرائے گئے جب آپ تین چار سال کے ہوئے تو اکثر اوقات اپنے والد بزرگوار کے اذکار و اوراد و درود خوانی کے اوقات میں موصوف کی جائے نماز کے پاس بٹھا دیئے جاتے تھے۔ جو الفاظ آپ کے کان سنتے وہ آپ کی زبان سے جاری ہو جاتے۔

بسم اللہ خوانی:...... خاندانی رواج کے مطابق ٹھیک چار سال، چار ماہ اور چار دن کی عمر میں بسم اللہ خوانی کی تقریب کے ساتھ آپ کو والد صاحب نے قرآن شریف پڑھانا شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ کی عنایات وعطیات کی ایسی بارش ہوئی کہ چھ برس کی عمر کو پہنچتے پہنچتے آپ نے قرآن شریف کی ناظرہ تعلیم کے علاوہ فارسی زبان کے اس زمانہ میں مروج نصاب کی ابتدائی کتابیں نام حق، کریما و پند نامہ شیخ عطار اور ایسے ہی چند چھوٹے بڑے رسالے اور فارسی کی صرف ونحو کے قواعد دستور الصبیان وغیرہ ختم کر لئے۔ اور اس کے بعد عربی زبان میں علم فقہ کی ابتدائی کتابیں منیۃ المصلی اور قدوری وغیرہ کے ساتھ فارسی میں گلستان و بوستان وغیرہ پڑھنے لگے اور آپ کی تعلیم کے ابتدائی مراحل نہایت تیز رفتاری کے ساتھ طے ہونے لگے، پڑھانے والا پڑھاتے پڑھاتے تھک جاتا مگر آپ کا مطالبہ **ھل من مزید** جاری رہتا اور جو کچھ ایک بار پڑھ لیا وہ ہمیشہ کے لئے حافظہ میں کالنقش فی الحجر محفوظ ہو جاتا۔ جس دور میں دوسرے بچے کتاب کے متن اور اصل الفاظ کا بھی پورا پورا ساتھ نہیں دے سکتے، آپ عبارت سے پیدا ہونے والے نکات اور کتاب کے حواشی پر غور وخوض میں مصروف پائے جاتے۔

فطری عادت موشگافی:...... آپ کے والد ماجد مولانا معظم صاحبؒ کا بیان ہے کہ:

"جب انور شاہ نے حنفی فقہ کی مشہور و معروف کتاب مختصر القدوری، مجھ سے پڑھنی شروع کی تو مجھ سے بدوران درس بعض ایسے مسائل کے متعلق سوالات پوچھتے تھے کہ مبسوط کتابوں کے مطالعہ کے بغیر جن کا جواب دینا مشکل ہوتا ہے ہر چند میں انہیں ان موشگافیوں سے روک کر صرف کتاب کے متن کو قابو میں لانے کی تلقین کرتا تھا، لیکن محض اپنی کتاب کی عبارت کے مفہوم تک محدود رہ کر چلنا ان کے بس کی بات نہ تھی"۔

نونہال انور اکابر عصر کی نظر میں......

۱) مولانا معظم صاحبؒ سے منقول ہے کہ: "اس زمانہ میں تبلیغ دین اور وعظ خوانی کو میرے

مشاغل میں اولیت حاصل تھی۔ علاقوں میں دورہ کر کے گاؤں گاؤں وعظ پڑھنے اور پیری ومریدی کے لوازمات سرانجام دینے میں میرے اوقات کا بیشتر حصہ صرف ہو جاتا تھا اور میرے پاس انور شاہ جیسے ذہین طالب علم کی حق ادائیگی کے لئے وقت نہ بچتا تھا اور اندیشہ تھا کہ بچے کی تعلیم کو نقصان نہ پہنچے۔ اس لئے میں نے اس کے شوق حصول علم اور خداداد ذکاوت وذہانت کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے اس کی تعلیم کی ذمہ داریاں اپنے ایک بے حد متقی دوست اور جید عالم کے سپرد کر دیں مگر ان کو بھی انور شاہ سے یہی شکایت رہی کہ وہ اپنے سبق کے اصل مسائل تو سرسری اشاروں سے ہی سمجھ لیتے ہیں اور اس کے بعد اندیشہ ہائے دور و دراز کی دنیا میں پہنچ کر بعض اوقات اپنے سوالات سے معلم کو پریشان کر ڈالتے ہیں۔

۲) حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک بھائی یٰسین شاہ بھی شاہ صاحبؒ کے شریک درس تھے جو عمر میں آپ سے دو تین سال بڑے تھے اور ذہانت وفطانت میں بڑی حد تک آپ ہی کی طرح تھے۔ وادی نیلم کے ایک گاؤں کیان میں اس زمانہ میں ایک بڑے خدادوست اور مشہور عارف حضرت میاں نظام الدین صاحبؒ نقشبندی ومجددی رہتے تھے جو نقشبندی اکابر کے دستور کے مطابق نہایت متشرع محتاط اور متقی بزرگ تھے۔

میاں نظام الدین صاحبؒ اپنے مرشد خواجہ محمد صدیق صاحبؒ مجددی کے مزار واقع موضع ماگام ہندوارہ (علاقہ کامراج) میں حصول فیض کے لئے کبھی کبھی آیا جایا کرتے تھے، کسی ایسے ہی موقع پر آپ اس علاقہ کے مبلغ اسلام جاور سلسلۂ سہروردیہ کرمانیہ کے پیر مولانا معظم شاہ صاحبؒ سے بھی ملاقی ہوئے۔ بدوران ملاقات مولانا معظم صاحبؒ نے اپنے دونوں بچوں یٰسین شاہ اور انور شاہ کو اشارہ کیا کہ وہ عارف وقت جناب میاں نظام الدین صاحبؒ کی خدمت میں سلام اور تعظیم بجالائیں اور آپ کی دعائیں لیں۔ عارف نے دونوں کے سر پر اپنی محبت وشفقت کا ہاتھ پھیرا اور دونوں سے ان کے اسباق کے بارے میں پوچھتے رہے۔ میاں صاحبؒ اپنے سوالات کے برجستہ جوابات پاکر بہت خوش ہوئے اور اس کے بعد مولانا معظم صاحب سے مخاطب ہو کر دو میں سے چھوٹے یعنی انور شاہ کے بارے میں یہ خوش خبری سنائی کہ ان شاء اللہ یہ اپنے وقت کے ان علماء میں سے ہوں گے جن سے دنیائے اسلام کو فیض پہنچے گا اور سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو فروغ ملے گا۔

۳) اسی طرح آپ کے عہد طفولیت کے زمانہ کا ایک واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ منطق اور نحو کے بعض ابتدائی رسائل مثلاً ایساغوجی، قال اقول، مرقات اور میزان منطق وغیرہ

کا مطالعہ کر رہے تھے، اتفاقاً ایک بڑے عالم اس وقت آپ کے والد صاحبؒ کے پاس ملاقات کے لئے آگئے۔ ان عالم صاحب نے شاہ صاحب کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھا تو حیران رہ گئے کہ ان کتابوں پر خود اس ننھے سے طالب علم (یعنی انور شاہ) نے نہایت برجستہ قسم کے حواشی لکھ رکھے تھے۔ اس نونہال کی یہ ذکاوت، تیزیٔ طبع اور فہم رسا کو دیکھ کر وہ دنگ رہ گئے اور بے اختیار پکار اٹھے کہ نظر بد دور! یہ بچہ تو اپنے وقت کا رازی اور اپنے زمانہ کا غزالی ہوگا۔

مہدویت کا چرچا:......الغرض علم حاصل کرنے کا شوق وذوق اور عطیہ الٰہی بشکل فہم، ذکاوت وذہانت اور قوت حافظہ کے ساتھ سلامتی طبع، حسن اخلاق اور اعمال صالحہ کی دولتیں بھی شروع ہی سے آپ کو وافر مقدار میں نصیب ہوگئی تھیں اور ان غیر معمولی اوصاف کی شہرت بھی ان دنوں ہر طرف پھیل گئی۔ ایک نوعمر بچے میں ایسے بلند خصائل کو دیکھ کر کشمیر کے بعض وہ لوگ جو ظلمات زمانہ سے نجات کے لئے امام مہدی کے انتظار میں رہتے ہیں عام طور پر یہ شبہ کرتے تھے کہ کہیں آپ ہی مہدی موعود نہ ہوں۔

چونکہ اس قسم کی شہرت خلاف حقیقت ہونے کے علاوہ فوری نقصانات اور نادیدہ مصائب کا موجب بھی بن سکتی تھی اس لئے آپ کے والد محترم اور خاندان کے دوسرے بزرگوں کو عوام کی اس غلط فہمی کی تردید میں بہت کچھ محنت کرنی پڑتی تھی اور پھر بھی خوف لگا رہتا تھا کہ یہ مہدویت کی شہرت کسی نامعلوم پریشانی کا سبب نہ بن جائے۔ اور کہیں ہونہار بچے کے علمی اور عملی کمالات کی طرف سفر جاری رکھنے کا راستہ ہی مسدود نہ ہو جائے چونکہ مشیت ازلی یہی تھی کہ آپ سے اسلام کی خدمت اور احیائے سنت نبوی ﷺ کا ہی کام لیا جائے اس لئے اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ سب خطرے ٹل گئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے خود ایک موقعہ پر فرمایا تھا کہ میں بارہ سال کی عمر میں فتویٰ دینے پر قادر ہو گیا تھا۔ اور نو سال کی عمر میں علم فقہ وعلم نحو کی مطولات کا مطالعہ کر کے استاد کی مدد کے بغیر بعض مسائل کو حل کر لیتا تھا۔ سچ ہے کہ:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ابتدائی تعلیم کی تکمیل:......زمانۂ طفولیت کے بارے میں مختلف روایات کو جمع کرنے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ بارہ سال کی عمر تک اپنے گھر میں اپنے شفیق اور فاضل اجل والد ماجد سے اور گھر کے قرب وجوار میں ان خوش قسمت علماء سے جن کو آپ کے اساتذہ کی فہرست میں شمار ہونے کا فخر ملنے والا تھا، آپ

نے زبان فارسی، گلستان و بوستان سعدی اور پنج گنج نظامی اور عربی کی بنیادی صرف ونحو اور علم فقہ کی ابتدائی کتابیں ختم کر لیں۔ تعلیم کے اس درجے تک جن اساتذہ سے آپؒ نے استفادہ کیا ان میں سے اکثر کے نام اب کسی کو معلوم تک نہیں۔ البتہ مولانا معظم صاحبؒ کے علاوہ اساتذہ کے زمرے میں مولوی عبدالجبار صاحبؒ اور مولوی غلام محمد صاحبؒ (المعروف مولوی محمد جندل ساکن سہپورہ متصل کپواڑہ) دو ایسے بزرگ ہیں جن کا تذکرہ تو کہیں کہیں ملتا ہے مگر پوری طرح یہ تفصیل دستیاب نہیں ہوئی کہ ان میں کس نے آپ کو فارسی اور صرف ونحو کی کون سی کتابیں پڑھائیں۔ البتہ مورخ منشی محمد الدین فوق کی تاریخ اقوام کشمیر اور مشاہیر کشمیر وغیرہ کی ورق گردانی سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبدالجبار صاحبؒ موصوف علاقہ کامراج میں فارسی کے بڑے ماہر اور زبردست عالم تھے۔ اس تاریخی اطلاع سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بے جا نہ ہوگا کہ شاہ صاحبؒ نے فارسی زبان کی تعلیم مولوی عبدالجبار صاحب سے حاصل کی ہوگی اور مولوی غلام محمد صاحب سے صرف ونحو کی کتابیں پڑھی ہوں گی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

لیکن جہاں تک علم فقہ کا تعلق ہے، چونکہ مولانا معظم شاہ صاحب اپنے وقت کے بڑے مفتی، واعظ اور مبلغ تھے، آپ کو اگرچہ علم حدیث سے مزاولت کم تھی، لیکن تفسیر قرآن اور کتب فقہ حنفی پر آپ کی نظر وسیع تھی، اس لئے اس وقت تک فقہ کی جس قدر بھی تعلیم شاہ صاحبؒ کو میسر ہوئی تھی وہ زیادہ تر والد ماجد ہی کا فیضان نظر تھا۔

رب زدنی علما:...... بارہ سال کی عمر میں جو کچھ آپ کو حاصل ہو گیا تھا وہ اگرچہ اس زمانہ میں آپ کے ہم عصر پیرزادوں اور مولوی زادوں کے معیار ضرورت کے مطابق کافی تصور ہو سکتا تھا لیکن آپ کی ہمت بلند اس پر اکتفا کرنا کب گوارا کر سکتی اس لئے آپ کی نگاہ میں اور آپ سے بھی زیادہ آپ کے عالی دماغ والد بزرگوار کی نگاہ میں یہ اس سمندر میں سے چند قطرات تھے جس کو سینہ ہم چوں آئینہ میں سمیٹ لینے کی استعداد خدائے علیم وقدیر نے شاہ صاحبؒ کو ارزانی فرما رکھی تھی۔ بنا بر اں یہ طے ہو گیا کہ آپ کی تعلیم جاری رکھی جائے اور جہاں تک حد امکان میں ہے حصول علم کا سلسلہ درجۂ اکملیت تک پہنچنے سے پہلے کاٹا نہ جائے۔

حصولِ علم ۱۳۰۵ھ ہجری کے لے سفر ہزارہ

مگر اب سب کے سامنے یہ سوال درپیش تھا کہ باپ کی فاضلانہ تمناؤں اور بیٹے کے عبقریانہ دل ودماغ کے امکانات کے مطابق سلسلۂ تعلیم کو اونچے درجے تک جاری رکھنے کے لئے کونسا

راستہ اختیار کیا جائے؟۔

یہ ۱۳۰۵ھ کا زمانہ ہے اور وادئ کشمیر اس زمانہ میں غلامی کے مارے اپنی باقاعدہ دینی درسگاہوں سے قریب قریب خالی ہو چکی تھی، کہیں کہیں انقلابات زمانہ سے بچا ہوا کوئی صاحب علم اگر تعلیم دے رہا تھا تو وہ اس کی شخصی کوشش تھی، جو پڑھنے والوں کی ضروریات کتاب کاغذ اور خوراک و رہائش کا بندوبست کی حد تک جانے سے عاجز تھی، وادئ لولاب اور آس پاس کے دوسرے مقامات کا تو ذکر ہی کیا، کشمیر کا مایہ ناز شہر سرینگر جو کسی زمانہ میں علوم وفنون کا گہوارہ تھا، اب مدت سے سونا پڑا تھا، تیرہویں صدی ہجری کے پیہم سیاسی انقلابات اور آئے دن کی لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے سرینگر کی قدیم دانشگاہوں کے چشمہ ہائے صافی یا تو خشک ہو گئے تھے یا کس مپرسی کے اندھیروں میں گم ہو کر رہ گئے تھے۔ لے دے کر اب کشمیر کے مشتاقان علم وعرفان کے لئے خطہ کشمیر سے باہر پکھلی اور ہزارہ میں علم ودانش کے چشمے تھے جن کا رخ کرنا پڑتا تھا۔ ریاست کشمیر کا مغربی کنارہ ضلع ہزارہ کے ساتھ ملحق ہے اور ہزارہ کشمیر کے مغرب میں کسی حد تک جنوب مغرب میں واقع ہے، موجودہ صوبہ سرحد کے اس ضلع کی علمی درسگاہیں اس زمانہ میں اہل کشمیر کے لئے کشش کا موجب تھیں۔ چنانچہ اپنے حصول تعلیم کے وقت خود مولانا محمد معظم شاہ صاحب نے بھی وادئ نیلم ضلع مظفر آباد سے نکل کر علاقۂ ہزارہ ہی کی درسگاہوں سے علم حاصل کیا تھا۔ ضلع ہزارہ اور ضلع مظفر آباد جغرافیائی لحاظ سے آپس میں متصل ہیں اور مشترک رسم ورواج، ایک جیسی زبان اور ملتی جلتی آب وہوا کے علاقے ہیں۔

ضلع ہزارہ جانے کا خاص سبب:...... تعلیم کے لئے سرینگر پر ہزارہ کو ترجیح دینے کی متذکرہ صدر وجوہات کے علاوہ سب سے مؤثر وجہ یہ تھی کہ جس وقت حضرت شاہ صاحبؒ کو حصول تعلیم کے لئے گھر سے باہر بھیجنے کی تدبیر ہو رہی تھی اس وقت آپ کے چار قریبی رشتہ دار، آپ کے پھوپھی زاد بھائی حیدر شاہ، آپ کے چچا زاد بھائی عبدالمجید شاہ اور دیگر دو رشتہ دار پیر مختار شاہ اور عبدالاحد شاہ فرزندان شاہ محمد صالح ضلع ہزارہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

نوعمر انور شاہ کے والدین اپنے بچے کی دیکھ بھال اور رفاقت کے معاملہ میں ان پر بھروسہ کر سکتے کیونکہ یہ چار رشتہ دار عمر اور تعلیم میں شاہ صاحب سے سینئر تھے اور اپنی تعلیمی مسافرت کے طویل تجربہ کے لحاظ سے اس قابل تھے کہ گھر سے دور ضلع ہزارہ کی اولین بے وطنی کے دور میں اپنے نوعمر بھائی انور شاہ کی سرپرستی کر سکیں۔ ان امور کو پیش نظر رکھنے کے بعد مولانا معظم شاہ صاحب کو انور شاہ کی آئندہ تعلیم کے بارے میں یہ فیصلہ لینے میں کوئی زیادہ دقت محسوس نہ ہوئی کہ آپ کو ہزارہ بھیج دیا جائے۔ چنانچہ ۱۳۰۵ھ میں بعمر (۱۳ سال) اطلبوا العلم ولو کان بالصین کے اس عملی

مصداق کو اپنے والد گرامی مولانا معظم صاحب نے ہزارہ روانہ کردیا اور اپنے بھتیجے مولوی عبدالمجید شاہ کو تاکید کردی کہ وہ انور شاہ کی ہر طرح حفاظت اور نگہداشت رکھیں۔اس طرح سے شاہ صاحب نے لولاب کے دلکش نظاروں، بلند آہنگ آبشاروں اور بے نظیر مرغزاروں پر ہزارہ کی تعلیمی مسافرت کو ترجیح دی۔

ہزارہ کی درسگاہیں اور حضرت سید احمد شہیدؒ

آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ضلع ہزارہ کے کثیر التعداد دینی مدارس کا مختصر سا تعارف کرا دیا جائے اور جن باتوں نے اس زمانہ میں ہزارہ کو ایک قسم کا یونان بنا ڈالا تھا۔ان کی طرف اشارہ کردیا جائے۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہادت کے واقعہ مئی ۱۸۳۱ سے متصل قبل ۱۸۲۷ میں صوبہ سرحد کے آزاد علاقہ میں اپنی تحریک کے مراکز قائم کرکے جو انقلابی کام شروع کیا تھا، کفار کے ساتھ جہاد بالسیف اس کا ایک حصہ تھا اصل کام اس پسماندہ علاقے میں دینی تعلیم اور روحانی واخلاقی تربیت کو فروغ دینے کا تھا اور تحریک کے یہ سب کام پہلو بہ پہلو چل رہے تھے۔پشاور میں غداران وقت کی دغابازی کے باعث حضرت سید احمد شہید اور آپ کے رفقاء کو آزاد یا غستانی علاقہ کے پہاڑوں کی طرف پسپا ہونا پڑا، یہ علاقہ ضلع ہزارہ کی تحصیل مانسہرہ کے شمال مغرب میں تھا (سوات، بنیر انب دربند، شنکیاری، اور بالاکوٹ تک تمام پہاڑی وادیاں اور کوہستانی بستیاں مل کر یاغستان کہلاتی تھیں) اس لئے حضرت شہید کی تحریک کے آخری دور کا ہزارہ کے ان حصوں پر گہرا اثر پڑا جو پکھلی، مانسہرہ، ایبٹ آباد اور ہری پور سے ہوتے ہوئے چھچھ کے بھوئی گاڑان اور تربیلہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔یہاں کے ہزار ہا لوگ آپ کے مجاہدین کے ساتھ جا کر شامل ہوجاتے رہے۔معرکۂ بالاکوٹ میں یہی خام تربیت یافتہ اور نووارد رضا کار مجاہدین کے دوش بدوش تھے، ان کے اخلاص کے باوجود تربیت میں ان کی خامی کمزوری کا باعث ثابت ہوئی، جس کا افسوسناک نتیجہ حضرت سید احمدؒ اور مولانا شاہ اسماعیلؒ اور دیگر رفقاء کی شہادت کی صورت میں برآمد ہوا۔

الغرض مجاہدین میں مولانا شاہ اسماعیلؒ اور مولانا عبدالحیؒ اور دوسرے درجنوں علماء شامل تھے جو رات دن وعظ وتبلیغ اور درس وتدریس میں معروف رہتے تھے۔اس لئے ان سے اس علاقہ کے اہل علم کو فیض حاصل ہوتا رہا اور ایک نئی فضا پیدا ہوگئی اور ہر طرف قرآن، حدیث، فقہ اور دیگر دینی علوم کا چرچا ہونے لگا۔رفتہ رفتہ ہر بڑے قصبے میں تعلیم دین کی درسگاہیں قائم ہوگئیں۔

معرکہ بالاکوٹ:...... جب ۶ مئی ۱۸۳۱ء / ۱۲۴۶ھ کو بالاکوٹ کی لڑائی میں حضرت سید احمد، مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ملت کے دیگر بڑے بڑے رہنماؤں کی شہادت مقدرہ کا واقعہ پیش آیا تو جہاد بالسیف کے کام کو دل ہلا دینے والا صدمہ پہنچا لیکن تبلیغ دین اور درس و تدریس کا کام پہلے سے زیادہ سرگرمی کے ساتھ شروع ہوگیا اور خدا کے فضل وکرم سے اس علاقہ میں تعلیم دین اور تربیت روحانی جس کی ابتداء حضرت سید شہید کے طفیل ہو چکی تھی، نہ صرف جاری رہی بلکہ وہ جوش جواب تک جہاد کے لئے مالی وجانی قربانیوں کی صورت میں وقف تھا اب المضاعف ہوکر بطور تلافی مافات تعلیم دین وتربیت روحانی پر صرف ہونے لگا اور چند برسوں کے اندر اندر جابجا درس گاہیں قائم ہوگئیں جو سو سال سے زائد مدت تک پورے انہماک کے ساتھ اپنا کام کرتی رہیں۔

صوبہ سرحد کا یونان:...... یہی وجہ ہے کہ تیرہویں صدی ہجری کے نصف ثانی سے چودہویں صدی ہجری کے نصف اول تک ضلع ہزارہ، یوپی کے اضلاع سہارنپور، مظفر نگر اور میرٹھ کی طرح عربی ودینی مدارس کی کثرت کے لئے دور دور تک مشہور ومعروف اور انگشت نما رہا ہے۔ خاص کر اس ضلع کی تحصیلات ایبٹ آباد اور مانسہرہ اور وادی بکھلی کے درجنوں قصبات اور بڑے قریے علم دین کی درس گاہوں اور علوم وفنون کے ماہر علماء پر فخر کرتے تھے، ان عجیب وغریب درسگاہوں کو یونان کے مشائین کی درسگاہوں سے ایک خاص مشابہت تھی اور یہاں علوم کو زبانی یاد کرنے پر زور دیا جاتا تھا۔

ہزارہ کی دانش گاہوں میں سے (۱) قصبہ مانسہرہ (۲) بفہ (۳) خاکی کوائی بالاکوٹ شکہاری داتہ باندی ڈھونڈان ڈھمتوڑ کاکول نواں شہر وغیرہ میں ایسی مشہور درس گاہیں قائم تھیں جن کی اپنی اپنی خصوصیات تھیں۔ کہیں صرف ونحو کا چرچا تھا اور کہیں منطق اور فلسفہ کا، کسی جگہ فقہ اور اصول کی شہرت تھی اور کسی جگہ تفسیر وحدیث کی۔ چونکہ تحصیل مانسہرہ کی سرحدیں کشمیر کے ضلع مظفر آباد کے ساتھ ملی ہوئی ہیں اس لئے کشمیر کے طلباء اور خاص کر ضلع مظفر آباد کے تشنگان علم ان درسگاہوں سے اپنی علمی پیاس بجھانے میں پیش پیش تھے۔ اور چونکہ یہ درسگاہیں اپنی پیدائش کے لحاظ سے حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک اصلاح کی پیداوار تھیں، اس لئے ان کا ماحول بے حد متقیانہ تھا کیا اساتذہ اور کیا طالب علم، بھی لوگ جدوجہد، صبر وقناعت اور ایثار کے مجسمے اور حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت میں لا یخافون لومۃ لائم کی چلتی پھرتی تصویریں نظر آتے تھے۔

ایک فروگذاشت:...... ضلع ہزارہ کے ان درجنوں مدارس میں سے حضرت شاہ صاحبؒ نے کس مدرسے میں تعلیم حاصل کی اور کن اساتذہ سے استفادہ کیا، اس کی تفصیلات معلوم کرتا حضرت شاہ

صاحبؒ کی وفات کے فوراً بعد اور تقسیم ملک سے ماقبل تک آسان کام تھا مگر بدقسمتی سے اس طرف آپ کی سوانحات پر قلم اٹھانے والے بزرگوں میں سے کسی نے بھی مناسب وقت پر توجہ نہیں دی اور اب اس راستے میں زمان ومکان کا دوگونہ بعد حائل ہو چکا ہے اگر اس سمت میں اب کوئی کوشش کی بھی جائے تو لاحاصل ہے۔ اگر ۱۹۳۲ یعنی حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ان معلومات کے حصول کی کوشش کی گئی ہوتی تو کامیابی چنداں مشکل نہ تھی کیونکہ آپ کی وفات کے بعد بھی قریباً پندرہ سال تک ہندوستان ایک متحدہ ملک تھا اور خود ضلع ہزارہ میں بھی شاہ صاحبؒ کے فاضل شاگردوں کی خاص تعداد تھی، جن میں مولانا عبدالحنان اور مولانا غلام غوث جیسے لائق وفائق اشخاص شامل تھے، یہ حضرات ہزارہ کی قدیم درسگاہوں اور ان درسگاہوں کے معلمین کا پتہ چلا سکتے تھے اور شاہ صاحب کے ہزارہ والے اساتذہ کے متعلق تحقیقی مواد فراہم کر سکتے تھے۔ تقسیم ملک کے بعد جو مزید زمانہ بیت گیا اس نئے دور میں وہاں کے عربی اور دینی مدارس پر کیا بیتی اس کا تو ہم کو علم ہی نہیں ہو سکتا اور جن لوگوں سے یہ حقائق جاننے کی امیدیں کی جا سکتی تھیں وہ اب وہاں بھی کہاں باقی رہے ہوں گے اور اس راستے میں حائل سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ تقسیم ملک کے بعد ہندوستان اور پاکستان دوملکوں کے وجود میں آتے ہی ان دو کے درمیان اختلافات کی جو خلیج حائل ہوگئی (اور جو بدقسمتی سے آج تک حائل چلی آتی ہے) اس نے ان دوملکوں کے عوام کے لئے یہاں اور وہاں سے تبادلہ معلومات کے دروازے ہی بند کر دئے۔ تقسیم ملک سے کسی دوسرے مقصد کو ممکن ہے کوئی فائدہ پہنچا ہو لیکن جہاں تک علم بحیثیت علم کا تعلق ہے اس کا یہاں بھی اور وہاں بھی نقصان ہی نقصان رہا۔

ایک قیاس اور قرینہ:...... قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے ہزارہ کے کسی ایک ہی مدرسہ سے فائدہ نہیں اٹھایا ہوگا کیونکہ وہاں کی درسگاہیں مختلف علوم کی سپیشلسٹ (Specialist) درسگاہیں تھیں۔

طریقۂ تعلیم کی خصوصیات:...... جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں عرض کیا کہ ان میں سے کسی درسگاہ میں عربی کی صرف ونحو کے ماہرین تھے اور کسی میں فقہ اور اصول فقہ کے باکمال لوگ تھے ، کہیں منطق اور فلسفہ کا چرچا تھا اور کہیں فقہ، اصول فقہ اور حدیث وتفسیر کا، اس لئے طالبان علم ایک فن کو ایک درس گاہ میں حاصل کر کے دوسرے فن کے لئے دوسری درس گاہ میں چلے جاتے تھے۔ لازمی بات ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو بھی ایسا ہی کرنا پڑا ہوگا۔ کیونکہ آپ نے قیام ہزارہ کے دوران صرف ونحو، بلاغت، منطق، فلسفہ، فقہ اور اصول فقہ وغیرہ علوم کی درمیانہ اور اونچے درجوں کی مروجہ اور اہم کتابیں جو ہزارہ کی درس گاہوں کے نصاب میں شامل تھیں، پڑھ ڈالی تھیں۔ مثلاً علم

صرف میں مراح الارواح اور شافیہ، علم نحو میں ہدایۃ النحو، کافیہ، الفیہ ابن مالک اور شرح ملا جامی، علم بلاغت میں مختصر المعانی اور غالباً مطول بھی۔ منطق میں شرح تہذیب، قطبی اور سلم العلوم، فلسفہ میں ہدیہ سعدیہ، میبذی اور صدرا، فقہ میں کنز الدقائق اور شرح وقایہ، علم اصول فقہ میں اصول الشاشی اور نور الانوار اور حدیث میں مشکوٰۃ شریف۔

دار العلوم دیوبند میں داخلہ کے پہلے سال آپ نے جن کتابوں کا امتحان دیا ان پر نظر ڈالنے سے درس نظامی کے نصاب کی واقفیت رکھنے والوں پر خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے کہ درسیات کی مشکل ترین اور محنت طلب کتابیں شاہ صاحب نے ضلع ہزارہ کی درسگاہوں میں مکمل کر لی تھیں۔ اور یہ کتابیں اور یہ فنون چونکہ ہزارہ میں مروج دستور العمل کے لحاظ سے کسی واحد درسگاہ میں نہیں بلکہ مختلف درسگاہوں میں پڑھائے جاتے تھے۔ اس لئے وہاں کے ہر طالب علم کی طرح شاہ صاحب کے لئے بھی ضروری تھا کہ وہ ہر فن کو اس کے خاص ماہرین سے حاصل کرنے کے لئے مختلف درسگاہوں میں داخل ہو کر استفادہ کریں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا ہوگا مگر زمانہ کی رفتار ہزار ہا واقعات کی طرح ہماری مطلوبہ معلومات کو بھی اپنے ساتھ بہا کر لے گئی ہے۔ جو لوگ ان گم گشتہ نشانات کا کچھ اتا پتہ بتا سکتے وہ ایک ایک کر کے اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اب ہمیں کون بتائے کہ ضلع ہزارہ کے کس کس مدرسہ سے اور کس کس استاذ سے حضرت شاہ صاحبؒ نے کن کن علوم میں استفادہ کیا۔ شاہ صاحب کے یہ اساتذہ یقیناً ان علماء میں سے ہوں گے جن کے اپنے اساتذہ کے سلسلۂ تلمذ حضرت مولانا شاہ اسماعیلؒ، حضرت مولانا عبدالحئیؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے دیگر رفیق علماء تک پہنچتا ہوگا۔ کاش کہ ان حقائق کی نقاب کشائی ہو سکتی۔

کاکول کی درس گاہ اور مولانا فضل الدین صاحب:...... بہت کچھ کد و کاوش کے بعد ہزارہ کے اساتذہ میں سے ہمیں حضرت شاہ صاحبؒ کے صرف ایک استاذ مولانا فضل الدین صاحبؒ کا اسم گرامی ہاتھ آیا جو اس علاقہ کے استاذ الاساتذہ تصور کئے جاتے تھے اور مزید یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مولانا فضل الدین صاحب قصبہ کاکول کی درسگاہ میں اکثر علم فقہ اور علم اصول کا درس دیتے تھے اور ان علوم کے شائقین دور دور سے ہدایہ اور توضیح و تلویح اور فخر الاسلام بزدوی کی کتاب الاصول کے مشکل مقامات حل کرنے کے لئے ان کے پاس پہنچتے تھے اس لئے یہ راز اس حد تک منکشف ہو جاتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کو علم فقہ اور علم اصول کے ساتھ جو گہرا تعلق تھا وہ مولانا فضل الدین صاحبؒ کا فیض تھا۔

دار العلوم دیوبند کی ۱۳۱۱ھ کی روئیداد بتاتی ہے کہ دار العلوم میں داخل ہونے اور سال بھر تعلیم

حاصل کرنے کے بعد جو پہلا سالانہ امتحان شاہ صاحبؒ نے دیا اس میں علم فقہ کی ہدایہ اولین اور علم اصول کی حسامی شامل تھیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ شرح وقایہ جو ہدایہ سے پہلے پڑھائی جاتی تھی اور نور الانوار جو حسامی کی پیش رو ہوتی تھی، ان تک درس نظامی کی کتابیں شاہ صاحبؒ نے درسگاہ کوٹ اور ہزارہ کی دیگر درسگاہوں میں پڑھ لی تھیں۔

علم فقہ اور اصول فقہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کو جو غیر معمولی رسوخ حاصل تھا وہ آپ کی مہارت وحذاقت علم حدیث سے کسی طرح بھی کم نہ تھا۔ اور یہ امر واضح ہو چکا کہ یہ فیض آپ کو مولانا فضل الدین صاحبؒ سے اور ضلع ہزارہ کے دوسرے فقہی واصولی علماء سے پہنچا تھا۔

مدارس ہزارہ کا طرز تعلیم

طریقہ تعلیم کے لحاظ سے ہزارہ کے مدارس بالکل نرالے تھے۔ وہاں العلم فی الصدور لافی الکتب، کا مشہور جملہ آئین تعلیم کی بنیاد قرار دیا جاتا تھا اور کتاب کو بالائے طاق رکھ کر مسائل فن حفظ کرائے جاتے تھے۔ اگر ہزارہ کی کسی درس گاہ کے قریب سے رات کے وقت کوئی گذرتا تو اس کے کانوں میں طلباء کا اپنا اپنا آموختہ اونچی آواز سے دہرانے اور یاد کرنے کا شور ایک عجیب قسم کی موسیقی بن کر پہنچتا، بعض طلباء کسی گوشے میں بیٹھ کر آموختہ یاد کرنے کے بدلے مدرسے یا مسجد کے صحن میں چلتے رہتے اور اسی گردش میں اپنا سبق باآواز بلند دھراتے جاتے تاکہ نیند پر قابو پاسکیں اور اپنا کام بھی پورا کرلیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ یہ طریق کار مشائین یونان کی اس عادت سے کتنا ملتا جلتا اور ہم رنگ تھا جس کی وجہ سے ان کا نام ہی مشائین پڑ گیا۔ مدارس ہزارہ میں یہ بھی دستور تھا کہ کسی فن کی اونچی تعلیم دینے سے پہلے اس فن کی ایک مختصر کتاب کی عبارت طالب علم کو زبانی حفظ کرائی جاتی تھی۔ مثلاً علم صرف میں صرف میر زبانی یاد کرنی ہوتی تھی۔ یہ مسائل صرف پر مشتمل میر سید شریف جرجانی کا مشہور رسالہ ہے۔ مقامی زبان میں اس کا ترجمہ قانونچہ کھیوالی کے نام سے حفظ کرایا جاتا تھا، یہ قانونچہ قوانین صرف کا نہایت جامع مجموعہ تھا اسی طرح علم نحو میں کافیہ ابن حاجب اور علم فقہ میں ابوالبرکات نسفیؒ کی کنز الدقائق کا حصہ عبادات لفظاً ومعناً حفظ کرایا جاتا تھا درجہ حفظ ہی ان مدارس میں مشکل ترین مرحلہ تھا جب یہ مرحلہ طے ہو جاتا تھا تو اس کے بعد اس فن کی مطولات اور شروح کی تعلیم دی جاتی تھی۔

یہ بہت مفید طرز تھا: ...... اس طریق تعلیم کا فائدہ یہ تھا کہ متعلقہ فن کے مسائل پر ہر سمجھدار اور اوسط درجہ کے فہیم طالب علم کو اچھی خاصی دسترس حاصل ہو جاتی تھی اور وہ اکثر صورتوں میں اس فن کی

مطولات وشروح کے سرسری مطالعہ سے ہی پورے فن کے مسائل پر حاوی ہو جاتا تھا۔

یوں تو شاہ صاحبؒ کے معجزنما قوت حافظہ مختصرات و مطولات سب کو ایک بار پڑھ لینے کے بعد آپ کے دماغ میں محفوظ کر لیتی تھی دوسروں کو اگر صرف متن کے الفاظ راتوں کو جاگنے اور لفظ بلفظ اور جملہ بجملہ سو سو بار تکرار کرنے سے یاد ہو جاتے تھے تو آپ کو متن اور اس کی شروح وحواشی دلائل کے ساتھ نظر اول میں ہی مستحضر ہو جاتے تھے مگر مدارس ہزارہ کا ہر فن کے ایک مختصر متن کو لازمی طور حفظ کرنے کا طریق تعلیم اس سونے پر سہاگے کا کام دے گیا اور اس نے آپ کی قوت استحضار فنون کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا جس کے نتائج وثمرات آپ کی معلمانہ حیات میں ہمیشہ نمایاں رہے۔

کاکول:...... قصبۂ کاکول جس کا تذکرہ گذشتہ سطور میں متعدد بار آیا، ضلع ہزارہ کی تحصیل، ایبٹ آباد کا ایک پُر فضا اور قدیم قصبہ ہے، جو اس علاقہ کے ایک دوسرے تاریخی مقام دھمتوڑ اور نوشہرہ کے قریب واقع ہے۔ کاکول اور اور یبٹ آباد کے درمیان ایک کف دست سر سبز میدان ہے جو قریبا آٹھ دس میل تک چلا گیا ہے۔ بجائے خود ایبٹ آباد بھی اپنی عمدہ آب وہوا کے لحاظ سے کشمیر کا ایک ٹکڑا نظر آتا ہے۔ موسم گرما میں یہاں کی آب وہوا قریبا کشمیر کی طرح صحت بخش اور خوشگوار رہتی ہے جس سے لطف اندوز ہونے کے لئے پشاور، راولپنڈی اور لاہور تک کے سیاح آجاتے ہیں۔ اور سردیوں میں کشمیر سے کسی قدر کم مقدار میں سہی مگر یہاں بھی برف باری ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علاقہ ہزارہ کے مدارس میں کشمیری طلباء موسم گرما کے دنوں میں تکلیف محسوس نہیں کرتے تھے ۔ چنانچہ شاہ صاحب بھی نازک اور نوعمر ہونے کے باوجود ہزارہ کے ان مدارس میں بغیر کسی دقت کے کئی سال تک اپنی تعلیم جاری رکھ سکے اور جب واپس کشمیر آئے تو صحت کے بارے میں آپ کو آب وہوا کی اجنبیت کے متعلق کوئی شکایت نہ تھی۔

ایبٹ آباد:...... خود ایبٹ آباد متحدہ ہندوستان کے ان نئے شہروں میں سے ہے جو انگریزی حکومت کے دور میں عالم وجود میں آئے ۱۸۴۷ء میں جب لاہور کی سکھ حکومت کے خاتمہ پر ضلع ہزارہ اور صوبہ سرحد کے دیگر اضلاع انگریزوں کے قبضہ میں آئے تو شہر ایبٹ آباد کا اس وقت تک نام ونشان بھی نہ تھا چونکہ سرحد پر قبضہ کے بعد انگریزی حکومت کو آزاد قبائلی علاقوں اور خاص کر ستھانہ کے مقام پر حضرت سید احمد شہیدؒ کے بچے ہوئے مجاہدین کے عوام پر اثر ورسوخ کا خوف لگا رہتا تھا۔ اس لئے برٹش راج کے کارپردازوں نے سرحد کے مقبوضہ علاقہ میں بہت سی فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ ان چھاؤنیوں میں سے ایک چھاؤنی کاکول اور دھمتوڑ کے جنوب مغرب میں اس خوشنما حصہ میں قائم کی گئی جہاں ایک طرف کھلا میدان ہے اور دوسری طرف جنگل، پہاڑ اور

چشمے ہیں۔ بعد میں صوبے کے ایک انگریز حاکم مسٹر ایبٹ آباد کے نام پر اس جگہ کا نام ایبٹ آباد رکھ دیا گیا، جو اب تک مروّج و مشہور ہے، ابتداء میں ایبٹ آباد ایک بازار اور اہل بازار کے چند گھروں، فوجی چھاؤنی میں کام کرنے والے بیروں اور مزدوروں کے کوارٹروں پر مشتمل تھا۔ لیکن ۱۸۴۷ء سے ۱۹۴۷ء تک یعنی پورے سو سال میں یہ بازار اور چھوٹی سی بستی ترقی کرتے کرتے آج ایک بہت بڑا خوبصورت شہر بن گیا ہے۔

پہلے ہزارہ ضلع کے ڈی، سی وغیرہ حاکموں کے دفاتر کا مرکز قصبہ ہری پور ہزارہ ہوا کرتا تھا مگر اب ایبٹ آباد ہی ضلع کا صدر مقام ہے۔ آزادی ہند اور قیام پاکستان کے بعد ایبٹ آباد کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے، اب پہلے سے زیادہ مستحکم فوجی چھاؤنی اور ضلع کی کچہریوں کے دفاتر کے علاوہ یہاں بڑے بڑے ہسپتال، مخصوص صحت خانے ہر قسم کے کالج اور کئی ایک کارخانے بھی قائم ہو گئے ہیں۔ اور کاکول تک سارا میدان ان اداروں سے پر ہو گیا ہے، اب ایبٹ آباد کاکول تک پھیل گیا ہے اور کاکول جو پہلے دینی علوم کی درسگاہ کے لئے مشہور تھا آج اس کی شہرت اس ملٹری اکیڈیمی کی وجہ سے ہے۔ جس سے ہر سال فوجی افسروں کی نئی کھیپ اپنی تعلیم و تربیت مکمل کر کے برآمد ہوتی ہے۔ وہاں کی وہ عربی درس گاہ جو فقہ اور اصول فقہ کے لئے مشہور تھی، آج کل اس کا کیا حال ہے اس سوال کا جواب معلوم کرنے لئے بد قسمتی سے ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔

ہزارہ سے واپسی اور انقطاع تعلیم کا سال

بہر حال ضلع ہزارہ کے مدارس میں تین سال تک کچھ اپنے ذہن اور کچھ ہر فن کے ماہر اور حاذق اساتذہ کی شفقت سے مولانا انور شاہ صاحبؒ نے اتنے علمی مدارج طے کر لئے جو دوسرے طلباء چھ سات سال میں بھی نہیں کر سکتے اور ۱۳۰۸ھ میں آپ کافی حد تک اپنی علمی پیاس بجھا کر لولاب واپس آ گئے۔ اب آپ جہاں علوم و فنون سے بہرۂ وافی حاصل کر چکے وہاں عمر شریف سولہ سال سے متجاوز ہو چکی تھی اور ذہنی و جسمانی ہر اعتبار سے اب آپ کی شخصیت میں پختگی آ چکی تھی اور مستقبل کے بارے میں ضروری اقدامات میں اب آپ کو اعزہ و اقرباء میں سے کسی کی دیکھ بھال کا احتیاج باقی نہ رہا تھا با ایں ہمہ اپنے والد گرامی کی ہدایات و ارشادات کو اب بھی آپ حرز جان تصور کرتے تھے۔

مولوی عبدالمجید شاہ:...... ضلع ہزارہ میں شاہ صاحب کے دیگر رفقاء سفر اور رشتہ داروں میں سے تین صاحب حیدر شاہ، مختار شاہ اور عبدالاحد شاہ تو آپ کی واپسی سے بھی قبل ہی تعلیم ختم کر کے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔ البتہ آپ کے چچا زاد بھائی مولوی عبدالمجید شاہ ہزارہ سے اپنی واپسی

تک آپ کے ساتھ رہے اور واپسی کے بعد گھر جانے کے بدلے تکمیل تعلیم کے شوق میں اسی سال یعنی ۱۳۰۸ھ ہی میں ہزارہ سے سیدھے دیوبند پہنچ کر دارالعلوم میں داخل ہو گئے۔ چنانچہ ۱۳۰۹ھ میں مولوی عبدالمجید صاحب موصوف نے تفسیر جلالین و بیضاوی مختصر المعانی و مطول اور ملاحسن و میبذی پڑھ کر ۱۳۱۰ھ میں ان کتابوں کا امتحان دیا۔ (ملاحظہ ہو روائیداد دارالعلوم دیوبند ۱۳۱۰ھ)

چونکہ مولوی عبدالمجید شاہ حضرت شاہ صاحبؒ کے مشفق بھائی، رفیق سفر اور نہایت ہی خیر خواہ تھے۔ اور دارالعلوم دیوبند میں آپ کے پیشرو اور اپنے خاندان میں سے پہلے فاضل دیوبند تھے اس لئے مولوی عبدالمجید شاہ کے تذکرہ کے بغیر مولانا انورشاہ کا تذکرہ مکمل نہیں ہوسکتا۔ ہزارہ سے واپسی کے بعد اگرچہ ۱۳۰۹ھ کا سال شاہ صاحبؒ نے اپنے وطن میں ہی بسر کیا لیکن مولوی عبدالمجید شاہ کی موثر تحریرات نے آخر کار آپ کو بھی دیوبند پہنچا کر ہی چھوڑا اور ۱۳۱۱ھ میں شاہ صاحبؒ نے دیوبند میں جب پہلا امتحان دیا تو یہ سال عبدالمجید صاحب کے لئے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کا سال تھا۔

مولوی عبدالمجید صاحب نے جیسا کہ اوپر آچکا ۱۳۰۹ھ میں ہزارہ سے دیوبند پہنچ کر ۱۳۱۰ھ میں پہلا امتحان دیا اور اس کے بعد ۱۳۱۱ھ میں دورۂ حدیث میں شامل ہو گئے، اور جامع ترمذی، صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد نسائی، ابن ماجہ اور ہدایہ نامی کتابیں پڑھیں اور صحاح ستہ میں تکمیل کا امتحان ۱۳۱۱ھ میں امتیاز کے ساتھ پاس کیا اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اور دیگر اساتذہ دارالعلوم سے سندات حاصل کیں۔ مگر چونکہ صاحب عیال تھے (ہزارہ اور دیوبند کی تعلیم سے بھی پہلے آپ دو بیٹوں اور ایک دختر کے باپ بن چکے تھے) اس لئے تکمیل کے فوراً بعد حضرت شاہ صاحبؒ کو اللہ کے حوالے کر کے اسی سال واپس اپنے وطن موضع لوات وادئ نیلم میں پہنچ گئے۔ اور وہاں کی آبائی درسگاہ کی مسند پر بیٹھ کر علمی فیوض و برکات کے دریا بہانے لگے۔ اور مختصری ہی مدت میں اپنے کمالات کی وجہ سے مرجع خلائق بن گئے۔ اور اگر زندہ رہتے تو بڑے بڑے کارنامے کر دکھاتے۔ لیکن بدقسمتی سے آپ کی عمر نے وفا نہ کی اور دو تین سال کے اندر اندر انتقال کر گئے اور اپنے والد ماجد پیر موسیٰ شاہ اور دیگر اقرباء کو بادیدۂ گریان و دل بریان چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔ رحمہ اللہ تعالی و برد مضجعہ۔ (قاضی شاہ عبدالکبیر کے سب سے چھوٹے دو فرزند تھے پیر موسیٰ شاہ اور مولانا معظم شاہ۔ دونوں کے متعدد فرزندوں میں سے ایک ایک فرزند۔ مولوی عبدالمجید شاہ اور مولانا انورشاہ نے کمالات علمی کی سرحدات کو پار کیا اور دارالعلوم دیوبند سے سندات فضیلت حاصل کیں۔ دو بھائیوں کے یہ لائق فرزندان اپنے اپنے باپ کی حیات میں ہی فوت ہو کر دونوں کو صبر واستقلال کے مشکل ترین امتحان میں ڈال کر چلے گئے۔ مولانا معظم

صاحب حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد بھی کئی سال تک زندہ رہے اور پیر موسیٰ شاہ مولوی عبدالمجید صاحب کے بعد اٹھارہ سال زندہ رہ کر ۱۳۲۹ھ میں انتقال کر گئے۔

نام کے ساتھ مظفر آبادی:...... چونکہ مولوی عبدالمجید صاحب موصوف جب دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، آپ کا دولت خانہ موضع لوات ضلع مظفر آباد میں تھا، اس لئے آپ کے نام کے ساتھ دارالعلوم کے رجسٹر کے سکونت اور وطنیت کے خانے میں مظفر آبادی لکھا ہوا ہے۔ اور عام حالات میں یہی درست بھی ہے لیکن قابل توجہ اور معنی خیز بات یہ ہے کہ جب شاہ صاحبؒ کا اسم گرامی دارالعلوم دیوبند کے رجسٹر داخلہ کی زینت بنا تو آپ کو بھی انور شاہ مظفر آبادی لکھا گیا۔ حالانکہ دارالعلوم میں داخل ہونے کے وقت آپ کشمیر کے موضع ورنو علاقہ لولاب ضلع بارہ مولہ سے گئے تھے۔ اور مناسب یہ تھا کہ آپ کو لولابی کشمیری لکھا جاتا۔ مگر چونکہ آپ کی نشوونما موضع لوات ضلع مظفر آباد میں ہوئی تھی اور آپ کے بھائی نے آپ سے قبل اپنے نام کا اندراج بطور مظفر آبادی کر رکھا تھا اور تاریخی واقعات اور برادرانہ یگانگت کے لحاظ سے لولاب اور لوات ان کی نظر میں کسی بڑے فرق کا موجب نہ تھے۔ اس لئے آپ نے بھی مظفر آبادی لکھوانے میں کوئی حرج نہ سمجھا۔ اور بلاتردد ساکن ضلع مظفر آباد لکھوا دیا۔ اغلباً شاہ صاحب کے اندراج نام کے وقت آپ کے بھائی مولوی عبدالمجید صاحبؒ بھی دفتر دارالعلوم میں موجود ہوں گے جنہوں نے بتایا ہوگا کہ میں نے اپنی وطنیت مظفر آبادی لکھوائی ہوئی ہے۔ اس لئے شاہ صاحبؒ نے بھی اپنے برادر مکرم کی موافقت کرتے ہوئے اپنے آپ کو مظفر آبادی تحریر کروایا ہے۔

۱۳۰۹ھ کا سال انقطاعِ تعلیم کا برس:...... شاہ صاحبؒ ہزارہ سے ۱۳۰۸ھ کے آخر میں واپس آئے، دارالعلوم دیوبند میں آپ کا داخلہ ۱۳۱۰ھ میں ہوا، جس سے ظاہر ہے کہ آپ سال بھر گھر میں ہی مقیم رہے اور اسی طرح سے ایک سال سے کچھ زیادہ مدت تک آپ کی تعلیم کا سلسلہ منقطع رہا۔ اس انقطاع کے اسباب و وجوہات تلاش کرنے سے پتہ چلا ہے کہ اس زمانہ میں کشمیر میں زمینوں کا پہلا قانونی بندوبست ہو رہا تھا اور یہ وہ سال تھا جب علاقۂ لولاب میں بھی زمینوں کی پیمائش ہو رہی تھی، پیمائش زمین علم ہندسہ و حساب اور مساحت ارض کے بہت سے علمی اصولوں پر مبنی ہے۔ چونکہ ہر نئے علم کے حصول کی تڑپ حضرت شاہ صاحبؒ کے متلاشی حقائق دل میں ازل سے ودیعت ہو چکی تھی۔ اس لئے بندوبستی کام کو ذرا قریب سے ملاحظہ کرنے کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کو علم مساحت، علم ہندسہ و حساب اور پیمائش سے کچھ ایسی دلچسپی پیدا ہوئی کہ آپ نے سال بھر کے لئے سب کا ملتوی کر کے اپنی تمام دلچسپیاں اسی پر مرکوز کر دیں۔

ان واقعات کی مزید تفصیل یوں ہے کہ ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء سے ہی وادیٔ کشمیر کے مختلف اضلاع میں ریاست کے برطانوی ہند سے ادھار لائے ہوئے ایک لائق انگریز آفیسر مسٹر والٹر آر لارنس نے بحیثیت سٹلمنٹ کمشنر بندوبست اراضی کا کام جاری کر رکھا تھا اور اس سال یعنی ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء میں یہ کام تحصیل ہندوارہ اور خاص کر وادیٔ لولاب میں جاری تھا۔ جا بجا بندوبست کے تحصیلدار، گرداوار، پٹواری، منصرم اور شجرہ کش زمینوں کی پیمائش کر رہے تھے۔ اور شجرے خسرے مرتب کرتے تھے اور حقیقت قابضان و تشخیص پیداوار جیسے فنی محنت اور باریک بینی کے کام انجام دے رہے تھے جس سے ایک نئی فضا جنم لے رہی تھی۔ شاہ صاحب کے لئے بندوبست کے اس کام میں اس لئے بھی دلچسپی تھی کہ کوئی سو سال کے بعد پہلی بار کشمیر کے دیہاتی باشندوں کے حقوق کی کسی حد تک ظالموں اور جابروں کے ہاتھ سے محفوظ ہو جانے کی سبیل پیدا ہو رہی تھی۔ اور ہندسہ، حساب اور مساحت کا علمی پہلو بجائے خود آپ کے دل پر جستجو کو اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا اور یہ شاہ صاحبؒ جیسی فنافی العلم ہستی کے لئے دلچسپی کا باعث رہا تھا۔ مزید براں بندوبست کے بعض علم دوست افسر جو شاہ صاحبؒ کی ملاقاتوں کے وقت آپ کے علم ودانش سے آگاہ ہو گئے تھے، ان سے بے تکلفانہ روابط تازہ رجحان کو بڑھا رہے تھے۔

بندوبست کے ان ماہر افسران میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کو مسٹر لارنس پنجاب کی برطانوی حکومت سے عاریۃً لائے تھے۔ اور ان مسلمان پنجابی افسروں اور خود مسٹر لارنس کو بھی مسلمانان کشمیر میں تعلیم کے فقدان کا بہت دکھ تھا۔ جب ان کی نظر حضرت شاہ صاحبؒ جیسی ہمہ دان ہستی پر پڑتی تھی تو ان کو ایک قسم کی تسکین قلب حاصل ہوتی تھی اور یہ شاہ صاحبؒ کو اپنی طرف کھینچ لینے کی کوشش میں الگ جاتے تھے۔

مسلمانان کشمیر کی بے علمی:...... وادیٔ کشمیر میں اس وقت مسلمانوں کی تعلیمی حالت کیا تھی اس کا اندازہ ذیل کے اعداد و شمار سے لگایا جا سکتا ہے، جو مسٹر لارنس نے اپنی کتاب دی ویلی آف کشمیر کے صفحہ ۲۲۴ پر تحریر کئے ہیں:

مردم شماری ۱۸۹۱ء

وادیٔ کشمیر کی کل آبادی	مسلمان	ہندو	سکھ	متفرق (عیسائی اور پارسی وغیرہ)
۸۱۴۲۴۱	۷۵۷۴۳۳	۵۲۵۷۶	۴۰۹۲	۱۴۰

(مسلمان زائد از ۹۳ فیصدی جبکہ ہندو ۷ فیصدی سے کم)

سرکاری مدارس میں زیرِ تعلیم	مسلمان	ہندو	سکھ	متفرق
طلبا کی کل تعداد ۱۵۸۵	۲۳۳	۱۳۲۷	۲۱	۴

واضح رہے کہ کل آبادی یعنی ۸۱۴۲۴۱ افراد میں سے ۱۱۸۹۶۰ شہر سرینگر میں رہتے تھے اور اسی طرح ۱۵۸۵ اطلباء میں سے ۱۲۲۰ شہر سرینگر میں زیرِ تعلیم تھے۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ شہر کا تعلیمی نقشہ یہ تھا تو دیہات میں تعلیمی حالت نہ ہونے کے برابر تھی۔ بہر حال جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے کہ مسٹر لارنس اور اس کے ساتھ دیگر افسروں کو کشمیر کے مسلمانوں کے فقدانِ تعلیم کا احساس اور دکھ تھا، جیسا کہ موصوف نے بار بار اپنی رپورٹوں اور اپنی کتاب دی ویلی آف کشمیر میں لکھا ہے۔

عنقار ابلند است آشیانہ:...... اس لئے اب وہ یہ چاہتے تھے کہ عربی اور فارسی کی تعلیم کشمیر میں جن گنے چنے لوگوں کو حاصل ہے ان کو سرکاری ملازمت کی ترغیب دیں۔ کشمیر میں تب تک دفتری زبان فارسی ہی تھی، اور اچھی فارسی جاننے والوں کے لئے ترقی کے اچھے مواقع تھے۔ ان پنجابی افسروں نے چند سرسری ملاقاتوں میں جب شاہ صاحبؒ کے علم و فضل اور خاص کر فارسی زبان پر آپ کے تصرف کا اندازہ کیا تو آپ کو محکمۂ بندوبست میں شامل ہونے پر راغب کرنا چاہا اور انہیں تحصیلداری اور اس سے بھی آگے کے عہدوں کی امیدیں دلانے لگے۔ لیکن شاہ صاحبؒ نے ان پر واضح کر دیا کہ آپ سرکاری ملازمت سے تو طبعاً بے زار ہیں۔ البتہ محض علمی شوق پورا کرنے کے لئے بندوبست اراضی کا علم اور اس کے نکات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر آپ نے ان بندوبستی دوستوں پر واضح کر دیا کہ:

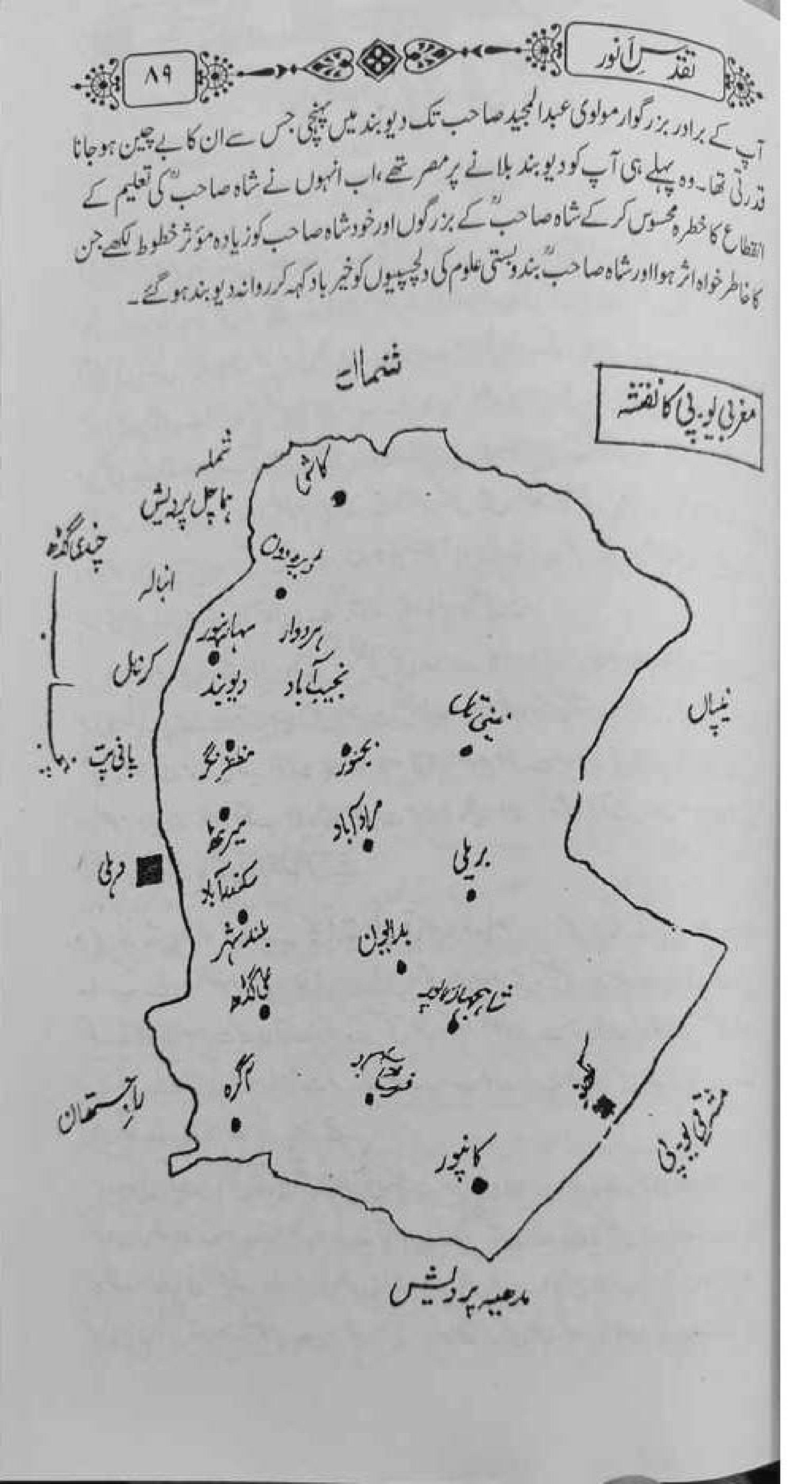
بروایں دام برمرغے دگرنہ

کہ عنقار ابلند است آشیانہ

چنانچہ وہ لوگ بھی ذہنی بلندیوں کو دیکھ کر اپنے اصرار سے باز آ گئے اور کچھ مدت تک آپ پیمائش و مساحت ارض اور طریقۂ بندوبست کے دیگر لوازمات سے محض فنی اور علمی دلچسپی لیتے رہے اور آپ کا یہ شغل ایک معصومانہ علمی شغل بن کر صرف یادگار رہ گیا۔ مگر اس کی وجہ سے ۱۳۰۹ھ کا سال آپ کی اصلی تعلیم کے حق میں انقطاع کا سال ثابت ہوا۔

روانگی دیوبند:...... آپ کا یہ نیا شغل عزیز و اقارب کے لئے موجب تعجب تو تھا اور شاید کسی کسی کو یہ غلط فہمی بھی ہوئی ہو گی کہ شاہ صاحب سرکاری ملازمت کی طرف مائل ہو رہے ہیں اور رفتہ رفتہ یہ افواہ

آپ کے برادر بزرگوار مولوی عبدالمجید صاحب تک دیوبند میں پہنچی جس سے ان کا بے چین ہو جانا قدرتی تھا۔ وہ پہلے ہی آپ کو دیوبند بلانے پر مصر تھے، اب انہوں نے شاہ صاحبؒ کی تعلیم کے انقطاع کا خطرہ محسوس کر کے شاہ صاحبؒ کے بزرگوں اور خود شاہ صاحب کو زیادہ مؤثر خطوط لکھے جن کا خاطر خواہ اثر ہوا اور شاہ صاحبؒ بندوبستی علوم کی دلچسپیوں کو خیر باد کہہ کر روانہ دیوبند ہو گئے۔



دارالعلوم دیوبند میں تکمیل

(۱۳۱۰ھ) تا (۱۳۱۴ھ)

دارالعلوم دیوبند میں شاہ صاحبؒ کا داخلہ :...... مدارس ہزارہ میں علوم مروجہ کے مدارج عالیہ تک رسائی حاصل کر لینے کے باوجود حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی پیاس کو تسکین نہ ملی تھی کچھ اپنا اشتیاق تکمیل، کچھ والد محترم کی طرف سے ہمت افزائی اور کچھ دیوبند سے برادر محترم مولوی عبدالمجید شاہ کے تاکیدی خطوط اور سب سے بڑھ کر مشیت ایزدی۔ ان سب مسببات ظاہری وباطنی نے شاہ صاحب کو کشاں کشاں دیوبند پہنچا دیا۔ اور ۱۳۱۰ھ کے تعلیمی سال میں وادیٔ کشمیر کے اس جوہر تابان نے دارالعلوم دیوبند کے چشمۂ فیض میں داخلہ حاصل کر لیا۔ دارالعلوم کی کتاب روئداد سال ۱۳۱۱ھ واضح ہے کہ انور شاہ نامی مظفر آباد کے طالب علم نے ماہ شعبان ۱۳۱۱ھ میں حسامی اور ہدایہ اولین کا امتحان دے کر شاندار کامیابی حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند میں اس وقت منشی فضل حق صاحبؒ کا دور اہتمام تھا اور صدر المدرسین کے عہدۂ جلیلہ پر محدث وقت جنید زمن حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن جیسی باکمال ہستی رونق افروز تھی۔ حضرت ممدوح علیہ الرحمۃ حجۃ الاسلام قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (بانی دارالعلوم دیوبند) اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (قدس اللہ اسرارہما) کے شاگرد خاص اور جانشین باختصاص تھے۔

دیوبند میں شاہ صاحب کا ابتدائی قیام وطعام :...... جس زمانے میں حضرت شاہ صاحبؒ نے دارالعلوم میں داخلہ لیا ان دنوں ابھی دارالعلوم میں مطبخ سے طلباء کو پکا پکایا کھانا مہیا کرنے کا انتظام بہت محدود تھا۔ امداد کے مستحق طلباء کو دارالعلوم سے نقد وظیفہ ملتا تھا اور مستطیع طلب اپنے کھانے کا خرچ خود برداشت کرتے تھے۔ یہ سب لوگ اپنے طور پر کسی مقامی نان پز کے یہاں کھانے پینے کا انتظام کر لیتے تھے۔

دوسری دقت رہائش گاہ کی تھی۔ طلبہ کی کثرت تعداد کی وجہ سے دارالاقامہ (Hostel) میں کمروں کی قلت کے سبب تمام طلبہ کو جائے قیام مہیا کرنا منتظمین کے لئے ناممکن ہو رہا تھا۔ اس لئے اس تنگ دامانی کی تکلیف ہر نووارد کی طرح ابتداء میں اس غریب الوطن طالب علم کو بھی برداشت کرنی پڑی، منتظمین دارالعلوم نے یہ دستور رائج کر رکھا تھا کہ جن طلباء کو دارالاقامہ میں جگہ نہ ملتی تھی

دو دیوبند کیم ساجد کے ملحق طلباء کی رہائش کے لیے تعمیر کردہ کمروں میں ٹھہرائے جاتے تھے۔ چنانچہ
شاہ صاحب کو بھی ایک عرصہ تک دارالاقامۃ میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے مولوی مشیت اللہ صاحب
بجنوری نام کے ایک دورے طالب علم کے ساتھ دیوبند کی ایک مسجد کے حجرے میں قیام کرنا پڑا۔

مولوی مشیت اللہ اور شاہ صاحب کی دوستی:...... یہ مشیت قدرت الٰہی تھی کہ مولوی
مشیت اللہ صاحب موصوف حضرت شاہ صاحبؒ کے محض وقتی اور عارضی ساتھی ثابت ہونے کے
بدلے زندگی بھر کے دوست اور رفیق بن گئے، پہلے ہی دن سے وہ آپ کے اخلاق وعادت پاکیزہ
سے متاثر ہوکر ہمیشہ کے لیے آپ کے عقیدت مند بھی بن چکے تھے۔ یہ تعلق گہرا ہوتا چلا گیا اور
تادم آخر قائم رہا۔ زمانۂ تعلیم کے ایام تعطیلات میں اکثر حضرت شاہ صاحبؒ مولانا موصوف کے
ہاں بجنور بھی جاتے تھے۔

مولانا مشیت اللہ صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ جن دنوں بحیثیت طالب علم شاہ صاحب اور
میں دیوبند کی ایک مسجد کے حجرے میں قیام پذیر تھے، میں نے مشاہدہ کیا کہ میرا یہ ہم عمر کشمیری
نوجوان رات گئے تک کتب بینی میں محو رہتا اور نصف شب کے بعد نیند کا غلبہ ہوا تو وہیں کنڈلی
مارکر لیٹ جاتا اور تھوڑی دیر آنکھ جھپک کر پھر اٹھ بیٹھتا اور وضو کر کے نوافل تہجد میں مشغول
ہوجاتا، تہجد سے فراغت ہوئی تو پھر مطالعہ میں مشغول۔

درسی کتابیں اور ان کی ترتیب:...... دارالعلوم دیوبند کے عربی درجات میں درجہ بندی کا
قاعدہ کبھی بھی رائج نہیں ہوا۔ دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں ہر ایک فن کی خاص خاص کتابیں
متعین ہیں، جو طالب علم کو پڑھنی پڑتی ہیں۔ کچھ فنون اور کچھ کتابیں اعطاء سند کے لئے لازمی ہیں
۔باقی فنون اور کتابوں کے پڑھنے نہ پڑھنے کا طالب علم کو اختیار رہوتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے خود اپنی رائے سے یا اپنے اساتذہ کے مشورہ سے جس ترتیب سے
کتابیں پڑھیں وہ دور حاضر کے طلبہ کے لئے حیرت انگیز ہے۔ دارالعلوم کی سالانہ روئدادوں سے
معلوم ہتا ہے کہ آپ نے دارالعلوم میں داخلہ سے اگلے سال یعنی ۱۲۔۱۳۱۱ھ میں بخاری شریف اور
ترمذی شریف پڑھی۔ حدیث کی ان کتابوں کے ساتھ ہی آپ نے تفسیر میں جلالین شریف اور فقہ میں
ہدایہ جلد ثانی پڑھی۔ اور اسی سال منطق میں قاضی مبارک پڑھا۔ (روئداد ۱۳۱۲ھ)

یعنی ۱۳۱۳ھ میں آپؒ نے حدیث میں ابوداؤد شریف اور مسلم شریف پڑھی۔ تفسیر میں بیضاوی
شریف، ہیئت اور فلسفہ میں تصریح۔ شرح چغمنی اور صدرا پڑھا، امتحانات میں درجہ اول کی کامیابی

حاصل کی۔ (روئداد ۱۳۱۳ھ)

۱۳۱۴ھ میں آپ نے کتب احادیث میں مئوطا امام مالک، سنن نسائی شریف اور سنن ابن ماجہ پڑھیں۔ اور فلسفہ میں شمس بازغہ کا اور علم طب میں نفیسی کا امتحان دیا۔ (روئداد ۱۳۱۴ھ ❶)

اسی امتحان پر شاہ صاحبؒ کے حصول تعلیم کی تکمیل ہوگئی اور آپ کو دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ نے سند فراغت عطا فرمادی، دورۂ حدیث سے فراغت کی ایک سند صدر المدرسین حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے دی تھی اور دوسری مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے دی جس کا ذکر دوسری جگہ آئے گا۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا کافی ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے پر فضلاء دیوبند کو جو سند دی جاتی ہے اس میں اساتذۂ کرام اپنے شاگرد کی نسبت اپنے تاثرات بھی قلمبند کرتے ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے شاگرد رشید حضرت شاہ صاحبؒ کو جو سند فضیلت اور سند اجازت عطا فرمائی تھی اس میں اپنے تاثرات عالیہ کو ان الفاظ میں تحریر فرمایا تھا کہ ''خداوند تعالیٰ نے مولانا انور شاہ میں علم، عمل، سیرت، صورت، ورع، زہد، رائے صائب اور ذہن ثاقب کو جمع کر دیا ہے۔''

شاہ صاحبؒ کے اساتذۂ کرام: ...... دارالعلوم دیوبند میں جن اساتذۂ کرام سے حضرت شاہ صاحبؒ کو شرف تلمذ رہا ہے ان میں مندرجہ ذیل حضرات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

قدوۃ العلماء، شیخ الہند، الحاج مولانا محمود الحسن صاحبؒ ...... حضرت مولانا الحاج الحافظ خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ ...... حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب امرتسری (مہاجر مدنی) ...... حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی الدیوبندی رحمۃ اللہ علیہ۔

ان سبھی حضرات علماء میں سے آپ نے سب سے زیادہ استفادہ حضرت شیخ الہندؒ سے کیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں معاصر طلبہ: ...... جس دوران (۱۳۱۰ھ - ۱۳۱۴ھ) حضرت شاہ صاحبؒ دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت طالب علمی مقیم رہے، اس مدت میں ایک محتاط اندازہ کے مطابق ڈیڑھ ہزار طلبہ نے دارالعلوم میں داخلہ لے کر تعلیم حاصل کی۔ شاہ صاحبؒ کے ان معاصر طلبہ میں چند ممتاز طلبہ ایسے بھی نکلے جو اپنے مستقبل میں علم وعمل کے آفتاب و ماہتاب بن کر روشن ہوئے۔ چند ایک کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ۔ مفتی اعظم ہند و صدر جمعیۃ العلماء ہند۔ قدس اللہ سرہ العزیز۔

امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

---

❶ ...... حیات انور ص ۲۷۲ و ص ۲۷۳

حضرت مولانا امین الدین صاحبؒ بانی مدرسہ امینیہ دہلی۔

حضرت مولانا ضرغام الدین صاحبؒ صدر المدرس و بانئ مدرسہ حنفیہ فیض آباد۔

حضرت مولانا محمد صادق صاحبؒ بانئ مدرسہ اسلامیہ کراچی۔

حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ صدر المدرسین مدرسہ عبدالرب دہلی۔

حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحبؒ (مہاجر مدینہ)

حضرت مولانا سید احمد صاحب مہاجر بانئ مدرسہ الشرع مدینہ منورہ ❶۔

دار العلوم سے فراغت:...... بہر حال دار العلوم دیوبند کی نورانی وادی میں چار سال رہ کر مشاہیر وقت اور یگانۂ روزگار علماء کرام سے علوم متداولہ کی تکمیل سے حضرت شاہ صاحبؒ ۱۳۱۴ھ میں فارغ ہو گئے، اس سفر حیات کی یہ پہلی منزل تھی جو یہاں پر ختم ہو گئی۔ اور اس کا راستہ وادیٔ لولاب سے مدارس ہزارہ اور ہزارہ سے ہوتا ہوا دیوبند تک پہنچتا تھا۔ جہاں تک علم بحیثیت علم کا تعلق ہے، اب تک آپ نے جو کچھ حاصل کر لیا وہ بہت کچھ ہونیکے باوجود اس علم کا ایک جزء قلیل ہے جو آگے چل کر اپنی ذاتی محنت سے آپ نے حاصل کیا، آپ کا وہ علم و فضل جس کو دیکھ کر مصر و ہندوستان اور حجاز و شام کے ممتاز و مقتدر علماء حیرت زدہ ہو جاتے تھے اور آپ کی فوقیت علمی کا پورے ایقان اور خلوص کے ساتھ اعتراف کرتے تھے امتحان کے لئے مقرر شدہ کورسوں کے اسباق و دروس سے ماوراء کوئی اور ہی حقیقت تھی۔

دیوبند کی مروجہ تعلیم کی تکمیل پر جو سندات آپ کو ملیں وہ سب کو ملتی تھیں اور آئندہ بھی ملتی رہیں گی۔ لیکن جس بات نے آپ کو اپنے اقران میں امتیاز خاص کے ساتھ انور شاہ کاشمیری کی حیثیت میں عالم اسلام کا چمکتا ہوا ستارہ بنا کر پیش کیا وہ آپ کی ان تھک محنت، بے نظیر شوق مطالعہ اور خداداد قوت اخذ و تحفظ اور بے پناہ ملکہ استحضار کی برکت تھی۔ جس کے بعض گوشوں سے نقاب سرکانے کی کوشش اس کتاب کی تحریر کا مقصد اولین ہے۔

دیوبند کے بعد گنگوہ

(۱۳۱۴ھ)

ہندوستان میں علماء حقانی کا یہ دستور چلا آیا ہے کہ علم کے اونچے درجات سے فارغ ہو جانے کے

---

❶...... یہ دونوں حضرات شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بڑے بھائی تھے۔

بعد فارغ شدہ اشخاص کی کسی شیخ وقت اور مرشد کی نگرانی میں ذکر واذکار کی ریاضت کے ذریعے ذہنی تربیت کی جائے تا کہ اگر ان میں غرور علم، حب جاہ اور حرص اموال کے امراض پیدا ہو گئے ہوں تو ان سے نجات دلائی جائے اور وہ علم وعمل اور تقویٰ وطہارت کے جامع ہو کر اہل اللہ کے زمرے میں داخل ہو جائیں۔ اور اسلام اور اہل اسلام کے حق میں رحمت بن جائیں۔ کیونکہ ہادیٔ برحق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ علم بغیر عمل عالم کی ذات تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ متجاوز ہو کر ان تمام لوگوں کے ضلال کا موجب بن جاتا ہے، جن کا واسطہ عالم بے عمل سے پڑتا ہے۔ اس لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ سے لے کر بانیان دارالعلوم دیوبند تک اور ان کے بعد آج تک بھی اس تربیت کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ اور دارالعلوم سے علوم دین کی تکمیل کرنے والوں کو برابر اس امر کی ترغیب دی جا رہی ہے کہ وہ عملی زندگی کے دائرے میں قدم رکھنے سے پہلے کسی روحانی پیشوا کے پاس رہ کر اپنی عملی تربیت وریاضت کا مرحلہ طے کرلیں تا کہ حصول علم کا جو اصلی مقصد ہے وہ پورا ہو جائے اور ان کا وجود اسلام اور اہل اسلام کے لئے ایک قیمتی وجود بن جائے۔

حضرت گنگوہیؒ کی جامعیت :...... دارالعلوم کے قیام کے زمانے میں اہل اللہ کی کثرت تھی اور اس کے بانی حضرات مثلاً مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا شاہ رفیع الدین دیوبندیؒ، شیخ حاجی عابد حسین دیوبندیؒ، مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ، مولانا فضل الرحمن دیوبندیؒ اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ تو سب کے سب اپنے مراتب کے مطابق ایسے بزرگ تھے جن کے ہاتھ پر لوگ مختلف سلسلہ ہائے تصوف میں بیعت ہوتے تھے۔ جس زمانہ میں حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ نے تعلیم سے فراغت حاصل کی، دارالعلوم کے سرپرست قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قدس اللہ سرہ العزیز تھے جو شریعت وطریقت کے جامع اور مرجع علماء حقانی تھے۔ آپ منطق اور فلسفہ کے بغیر تمام درسی کتابوں کا درس دیا کرتے تھے۔ لیکن ۱۳۰۰ھ سے ۱۳۱۴ھ تک صرف کتب حدیث کا درس دیا ہے۔ آپ کا درس حدیث نہایت ہی محققانہ، محدثانہ اور فقیہانہ ہوتا تھا اور ہر کتاب کا درس علم سلوک کا درس ہوتا تھا۔ عادت شریف یہ تھی کہ ماہ شوال سے ماہ شعبان کے آخر تک صحاح ستہ کا درس دیتے تھے۔ ماہ رمضان کو ریاضات اور قرآن پاک کی تلاوت کے لئے خالی رکھتے تھے۔ لیکن ۱۳۱۴ھ کے بعد درس کا مشغلہ بالکل ترک فرما دیا تھا اور پھر آخر عمر تک صرف افادات باطنیہ اور تربیت نفوس کی طرف توجہ فرمائی۔

دارالعلوم دیوبند سے تکمیل علوم کی سند حاصل کرنے کے بعد ہر صحیح الخیال سند یافتہ ضروری سمجھتا تھا کہ وہ قصبہ گنگوہ میں جا کر سال چھ ماہ یا جس قدر بھی وقت میسر ہو جائے، حضرت گنگوہیؒ کی

تربیت میں بسر کرے۔ ایسے طالبین کو حضرت گنگوہی سلسلہ ہائے قادری چشتی، نقشبندی اور سہروردی میں کسی نہ کسی سلسلہ میں بیعت بھی کر لیتے تھے۔ اور دراثناءِ تربیت تفسیر یا حدیث یا علم فقہ کی کسی کتاب کے درس میں بھی شامل رکھتے تھے۔ کچھ وقت کے بعد طالب کو اس کی استعداد کے مطابق مستقبل کے بارے میں نصیحت فرما کر رخصت کر دیتے تھے۔

سلوک میں شاہ صاحبؒ کا قدم راسخ:...... حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ نے بھی جب ۱۳۱۲ھ میں دورۂ حدیث مکمل کر کے امتحان میں کامیابی حاصل کی تو حسب دستور آپ بھی گنگوہ چلے گئے۔ اور وہاں حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں فیض یاب ہونا شروع کیا۔ یہ کہنا ہمارے لئے وثوق کے ساتھ مشکل ہے کہ شاہ صاحبؒ نے حضرت گنگوہیؒ سے کوئی کتاب وہاں پڑھی ہے یا آپ نے شاہ صاحبؒ کے علمی استعداد کو دیکھ کر ہی آپ کو روایت حدیث کی اجازت دی۔ البتہ یہ امر مسلمہ ہے کہ سند حدیث عطا فرمانے کے علاوہ حضرت گنگوہیؒ نے آپ کو تصوف کے ایک مشہور سلسلہ سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کر کے رخصت کر دیا۔ سلسلہ سہروردیہ، کرمانیہ کے اذکار و اوراد کا ورد زمانۂ طفولیت سے ہی حضرت شاہ صاحبؒ کے وظائف میں شامل تھا، ہوش سنبھالتے ہی آپ نے اپنے والد بزرگوار کو جن اذکار و اوراد میں مصروف پایا تھا وہ آپ نے بھی اختیار کر لئے تھے۔ لیکن باقاعدہ بیعت انابت کا تعلق آپ نے حضرت گنگوہیؒ سے ہی مربوط کیا اور بعد ازاں ہمیشہ ان ہی کے تلقین کردہ اشغال پر کاربند رہے۔ دہلی اور کشمیر کے قیام طویل کے دوران آپ نے سلوک میں محنت و ریاضت کی بہت سی منازل طے کیں۔ خاص کر کشمیر میں قیام (۱۳۲۰ھ۔۱۳۲۷ھ) کے زمانہ میں اعمال باطنی اور زہد و تقویٰ میں آپ کے قدم راسخ کی وجہ سے کئی موقعوں پر آپ سے بے ارادہ کرامات کا ظہور ہوتا رہا۔ یہی سبب تھا کہ کشمیر کے عوام جو آپ کے علوم کی وسعت اور گہرائی کا اندازہ کرنے سے قاصر تھے، آپ کو صرف ولیِ کامل سمجھ کر آپ پر فدا ہونا چاہتے تھے، مگر آپ نے چونکہ اشاعت علم اور تبلیغ دین کو نصب العین بنا رکھا تھا، اس لئے پیری مریدی قسم کے ہر تعلق کی آپ ہمت شکنی کرتے تھے۔

آپ کے علم اور آپ کی تدریس و تعلیم میں جن برکات کا ظہور ہوا اس کو اگر آپ کی سالکانہ ریاضتوں کا ثمرہ قرار دیا جائے تو بعید از حقیقت نہ ہوگا۔

حضرت گنگوہیؒ نے شاہ صاحبؒ کی مرشدانہ صلاحیت کا اندازہ کرنے کے بعد آپ کو دوسروں سے بیعت انابت لینے کی اجازت دے رکھی تھی اور حضرت شیخ الہندؒ نے بھی جس وقت آپ کو اپنا جانشین بنا کر سفرِ حجاز کا عزم کیا تو اپنے چند مسترشد علماء (جو حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت ہو کر سلوک

کی منازل طے کر رہے تھے) کو تربیت وسلوک کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ کے سپرد کیا تھا۞

حضرت شاہ صاحبؒ کے تلمیذ ارشد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے درس وتدریس کے ساتھ ارشاد وتلقین کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا، بیعت بھی فرمالیتے تھے۔ اپنے اکابر سے سنا کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کی طرف سے مجاز بیعت بھی تھے۔ دیوبند کے بھی بعض لوگ آپ سے بیعت تھے، اللہ دین دیوبندی جو حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے دیکھنے والوں میں تھے، حضرت ممدوح ہی سے بیعت تھے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد میں نے اور جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان مقیم کراچی نے بھی ساتھ ہی ساتھ حضرت ممدوح کی طرف رجوع کیا۔ ہمیں طریق چشتیہ کے مطابق اذکار تلقین فرمائے۔ اور ہم اس میں کھلی تاثیر وتصرف محسوس کرتے تھے۔

مرشد گنگوہیؒ کے ساتھ شیفتگی:...... شیخ یگانہ کبیر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی علمی وروحانی قدر ومنزلت حضرت شاہ صاحبؒ کے دل میں کتنی تھی، اس کا اندازہ اس امر سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحب پوری زندگی کے دوران اکثر وبیشتر اپنے مواعظ حسنہ اور درس وتدریس میں بھی حضرت گنگوہیؒ کے ارشادات عالیہ کو بطور حجت پیش فرماتے تھے مؤلف انوار الباری مولانا احمد رضا صاحب بجنوری تحریر فرماتے ہیں کہ:

"حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ امام ربانی حضرت گنگوہیؒ نہ صرف مذہب حنفی کے ماہر تھے بلکہ چاروں مذاہب کے فقیہ تھے۔ میں نے ان کے سوا کسی کو نہیں دیکھا جو چاروں مذاہب کا ماہر ہو۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ حضرت گنگوہی کو فقیہ فی النفس کا رتبہ حاصل تھا"۔ (مقدمہ انوار الباری ج ۲ ص ۲۳۱)

مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کا بیان ہے کہ درس ہی میں کسی سلسلے میں حضرت شاہ صاحب نے ایک بار فرمایا:

ہم یہاں آئے یعنی کشمیر سے ہندوستان تو دین حضرت گنگوہیؒ کے پاس دیکھا اس کے بعد حضرت استاذ یعنی حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت رائے پوری یعنی شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کے یہاں دیکھا اور اب جو دیکھنا چاہے وہ حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ کے یہاں جا کر دیکھے۔

۱۳۲۲ھ میں جب حضرت شاہ صاحب کشمیر تشریف لائے تو شہر سرینگر کے متعدد مقامات پر علماء

۞...... مولانا محمد منظور نعمانی بحوالہ مکتوب مولانا سید احمد رضا بجنوری مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۷۹ء

المسلمین کے اجتماعات سے خطاب فرمایا۔ سری نگر کے خانقاہ نقشبندیہ میں وعظ کے دوران جب قرات خلف الامام پر تقریر فرما رہے تھے تو حضرت امام بخاری عطر اللہ مرقدہ کے ذکر جمیل کے بعد فرمایا:

''حضرت امام بخاریؒ نے جزء القرات کے نام سے ایک رسالہ تالیف فرمایا ہے جس کا اکثر حصہ قرات خلف الامام کے مسئلہ پر حاوی ہے۔ میرے استاذ الاساتذہ، زبدۃ المحدثین حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ایک رسالہ میں اس کا جواب باصواب لکھا ہے اور مضامین رسالہ پر محققانہ کلام فرمایا''۔

حضرت گنگوہیؒ کی شان میں شاہ صاحبؒ نے ایک عربی قصیدہ بھی رقم فرمایا ہے، جب ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں علامہ رشید رضا مصری دارالعلوم دیوبند کو دیکھنے کے لئے آئے تو جلسۂ استقبالیہ میں حضرت شاہ صاحبؒ نے جو مشہور و معروف تقریر کی اس میں اکابر و بانیان دارالعلوم کے تذکرہ کی تقریب سے حضرت گنگوہیؒ کے علمی و روحانی کمالات کے بارے میں لکھا ہوا اپنا یہی قصیدہ پڑھا۔

اہل علم حضرت شاہ صاحبؒ کو صرف مولانا محمود الحسنؒ ہی کے علوم کا خازن نہیں سمجھتے بلکہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا بھی وارث یقین کرتے ہیں۔ متعدد شعراء کرام نے حضرت شاہ صاحبؒ کی شان میں جو نظمیں اور ان کی وفات پر جو مرثیے لکھے ہیں ان میں حضرت شاہ صاحبؒ کے استاذ اعلیٰ حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود الحسنؒ کے اسم گرامی کے ساتھ حضرت گنگوہی قدس سرہ کی طرف بھی تلمیحات ہیں۔ مثلاً جناب محمد ضیاء الرحمن ضیاء لکھتے ہیں:

سلک قرن اولین کا گم شدہ در فرید
جا ن محمود الحسن نوردل احمد رشید

کشمیر کے مشہور فارسی شاعر مرحوم پیر عبدالقادر آثم ملارٹی حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات پر لکھے ہوئے مرثیہ میں ایک جگہ یوں رقمطراز ہیں:

خلق محمود حسن داشت آن رشد رشید
یافت زان قاسم فیض نبوی دین تجدید

مدرسۂ امینیہ دہلی اور شاہ صاحبؒ

ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ سے ربیع الاول ۱۳۲۰ھ تک

گنگوہ سے بجنور:......دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل اور گنگوہ جا کر حضرت مولانا رشید

احمد صاحبؒ سے مستفید ہونے کے بعد شاہ صاحبؒ نے دیوبند کی طالبعلمی کے وقت کے اپنے اولین رفیق اور گہرے دوست مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوری مرحوم کے اصرار پر بجنور میں کچھ عرصہ قیام فرمایا اور وہاں پوری یک سوئی اور گوشۂ تنہائی کا فائدہ اٹھا کر مرشد گنگوہیؒ سے حاصل کردہ فیض باطنی کی عملی مشق کرنے میں مصروف ہو گئے، مولانا مشیت اللہ صاحب موصوف کے پاس ایک عمدہ کتب خانہ تھا جس میں کچھ موروثی اور کچھ ذاتی کوشش سے جمع کردہ کتابیں اچھی خاصی تعداد میں تھیں۔ اس لئے بجنور میں مطالعہ میں محویت بھی حضرت شاہ صاحب کے لئے وہاں کے قیام کا ایک خاص سبب تھی۔

مولانا امین الدین کی نظرِ انتخاب:...... اسی اثناء میں شاہ صاحبؒ کے ایک اور ہم درس اور مخلص دوست مولانا امین الدین صاحبؒ نے بعد فراغت تحصیل علم اس شاندار اقدام کا عزم کیا کہ ہندوستان کے دل شہر دہلی میں دینی و عربی علوم کی تعلیم و تدریس کے لئے دیوبند کے طرز پر ایک موزون دانشگاہ کا قیام عمل میں لایا جائے۔ سب سے پہلے اس کام میں رفاقت کے لئے مولانا امین الدین صاحب کی نظر حضرت شاہ صاحبؒ پر پڑی اور آپ نے طے کیا کہ شاہ صاحب کو بھی اس مہم میں اپنے ساتھ شامل کر کے تدریس کی ذمہ داری ان پر ڈال دی جائے اور خود انتظام و اہتمام کا کام سرانجام دیں۔

یہ ارادہ لے کر مولانا امین صاحب موصوف شاہ صاحب کو تلاش کرتے ہوئے بجنور جا پہنچے اور اپنی سکیم کے ہر پہلو پر بحث و مباحثہ کرنے کے بعد شاہ صاحب کو اپنے ارادہ کے ساتھ متفق کر کے دہلی لے گئے۔

بجنور سے دھلی اور مدرسہ امینیہ کی بنیاد:...... چنانچہ مولانا امین الدین اور شاہ صاحب کے متوکلانہ عزم بالجزم اور دہلی کے چند نیک دل علم دوست ہستیوں کے تعاون سے دہلی کے چاندنی چوک بازار کی سنہری مسجد میں ماہ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ میں مدرسہ کا قیام عمل میں آ گیا۔ یہ وہی مدرسہ ہے جو آگے چل کر مدرسہ امینیہ کے نام سے موسوم ہوا اور جس کو مولانا امین الدین صاحب مرحوم کی وفات کے وقت سے اپنی حیات کے آخری لمحات تک ہند کے مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ صاحبؒ سنہری مسجد سے منتقل کر کے دہلی کے کشمیری گیٹ کے باہر مدرسہ امینیہ کے نام سے چلاتے رہے۔ اور خدا کے فضل و کرم سے آج بھی یہ دینی مدرسہ اچھے ڈھنگ اور بڑے پیمانہ پر چالو ہے۔

بہر کیف ۱۳۱۵ھ میں جب اس مدرسے کا افتتاح ہوا تو سب سے پہلے شہر سے ہی چند طلباء کو جمع کر کے سنہری مسجد میں تعلیم کا آغاز کیا گیا۔

مولانا محمد ادریس سکھروڑوی کا بیان:...... حضرت مولانا شاہ صاحبؒ کے ایک مشہور

معروف شاگرد اور خادم خاص مولانا محمد ادریس صاحب سکھروڑوی کی روایت ہے کہ خود حضرت شاہ صاحبؒ کو اس بات کا اطمینان نہ تھا کہ مولانا امین الدین صاحب کی یہ کوشش جس قدر کامیاب ثابت ہوئی واقعی اتنی کامیاب ہوجائے گی مولانا ادریس صاحب کا بیان ہے کہ حضرت شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے:

"جب مولانا امین الدین صاحب مجھے لینے کے لئے بجنور پہنچ گئے تو چونکہ زمانہ قیام دارالعلوم میں مولانا امین الدین صاحب بہت اخلاص اور محبت سے پیش آتے رہے تھے۔ تو یہ خیال کرکے کہ مدرسہ چلے یا نہ چلے مگر مولوی صاحب کی دل شکنی نہ ہو، میں مولوی صاحب کے ساتھ ہولیا اور دہلی پہنچ کر سولہ سترہ روپے جو میرے پاس تھے وہ بھی میں نے مولانا کے حوالہ کردیئے یہی روپے مدرسہ کا سب سے پہلا مالی سرمایہ تھا۔ چنانچہ مولانا امین الدین صاحبؒ نے اس رقم ہی سے کاغذ لاکر مدرسہ کے لئے رجسٹر بنائے اور طلبہ کو داخل کرنا شروع کردیا۔ مولانا کا توکل خدا کے فضل سے کامیاب رہا اور کسی انتظار کے بغیر طلبہ کا اچھا خاصا اجتماع ہوگیا مسلمانوں نے بھی توجہ کی اور مدرسہ کی مالی حالت قابل اطمینان ہوگئی" ❶۔

بہر حال حضرت شاہ صاحب ۱۳۱۵ھ سے ۱۳۱۸ھ تک مدرسۂ امینیہ میں بحیثیت صدر مدرس بلا تنخواہ کام کرتے رہے ❷۔ البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۱۵ھ سے ۱۳۱۸ھ تک تین چار سال کی مدت میں جب مدرسہ کی مالی حالت کسی حد تک سدھر گئی تو مدرسین کو حق الخدمت دینا ضروری سمجھا گیا اور حضرت شاہ صاحب نے بھی اقل قلیل وجہ کفاف قبول کرنا مان لیا جس ۱۳۱۹ھ پر میں مبلغ بیس روپے ماہوار مشاہرہ مقرر رہا۔

حضرت رائے پوری کا بیان:...... مشہور شیخ وقت حضرت مولینا عبدالقادر رائے پوریؒ کا بیان ہے کہ میں جن ایام میں حضرت شاہ صاحبؒ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں مدرسہ امینیہ میں پڑھتا تھا، حضرت شاہ صاحبؒ ڈیڑھ پیسہ کی روٹی منگا کر کھایا کرتے تھے۔ (اور اس برائے نام خوراک پر) سارا دن درس متعدد علوم وفنون کا دیتے تھے شدت گرما (جون اور جولائی کے مہینے)

---

❶ حیات انور ص ۵۷۲ و ص ۳۴۵۔ ❷ ...... مولانا میاں محمد صاحب دیوبندی مرحوم کا بیان ہے کہ اس دوران حضرت شاہ صاحبؒ کے کھانے کا انتظام مدرسہ ہی کی طرف تھا اور نقدا تنخواہ تین روپے ماہانہ مقرر کی گئی تھی" (حیات انور ص ۵۷۵) مگر تنخواہ کا لفظ حضرت میاں صاحب مرحوم نے رواجا استعمال کیا ہے ورنہ یہ حقیقت ظاہر ہے کہ یہ وہ تین روپے ہیں جو شاہ صاحب مہینہ بھر میں اپنی خورد ونوش اور لباس کی مرمت وشست وشو پر خرچ کرتے تھے۔ چنانچہ مدرسہ مذکور کے اس زمانہ کے قبض الوصول کے رجسٹر اور روائیداد دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کہیں بھی شاہ صاحب کے لئے تعین تنخواہ کا ذکر تک نہیں بلکہ "بلاتعین" کا لفظ درج ہے۔

میں دوپہر کے وقت بھی آپ کتب بینی میں مصروف رہتے جبکہ ہر شخص دوپہر کی نیند کے مزے لیتا
تھا۔ اور موسم سرما میں دیکھا گیا کہ آپ نماز عشاء سے صبح صادق تک مطالعہ فرمارہے ہیں۔ اور اوپر
کی رضائی جو لپٹ رکھی تھی کھسک کر کہیں سے کہیں جا پڑی ہے اور آپ کو مطالعہ میں محویت کی وجہ
سے اس کا احساس بھی نہیں رہا، مغرب کی نماز سے عشاء تک کا وقت تو یہ ذکر و مراقبہ میں مشغول
رہنے کیلئے مخصوص تھا (حیات انور ۳۰۳، ۳۰۴ مفہوم)

حضرت رائے پوری کا یہ مختصر بیان مدرسہ امینیہ دہلی کے پنج سالہ دور میں شاہ صاحبؒ کی مصروفیات،
مشاغل و عبادات اور زہد و تقویٰ وغیرہ زندگی کے تمام گوشوں پر ایک مفصل و مکمل تبصرہ ہے جو قابل داد ہے
اس میں آپ کی وہ مکمل تصویر جھلک رہی ہے جس پر صفحات در صفحات لکھے جا سکتے ہیں۔

مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے اعترافات:...... حضرت علامہ مولینا مفتی محمد کفایت اللہ
مدرسہ امینیہ دہلی کو زندہ رکھنے اور اس کو ترقی دینے میں قوم پر ان کا احسان عظیم ہے۔ حضرت شاہ
صاحبؒ کے (امینیہ کو ترک کر کے کشمیر آجانے اور مولینا امین الدین صاحبؒ کے زمانہ جوانی میں
ہی وفات پا جانے کے بعد مفتی صاحبؒ مرحوم اکیلے اس مدرسہ کو چلاتے رہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے "روض الریاحین" کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے
جو عربی فصاحت و بلاغت کا قابل قدر آئینہ ہے۔ یہ رسالہ علم و علماء کا ایک اجمالی تذکرہ ہے اور
مدرسہ امینیہ دہلی کی مختصر تاریخ بھی ہے اس کے آخر میں حضرت شیخ الہند مولینا محمود الحسن صاحبؒ
کی شان میں بھی ایک طویل عربی قصیدہ ملحق ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی شان میں بھی ایک طویل عربی قصیدہ ملحق ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی عربی نظم میں مدرسہ امینیہ کے اساتذہ کے مناقب کے دوران
شاہ صاحبؒ کے علم و عمل کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے ان سے کچھ وہی لوگ پورا پورا حظ حاصل
کر سکتے ہیں جو عربی زبان کے اسرار سے واقف ہیں۔

ونختم ذا الکلام بذکر حبر ☆ فقید المثل علام فرید

اب ہم ایک بڑے عالم کے ذکر پر کلام ختم کرتے ہیں۔ وہ بے نظیر علامہ یکتائے زمانہ ہیں۔

مریغ العلم مقتص الفنون ☆ لہ کل المزایا کالمصید

وہ علم کو ڈھونڈ نکالنے والے فنون کو شکار کرنے والے ہیں۔ تمام فضیلتیں انکے فراک کا شکار ہیں۔

نبیہ فائق الاقران یدعی ☆ بانور شاہ موموق الحسود

بزرگ مرتبہ ہمسروں پر فائق جن کو۔ انور شاہ کہہ کر پکارا جاتا ہے حاسدوں کے محبوب ہیں۔

فهذا الحبر غارس ذاالنخیل ☆ واول موقظ القوم الرقود

یہی علامہ وہ ہستی ہے، جس نے اس باغ (یعنی مدرسۂ امینیہ) کے پودے نصب کیے، یہی ہیں جو سوتی قوم کو نیند سے جگانے والوں کے پیش رو ہیں۔

امینیہ اور شاہ صاحبؒ:...... حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے اسی رسالہ کے ۸ پر اپنے اشعار کی وضاحت حاشیہ کی شکل میں کی ہے، جس کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدرسۃ امینیہ کے مدرس کی حیثیت سے حضرت شاہ صاحبؒ نے جناب مفتی صاحبؒ جیسے فاضل معاصرین کے ذہن پر جو اثر مرتب کیا تھا وہ کتنا گہرا اور کتنا بلند تھا۔ بہرکیف اس حاشیہ میں مفتی صاحبؒ یوں رقمطراز ہیں:

"علامہ فہامہ جناب مولینا محمد انور شاہ صاحبؒ ساکن کشمیر بے نظیر شخص ہیں ذہن وذکاء ورع وتقوی میں مرد کامل، مدرسۃ ہذا میں ابتداءً مدرس اول تھے بلکہ آئندہ اشعار میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس شجر علم کے لگانے والے آپ ہیں کیونکہ مولینا محمد امین صاحبؒ جب دہلی تشریف لائے اور مدرسۃ قائم کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت ان کے پاس نہ سامان تھا، نہ روپیہ آپ نے محض متوکلا علی اللہ سنہری مسجد میں پڑھانا شروع کیا مولینا محمد انور شاہ صاحبؒ آپ کے شریک تھے۔ دونوں صاحبوں نے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں فاقے کیے مگر استقلال کو ہاتھ سے نہ چھوڑا آہستہ آہستہ اہل دہلی کو خبر ہوئی اور لوگ متوجہ ہونے لگے یہاں تک کہ مدرسۃ اس حالت میں پہنچا جو آپ کی نظر کے سامنے ہے، غرض یہ ہے کہ ابتدائی زمانہ کی کس مپرسی کی حالت میں مولینا مولوی محمد انور شاہ صاحبؒ اس مدرسہ کے اعلی واول محسن ہیں ان کا شکریہ ادا کرنا اور ہمیشہ ان کو یاد رکھنا اہل مدرسہ پر فرض ہے مولینا نے ایک عرصہ تک مدرسہ ہذا میں درس دیا اور طلبہ کو مستفید فرمایا۔ پھر والدین سلمہا اللہ تعالی کے تقاضے اور اصرار پر وطن تشریف لے گئے ۔۱۳۲۳ میں حج کو تشریف لے گئے واپسی پر دہلی میں دو ماہ قیام فرمایا اور اب بھی وطن میں تشریف رکھتے ہیں خدا تعالی مولینا کو تادیر سلامت رکھے اور ان کے بے نظیر عمل سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے"۔

مدرسۃ امینیہ میں شاہ صاحبؒ کا درس:...... نقل ہے کہ جب حضرت شاہ صاحبؒ مدرسۃ امینیہ دہلی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ اور وہاں شرح چغمنی اور صدرا پڑھاتے تھے تو یہ دنیائے درس وتدریس میں ایک انقلاب تھا اس خاص وقت میں دہلی کے تمام عربی مدارس بند ہوتے تھے (اور قدر دان طلبہ حضرت شاہ صاحب کے درس میں شامل ہو کر مستفید ہوتے تھے۔

دہلی سے لولاب:...... بہرصورت مدرسۃ امینیہ کے قائم ہونے کے وقت سے لیکر ۸ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ تک کچھ ایک ماہ کم پانچ سال مسلسل اس درسگاہ میں حضرت شاہ صاحبؒ نے بحیثیت صدر المدرسین فرائض انجادیئے۔ اس اثناء میں مدرسۃ دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کے مدارج طے کرتا گیا۔ اگر چہ شاہ صاحبؒ کے خاص دل میں یہ تمنا کروٹیں لیتی رہتی تھی کہ آپ اپنی تعلیمی خدمات کیلئے دہلی کے بدلے کشمیر کو میدان بنائیں لیکن موافق حالات کے فقدان کی وجہ سے یہ ارادہ ٹلتا جاتا تھا۔ اسی اثنا میں یہ حادثہ پیش آیا کہ ماہ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ میں ان کے بڑے بھائی مولوی یسین شاہ صاحبؒ کا انتقال ہوگیا اور آپ کے غمزدہ پدر بزرگوار مولینا معظم صاحبؒ نے حادثہ کی اطلاع کے علاوہ آپ کو تاکیداً گھر آجانے کو لکھا تا کہ والدین ایک جوان بیٹے کے غم کو دوسرے قابل بیٹے کی ملاقات سے دور کرسکیں بہرکیف اس حادثہ جانکاہ کی وجہ سے حضرت شاہ صاحبؒ کو دہلی سے کشمیر کیلئے روانہ ہوئے ہوں تو آپ کو مدرسہ امینیہ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہونے کا ارادہ نہ ہو، لیکن جب آپ کشمیر آگئے تو غمگین والدین نے آپ کو کشمیر سے باہر رہنے کی اجازت نہ دی۔ مزید برآں خود آپ بھی اہل کشمیر کے سامنے معارف کی شمع روشن کرنے کے مدت سے آرزومند تھے اس لئے چاروناچار آٹھ سال کا زمانہ وطن میں ہی گزارنا پڑا جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی (ان شاء اللہ تعالیٰ وبہ نستعین)

وطن میں قیام کے تین سال

(۱۳۲۰ھ تا ۱۳۲۳ھ)

یوں تو ۱۳۲۰ھ میں حضرت شاہ صاحبؒ کی کشمیر اور اپنے گھر کو واپسی کا بڑا سبب اپنے برادر اکبر پیر یسین شاہ کی وفات پر غمگین والدین کی دلجوئی کرنا تھا لیکن جب آپ نے واپس آکر ایک دردمند مبصر اور رہنما کی نظر سے اپنے وطن اور اہلِ وطن کی خستہ حالی کو دیکھا تو دہلی یا دیوبند جانے کا ارادہ ترک کردیا اور کشمیر میں ہی رہ کر دین اسلام کی تعلیم اور عوام کو بیدار کرکے اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ چونکہ آپ دہلی اور یوپی میں قوم کی بیداری کیلئے جدید مدرسے قائم کرنے کی تحریک اور اس کے مقاصد کو نہ صرف دیکھ کر آئے تھے بلکہ مدرسہ امینیہ دہلی (جو اسی تحریک کا ایک قدم تھا) کے بنانے میں عملاً حصہ بھی لے چکے تھے۔ اور ۱۳۱۵ھ سے ۱۳۲۰ھ تک اس میں تعلیم دیکر اس راستہ میں قربانی پیش کرنے کے ساتھ ساتھ تحریک تعلیم کا تجربہ بھی حاصل کرچکے تھے۔ اس لئے کشمیر میں بھی قومی بیداری کا ذریعہ آپ کی نظروں میں یہی ہوسکتا تھا کہ دیوبند کے دارالعلوم

سہارنپور کے مظاہر العلوم اور دہلی کے امینیہ کی طرز کا ایک مدرسہ کشمیر میں بھی قائم کیا جائے مگر اس وقت وادیٔ کشمیر کے عوام انتہائی گہری نیند میں بے خبر اور غافل پڑے ہوئے تھے غلامی اور حکومیت کے طویل مصائب نے اس کے اعصاب کو شل کر ڈالا تھا۔ وہ اپنی اس حکومیت پر قانع تھے اور اس کے دائرہ سے باہر جھانک کر دیکھ بھی نہ سکتے تھے۔ رہے خواص تو وہ ایک طرف حاکم وقت کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے میں مصروف تھے اور دوسری طرف آپسی رقابت اور مخاصمت کو حاصل زندگی سمجھ کر ایک دوسرے کی پگڑی اچھالنے کی فکر میں شب و روز سرگردان رہتے تھے۔ ایسے لوگوں کو دیوبند کے طرز پر مدرسہ قائم کر کے اس کو بیداریٔ عامہ اور اس کے حمایہ میں انقلاب حالات کی جدوجہد کا فلسفہ سمجھانا بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف تھا۔

ایک تلخ تجربہ:...... حضرت شاہ صاحبؒ کا ارادہ تو مدرسہ قائم کر کے اشاعت تعلیم کے ذریعہ عوام کو بیدار کرنے کا تھا۔ مگر جب آپ نے اندازہ کیا کہ مدرسہ کے قیام کیلئے جو سازگار ماحول مطلوب ہے اس کا فقدان ہے تو آپ نے ماحول کو سازگار بنانے کی غرض سے وادی میں وعظ و تلقین اور تبلیغ و تذکیر کا سلسلہ شروع کیا اور اس کام کی ابتداء اپنے ہی علاقہ لولاب اور علاقہ کامراج سے کی۔ زیادہ تر دیہاتی بستیوں میں اور کبھی کبھی سوپور اور بارہ مولہ کے قصباتی لوگوں میں وعظ و ارشاد کی یہ مہم چلتی رہی۔

آپ کی ذات اور شخصیت اس قدر پر کشش تھی کہ بہت جلد آپ کو قبولیت عامہ حاصل ہوگئی۔ جہاں کہیں آپ وعظ و تبلیغ کرنے جاتے عوام اپنے کام کاج چھوڑ کر جمع ہو جاتے اور اتنے بڑے اجتماعات ہوتے کہ سب لوگوں تک اپنی آواز پہنچانا شاہ صاحبؒ کیلئے مشکل ہو جاتا۔ کچھ مدت تک شاہ صاحبؒ ہجوم خلائق کو پر امید نظروں سے دیکھتے رہے اور اشاعت تعلیم و قیام مدرسہ کے اپنے اصل مقصد کے حق میں اسے مفید اور فال نیک سمجھتے رہے لیکن مرور ایام کے ساتھ ساتھ آپ پر یہ عجیب انکشاف ہوا کہ آپ کے رہنمایانہ ارشادات کی جو چیز روح ہے اس تک ان اجتماعات کے شرکاء کی نہ رسائی ہے اور نہ اس سے ان کی کوئی دلچسپی ہے اور آپ کی زبان سے نکلے ہوئے دینی مسائل و نصیحت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو وہ محض رسماً ہی سن لیتے ہیں ان کو اگر دلچسپی ہے تو صرف اس بات سے کہ وہ آپ کو ولی کامل اور مجموعۂ کرامات سمجھتے ہوئے آپ کی ذات سے برکت حاصل کریں اور قریب سے دیدار کرلیں اور آپ سے اپنی روزمرہ کی مشکلات کے حل کیلئے تعویذ حاصل کریں اور چونکہ آپ تعویز لکھنے سے شدت کے ساتھ انکار کرتے تھے لہذا آپ سے اپنے لئے دعا کی درخواست کرنا ان لوگوں کا منتہائے مقصود تھا جس کو لیکر بعض اوقات یہ لوگ بہت دور سے لمبی

مسافتیں طے کر کے اور پیدل چل کر شاہ صاحبؒ کی مجلسوں میں شریک ہونے کو پہنچتے تھے۔

مایوس کن صورت حال:...... تین سال تک شاہ صاحب نے وعظ و نصیحت کی یہ مہم جاری رکھی اور ان لوگوں کو یہ سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے کہ آپ کا مقصد کشمیر کی خواب غفلت میں پڑی ہوئی خلقت کو بیدار کرنا اور یہ کہ آپ دین اسلام کے ایک معلم اور مبلغ ہیں اور چاہتے ہیں کہ کشمیر کے عوام تعلیم یافتہ ہو جائیں اور بے علمی اور مبلغ ہیں اور چاہتے ہیں کہ کشمیر کے عوام تعلیم یافتہ ہو جائیں اور بے علمی اور جہالت کی گرفت سے آزاد ہو کر اپنے دین اور اپنی دنیا کے مسائل پر غور کریں اور اپنے حقوق اور فرائض کو سمجھیں لیکن اس وعظ و تذکیر کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس مدت میں شاہ صاحبؒ کی شہرت گھر گھر پہنچ گئی مگر محض مستجاب الدعوات اور کثیر الکرامات ولی کی حیثیت سے نہ کہ علمی و عملی انقلاب کے داعی کی حیثیت ہیں۔

پیری مریدی کی دکام چمکانا مقصود ہوتا تو یہ عوامی مقبولیت بہت بڑی چیز تھی لیکن اس قسم کے لا حاصل رجوع خلق سے شاہ صاحبؒ فطرۃً سخت متنفر اور بیزار تھے اور اس قسم کی مقبولیت کو آپ تحسین ناشناس قرار دیتے تھے اور اپنے مقاصد کے راستے میں رکاوٹ یقین کرتے تھے اسلئے تین سال کی جدوجہد کا نتیجہ جب حسب آرزو نہ نکلا تو آپ اہل کشمیر سے مایوس ہو کر ترک وطن پر تیار ہو گئے۔

سفرِ حج اور اس کے محرکات

(۱۳۲۳ھ)

جب کشمیر میں قیام مدرسہ کا ارادہ کامیاب نہ ہو سکا تو اب آپ کے سامنے سوال یہ تھا کہ کشمیر سے ہجرت کر کے کہاں جائیں؟ اور اپنی زندگی کا مقصد جب تعلیم و تدریس کو قرار دے دیا ہے تو اپنے ارادوں کو عملی شکل دینے کیلئے میدان کہاں تلاش کریں؟ اس سوال پر غور کرتے کرتے آپ کو خیال آیا کہ آپ حجاز مقدس چلے جائیں۔ حجاز کی طرف ہجرت کو جانے کا خیال آپ کو جب آیا ہوگا تو یقیناً آپ کے سامنے اس وقت بڑے بڑے بزرگان دین کا اسوہ بھی رہا ہوگا۔ جو ہندوستان میں پیدا ہوئے اور تدریس و تعلیم سے خدمت اسلام کرتے رہے پھر ہجرت کر کے حجاز چلے گئے اور وہاں اپنے علم و عرفان کے خزانے تقسیم کرنے کے بعد دیار محبوب میں ہی محو خواب ہو گئے۔ مثلاً حضرت مولینا محمد اسحاق محدث دہلوی حضرت مولینا شاہ محمد یعقوب، حضرت مولینا شاہ عبد الغنی مجددی دہلوی اور اپنے پیر طریقت حضرت مولینا رشید احمد گنگوہی کے مربی و مرشد حضرت شاہ امداد اللہ (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) آپ نے ضرور سوچا ہوگا کہ جس طرح ان حضرات علماء نے ہندوستان

ہجرت کر کے حرمین میں مقیم ہو کر خود بھی فیض و برکات حاصل کئے اور دوسروں کو بھی فیض سے بہرہ ور کیا۔ اسی طرح میں بھی کشمیر سے ہجرت کر کے اپنی زندگی کو اپنے وطن کے تعویذ پرستوں سے بچا کر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں کسی بڑے مقصد پر صرف کر دوں اور حیات مستعار ختم کرنے کے بعد وہاں ہی پیوند خاک ہو جاؤں۔

رفقاء سفرِ حج:...... یہ تھا وہ تصور جس نے آپ کو حج بیت اللہ کی تیاری پر آمادہ کیا، چنانچہ ۱۳۲۳ھ کے ذی الحج میں واقع ہونے والے ایام حج میں ادائے فریضہ کی نیت کر کے آپ زاد سفر کی فکر میں لگ گئے اس زمانے میں زاد سفر حج کے طور سے، بہت تھوڑی رقم کافی ہو جاتی تھی جو غالبا مولینا معظم شاہ صاحبؒ کی توجہ سے آپ کو مہیا ہو گئی۔ اب آمادہ سفر ہو جانے کے بعد "الرفیق قبل الطریق" کے مطابق رفقاء سفر کی فکر کرنا قدرتی امر تھا قیام وطن کے تین سال کے عرصہ میں قصبہ بارہ مولہ کے ایک رئیس خواجہ عبدالصمد نہ صرف حضرت شاہ صاحبؒ کے مداحوں میں شمار ہوتے تھے بلکہ آپ کے محبین و معتقدین کی صف اول میں شامل ہو چکے تھے۔ جب خواجہ صاحبؒ موصوف کو حضرت شاہ صاحبؒ کا ارادہ سفر حج معلوم ہوا تو آپ نے بھی حج کا ارادہ کر لیا تاکہ ان کے مناسک حج حضرت شاہ صاحبؒ کی معیت میں ادا ہوں۔ اس طرح آپ کو رفاقت سفر کیلئے ایک یار شاطر میسر آ گیا۔ اور جب شاہ صاحبؒ اور خواجہ صاحبؒ کے حج پر روانہ ہونے کا چرچا ہوا تو خواجہ صاحبؒ کے چند دوسرے دوست احباب بھی آمادہ حج ہو گئے جن میں سے ایک ضلع ہزارہ میں واقعہ جاگیر گڑھی حبیب اللہ کے نواب کے وزیر سید مردان علی شاہ بھی تھے۔ جو حضرت شاہ صاحبؒ کے قدر دانوں میں شمار ہوتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ، خواجہ عبدالصمد ککرو اور سید مردان علی شاہ کے علاوہ اس قافلہ میں مزید چھ کس رفقائے سفر تھے جن کے ناموں کا پتہ نہیں چل سکا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اگرچہ اپنے لئے سفر حج کا انتظام اپنے طور کر رکھا تھا لیکن خواجہ عبدالصمد ککرو نے اصرار کیا کہ وہ اس قافلہ کے نو ارکان کے اخراجات خود برداشت کریں گے اور شاہ صاحبؒ نے اس کو مان لیا تاکہ ان کے دوست کے جذبہ فیاضی کو ٹھیس نہ لگے۔

حجاز سے واپس آ جانے کا فیصلہ:...... بدوران سفر حج خواجہ عبدالصمد ککرو کو باتوں باتوں میں یہ پتہ چلا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کشمیر کے عوام کی عدم بیداری سے مایوس ہو کر ہمیشہ کے لئے حجاز میں مقیم ہو جانے کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ کو یہ بات سخت گراں گزری اور سوچنے لگے کہ اس دور ظلمت

میں ایک شمع ہے، جو کشمیر میں مستقبل کی امیدوں کو روشن کر رہی ہے۔ اگر یہ بھی ہم سے دور ہو جائے تو کشمیر میں بجز تاریکی کے اور کیا رہ جائے گا یہ سوچ کر خواجہ صاحبؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کو ہجرت کے ارادہ سے باز رکھنے میں اپنی ساری منطق اور قوت بیان صرف کر دی اور بار بار کی طویل گفتگو کے بعد جب خواجہ صاحبؒ نے کشمیر میں ایک دار العلوم قائم کرنے میں شاہ صاحبؒ کو مکمل تعاون دینے کا وعدہ کیا تو شاہ صاحبؒ نے ترک کشمیر کا اپنا فیصلہ منسوخ کر دیا اور مراجعت وطن پر آمادہ ہو گئے اور ۱۳۲۴ھ میں سفر حج سے واپس آ کر دہلی دیوبند سے ہوتے ہوئے کشمیر پہنچ گئے۔

حرمین میں آپ کے علم کا اعتراف:...... سفر حجاز میں طرابلس بصرہ، مصر، شام اور دوسرے کئی مقامات سے آئے ہوئے جلیل القدر حضرات علماء نے حضرت شاہ صاحبؒ کی بہت عزت کی اور سب نے آپ کی خداداد اور بے نظیر لیاقت اور علمی استعداد دیکھ کر تبرکاً و اعزازاً اسندات حدیث عطا فرمائیں یہ اعتراف فضیلت علمی کا ایک طریقہ تھا جو عالم اسلام میں مروج تھا ان سندات میں آپ کا نام نامی اکثر مقامات پر ''الفاضل الشیخ محمد انور شاہ بن مولینا محمد معظم شاہ الکشمیری'' وغیرہ القاب کے ساتھ لکھا گیا تھا۔

مدینہ منورہ میں قیام کے دوران اپنے ذاتی ارادے سے جن بزرگ سے آپ نے علم حدیث میں استفادہ کیا ہے وہ محدث کبیر حضرت شیخ حسین طرابلسیؒ تھے جن سے آپ کو حدیث کی باقاعدہ اجازت بھی حاصل تھی۔

شاہ صاحبؒ نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں کافی دن قیام فرمانے کے دوران روحانی فیوض و برکات حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ وہاں کے علمی کتب خانوں سے کامل استفادہ بھی کیا۔ اور ایک عرصہ تک آپ وہاں کے نوادرات علمی کا مطالعہ کرتے رہے۔

روضۂ اطہر کے سامنے اشکباری:...... مدینہ پاک میں جب یکم محرم الحرام ۱۳۲۴ھ کو آپ روضہ اطہر نبوی (علی صاحبہا الف تحیات مبارکۃ طیبۃ) پر عرض سلام کے لئے حاضر ہوئے تو سوچا کہ آج تک دربار محمدؐ میں فصحاء عرب و عجم نے فصیح و بلیغ زبانوں میں عقیدت کے نذرانے پیش کئے میں کس زبانوں میں سلام عرض کروں؟ چونکہ آپ کو عربی اور فارسی زبان پر یکساں قدرت حاصل تھی اس لئے یکا یک نطق انور سے ایسی نعت جاری ہوئی جس کا ایک مصرعہ فارسی اور دوسرا عربی ہے تبرکاً چند شعر ہدیہ حاضرین ہیں:

اے صبا عالم رسان نزد رسول ☆ اذ ماآلی نحو مولی قدیاؤ

گرچہ ازتردامنی ختم ولے ☆ علّ ان اروی اذہبت قبول
چوں گدا ہستم نہ رانداز درم ☆ انہ لا ینہر الرجہ سئول
چوں رسیدی انور ابر کوئے او
انک الآتی بخیر فی القفول ❶

مدرسہ فیض عام کے قیام کا پس منظر

مدرسہ فیض عام قائم کرنے کے فوری محرکات کی طرف کچھ اشارات سابق سطور میں آ چکے ہیں۔ یہاں یہ بتا دینا مناسب ہے کہ جس زمانہ کے یہ واقعات ہیں وہ مسلمانانِ ہند کے حق میں انتہائی ابتلاء اور آزمائش کا دور تھا جس سے نجات حاصل کرنے کے لئے رہنمایان وقت بلا امتیازات طرز فکر تعلیم دین اور مروجہ تعلیم پر اپنی ساری توجہ مرکوز کر رہے تھے اور حضرت شاہ صاحبؒ کے حساس دل پر اس تحریک کا اثر گہرا تھا اور یہ اثر کسی وقتی حادثہ کا نہیں بلکہ حالات کا کئی برسوں تک مسلسل اور ہر پہلو سے مطالعہ اور غور وخوص کا نتیجہ تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے وطن سے باہر اپنی تعلیم کی تکمیل ہزارہ کی درسگاہوں اور دار العلوم دیوبند سے کی تھی۔ دار العلوم دیوبند اور ہزارہ کی یہ درسگاہیں ہند میں انیسویں صدی عیسوی (تیرہویں صدی ہجری) میں پیش آمدہ شدید قسم کی قومی شکستوں اور ناکامیوں کے تباہ کن اثرات سے بچا کر از سرِ نو جہد للبقا کے میدان میں مسلمانانِ ہند کو صف آراء کرنے کے لئے وجود میں لائی گئی تھیں۔

حادثہ بالاکوٹ:...... ۶ مئی ۱۸۳۱ء میں ضلع ہزارہ کے ایک شمالی مقام بالاکوٹ میں جب حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک جہاد بالسیف کو شدید صدمے سے دوچار ہونا پڑا تو اس بات کا سخت خطرہ محسوس کیا گیا کہ عوام جو کل تک حضرت شہید کی کامیابیوں کے ساتھ روشن مستقبل کی بڑی بڑی امیدیں باندھ رہے تھے اور آپ کو نہ صرف امام جہاد تسلیم کرتے تھے بلکہ آپ کے امام مہدی ہونے کے چرچوں سے بھی دلچسپی لیتے تھے کہیں اب مایوسی کے پہاڑ کے نیچے دب کر شکست خوردگی اور مرعوبیت کا شکار نہ ہو جائیں۔ اس لئے ہزارہ میں ہر طرف دینی درسگاہیں قائم کر کے علم ودانش کے آبِ حیات سے قوم کی رگ حیات کو سیراب کیا گیا۔

۱۸۵۷ء ۱۲۷۳ھ کی قیامت کبریٰ:...... حضرت سید کی شہادت پر ابھی مشکل پچیس یا

❶ بحوالہ دار العلوم دیوبند اپریل ۱۹۷۳ء

چھبیس سال گزرنے پائے تھے کہ مسلمانان ہند کو ایک دوسری قیامت کا سامنا کرنا پڑا ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے طوفان میں زوال آمادہ مغل راج کو ختم ہونا ہی تھا مگر پوری قوم کو عزت ووقار کی ہر علامت سے ہاتھ دھولینے پڑے، ہر طرف خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ ہزاروں محبان وطن کو سڑکوں کے کنارے پھانسیاں دی گئیں۔ علماء اور سر برآوردہ لوگوں کو قطاروں میں کھڑا کر کے توپوں سے اڑایا گیا۔ شہر اور بستیاں اجاڑ ڈالی گئیں اور پورے ملک پر ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک برطانوی سامراج کا وہ تسلط قائم ہوا جس کو اکھاڑ پھینکنے میں پورے نوے سال کا عرصہ لگا۔

سعی نشاۃ ثانیہ:......غرضیکہ جب ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ذرا تھما تو دردمندان قوم نے تعلیم کو ہی غلامی کے درد لادوا کا علاج قرار دیکر قدم اٹھایا۔ ۱۸۶۷ء (۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ) میں مولینا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے رفقاء نے پہلے دیوبند میں اور اس کے فوراً بعد سہانپور میں مدرسے قائم کیے اور اس کے بعد قیام مدارس نے ایک تحریک کی صورت اختیار کرلی۔ مولینا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کے رفقاء کے یہ مدارس دینی بنیادوں پر قائم ہورہے تھے اور ان میں پڑھنے والوں کے ذہن پر ملت کی خستہ حالی کو دور کرنے اور وطن کی از سرِ نو آزادی کا راستہ تلاش کرنے کے ساتھ ساتھ سات سمندر پار سے آئی ہوئی برٹش حکومت کی نفرت اپنے آپ کندہ ہوجاتی تھی۔

مساعی علیگڑھ:......دار العلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہانپور اور کئی دوسرے دینی مدارس ملک کے طول وعرض میں قائم ہوجانے کے کئی سال بعد سر سید احمد خان مرحوم (المتوفی ۱۸۹۸ء) کی قیادت میں ایسے لوگ بھی میدان میں نکلے جن کے نظریہ ترقی کے لحاظ سے صرف دینی تعلیم تک محدود رہنا مستقبل کی ضرورتوں کے لئے ناکافی تھا۔ اس لئے انہوں نے حکومت وقت کے تجویز کردہ نصاب تعلیم کی بنیاد پر ادارہ ہائے تعلیم قائم کرنے کی وکالت شروع کی۔

سر سید گروپ اور مولینا محمد قاسم نانوتوی گروپ دونوں کے بنیادی مقصد میں کوئی فرق نہ تھا۔ دونوں یہی چاہتے تھے کہ مسلمانان ہند کو بذریعہ تعلیم اس قابل بنادیا جائے کہ وہ ملک کے بدلتے ہوئے حالات میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکیں اور وقت کے طوفانوں کا لقمۂ تر بن جانے سے بچ جائیں۔ البتہ طریق کار اور ترجیحات عمل میں نمایاں فرق تھا اور نصاب تعلیم اور طریقۂ تربیت کے بارے میں اختلافات تھے لیکن یہ اختلافات دونوں طرف خلوص نیت پر مبنی تھے۔

بہر حال مسلمانان ہند میں تعلیم کو عام کرنے کے لئے دو تحریکیں متوازی خطوط پر چلنے لگیں پہلی تحریک ۱۸۶۷ء میں قیام دار العلوم دیوبند کی شکل میں نمودار ہوئی اور دوسری تحریک کے نتیجہ

میں ۲۴ مئی ۱۸۷۵ء کو علی گڑھ میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج قائم ہوا جس کے نقشِ قدم پر چل کر جا بجا اسلامیہ مڈل اسکول اور اسلامیہ ہائی اسکول بنتے گئے اور اسی دوران پنجاب میں لاہور کا اسلامیہ کالج بھی معرض وجود میں آیا۔

کشمیر بھی پیچھے نہ رہا:...... کئی برس مزید بیت جانے کے بعد جب اشاعت تعلیم کا پروپیگنڈا ملک کے کونے کونے کو متاثر کر چکا تو یہ لہر کشمیر کے پہاڑوں سے بھی ٹکرائی اور سرینگر میں ایک حساس دل کی مالک ہستی حضرت مولینا میر واعظ رسول شاہ صاحبؒ (المتوفی رجب ۱۳۲۷ھ) کی مساعی جمیلہ سے ۱۳۱۷ھ میں انجمن نصرۃ الاسلام قائم ہوئی۔ جن کے ذریعہ پہلے اسلامیہ پرائمری سکول پھر مڈل اسکول اور ۱۳۲۵ھ میں اسلامیہ ہائی سکول اور بعد ازاں اورینٹل کالج جیسے مدرسے قائم ہوئے۔ (الحمد للہ یہ اپنے بانیوں کے خلوص نیت کی برکت سے کسی نہ کسی شکل میں آج تک زندہ ہیں)

حالات زمانہ کا تقاضا:...... خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہزارہ، دیوبند اور یوپی وغیرہ علاقوں کی جن فضاؤں میں حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی تعلیم کی تکمیل کی ان میں تعلیم کا فلسفہ یہی تھا کہ قوم کی انیسویں صدی کے حادثات سے جو مصائب پیش آئے ہیں ان کا علاج تعلیم کے سوا اور کچھ بھی نہیں اور جو کوئی بھی قوم کی خدمت کرنا چاہے اس کا فرض ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق چھوٹا یا بڑا، دینی یا دنیاوی مدرسہ قائم کر کے ملت اسلامیہ کے دین اور دنیا دونوں کو سدھارے۔ چنانچہ دیوبند سے اپنی تعلیم کی تکمیل اور سند فراغت حاصل کرنے کے بعد شاہ صاحبؒ نے جب عملی زندگی کے میدان میں قدم رکھا تو سب سے پہلے اپنے ہم درس مولینا امین الدین صاحبؒ (المتوفی ۱۹ رمضان ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء) کی رفاقت میں دہلی کا مدرسہ امینیہ قائم کیا اور کامیابی کے ساتھ چلایا۔

کشمیر کے حق مقدم کا احساس:...... حضرت شاہ صاحبؒ جیسی بڑی ہستیاں اپنے فیوض کو علاقائیت اور صوبائیت کے محدود دائروں میں بند نہیں کر سکتیں۔ خدا تعالیٰ کی ساری دنیا ان لوگوں کا وطن ہوتی ہے اور اس کی ساری مخلوق ان کا کنبہ ہوتا ہے۔ لیکن اپنے زاد بوم اور ابتدائی مقام نشو ونما کے ساتھ فطرتی لگاؤ سے کوئی مفر نہیں۔ شاہ صاحبؒ اس لحاظ سے کشمیر اور کشمیریوں کا حق مقدم سمجھتے تھے اور تمنا رکھتے تھے کہ اس مقدم مخلوق کی آنکھوں سے جہالت اور بے علمی کے پردے ہٹا دینے میں اپنا فرض انجام دیں۔ بنا براں دہلی کے زمانۂ قیام میں آپ لازمی طور پر دل ہی دل میں یہ محسوس کرتے رہے ہونگے کہ ان کی جدوجہد کا اصلی میدان کشمیر ہے کیونکہ دہلی جیسے بیدار شہروں میں قوم کی اجتماعی خدمات کا فرض انجام دینے والوں کی قلت نہیں ہے۔ لہٰذا اپنے مظلوم وطن

(ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ پسماندہ علاقہ یعنی خطہ کشمیر کے مظلومین کی فکر کیوں نہ کی جائے۔ لازمی طور پر آپ نے یہ بھی سوچا ہوگا کہ اگر تعلیم کی اشاعت باقی ہندوستان کے مسلمانوں کی مشکلات کا حل ہے تو کشمیر جنت نظیر میں اولاد آدم کی جو تذلیل اور انسانیت کی جو پائے مالی ہو رہی ہے اس کا علاج بھی تعلیم ہی کی اکسیر کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے ان تصورات نے رفتہ رفتہ اس تجویز کی شکل اختیار کر لی کہ اگر حالات سازگار ہو جائیں اور موقعہ مل جائے تو خود کشمیر میں ایک اچھا مدرسہ قائم کر کے مسلمانان کشمیر کو خواب غفلت سے بیدار کیا جائے اور ان کو زیور تعلیم سے آراستہ کر کے ترقی دارین کی شاہراہ پر ڈالنے کا فرض انجام دیا جائے۔

کشمیر میں کام کی مشکلات:...... یہ ایک قدرتی امر تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے درجہ تکمیل سے امتیازی فراغت کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ اپنی علمی خدمات اور فیوض و برکات کا اولین مستحق وادی کشمیر کے عوام کو تصور کریں جو نہ صرف یہ کہ آپ کا گوشت و پوست تھے بلکہ محکومیت اور غلامی کے شکنجہ میں گرفتار ہونے کی وجہ سے تعلیم کے دینی اور دنیاوی دونوں شعبوں میں ہندوستان کے دوسرے حصوں کے لوگوں سے زیادہ پسماندہ تھے اور زندگی کے ہر میدان میں اپنی ہمہ گیر پستی کے لحاظ سے بھی شاہ صاحبؒ کی طرح ہر ایک حساس دل رکھنے والے صاحبؒ بصیرت شخص کی ہمدردی اور توجہ کے مستحق تھے۔ لیکن سوال یہ تھا کہ کشمیر میں کام کس طرح شروع کیا جائے اور کہاں سے کیا جائے؟ کسی سابق موجود درس گاہ سے نئے مقاصد پورے کئے جائیں یا نئے کام کے لئے کوئی نئی درس گاہ قائم کی جائے اس وقت بھی محدود پیمانہ پر کشمیر میں خاصکر سرینگر میں بعض دینی درس گاہیں موجود تھیں جو پرانے ڈھنگ سے اپنی بساط کے مطابق ایک حد تک کام کر رہی تھیں لیکن وہ آپ کے متصورہ معیار اور زمانہ کے جدید تقاضوں اور ضرورتوں کے مطابق نہ تھیں۔ اس لئے ان سے کسی انقلابی مقصد کو پورا کرنے کی امید باندھنا ممکن نہ تھا اور ایک موزون قسم کی جدید درس گاہ کی شکل میں جو تعلیمی ادارہ قائم کرنا چاہتے تھے اس کے لئے اولین ضرورت تھی پختہ کار اور بالغ الذہن رفقاء کی اور دوسری ضرورت تھی ایثار پیشہ معاونین کی اور تیسری ضرورت تھی ذہین اور حساس دل رکھنے والے طلباء کی یہ اہم عناصر وادی کشمیر میں تب بھی مفقود تھے اور اب بھی ستر سال گزرنے کے بعد شاذ و نادر ہی پائے جاتے ہیں۔ بقول مولینا روم علیہ الرحمۃ

زین ہمرہان ست عناصر دلم گرفت
شیر خداو رستم دستانم آرزوست

اس لئے آپ کو دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہو جانے کے فوراً بعد کشمیر میں اپنا کام شروع کرنے

میں بہت کچھ تامل تھا بالفاظ دیگر مدرسۃ امینیہ دہلی میں تعلیم دینے کے دوران شاہ صاحبؒ کا وطن میں مدرسۃ قائم کرنے کے منصوبے سوچتے رہنا تو فطری امر تھا مگر جب تک اس کے ذرائع مہیا نہ ہو جائیں ان ارادوں کو عمل میں لانے کی کوئی صورت نہیں تھی اسلئے آپ کئی سال تک قدم الخروج قبل الولوج کے مطابق ارادہ کے باوجود اقدام میں متردد رہے اور غور و خوض کا سلسلہ طویل ہوتا گیا۔

آپ دیکھ رہے تھے کہ کشمیر کے عوام کے احساس خودی کو طویل زمانہ محکومیت نہ کچل ڈالا تھا مطلوبہ معیار کے انقلاب آموز مدارس کے قیام کے لئے قوم کے سر برآوردہ افراد میں جس قسم کی بیداری اور جذبہ ایثار کی ضرورت ہے اس کا نام ونشان دور دور تک پایا نہ جاتا تھا۔ اس لئے آپ اپنے ادارے کو آج سے کل اور کل سے پرسوں پر ملتوی کرتے رہے۔ ناگہاں خاندان میں آپ کے جوان سال بھائی کی وفات کا وہ حادثہ پیش آیا جس کا ذکر سطور گزشتہ میں آچکا، اس المناک حادثہ کی اطلاع ملتے ہی آپ کشمیر آگئے اور تعزیت کے لوازمات سے فراغت کے بعد قیام مدرسہ کے متعلق اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے امکانات کا جائزہ لینے لگے (جن کی تشریح اوپر آچکی) تو آپ کو روشنی کی کوئی کرن کہیں بھی دکھائی نہ دی کچھ مدت تک اپنے وطن میں ہی قیام فرمایا اور اس دوران مقامی طور پہ کچھ وعظ و تبلیغ اور کچھ اپنے خاندانی امور کی انجام دہی میں مصروف رہے۔

کامیابی کی جھلک:...... سطور سابقہ میں اس امر کی تفصیلات آچکیں کہ ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء سے ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۷ء تک حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنا سارا وقت اور ساری توجہ کشمیر میں رہ کر ایک نئی اور نمونے کے لائق دینی تعلیم گاہ قائم کرنے کی کوششوں میں مصروف کی اور نامساعد ماحول سے اکتا کر حجاز کی طرف ہجرت کر جانے کا ارادہ بھی کر لیا لیکن بدوران سفر حج خواجہ عبد الصمد ککرو کی اس یقین دہانی پر یہ ارادہ فسخ کر دیا کہ وہ قیام مدرسہ کی مہم میں شاہ صاحبؒ کی معاونت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں گے اس دوست اور رفیق سفر کی ہمدردانہ باتوں سے فطری اقتضا کے مطابق حضرت شاہ صاحبؒ کی مایوسی از سر نو امید میں تبدیل ہوگئی اور آپ نے ترک وطن کا ارادہ ترک کر دیا اور آپ کے دل میں مدرسۃ قائم کرنے کا داعیہ جو پھر تازہ ہو گیا تھا اس کی تکمیل میں مصروف ہوگئے اور آپ نے یہ بھی طے کیا کہ مجوزہ مدرسہ وادی کے کسی دوسرے مقام کے بدلے قصبہ بارہ مولہ میں قائم کیا جائے۔ اب بارہ مولہ کو ترجیح دینے کی وجہ بظاہر یہی تھی کہ مدرسہ کے معاونین اولین خواجہ عبد الصمد مرحوم اور اس قصبہ کے چند دیگر معززین تھے اس کے علاوہ بارہ مولہ چونکہ وادی کشمیر کا وہ دروازہ تھا جہاں سے کشمیر کا تعلق ہزارہ، پشاور، راولپنڈی، لاہور، امرتسر وار دہلی تک تمام بیرونی علاقوں کے ساتھ قائم ہو رہا تھا۔ اس لئے بیداریٔ عامہ کی غرض سے قائم کی جانے والی

درس گاہ کے لئے بارہ مولہ کا مقام وادی کے دوسرے سب مقامات سے زیادہ موزون مقام تھا۔

بارہمولہ میں مدرسہ فیض عام کا قیام

(۱۳۲۴ھ)

۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۷ء میں جب شاہ صاحبؒ سفرِ حج سے واپس آئے تو آپ نے لولاب کے بدلے بارہ مولہ میں قیام فرمانا شروع کیا اور بعض مقامی علماء اور قصبہ بارہ مولہ کے بعض سربرآوردہ تاجروں اور رئیسوں خصوصاً خواجہ عبدالصمد ککرو، خواجہ امیر الدین ککرو اور خواجہ امیر شاہ (تحصیلدار) وغیرہم کے تعاون سے قصبہ میں اسی سال یعنی ۱۳۲۴ھ ۱۹۰۷ء میں مدرسہ فیض عام کے نام سے ایک دینی ادارہ قائم کیا۔

فیض عام کی وجہ تسمیہ ۱ ......مدرسے کا نام فیض عام رکھتے ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ کے ذہن پر کونسا جذبہ کارفرما تھا۔ اس کا علم تو سوائے علیم بمافی الصدور کے کسی اور کو نہیں ہوسکتا۔ قیاس یہ ہے کہ چونکہ مدرسہ قائم کرنے سے آپ کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ کشمیر کی محکوم ومظلوم دہشت زدہ آبادی کو غلامانہ خوف زدگی کے اندھیرے سے نکالیں اور چونکہ حریت کی روشنی سے آشنا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے خواص ہی کو نہیں بلکہ ان کے عوام کو دینی تعلیم کے ذریعے خداشناس کے ساتھ ساتھ خودشناس اور خودداری کا درس دیا جائے اور بھوائے لیخرجھم من الظلمت الی النور وادی کشمیر کے گاؤں گاؤں اور گھر گھر تک صحیح اور حقیقی علم کی روشنی پھیلادی جائے اس مقصد کی ترجمانی فیض عام کا جملہ ہی کماحقہ کرسکتا تھا اس لئے آپ نے اس نئے پودے کو اس نام سے پکارا۔

وجہ تسمیہ ۲ ......بارہ مولہ کا مدرسہ فیض عام تو ۱۳۲۴ھ میں قائم ہورہا تھا۔ اس سے کوئی اڑتالیس سال قبل یعنی ۱۲۷۷ھ میں صوبہ یوپی کے شہر کانپور میں جہاد ۱۸۵۷ء کے ایک بڑے مجاہد اور ایک بہت بڑے نامور عالم قبل از ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے منصف اور ہنگامہ کے بعد کے بحیثیت باغی اور مجاہد کالے پانی کے جلائے وطن قیدی) مولینا مفتی عنایت احمد صاحبؒ نے جزیرہ انڈمان سے رہا ہونے کے بعد فیض عام کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا اور خود قیام مدرسہ کے دو سال بعد سفرِ حج کے موقعہ پر آپ جہاز کے غرقاب ہوجانے کی وجہ سے سینکڑوں دیگر حجاج کے ساتھ شہید ہوگئے مگر مدرسہ فیض عام کانپور اس کے بعد بھی جاری تھا اور جن بزرگوں نے بعد میں لکھنو کا مدرسہ ندوۃ العلماء قائم کیا انکی سرگرمیوں کا پہلا مرکز کانپور کا مدرسہ فیض عام ہی تھا۔ چنانچہ ۱۳۱۰ھ میں مدرسہ فیض عام کانپور کے

سالانہ جلسہ میں مولینا سید محمد علیؒ نے ندوۃ العلماء کی تجویز پیش کی جو آگے چل کر ایک زندہ تحریک بن گئی۔ حضرت مفتی عنایت احمد صاحبؒ کے بعد مدرسہ فیض عام کانپور میں جو لوگ صدر المدرسین کے عہدے پر فائز ہوتے رہے ان میں حضرت مولینا احمد حسن صاحبؒ، استاذ العلماء حضرت مولینا لطف اللہ صاحب علی گڈھی اور حکیم الامت حضرت مولینا شاہ اشرف علی صاحبؒ تھانوی جیسے بزرگ قابل ذکر ہیں (مولینا تھانوی ۱۳۰۱ھ میں مدرسہ فیض عام کانپور کے صدر مدرس مقرر ہوئے تھے۔

اس طرح فیض عام کے نام کو تعلیم اور حریت کی تحریکوں سے جو قریبی تعلق تھا اس کی تاریخ حضرت شاہ صاحبؒ سے پوشیدہ نہ تھی اس لئے یہ بھی امکان اغلب ہے کہ بارہ مولہ کے مدرسہ کو کانپور کے مدرسہ کا ہم نام بنانے سے شاہ صاحبؒ کی یہ تمنا رہی ہوگی کہ یہ فیض عام اپنے پیشتر کی طرح اپنے نام کا حرف بحرف مصداق بن جائے اور کشمیر کے عوام ہر اعتبار سے اس کی فیوض و برکات سے بہرہ یاب ہو جائیں۔

اہل کشمیر کی کم نصیبی:...... مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایمان کی حرارت والوں نے ...... دل اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا۔

یہ دوسری بات ہے کہ وادی کشمیر کی ملت اسلامیہ کی اپنی کم نصیبی کا کوہ گراں حضرت شاہ صاحبؒ کی تمناؤں اور مساعی جمیلہ کے راستے میں حائل رہا اور وہ اپنی شامت اعمال کی تاریکیوں میں ہی پڑے سوتے رہے اور فیض عام کی شمع اپنی روشنی سے ان کے راستے کو منور نہ کر سکی۔

گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ
بآب زمزم وکوثر سفید نتواں کرد

یہ مدرسہ کیوں نہ چل سکا:...... بہر حال بارہ مولہ کا مدرسہ فیض عام ۱۳۲۴ھ ۱۹۰۷ء میں قائم ہوا اور ربیع الاول ۱۳۲۸ھ سنہ ۱۹۱۰ء تک چلتا رہا۔ مگر جس طرح موسم بہار سے بہت پہلے بیجا ہوا تخم زمین کے اندر ہی گل سڑ جاتا ہے یا جس طرح مخالف آب وہوا میں نصب کیا ہوا درخت سب مرجھا کر سوکھ جاتا ہے بالکل اسی طرح مدرسہ فیض عام بارہمولہ بھی تقریباً چار سال کی عمر پا کر ختم ہو گیا۔

مورخ کو اس کے ختم ہو جانے پر تعجب نہیں ہو سکتا البتہ اگر یہ مدرسہ ختم نہ ہوتا تو واقعی موجب حیرت ہوتا۔ مدرسہ فیض عام بارہمولہ کے قیام کے زمانہ سے آج تک ستر سال کا عرصہ ہوا۔ تب سے دنیا بدل گئی اور برائے نام ہی سہی کشمیر میں تحریک آزادی کے نام سے بھی برسوں تک وہ ہنگامے ہوئے کہ کانوں میں پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ اور لوگوں کو اپنے بیدار اور باشعور ہو جانے کے

دعوے پر یقین بھی رہا، لیکن اس کے باوجود آج بھی اس قسم کی بلند پایہ درس گاہ کے لئے فضا سازگار نہیں ہوئی جس قسم کی درسگاہ حضرت شاہ صاحبؒ بارہمولہ کے فیض عام کو بنانا چاہتے تھے۔

معاونین میں استقلال کا فقدان:...... یہ امر تو ثابت شدہ ہے کہ مدرسہ فیض عام بارہ مولہ ۱۳۲۴ھ ۱۹۰۷ء میں قائم ہوا لیکن اس کے قیام کی معین تاریخ کونسی تھی، کون سا دن تھا اور کون سا مہینہ تھا؟ ان سوالات کا جواب ابھی تک ہمیں ہاتھ نہیں آیا۔ بہر کیف جب مدرسہ قائم ہوا تو ابتداء میں خواجہ عبدالصمد، خواجہ امیر الدین خواجہ امیر شاہ اور قصبہ بارہمولہ وضلع بارہ مولہ کے بعض سمجھدار لوگوں نے بہت جوش کے ساتھ حضرت شاہ صاحبؒ کا ساتھ دیا۔ لیکن وادی کشمیر کی آب وہوا میں کچھ اس قسم کی تاثیر پوشیدہ ہے کہ ہم لوگ کسی بھی بڑے اور اہم کام کو جتنے زیادہ جوش کے ساتھ شروع کرتے ہیں، چند قدم آگے چلکر اس سے کئی گنا زیادہ بے پروائی کے ساتھ اس مقصد سے منہ موڑ کر کسی دوسرے شغل میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اس کلیہ سے خواجگان بارہمولہ بھی مستثنیٰ نہ تھے۔ خاص کر مرحوم خواجہ عبدالصمد صاحبؒ مگر وہ اپنے مقام کشمیریوں کے مقابلہ کافی بیدار مغز اور اپنی حد تک بہبودئ قوم کا احساس رکھنے والے افراد میں سے تھے۔ اور اپنی دیگر بہت سی خوبیوں کے لحاظ سے اپنے ہم عصر تاجروں اور کشمیر کے دوسرے سر کردہ لوگوں میں خاص امتیازات کے مالک تھے لیکن اس کے باوجود متلون مزاجی اور بے استقلالی میں دوسرے معاصرین ہم وطنوں سے مختلف نہ تھے اس لئے جوں جوں وقت گزرتا گیا معاونین کی توجہ مدرسہ فیض عام سے ہٹتی گئی جب ابتداء کی گئی تھی تو مدرسے کے لئے درسگاہوں اور طلباء کے لئے دارالاقامہ (HOSTELS) کی تعمیر کے بڑے بڑے اعلان کئے گئے تھے اور جب جوش ٹھنڈا پڑ گیا تو طلباء کے قیام وطعام کے لئے ایک معمولی دارالاقامہ کی تجویز بھی عملی جامہ نہ پہن سکی بالفاظ دیگر حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ مدرسہ فیض عام کی ترقیات کے جو لمبے چوڑے وعدے کئے گئے تھے وہ خالی خولی وعدے ہی رہے اور تین چار سال تک شاہ صاحبؒ حالات کی بہتری کا صبر کے ساتھ انتظار کرتے رہے جب تھک گئے تو آپ کو اپنا قیمتی وقت ضائع ہو جانے پر بہت صدمہ ہوا اور آپ نے انتہائی مایوسی کی حالت میں ایک بار پھر کشمیر کو ترک کر دینے کا ارادہ کر لیا۔

دل برداشتگی کے اسباب:...... اگر ایک طرف مدرسہ کے معاونین کی سرد مہری آپ کے لئے مدرسہ کے مستقبل سے مایوس ہو کر دل برداشتہ ہو جانے کا موجب تھی تو دوسری طرف قابل تعلیم عنصر کی ذہنی تاریکی آپ کے لئے سب سے بڑا سوہان روح تھی۔ تین سال کی مدت میں ایسے طالب علم آپ کو بہت کم ملے جو شاہ صاحبؒ کے نقطہ نگاہ کے لحاظ سے کسی بلند مقصد کو اپنا

نصب العین بنا کر تعلیم حاصل کرنے آئے ہوں۔ کشمیر کی آبادی تب بھی اور آج بھی زیادہ تر زراعت پیشہ اور محنت مزدوری کرنے والوں پر مشتمل ہے آج کے زمانہ میں بھی یہ لوگ رسمی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہی اپنے بچوں کو سکول بھیجنے پر تیار ہو جاتے ہیں لیکن آج سے ساٹھ ستر سال قبل یہ صورت نہ تھی بلکہ ان عام لوگوں کے سوچنے کا ڈھنگ اس زمانے میں کچھ اس طرح کا تھا۔

بھلا ہمارے بچوں کو کسی نے تحصیلدار بنا دینا ہے جو ہم ان کو پڑھنے بٹھا دیں۔ ہم غریب ہیں اور ہمارے بچوں نے وہی کچھ بننا ہے جو کچھ ہم ہیں۔ سکول بھیج کر ان کے دماغ خراب کرنے سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ یہ آج ہی موروثی کام کاج کی عادت ڈالیں بھیڑ بکریاں چرا کر لائیں ہل چلائیں اور محنت مزدوری کر کے کمائیں تا کہ سرکار کے ٹیکس ادا ہو سکیں۔

اہل ثروت کی تاریک خیالی:...... اس کے بعد رہ جاتے تھے کشمیر مسلمانوں میں چند ایک صاحب ثروت، تجارت پیشہ یا زمینوں کے بڑے مالک۔ ذہنیت کے لحاظ سے ان کے بچے نہ گھر کے تھے نہ گھاٹ کے کیونکہ ان کو کسی کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنا ذلت دکھائی دیتا تھا۔ وہ اتنا بھی نہیں پڑھتے تھے کہ اپنی دکان کے لین دین کا حساب خود تہ رکھ سکیں، مدرسہ فیض عام کا قصہ تو ۱۹۰۷ سے ۱۹۱۰ء تک کے زمانہ کا ہے۔ کشمیر کے تجارت پیشہ مسلمان ۱۹۲۱ء تک بھی اپنی دکان اور کاروبار کا حساب رکھنے کے لئے بطور منشی کسی کشمیری پنڈت کو رکھنے پر مجبور ہوتے تھے اور اپنے بچوں کو اتنی سی ادنیٰ تعلیم دینے پر بھی آمادہ نہ ہوتے تھے جو انکو حساب و کتاب اور بہی کھاتہ رکھنے کے قابل بنا سکے۔ ایسے لوگوں کو مدرسہ فیض عام سے کیا واسطہ؟ الا ماشاء اللہ دینی تعلیم حاصل کرنے پر ثواب کی بات کسی کے ذہن پر بیٹھ جائے تو وہ دوسری بات ہے۔

جمود و خمود کے مریض:...... لے دے کر مدرسہ فیض عام میں جس طبقے کے بچے حصول کے لئے آ سکتے تھے یا آتے تھے وہ طبقہ کشمیر کے پیرزادوں، مولوی اور مفتی زادوں، آخون زادوں اور مجاوروں کا طبقہ تھا۔ اس طبقے سے جو طالبعلم فیض عام میں آئے ان میں بلاشبہ بعض ہونہار ذہین اور محنتی تھے۔ مگر ان طلباء کی اکثریت کی حالت اپنی تاریک ذہنیت، مقصد کی محدودیت اور خیالات کی پستی کے لحاظ سے نہایت مایوس کن تھی۔ چونکہ ان میں سے زیادہ تر زیارتوں کے مجاوروں یا مساجد کے اماموں کے فرزند تھے جو ہوش سنبھالتے ہی لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی وجہ سے فطرت سلیمہ کی خداداد نعمت کو مسخ کر چکے ہوتے ہیں اور بقول علامہ اقبالؒ ع

ضمیرش تہی از خیال بلندے

کا پورا نمونہ بن چکے ہوتے ہیں اس لئے ان کی حالت یہ تھی کہ جب کبھی شاہ صاحبؒ یہ جاننے کی کوشش کررہے تھے کہ حصول علم کے اغراض ومقاصد کے بارے میں ان لوگوں کی نیت کیا ہے اور مستقبل میں یہ لوگ کیا بننے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ تو معلوم ہوتا تھا کہ کسی مسجد کی امامت کو پیٹ پالنے کا ذریعہ بنالینا یا ختم خوانی اور تعویذ نویسی کے پیشے کی آڑ میں لوگوں کے صدقات وخیرات سمیٹنا یا جان بلب موروثی پیری مریدی کو چمکانے کے کچھ گر سیکھ لینا ان کے بڑے بڑے مقاصد ہیں جو ان طالب علموں میں سے اکثر کے دماغ میں ان کے ماں باپ کی طرف سے ٹھونسے گئے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا فلسفہ تعلیم:...... حضرت شاہ صاحبؒ کا اپنا ایک فلسفہ تعلیم تھا اور آپ مدرسہ فیض عام کو اپنے اسی فلسفہ کا نمونہ دیکھنا چاہتے تھے ایک دینی مدرسے کے قیام کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ پڑھنے والے تاریکیوں سے نکل کر علم وعقل اور دانش وخردمندی کی روشنی میں آجائیں لیکن جو لوگ تعلیم کو تعویذ نویسی اور ختم خوانی کے لئے حاصل کررہے ہیں وہ علم وعرفان کی نورانیت سے بے بہرہ رہتے ہیں شاہ صاحبؒ ان لوگوں کو یہ حقیقت سمجھانے کی بہت کوشش کرتے تھے کہ دینی تعلیم کو ان ادنی مقاصد کے لئے حاصل کرنا ان علوم کی توہین کرنا ہے اور آپ کا یہ مقولہ آپ کے شاگردوں میں مشہور تھا کہ:

"جو شخص قرآن وحدیث اور دوسرے دینی علوم کو محض شکم پروری کے لئے پڑھتا ہے وہ بازار سے قیمتی شال اس لئے خرید کرلاتا ہے کہ اس سے اپنے جوتے صاف کرے"

جو لوگ شاہ صاحبؒ کی شاگردی کے دائرہ میں شامل ہوجاتے تھے شاہ صاحبؒ ان کو صرف کتابوں کا مضمون پڑھادینے پر اکتفانہ کرتے تھے بلکہ ان کے اخلاق واطوار اور عادات وخصائل کو سنوارنے کی طرف زیادہ توجہ دیتے تھے اور درس کے درمیان میں مسائل کی تشریح کے ساتھ ساتھ نہایت دلنشیں پیرایہ میں آپ ان مستفیدین کو ذہن نشین کراتے رہتے تھے کہ علم حاصل کرنے کا اصل مقصد اپنی اپنی شخصیت کی تکمیل، تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس ہے کیونکہ یہی وہ عناصر ہیں جو روح کی بالیدگی اور حصول عرفان کی اساس ہیں شاہ صاحبؒ کے نزدیک علم، تعلیم، معلم اور متعلم کی دنیا ملاء اعلیٰ کی دنیا ہے جس کو پاک وصاف رکھنے کے لئے شکم پروری اور تن پرستی کی دنیا سے دور اور بلند وبالا رکھنا پڑھنے اور پڑھانے والوں کا پہلا فرض ہونا چاہیے یہ وہ فلسفہ تعلیم تھا جس کے مبلغ اور منادی شاہ صاحبؒ تھے۔ اور یہ فلسفہ تعلیم آپ کو اپنے اساتذہ کرام خاص کر حضرت شیخ الہند مولینا محمود الحسن سے ملا تھا۔ اور اسی فلسفہ تعلیم کے سانچے میں آپ نے اپنی ذات کو ڈھال دیا تھا اور آپ چاہتے تھے کہ مدرسہ فیض عام کو اسی فلسفہ کا قالب بنادیں تاکہ جو سکے اس میں ڈھل کر

نکلیں وہ زرِ کامل عیار ثابت ہوں لیکن جو خام مواد (Raw Material) آپ کے سامنے تھا بد قسمتی سے اس کا بیشتر حصہ ''اوساخ اموال الناس'' یعنی خیرات وصدقات کی روٹیوں کی پیداوار تھا۔ ان لوگوں کا خمیر ہی دوسرا تھا ان کے ذہن کی تاریکیاں کسی طرح بھی حقیقی علم کی نورانیت کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوتی تھیں۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کو اس قرآنی صداقت کا تجربہ درپیش تھا۔ ''انك لا تهدى من احببت ولكن الله يهدى من يشاء'' انتہائی دلسوزی کے ساتھ سادہ اور عام فہم الفاظ میں شاہ صاحبؒ ان پر واضح کرنے کی کوشش کرتے کہ۔

حصول علم کا مقصد ہے اپنے دل اور دماغ کو جہالت کی تاریکیوں سے پاک کر کے خود بھی اندھیرے سے نکل کر روشنی میں آجانا اور خلق خدا کو بھی تاریکیوں سے نکال کر نورِ ہدایت کی شاہراہ پر لانا۔

وہ بے چارے اس آسمانی اصول کو سمجھ ہی نہ سکے اور ''كانهم خشب مسندة'' کی تصویر بن کر سمجھانے والے کا منہ تکتے رہ جاتے۔

احساسِ ناکامی:...... جب مدرسے کو چلانے والوں کا وہ حال تھا اور مدرسے میں پڑھنے والوں کا یہ حال تھا تو مولینا انور شاہ صاحبؒ جیسا شخص اگر یہ محسوس کرے کہ میں یہاں بیٹھ کر اپنی زندگی کو ملاسازی (اور وہ بھی نہایت محدود پیمانے کی اور نہایت تاریک دماغ کی ملاسازی کے شغل میں ضائع کر رہا ہوں تو اس پر کسی کو متعجب نہ ہونا چاہیے ۱۹۰۷ء ۱۳۲۴ھ سے ۱۹۱۰ء ۱۳۲۸ھ کے اوائل تک مدرسہ فیض عام کو چلانے کے بعد آپ کو پورا اندازہ ہو گیا کہ کشمیر کے عوام کی ذہنی یخ بستگی اس قدر سنگین اور شدید ہے کہ اس گلیشر کو پگھلانے میں تغیرات زمانہ جدید کے سورج کو ابھی مزید چند سال تک اپنی تیز کرنوں کو ایک نقطے پر مرتکز کرنا ہوگا اسلئے بہتر ہے کہ میں اپنی کوششوں کی یہاں پر ناکامی کا احساس ہی نہیں بلکہ اعتراف کر کے کسی دوسرے مقام پر چلا جاؤں اور اللہ کے دین اور اس کی خلقت کی خدمت کے لئے امکان بھر سعی وعمل کو جاری رکھوں۔ چنانچہ آپ نے بارہ مولہ کے مدرسہ فیض عام کو اپنے حال پر چھوڑ کر اپنی جدوجہد کے لئے کشمیر سے باہر میدان تلاش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

مورخ فوق کی ملاقات:...... یہ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ کا زمانہ تھا جن دنوں آپ بارہمولہ سے رخت سفر باندھ کر ہندوستان جا رہے تھے۔ مورخ منشی محمد دین فوق نے آپ سے ملاقات کی غالباً خواجگان بارہمولہ کی خواہش پر یا منشی صاحبؒ نے اپنے قلبی احساس کی بنا پر شاہ صاحبؒ سے باصرار عرض کیا کہ آپ کشمیر سے باہر نہ جائیں اور یہاں ہی اپنے فیوضات کا سلسلہ جاری رکھیں یہ واقعہ منشی صاحبؒ کے الفاظ میں یوں ہے۔

"آپ بمقام بارہ مولہ خواجہ امیر الدین (شاہ) مرحوم تحصیلدار کے مکان پر رونق افروز تھے کہ سب سے پہلی مرتبہ راقم الحروف نے آپ سے نیاز حاصل کیا۔ میں نے دیوبند کی نسبت جہاں بہت سے اور علماء دارالعلوم میں کام کررہے ہیں۔ کشمیر کے زیادہ حقوق عرض کئے، جہاں چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ کوئی ایسا آدمی پیدا کیجئے جو ہماری باتیں سن سکے۔ ہمیں خدمت وطن سے انکار نہیں میں نے عرض کیا کہ جہاں زمین ناہموار ہو، ناصاف ہو، اگر تکلیفیں اور صعوبتیں اٹھا کر اس کو صاف وہموار کردیا جائے تو وہاں بھی جو چیز بوئی جائے وہ نشوونما حاصل کرسکتی ہے لیکن آپ کے عزم مصمم نے کوئی پیش نہ جانے دی[1]"

مولینا امین الدین صاحبؒ کے نام خط:...... ایک موقعہ پر حضرت شاہ صاحبؒ نے کشمیر سے دل برداشتگی کے متعلق اپنے دیرینہ رفیق مولینا امین الدین صاحبؒ (بانی مدرسہ امینیہ دہلی) کے نام ایک مکتوب مورخہ ۲۷ جمادی الاول ۱۳۲۰ھ میں لکھا ہے کہ:

"یہاں سے دل برداشتگی کا سبب یہ ہے کہ یہاں آکر مخلوق کی بدملگی کا زیادہ احساس ہوتا رہا" الخ[2]

حضرت شاہ صاحبؒ کا صبر جمیل:...... اس سلسلہ کی تمام پیش آمدہ مشکلات کی تفصیلات پر اس لئے پردہ پڑا ہوا ہے حضرت شاہ صاحبؒ چونکہ صبر واستقامت کا ایک کوہ گراں تھے اور اپنے گزرنے والے صدمات کی شکایت سے گریز کرتے تھے خاص کر ایسی شکایت جس کی زد کسی دوست پر پڑتی ہو۔ آپ کو کسی حالت میں گوارہ نہ تھی۔ فیض عام ہی نہیں بلکہ دیوبند کے مدرسہ دارالعلوم سے بھی جب آپ کو تعلق کاٹ لینے پر مجبور ہوجانا پڑا تو آپ کا یہی صفح جمیل کا صابرانہ طرف علم نمایاں رہا۔

یہ تھا مدرسہ فیض عام جو اپنی مختصر حیات کے دوران بارہمولہ کے لئے موجب افتخار رہا اور آج جب تاریخوں کے صفحات پر حضرت شاہ صاحبؒ کے دیگر کارناموں کی فہرست میں اس کارنامے کا بھی تذکرہ آتا ہے تو قصبہ بارہ مولہ اور خواجگان بارہمولہ کو بھی اس یاد عہد گزشتہ کی جھلکیوں سے اپنا حصہ نصیب ہوجاتا ہے۔

"وللارض من کاس الکرام نصیب"

---

[1] ...... ملاحظہ ہو مشاہیر کشمیر از محمد الدین فوق ۳۱۲، ۱۹۳، ۱۹۳، مطبوعہ لاہور ۱۹۳۰ء۔

[2] ...... مختصر تاریخ مدرسہ امینیہ دہلی ۲۹ بحوالہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ ستمبر ۱۹۲۷ء

سوچئے تو سہی ہے کہ یہ دینی مدرسہ اگر جاری رہتا تو واقعی اپنی نظیر آپ ہوتا اور اس کے وجود پر کشمیر کو آج اسی طرح فخر ہوتا جس طرح دار العلوم دیو بند پر دیو بند کو مدرسہ مظاہر العلوم پر سہانپور کو مدرسہ ندوۃ العلماء پر لکھنو کو اور مدرسہ امینیہ پر دہلی کو فخر ہے لیکن غلامی کی زہریلی آب وہوا کی وجہ سے کشمیر کا ماحول اس وقت ایسے ادارہ کے لئے سازگار نہ تھا اس لئے یہ پودا کونپلیں اور شاخیں نکالنے اور پھول پھل لانے سے قبل ہی مرجھا گیا بقول ظفر۔

عمر دراز مانگ کر لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئیں دو انتظار میں

ایک صدمہ:...... یہ امر قابل ذکر ہے کہ عمران شاہ نامی ایک طالبعلم موضع لوات (علاقہ مظفر آباد) سے مدرسہ فیض عام میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آئے تھے جو حضرت شاہ صاحب ؒ کے محسن چچیرے بھائی مولینا عبد الحمید شاہ (فاضل دیو بند) کے یتیم بیٹے تھے اور ذکاوت وذہانت اور دیگر اوصاف میں اپنے والد مرحوم اور حضرت شاہ صاحب ؒ کا نمونہ تھے۔ چنانچہ حصول تعلیم کے دوران پورے مدرسے میں اپنے کمالات کے لئے انگشت نما تھے۔ ناگاہ ان پر سرسام کا حملہ ہوا اور جان بحق ہو گئے۔

حضرت شاہ صاحب ؒ کو اس کے مستقبل کے ساتھ بہت امیدیں قائم تھیں۔ اس لئے آپ کو اس کی موت کا سخت صدمہ ہوا۔

شاہ صاحب ؒ کی زندگی کے آٹھ سال (ربیع الاول ۱۳۲۰ھ تا ربیع الاول ۱۳۲۸ھ)

مدرسہ فیض عام کو قائم کرنے چلانے اور آخر کار مایوس ہو کر ختم کر ڈالنے میں حضرت شاہ صاحب کو ۱۳۲۰ھ سے ۱۳۲۸ھ تک اپنی قیمتی زندگی کے آٹھ سال صرف کرنے پڑے۔ نتیجہ ناکامی نکلا مگر آپ نے اس صدمہ عظیم کو انتہائی صبر وسکون کے ساتھ برداشت کیا اور پر وقار طریقے سے زندگی کا دوسرا قدم اٹھانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور ان تمام واقعات کو اس طرح پسِ پشت پھینک دیا کہ "کان لم یکن شیئا مذکورا" یہ واقعات جن میں تن تنہا آپ آٹھ سال تک جدو جہد کے میدان میں سرگرم عمل نظر آتے ہیں جہاں آپ کی عظمت کے آئینہ دار ہیں وہاں کشمیری عوام کی آج کے ستر سال قبل کے افسوسناک ذہنی تنزل، ان کی مردہ گانہ خواب غفلت، دماغی جمود اور قلبی خمود کا اندازہ بھی ان ہی واقعات سے ہوتا ہے۔ اس وقت مسلمانانِ کشمیر خود فراموشی اور خود ناشناسی کی جس دنیا میں تھے اس کا مرقع ترجمان حقیقت حضرت اقبال ؒ نے یوں کھینچا ہے۔

کشمیری کہ با بندگی خوگرفتہ ☆ بتے مے تراشد ز سنگ مزارے

ضمیرش تہی از خیال بلند ے ☆ خودی ناشنا ے از خود شرمسار ے
بریشم قبا خواجہ از محنت او ☆ نصیب تنش جامۂ تار تار ے
نہ در دیدۂ او فروغ نگا ہے ☆ درد سینہ او دل بے قرار ے
ازاں ے فشاں قطرۂ بر کشیری ☆ کہ خاکسترش آفریند شرار ے

فیض عام کے باقیات صالحات:...... بہر حال مدرسہ فیض عام چونکہ بہت قلیل مدت زندہ رہ کر ختم ہوگیا اس لئے اس کے فیض یافتہ لوگ کسی خاص اور معقول تعداد میں پھیلنے نہ پائے۔ ایک علمی درسگاہ برسوں تک قائم رہتی ہے تب ہی اسکے نتائج کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مگر بایں ہمہ حضرت شاہ صاحبؒ کے اس دور کے چند سر کردہ شاگردوں اور فیض عام کے فیض یافتہ افراد کا پتہ چلایا جاسکا ہے جو علاقہ میں اپنے اپنے وقت کی نمایاں شخصیتیں ثابت ہوئے ان میں حسب ذیل اصحاب قابل ذکر ہیں۔

۱) مفتی پیر عبد الجبار صاحبؒ سابق خطیب جامع مسجد سوپور (آپ نے سالہا سال تک قصبہ سوپور کی جامع مسجد میں خطابت اور افتاء کے علاوہ عربی، فارسی اور دینی علوم کی تعلیم دی اور سینکڑوں لوگ آپ سے مستفید ہوتے رہے۔
۲) مولوی مفتی محمد اکبر صاحبؒ سابق خطیب خانقاہ معلے سوپور وامام حی۔
۳) مولوی مفتی محمد نور الدین صاحبؒ خطیب مسجد صوفی حمام سوپور
۴) پیر غلام محی الدین صاحبؒ مخدومی سابق امام عیدگاہ باہمولہ
۵) پیر غلام احمد شاہ قریشی مسکین بارہمولہ
۶) سید علی شاہ صاحبؒ اندابی سابق مفتی بارہ مولہ ومرشد علاقہ مظفر آباد
۷) سید احمد اللہ شاہ صاحبؒ اندرابی بارہ مولہ

کشمیر سے دیوبند

(ربیع الاول ۱۳۲۸ھ)

ارادہ ہجرت بسوئے حجاز:...... جب ۱۳۲۸ھ شروع ہوا تو مدرسہ فیض عام بارہمولہ اس جاں بلب مریض بچے کی طرح تھا جس کے والدین معالج اور سب چاہنے والے اس کی زندگی سے

مایوس ہو چکے ہوں اور سوچتے ہوں کہ

پھول تو دو دن بہار جان فزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

حضرت شاہ صاحبؒ کے لئے فیض عام کی ناکامی سب سے زیادہ صدمہ شدید تھا۔ سات آٹھ سال کی بہترین تمنائیں آنکھوں کے سامنے خاک میں مل رہی تھیں۔ آپ کے حساس اور نازک دل نے آپ کو یہی مشورہ دیا کہ کشمیر اور اہل کشمیر کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے حوالہ کر کے اپنے قیمتی اوقات کو کسی دوسری جگہ کسی زیادہ نتیجہ خیز مصرف میں صرف کیا جائے اور نہ صرف وطن کو ہی ترک کر دیا جائے بلکہ ہندوستان کو بھی خیر باد کہہ دیا جائے۔ اور حج کے زمانے میں جو یہ ارادہ کیا تھا کہ حجاز میں قیام پذیر ہو کر خدمت اسلام کے لئے زندگی وقف کر دی جائے گی۔ اس ارادے کو اب عمل کی صورت دے دی جائے۔

اس قسم کی ذہنی کیفیت کے ساتھ شاہ صاحبؒ نے اپنے والدین اقرباء اور کشمیر میں سب دوست واحباب کو الوداع کہا اور کشمیر سے دیوبند پہنچ گئے تاکہ اپنے اساتذہ کرام سے بھی ملیں

اکابر کی نظرِ انتخاب:...... حضرت مولینا سید حسین احمد مدنیؒ اپنی خود نوشت سوانح نقش حیات مطبوعہ مکتبہ دینیہ دیوبند جلد اول کے ۱۲۱ پر رقمطراز ہیں کہ

غالباً ۱۳۲۵ھ یا ۱۳۲۶ھ میں ایک ایسے مجمع میں جس میں دارالعلوم کی علمی ترقی پر غور وخوض ہو رہا تھا۔ حضرت حافظ احمد صاحبؒ مرحوم نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ اگر مولوی انور شاہ کشمیری، مولوی عبید اللہ سندھی، مولوی مرتضیٰ حسن چاند پوری، مولوی سہول بھاگل پوری، مولوی عبدالصمد کرنپوری اور حسین احمد (مدنی) یہاں آ کر جمع ہو جاتے تو دارالعلوم کی علمی ترقی بڑے اعلیٰ پیمانہ پر پہنچ جاتی۔ اس زمانہ میں حضرت مولینا انور شاہ صاحبؒ مرحول دہلی چھوڑ کر کشمیر میں اقامت پذیر ہو گئے تھے مولینا عبید اللہ صاحبؒ عرصہ سے سندھ ہی میں مقیم تھے۔ دیوبند کی آمدورفت بھی عرصہ سے منقطع تھی۔ مولینا مرتضیٰ احسن صاحبؒ دربھنگہ میں مدرس اول اور بہت بڑے صاحب نفوذ تھے۔ مولینا محمد سہول صاحبؒ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں بڑی تنخواہ پر ملازم تھے۔ مولینا عبدالصمد مرحوم رڑ کی مدرسہ رحمانیہ میں مدرس اول تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بات پسند آئی اگرچہ بظاہر سکوت کیا مگر خدا جانے کیا باطنی تصرف کیا کہ یہ سب اشخاص بغیر کسی ظاہری جدوجہد اور خط وکتابت کے یکے بعد دیگرے دیوبند پہنچ گئے ممکن ہے کہ بعض اشخاص سے کچھ ظاہری جدوجہد کی نوبت آئی

ہو مگر اکثروں سے کسی قسم کی خط و کتابت اور طلب و فہمایش کی نوبت نہیں آئی۔

مولینا مدنی کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ اکابر دار العلوم کی یہ طے شدہ رائے تھی کہ حضرت شاہ صاحبؒ اور ان ہی جیسے چند دوسرے لائق وفائق فرزندان دار العلوم کو یک جا کر کے مستقبل کی قیادت تعلیم کے لئے ان کو تیار کرنا ہی اس ادارہ کی بقا و دوام اور ترقی کی ضمانت ہو سکتا ہے۔ بعد کے واقعات نے بتا دیا کہ ان بزرگوں کی رائے کس قدر پر از خلوص اور صائب تھی۔

دار العلوم کا جلسۂ دستار بندی

(ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ ۱۹۱۰ء)

جیسا کہ سطور گزشتہ میں بیان ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ بارہ مولہ کشمیر سے دل برداشتہ ہو کر ربیع الاول ۱۳۲۸ھ کو بہ عزم ہجرت حرمین شرفین اپنے وطن سے روانہ ہوئے لیکن اپنے استاذ مکرم حضرت شیخ الہند اور دیگر اکابرین و شیوخ سے ملنے کے لئے پہلے دیوبند تشریف لے گئے۔

ان ہی دنوں دار العلوم میں دستار بندی کا وہ جلسہ ہونے والا تھا۔ جو قیام دار العلوم کے پہلے دور میں ہر سال منعقد ہوتا تھا اور اب بعض موانع کی وجہ سے کئی سال سے نہیں ہو رہا تھا اور فارغ شدہ طلباء کو صرف سند دے کر دستار بندی کے بغیر ہی رخصت کر دیا جاتا تھا۔ اس نقصان کی تلافی مافات کے طور پر ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ (مطابق ۱۶، ۱۷، ۱۸ اپریل ۱۹۱۰ء) میں صدر المدرسین حضرت شیخ الہند مولینا محمود الحسن اور مہتمم دار العلوم مولینا حافظ محمد احمد اور دیگر اکابر نے ایک تاریخی جلسے کا اہتمام فرمایا۔ یہ جلسہ چونکہ کئی سال کے بعد منعقد ہو رہا تھا اس لئے کوئی ہزار بھر سے زائد ان علماء کی دستار بندی ہوئی تھی جو اس عرصہ کے فارغین تھے ان ہی فارغین میں حضرت شاہ صاحبؒ بھی شامل تھے۔ جلسہ کے دوران آپ کا جو نمایاں کردار رہا اس نے ثابت کیا کہ نہ صرف اپنے ہم سبق فارغین میں بلکہ دار العلوم سے کئی سال کے دوران فارغ شدگان میں محمد انور شاہ کشمیری کی شخصیت کو وہی امتیازات حاصل ہیں جو شب چہاردھم کے ماہ تاباں کو اپنے ارد گرد کے ستاروں پر حاصل ہوتے ہیں۔

جلسہ دستار بندی کے واقعہ کو حضرت مولینا سید حسین احمد مدنی نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ وہ اس جلسہ کے منتظموں میں سے بھی تھے اور ان لوگوں میں سے بھی جن کی اس موقعہ پر دستار بندی سے عزت افزائی کی گئی اس لئے اس بارے میں ان کا بیان ایک چشم دید گواہ کا بیان ہے۔ جس کو نقش حیات سے یہاں نقل کر کے ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

دستار بندی یعنی چہ؟:......مولینا مدنیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ زمانہ ہائے قدیمہ میں اس امر کے ظاہر کرنے کے لئے کہ ایک طالب علم کتب درسیہ پڑھ کر اور علوم وفنون، فقہ وحدیث میں ماہر ہو کر اس درجہ میں پہنچ گیا کہ اس کے فتاوی قابل اعتماد سمجھے جائیں اور اس کی تعلیم وتدریس قابل اطمینان شمار ہو، دو طریقے جاری کئے گئے تھے ایک سند دینا جس میں اساتذہ اپنے تلامیذ کی کتب خواندگی اور اس کی صلاحیت علمی اور عملی اور اپنی اجازت ظاہر کیا کرتے تھے اور دوسرا طریقہ دستار بندی یا خرقہ عطا کرنے کا ہوتا تھا، مجمع عظیم میں اساتذہ تلمیذ کے سر پر اپنے ہاتھ سے دستار باندھتے تھے یا اپنا جبہ وغیرہ خرقہ ہائے علماء عطا کرتے تھے اس طریقہ ثانیہ سے عام وخاص میں تلمیذ کی قابلیت کا علم اور چرچا ہو جاتا تھا۔ بخلاف سند کے کہ اس کو سمجھنا اور پڑھنا صرف اہل علم سے ہو سکتا تھا۔

دار العلوم میں دستور دستار بندی:......دار العلوم دیوبند قائم ہونے کے بعد فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی کا طریقہ جاری کیا گیا۔ دوسرے تیسرے سال اجتماع عظیم کیا جاتا تھا اور دستار بندی سند امتحان اور تقریر علمی کی رسوم جاری ہوتی تھیں۔ اس طریقہ سے دار العلوم کی شہرت بہت زیادہ ہونے لگی۔ نیز تعلیم عربی اور تحصیل علوم دینیہ کا جذبہ لوگوں میں بڑے پیمانہ پر پیدا ہو گیا۔ یہ طریق غالباً ۱۳۰۴ھ تک جاری رہا مگر بعد میں کچھ ایسے عوائق پیش آئے کہ اس کی انجام دہی نہیں ہو سکی طلبہ کو صرف سند دی جاتی تھی۔ مگر عام لوگوں اور بالخصوص فارغ التحصیل طلبہ کے تقاضے دستار بندی کے برابر ہوتے رہتے تھے۔ جن کو لطائف حیل سے ارباب اہتمام ٹالتے رہتے تھے۔[1]

بہر حال ۱۳۲۸ھ کی اس تاریخی دستار بندی اور تقسیم اسناد کے اجلاس کی خاص بات یہ ہے کہ دار العلوم سے فارغ التحصیل طلباء میں سے سب سے پہلے جس صاحبؒ کی دستار بندی کی گئی وہ حضرت شاہ صاحبؒ ہی کی ذات گرامی تھی۔

جلسے کی کیفیت:......مولینا مدنیؒ نے جلسے کی روئداد ذیل کے الفاظ میں قلمبند کی ہے؛

"جلسہ میں اولاً جناب قاری عبد الوحید خان صاحبؒ مرحوم مدرس تجوید اور ان کے (نو عمر) شاگردوں بالخصوص مولینا محمد طیب صاحبؒ اور (آپ کے برادر) مولینا (قاری) محمد طاہر صاحبؒ وغیرہ نے باتجوید قرآن سنایا۔ اس کے بعد حضرت مولینا حافظ محمد احمد صاحبؒ مرحوم ومغفور نے اپنا مطبوعہ خطبہ موسومہ دار العلوم دیوبند کا زریں ماضی اور مستقبل جو کہ نہایت مبسوط تھا اور اس میں دار العلوم کی ماضی کی خدمات دینیہ اور علمیہ کو واضح طور پر ظاہر کیا گیا تھا سنایا اس میں مستقبل کی ضروریات اور اراکین کے ارادوں پر بھی روشنی ڈالی گئی تھی۔ اس کے بعد سب سے

حضرت مولینا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط تقریر فرمائی اس سے پہلے عربی زبان میں جو کہ جناب رسول اللہ کے فضائل کے متعلق تھی۔ پھر دو تین طلبہ نے تقریریں کیں میں نے تقریر کی جبکہ حاضرین نے مطالبہ کیا کہ تقاریر اردو میں ہوں مگر طلبہ کی امنگیں مایوسی سے تبدیل ہوگئیں ارباب انتظام نے مجبور ہو کر عربی تقریریں بند کرادیں چاہئیں وہ لوگ کچھ نہیں سمجھتے چنانچہ۔ اس کے بعد دوسرے اجلاس میں دستار بندی کا سلسلہ شروع اردو میں تقریروں کا سلسلہ جاری کیا۔ حضرت مولینا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دستار بندی ہوئی، اس کے کیا گیا۔ سب سے پہلے بعد میری دستار بندی کی گئی''۔ (نقش حیات جلد اول ۱۲۴، ۱۲۵)

دار العلوم میں تدریس کا آغاز

(۱۳۲۸ھ)

التوائے ارادہ ہجرت:..... ۱۳۲۸ھ میں کشمیر سے روانہ ہو کر دیوبند پہنچنا اور حضرت شیخ الہند اور اپنے دیگر اساتذۂ کرام کی ملاقات اور زیارت کے لئے وہاں کا عارضی قیام بظاہر حضرت شاہ صاحب کے ہجرت کے ارادے کی تکمیل کا پہلا قدم تھا لیکن بقول حضرت شاہ ولایت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ "عرفت ربی بفسخ العزائم" شاہ صاحب کو بھی دیوبند کا دانہ پانی زندگی بھر کے لئے نصیب ہوگیا۔

یرید المرء ان یعطی مناہ ویابی اللہ الا مایشاء

دار العلوم دیوبند کے جلسہ دستار بندی کی تقریب سے کامل فراغت کے بعد جب شاہ صاحب نے پھر حضرت شیخ الہند اور حضرت مولینا حافظ محمد احمد صاحب سے عرض کیا کہ میں حجاز مقدس کو چلا جاؤں تو انہوں نے شاہ صاحب کو ہجرت کی اجازت نہ دی اور باصرار شاہ صاحب کو فرمایا کہ آپ کو اب دار العلوم میں ہی کام کرنا ہے۔

چونکہ شاہ صاحب کو اپنے استاد جلیل حضرت شیخ الہند قدس سرہ اور مولینا حافظ محمد احمد صاحب کے حکم کے آگے یارائے سخن نہ تھا اسلئے حضرت شیخ الہند (صدر المدرسین) اور مولینا حافظ محمد احمد صاحب (مہتمم دار العلوم) کی دیرینہ خواہش اور تازہ اصرار کا احترام کرتے ہوئے دار العلوم میں تدریسی خدمات انجام دینے کے لئے اپنی زندگی کو وقف کردینے کے بغیر آپ کے لئے کوئی چارہ نہ رہا۔

بہر صورت اکابر دار العلوم کے اصرار سے شاہ صاحب نے تدریس کے فرائض انجام دینے شروع کردیئے اگرچہ ہجرت کا ارادہ اب بھی آپ کے دل کے کسی گوشے میں محفوظ و مستور تھا۔

دیوبند میں حضرت شاہ صاحب شمع انجمن ہونے کے باوجود قناعت و توکل اور زہد و تقویٰ کا جو

عملی نمونہ پیش کر رہے تھے اس کی بہترین تصویر حضرت مولینا قاری محمد طیب صاحبؒ نے اپنے دلچسپ مقالہ نورالانور میں کھینچی ہے یہ مضمون اگلے صفحات میں من وعن مجموعہ ہذا کی زینت بنایا گیا ہے یہاں اس کے چند متعلقہ اقتباسات دیئے جاتے ہیں تاکہ شاہ صاحبؒ کی حیات دیوبند کے مختلف گوشے یکجا پیش نظر ہو جائیں۔

دارالعلوم کے ساتھ معلمانہ تعلق:...... آپ کے شیوخ واساتذہ نے جو آپ کے جوہروں کو جانے اور پہچانے ہوئے تھے یہ دیکھتے ہوئے کہ دارالعلوم کی مسند درس کے شایان شان یہ ایک ہستی ہے جسے دارالعلوم نے گویا اپنے ہی لئے پیدا کیا ہے آپ کو دیوبند روک لیا اور آپ نے بھی نہایت تواضع وانکسار نفس سے اپنے اساتذہ کی بات اونچی رکھتے ہوئے قیام دیوبند کا ارادہ فرمایا۔

حضرت ممدوح کے ٹھیرانے سے ابتدائی منصوبہ اور مقصد یہ تھا کہ ترمذی اور بخاری کی شرح حضرت ممدوح سے لکھوائی جائے لیکن عملاً یہ معاملہ آگے نہیں بڑھا جس کی وجوہ نامعلوم ہیں شاید یہ ہوں کہ درس کی مصروفیات بڑھ گئیں واللہ اعلم۔

بہرحال آپ نے بامتثال اکابر دارالعلوم میں درس شروع فرمایا البتہ غلبہ زہد وقناعت سے مشاہرہ لینے پر راضی نہ ہوئے۔ اور لوجہ اللہ کام شروع کر دیا اس اصرار پر ان کے اکابر نے بھی سکوت رضا سے کام لیا اور تنخواہ کا مسئلہ کلیۃً ان ہی کی مرضی پر چھوڑ دیا۔

دس برس بطور فرد خاندان قاسمی:...... لیکن حضرت والد ماجد حضرت مولینا حافظ محمد احمد صاحبؒ نے اس کے بعد یہ گوارہ نہیں کیا کہ طعام وضروریات طعام کے مصارف خود ان کے سر ڈالے جائیں اور فرمایا کہ اگر مدرسہ سے حضرت ممدوح لینا نہیں چاہتے تو ان کے سر میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

تیسری متعین صورت یہ ہے کہ کھانا میرے ساتھ کھائیں اسے حضرت ممدوح نے منظور فرمایا۔ اور اس طرح تقریباً دس برس تک یہ صورت قائم رہی حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ نے بھی اپنی معروف آبائی اور روایتی مہمان نوازی سے آپ کو مثل اپنے اہلبیت کے سمجھا اور نہایت پورے انشراح وانبساط کے ساتھ یہ دور پورا ہوا۔

علمی مجالس کا دلکش منظر:...... اس دور میں حضرت مولینا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حضرت شیخ الہند اور حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اور قیام دیوبند پر مجبور فرمایا ممدوح بھی یہاں رک گئے، اور وہ بھی اس پوری مدت میں حضرت والد ماجد ہی کے مہمان رہے یہ دستر خوان بظاہر کھانے کا دستر خوان ہوتا تھا لیکن حقیقۃً اہلِ علم وفضل کی ایک پاکیزہ مجلس ہوتی تھی جس

میں حضرت والد ماجد قدس سرہ حضرت مولینا حبیب الرحمٰن صاحب قدس سرہ حضرت مولینا انور شاہ صاحب قدس سرہ حضرت مولینا عبید اللہ سندھیؒ اور اکثر و بیشتر حضرت مولینا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور متعدد دوسرے اکابر اساتذہ دار العلوم شریک رہتے تھے۔ علمی مسائل میں مکالمے، بحثیں ہوتیں، معارف وحقائق کھلتے اور خصوصیت سے حضرت شاہ صاحبؒ اور مولینا سندھیؒ مختلف علوم وفنون کے کافی دلچسپ مباحث چھیڑتے اور آخر کار بزرگان مجلس کی طرف سے کبھی مزاحی رنگ میں اور کبھی سنجیدہ اور متین رنگ میں فیصلے اور مکالمے سنائے جاتے حاضر الوقت خدام، طلبہ جو شاید درس وتدریس کی لائن سے برسہا برس میں وہ تحقیقات ہاتھ نہ لگ سکتی تھیں جو اس حلقہ طعام میں پکی پکائی ایک دم مل جاتی تھیں۔ ان دونوں بزرگوں میں حاضر الوقت اکابر کے کمال ادب واحترام کے ساتھ سلسلہ مسائل حق گوئی میں کبھی کوئی ادنیٰ اضمحلال یا تہاون پیدا نہ ہوتا تھا اور ہر ایک دوسرے کے خلاف برملا اور بہت صاف ریمارک کرتا۔

اسی طرح کھانے پینے کا یہ دسترخوان مائدہ علم وفضل بن جاتا اور اس دسترخوان پر صرف بدنی غذا ہی جمع نہ ہوتی تھی بلکہ روحانی غذاؤں کے قسم قسم کے الوان جمع ہو جاتے تھے اور دسترخوان اس شعر کا مصداق بن جاتا۔

بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ میدارد
بہ رنگ اصحاب صورت رابہ بو ارباب معنی را

قناعت فطری:......حضرت شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ میں غذاء کے بارے میں لطافت تھی مگر شوقینی نہ تھی۔ غذاؤں کے تنوع اور کھانوں کے الوان کی طرف طبیعت جھکی ہوئی نہ تھی۔ جو مل گیا کھالیا اور جو آ گیا شکر و رضا سے اسے قبول کرلیا میری جدہ محترمہ رحمۃ اللہ علیہا (جن کی مہمان نوازی اپنے دور میں مشہور تھی اور خود حضرت نانوتوی قدس سرہ نے بھی اس بارہ میں یہ کہہ کر شہادت دی تھی کہ ہماری مہمان نوازی تو احمد کی والدہ کی بدولت ہے) کبھی کبھی حضرت شاہ صاحبؒ سے میری معرفت یہ کہلا کر بھیجتیں کہ حضرت کبھی تو اپنے کسی مرغوب کھانے کی فرمائش کر دیا کیجئے۔ تو متاثرانہ لب ولہجہ سے جواب دیتے کہ میری طرف سے گزارش کیجئے اور عرض کر دیجئے کہ دسترخوان پر ہمہ نعمت موجود ہوتے ہوئے میں کاہے کی فرمائش کروں مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں میری جنت کی نعمتیں یہیں تو نہیں تمام کی جارہی ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا نکاح

(۱۳۳۶ھ)

حضرت شاہ صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے قلبِ معصوم اور نفسِ مطمئنہ کی دولت سے سرفرازی بخشی تھی آپ فطرۃً حصور واقع ہوئے تھے چنانچہ ۴۳ سال کی عمر تک آپ نکاح اور تاہل سے پرہیز کرتے رہے اور تجرد کی زندگی کو ترجیح دیتے رہے۔ اس کا بنیادی سبب تو یہ تھا کہ فنافی العلم ہوجانے کی وجہ سے آپ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ پڑھنے اور پڑھانے میں ہی صرف کرنا چاہتے تھے۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ آپ کے دل و دماغ پر حرمین کی طرف ہجرت کر جانے کا شوق ابتداء ہی سے جاگزین تھا اور جب کچھ ناملائم حالات پیش آجاتے تو دماغ میں جاگزیں داعیۂ ہجرت تازہ ہوجاتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس طویل عرصہ میں آپ نے دیوبند دہلی اور بارہ مولہ وغیرہ میں اپنا قیام عارضی شکل کا رکھا اور کہیں بھی مستقل طور تو طن اختیار نہ کیا ظاہر ہے کہ نکاح اور ازدواج اس قسم کی طرزِ حیات کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔

اب جب آپ کی عمر چوالیس ۴۴ سال سے متجاوز ہو چکی تھی تو روز بروز آپ تجرد و تنہائی کو دوام دینے کی طرف زیادہ سے زیادہ راغب ہو رہے تھے۔ حضرت شیخ الہند مولینا حافظ محمد احمد صاحبؒ مولینا حبیب الرحمٰن صاحبؒ عثمانی اور دیگر اکابرین دیوبند بھی اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے کہ شاہ صاحبؒ کے تجرد کے بواعث میں سے ایک باعث ہجرت کا ارادہ بھی ہے۔ اس لئے ان کو کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کسی وقت یہ شہباز دیوبند کے مرغزار سے پرواز کر کے کوہستان حجاز کو اپنا مسکن نہ بنائے اور ہندوستان اس کے فیوضات سے ہاتھ دھو بیٹھے بنابراں دارالعلوم کی ملأ اعلیٰ میں مشورے ہوئے اور اس آہوئے گریز پا کو ازدواج اور تاہل کی زنجیریں پہنا ڈالی گئیں۔

مولینا حبیب الرحمٰن عثمانی کی حسن تدبیر:...... چنانچہ اکابرین دیوبند خصوصا مولینا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ (جو اس وقت دارالعلوم کے مہتمم ثانی تھے) نے وہ تدبیر اختیار فرمائی جو اہل یمن نے حضرت معمر ❶ کے روکنے کے لئے کی تھی۔

---

❶ حضرت معمر بصرۃ کے رہنے والے تھے اور اس جلیل القدر عالم اور حافظ حدیث کو یہ شرف و مجد بھی حاصل تھا کہ موصوف تبع تابعین میں سے تھے اور سفیان ثوری شعبہ سفیان بن عینیہ اور عبد اللہ بن مبارک جیسے اکابر کو آپ ہی سے شرف تلمذ حاصل تھا

لما دخل معمر الیمن کرھو ان یخرج من بینھم فقال رجل قیدوہ فزوجوہ
(شرح الامام النوری علی البخاری ۳۶)

معمر (بصرہ کے رہنے والے تھے جب یمن میں داخل ہوئے تو اہل یمن نے یہ گوارہ نہ کیا کہ معمر یہاں سے واپس چلے جائیں ایک شخص نے کہا کہ اگر ان کو روکنا چاہتے ہو تو معمر کو یہاں قید کر لو یعنی انکا نکاح کردو

حضرت شاہ صاحبؒ کی شادی کی اجمالی تفصیل حضرت مولینا قاری محمد طیب صاحبؒ نے بلیغانہ ایجاز کے ساتھ یوں رقم فرمائی ہے۔

ہجرت سے روکنے کی سعی:...... قیام دیوبند کی یہ صورت قائم ہو جانے پر حضرت شاہ صاحبؒ نے باشارہ اکابر درس وتدریس کا مستقل سلسلہ جاری تو فرمادیا لیکن ہجرت کی پاک نیت سے دستبردارنہ ہوئے اور برابر حاضری حرم نبوی وحرم الٰہی کا جذبہ آپ کو دیوبند چھوڑنے کی طرف مائل کرتا رہتا تھا۔ جس کا اظہار وقتاً فوقتاً ہوتا اور اکابر بلطائف تعبیرا سے ٹلاتے جاتے لیکن خطرہ انہیں بھی رہتا تھا کہ نہ معلوم کس وقت یہ جذبہ غالب ہو جائے۔ اور دارالعلوم کو ایسی جامع اور مستقبل کی بڑی بڑی امیدوں کی محور ہستی سے دستبردار ہونا پڑ جائے اس لئے یہ حضرات بھی انہیں مستقل بنا دینے کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔

ازدواجی علائق:...... آخر کار انہیں پابند بنانے کے لئے ان بزرگوں نے ان کے پیروں میں بیڑی ڈالنے کی تدبیر سوچ ہی لی اور ارادہ کیا کہ حضرت ممدوح کا نکاح کر دیا جائے گو اس سے حضرت ممدوح کو انکار تھا مگر بلطائف تدبیر انہیں راضی کر کے گنگوہ کے سادات کے ایک خاندان میں نکاح کر دیا گیا [1] میری دادی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا اور حضرت والد ماجد قدس سرہ نے اس کی کفالت فرمائی اور نکاح کی اس تقریب کو اس طرح انجام دیا جس طرح وہ اپنی اولاد کی کوئی بھاری تقریب کر سکتے تھے۔

بارات بھوپال [2] گئی۔ علماء کی ایک جماعت ساتھ تھی، بڑی پرمسرت فضا میں نکاح ہوا، دلہن آئی تو حضرت جدہ محترمہ نے اسی طرح گھر میں اتارا جیسے اپنے گھر کی دلہن اتاری جا سکتی ہے ولیمہ کی لمبی چوڑی دعوت کی اور احقر کے زنانہ مکان کے بالاخانہ پر حضرت شاہ صاحبؒ مع اہلیہ محترمہ فروکش ہوئے۔

اس پر تقریباً ایک دو سال ہی گزرے تھے کہ اولاد کی امید ہوئی ہمارے گھر میں اس کی وہی خوشی تھی جو اپنے گھر میں اہلبیت کے اولاد ہونے کی ہوتی ہے اس وقت تک میری شادی نہیں ہوئی تھی گھر میں عرصہ مدید گزر چکا تھا کوئی بچہ نہیں تھا جس کی سب کو تمنا تھی اس امید سے کہ حضرت ممدوح کے یہاں بچے ہونے والا ہے سب گھر والوں کو بالخصوص میری دادی صاحبہ مرحومہ کو بے حد خوشی تھی اور جیسا کہ عورتوں کا قاعدہ ہوتا ہے انہوں نے عقیقہ کی تقریب کا سامان بھی شروع کر دیا تھا کہ

---

[1] ...... یہ ۱۳۲۶ھ کا واقعہ ہے جب شاہ صاحبؒ کی شادی ہوئی اسوقت آپکی عمر ۴۴ سال تھی کو نددو۔

[2] ...... چونکہ حضرت شاہ صاحبؒ کی زوجہ محترمہ کی والدہ گرامی سید یعقوب علی صاحبؒ ۱۸۵۷ء میں گنگوہ سے بھوپال چلے گئے تھے اس لئے بارات کو بھوپال جانا پڑا۔

اچانک حضرت شاہ صاحب" قدس سرہ کو مشورہ دیا گیا اور ممکن ہے کہ خود ان کے قلب میں ہی داعیہ از خود پیدا ہوا ہو انہوں نے حضرت جدہ مرحومہ سے عرض کرایا کہ دس سال تک تو میں تنہا تھا، اب دو سال سے متاہل ہوں اور آپ ہی کے یہاں مقیم ہوں، اب اولاد کی امید ہے تو اب میں ایک اور دو کے ساتھ ایک عائلہ کا بار ڈالنے اور ڈالتے رہنے میں شرمندگی محسوس کرتا ہوں مجھے اجازت دی جائے کہ الگ مکان لے کر رہوں۔

حضرت ممدوحہ اور والد ماجد اس پر راضی نہیں ہوئے تھے لیکن ادھر سے اصرار بڑھا تو انہوں نے بادل ناخواستہ اسے قبول فرمالیا اور حضرت شاہ صاحب" محلہ دیوان کے ایک مکان میں فروکش ہو گئے۔

تنخواہ لینے پر رضامند ہونا پڑا:...... اس صورت واقعہ کے بعد ذمہ داران مدرسہ کے لئے موقع آ گیا کہ وہ تنخواہ لینے کے لئے حضرت ممدوح پر اصرار کریں چنانچہ کیا اور تاہل کی زندگی اور اس کے وسیع ہوتے رہنے کی صورت حال کے ماتحت طوعاً وکرہاً ممدوح کو بھی یہ اصرار قبول کر کے تنخواہ لینے پر راضی ہو جانا پڑا۔ اور اب ایک گھر ہستی کی طرح ان کی عائلی زندگی کا دور شروع ہو گیا۔

اس مکان کی رہائش کے بعد عزیزم مولوی ازہر شاہ سلمہ کی بہن عابدہ مرحومہ پیدا ہوئی اور پھر میاں ازہر شاہ سلمہ معرض وجود میں آئے تجرد سے تاہل ہوا تھا اور اب تاہل سے عائلی اور خاندانی زندگی کی داغ بیل پڑ گئی اور زندگی کے علائق ایک ایک کر کے بڑھتے رہے اس کا قدرتی نتیجہ وہی نکلا جو ایک تدبیر کے اختیار کرنے والے بزرگوں نے سوچا تھا کہ حضرت شاہ صاحب" مقید ہو گئے اور ہجرت کر جانے کا وہ جذبہ سست پڑ گیا بالآخر ترک کر دینا پڑا اور باطمینان خاطر دارالعلوم میں مسند نشین درس ہو کر علمی افادات میں مشغول ہو گئے۔

دارالعلوم کی صدر مدرسی
اور
حضرت شیخ الہند کی جانشینی

شوال ۱۳۳۳ھ اگست ۱۹۱۵ء

ایک مقدس انتہائی:...... دارالعلوم دیوبند کے عظیم الشان صدر مدرس حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ جامع الکمالات ہستی تھے۔ محدث جلیل اور فقیہ نبیل ہونے کے لحاظ سے اپنے معاصرین

میں بے مثال تھے۔ حدیث اور فقہ میں اس امتیاز نے آپ کو دار العلوم کی صدارت المعلمین کا
مسند نشین بنا دیا تھا۔ بے نظیر علمی کمالات کے ساتھ ساتھ آپ نے زہد و تقوی اور تصوف و طریقت میں بھی
آخری منزلیں طے کی تھیں اور اپنے وقت کے ان اولیاء کبار میں سے تھے جن کی عظمت کا مخالفین کو بھی
اعتراف تھا۔ پھر ان تمام خصوصیات کے علاوہ آپ کو یہ ذاتی امتیاز حاصل تھا کہ ہندوستان کی سیاست اور
بین الاقوامی سیاست کے بارے میں آپ کے مخصوص نظریات اس قسم کے تھے جو آپ کو حال سے زیادہ
مستقبل کا مفکر ثابت کر رہے تھے آپ انگریزی امپریل ازم کے شدید ترین مخالف اور انگریزوں کے اثر
و تسلط کو ہندوستان، مصر اور تمام مشرقی ممالک سے مکمل اور غیر مشروط طور اکھاڑ پھینکنے کے زبردست داعی
تھے۔ جس زمانہ میں اکثر سیاسی لیڈر انگریز کے زیر سایہ چند ایک رعایات کا نام ہوم رول رکھ کر آئینی
اصلاحات کی بھول بھلیوں میں سرگردان رہتے تھے۔ شیخ الہند اس زمانہ میں بھی مکمل انقلاب اور آزادی
کامل کے سوا ہندوستان کے مستقبل کے لئے دوسرے کسی نقشے کا تصور کرنا بھی لایعنی سمجھتے تھے آپ کی
عادت شریف تھی کہ اپنے شاگردوں پر بہت گہری نظر رکھتے تھے اور تدریس کے زمانہ میں ہی ایک طرف
ان کی علمی اور عملی خصائل کو ابھارنے اور اجاگر کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے، اور دوسری طرف اپنے وسیع
مشن کی ضرورتوں کے لحاظ سے یہ بھی دیکھتے رہتے تھے کہ ان شاگردوں میں سے کسی کو حدیث سے، کسی کو
فقہ سے اور کس کو سیاست اور انقلاب کے کام سے فطری مناسبت ہے آپ ہر شاگرد کے فطری اور خداداد
رجحان کو صیقل دینے اور جلا دینے کا حکیمانہ فرض درس کے ساتھ ساتھ ہی انجام دیتے جاتے تھے۔

استاد پر شاگرد کی صلاحیتوں کا انکشاف:...... حضرت مولینا انور شاہ کشمیریؒ کی ذہنی
صلاحیتیں حضرت شیخ الہند پر ۱۳۱۰ھ سے ۱۳۱۴ھ تک طالب علمانہ مراحل کے زمانہ میں ہی روشن
ہو چکی تھیں اور آپ پر واضح ہو چکا تھا کہ ذہانت و فطانت متانت و دیانت کا پتلا یہ کشمیری نوجوان
میدان سیاست کے لئے نہیں بلکہ مسند تدریس علوم دین کے لئے تخلیق کیا گیا ہے۔ وقت آنے پر
اس سے یہی کام لینا اس کی قابلیتوں کا صحیح استفادہ کرنا ہوگا۔ تحصیل علم سے فراغت کے بعد مدرسہ
امینیہ دہلی کے پنج سالہ دور تدریس میں شاہ صاحبؒ کی جو عالمانہ و معلمانہ شہرت علمی حلقوں میں پھیل
گئی اس سے حضرت شیخ الہند نہ صرف آگاہ تھے بلکہ اس پر گہری نظر رکھتے تھے دہلی سے کشمیر واپس
آ کر ۱۳۲۰ھ سے ۱۳۲۸ھ تک مدرسہ فیض عام کے سلسلہ میں شاہ صاحبؒ سے دینی اور ملی ترقی کے
لئے جس بے تابی اور بے چینی کا ظہور ہوتا رہا اس سے بھی حضرت شیخ الہند کس طرح بھی بے خبر نہیں
ہو سکتے تھے اسی زمانہ کا واقعہ ہے اور یہ واقعہ حضرت شیخ الہند کی شاہ صاحبؒ کے حالات پر توجہ مسلسل
کا ثبوت ہے کہ جب علامہ ظہیر احسن شوق نیمویؒ نے اپنی معرکۃ الآراء تالیف ''آثار السنن'' کے کچھ

اجزاء بغرض ملاحظہ حضرت شیخ الہند کی خدمت میں بھیجے تو حضرت ممدوح نے انہیں وہ اجزاء واپس ارسال کئے اور مولینا شوق نیموی کو مشورہ دیا کہ اس بارے میں میرے ایک شاگرد رشید انور شاہ کشمیری سے مراسلت کریں اور ان سے مشورہ لیں۔ چنانچہ آپ ہی نے محدث نیموی کو شاہ صاحبؒ کا پتہ بھی لکھ دیا شاہ صاحبؒ ان دنوں کشمیر میں ہی تھے۔ حضرت شیخ الہند کی امید کے مطابق مولینا شوق نیموی کے مسودات پر شاہ صاحبؒ نے اتنے اضافے فرمادیئے کہ بقول خود حضرت شاہ صاحبؒ کے کہ میں نے جو اضافے کئے وہ مقدار میں ان کی اصل کتاب سے زیادہ تھے۔

۱۳۲۸ھ سے ۱۳۳۳ھ تک (تقریباً چھ سال) حضرت شاہ صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے درجہ اعلیٰ کے معلمین میں شامل رہے اور حضرت شیخ الہند کی آنکھوں کے سامنے مختلف علوم کے اونچے درجے کی کتابیں پڑھاتے رہے حدیث میں صحیح مسلم، ابن ماجہ اور ابوداؤد کا درس آپ کے ذمہ تھا۔

پہلا مرحلہ۔ مدرس درجہ عالیہ:...... جب اکابرین دیوبند نے حضرت شاہ صاحبؒ کو ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم کی معلمی قبول کرنے پر آمادہ کیا تو شاہ صاحبؒ کی شخصیت کے متعلق ماضی کے یہی تجربات ان کی خواہشات کے متحرک اور رہبر تھے۔ ان حالات میں شاہ صاحبؒ کی ذات کے ساتھ ان حضرات کا اونچی اونچی توقعات وابستہ کرنا مبنی برحقائق تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے شاگرد خاص مولینا محمد صدیق نجیب آبادی نے "انوار المحمود فی شرح سنن ابی داؤد" حضرت شاہ صاحبؒ کی اسی زمانہ کی امالیات کی بناء پر لکھی ہے (اس کتاب کے تسمیہ میں حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت شیخ الہند مولینا محمود الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام کی تلمیح کی گئی ہے)

صحیح مسلم کے درس کی انوری تقاریر پر مشتمل ایک مجموعہ امالی شاہ صاحبؒ کے ایک اور مشہور شاگرد اور عالم وفاضل مولینا سید مناظر احسن صاحب گیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تیار کی تھی جو چھپ نہ سکی اور ضائع ہو گئی [1]۔

---

[1] عجائبات تقدیر میں سے اس چیز کا شمار کرنا چاہیئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے قابل شاگردوں نے اپنی تقاریر درس حدیث کی جو امالیات مرتب کی تھیں ان میں سے متعدد گم ہو گئیں یا عاریۃً لینے والوں نے واپس نہ کیں مولینا قاری محمد طیب صاحبؒ نے کافی عرق ریزی سے چار پانچ سو صفحات پر مشتمل ایک املائی بیاض تیار کی تھی جس میں حضرت شاہ صاحبؒ کی نادر علمی تحقیقات درج کی گئی تھیں افسوس ہے کہ مولینا طیب صاحبؒ سے یہ کاپی ایک طالب علم نے مستعار لی اور بقول حضرت موصوف کے انہوں نے وہی کیا جو کتاب کو عاریتاً مانگنے والے طلبہ کرتے ہیں۔

صاحب نزہۃ الخواطر مولینا سید عبدالحی لکھنوی کے فرزند ارجمند اور مولینا سید ابوالحسن ندوی مدظلہ کے برادر اکرم مولینا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحبؒ (فاضل دیوبند بی ایس سی ایم بی بی ایس، سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے ۱۳۲۶ھ میں دورہ حدیث دیوبند میں پڑھا حضرت شیخ الہند سے بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مولینا گیلانی مرحوم ۱۳۲۰ھ کے دورہ احادیث کے طلباء میں سے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب شیخ الہند کی موجودگی میں ہی سوائے صحیح بخاری اور جامع ترندی کے صحاح ستہ کی دیگر سب کتابیں پڑھا رہے تھے۔ جب حضرت شیخ الہند نے حضرت شاہ صاحب کے مدرسانہ کمالات اور علم حدیث میں آپ کے تجربہ کا براہ راست اندازہ لگالیا تو آپ کو شاہ صاحب کے وجود میں خود اپنی ذات کا عکس دکھائی دینے لگا اس مرحلے پر حضرت شیخ الہند نے یقیناً یہ محسوس کر کے اطمینان کا سانس لیا ہوگا کہ ضرورت کے وقت میری ذمہ داریوں کو اپنے کاندھوں پے لینے کی اہلیت کی مالک ایک شخصیت منصۂ شہور پر آگئی ہے۔

شیخ الہند کا تاریخی اقدام:...... جب ۱۹۱۴ء کی پہلی عالمگیر جنگ (First World War) کا شعلہ بھڑک اٹھا، حضرت شیخ الہند مشرق سے انگریزی تسلط کے خاتمے کی تمنا اور ہندوستان کی آزادی کے جذبے سے بے تاب ہوگئے سرحدات، افغانستان اور خود ہندوستان کے اندر سعی آزادی کو بے ثمر دیکھ کر آپ نے سرزمین حجاز کو اپنی مساعی کا مرکز بنا کر انگریزی راج کے خلاف ایک وسیع محاذ منظم کرنا چاہا اور دیوبند سے حرمین شریفین کا سفر اختیار کیا۔

چونکہ آپ دارالعلوم کو ایک امانت مان کر اپنے آپ کو پہلے اللہ تعالیٰ کے سامنے اور اس کے بعد قوم کے سامنے اس امانت کی حفاظت کا ذمہ دار سمجھتے تھے اس لئے اس نازک موقعہ پر آپ کو ایسے انسان کی تلاش تھی جو آپ کی عدم موجودگی میں دارالعلوم کو آپ کے وضع کردہ طریقہ کار پر چلانے اور خاص کر تدریس حدیث میں آپ کے طرز فکر کی ترجمانی کماحقہ کر سکے۔

دوسرا مرحلہ مسندِ صدارت المدرسین:...... حضرت شیخ الہند کو دارالعلوم کے تمام معلمین میں سے حضرت مولینا محمد انور شاہ صاحب ایک ایسے معلم دکھائی دیئے جن میں یہ مطلوبہ اوصاف بدرجہ اتم پائے جاتے تھے اس لئے آپ نے اپنی نیابت کے لئے شاہ صاحب ہی کو منتخب فرمایا۔ حضرت

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) حضرت شاہ سے ابوداؤد شریف پوری اور مسلم شریف کا بڑا حصہ پڑھا مولینا عبدالعلی صاحب موصوف اور آپ کے ایک اور ہم درس ساتھی مولینا خواجہ عبدالحی صاحب فاروقی حضرت شیخ الہند اور حضرت شاہ صاحب کے نوادر علمیہ کو مشترکہ طور قلمبند کر چکے تھے ان دونوں حضرات کے تحریر کردہ امالی کے نوٹ کا یہ نادر مجموعہ بھی کوئی صاحب اڑا کر لے گیا۔ کسی کا مشہور شعر ہے۔

دیوان ظہیر فاریابی در مکہ بدزد اگر بیابی

ظہیر فاریابی کے دیوان کو تو صرف چرانے کی ترغیب دی گئی تھی مولینا انور شاہ کشمیری کی امالیات کو عاریتاً لینے کے بعد واپس نہ کرنے کا دستور رائج ہوگیا۔

مولینا سید محمد میاں صاحبؒ دیو بندیؒ کے الفاظ میں یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ دارالعلوم کی جانشینی ایک ایسا قبا تھا جو بلا کسی قطع برید کے حضرت شاہ صاحبؒ کے قامت موزون پر راست آرہا تھا۔

حضرت شیخ الہند کے سفر حجاز اختیار فرمانے کے وقت اوروں کو تو یہ فکر تھی کہ اب آپ کی جگہ دارالعلوم کا صدر مدرس کون ہو؟ قیاس یہی تھا کہ حضرت شیخ الہند کے بہت سے سینئر رفقاء ہیں (جن میں سے بعض حضرت شاہ صاحبؒ کے استاد بھی تھے) (لہٰذا ان ہی میں سے کوئی ہوگا جس کو حضرت شیخ الہند سفر حجاز اختیار کرنے کے وقت اپنی جگہ پر بٹھائیں گے۔ لیکن حضرت شیخ الہند نے ایک تعجب خیز (اور بہت سے لوگوں کے لئے حیرت انگیز) قدم اٹھایا اور دارالعلوم کے مدرسین میں سے ایسے مدرس کو اپنی جگہ مسند آرائے صدارت معلمین بنادیا، جس کی مدرسی کی مدت پانچ چھ سال سے زیادہ نہ تھی اور وہ تھے مولینا انور شاہ کشمیری اس طرح حضرت شاہ صاحبؒ کچھ چالیس یا اکتالیس سال کی عمر میں دینی اور علمی مقام عزت کے اس بلند ترین مینار پر پہنچ گئے جس سے اونچا ہندوستان بھر میں کوئی اور مقام نہ تھا۔

ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم

مولینا طیب صاحبؒ کی تحریر:...... حضرت مولینا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ عم نفیعہم کے مضمون مطبوعہ حیات انور میں سے یہاں کچھ حصے عنوان زیر بحث پر بصیرت افروز روشنی ڈالتے ہیں اس لئے ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

> "(جب) حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ نے حجاز مقدس جانے کا قصد فرمایا اور شہرت ہوئی کہ حضرت بہ نیت ہجرت تشریف لے جارہے ہیں۔ یہ شہرت تو غلط ثابت ہوئی لیکن تشریف بری محقق تھی۔ مگر شیخ زمانہ اور دارالعلوم کے شیخ الحدیث کا دارالعلوم سے جانے کا ارادہ کرنا کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ زمانہ بھی پر آشوب ہوگیا تھا۔ حضرت کی نسبت برطانوی حکومت کو شکوک وشبہات پیدا ہوچکے تھے اور حضرت شیخ اور دارالعلوم کے بہی خواہوں کو ایک تو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں گورنمنٹ آپ کو تھام نہ لے اور سب سے بڑا خطرہ دارالعلوم کی ایسی فرد فرید شخصیت نمونہ اکابر واسلام اور یگانہ روزگار ہستی سے محروم ہوجانے کا تھا جو کچھ کم حادثہ نہ تھا۔ لیکن دارالعلوم کے ذمہ دار مبصرین نے حضرت شاہ صاحبؒ کو دارالعلوم میں روک کر پہلے ہی آنے والے خطرے کی روک تھام کرلی تھی اور حضرت شاہ صاحبؒ جیسی یکتائے زمانہ ہستی کو دارالعلوم میں لاکر بٹھادیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت شیخ کی دارالعلوم سے ایک

عارضی جدائی اور مخصوص روحانی برکات سے برائے چندے محرومی کا اثر تو ضرور رہا ہوا لیکن علمی حلقہ کے خلاء کا خطرہ روبراہ نہ آسکا۔ مسند بھری بھرائی گویا موجود تھی اگر شیخ الہند برائے چندے سامنے نہ رہے تو شیخ کے مثل سامنے تھے"۔

چنانچہ حضرت (شیخ الہند) کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے قائم مقام صدر مدرس کی حیثیت سے درس ترمذی و بخاری کو سنبھال لیا اور علمی پیاسوں کو یہ محسوس نہ ہوا کہ وہ علم کے ایک بحر ذخار سے محروم ہو گئے ہیں۔ بلکہ انہیں یہ محسوس ہوا کہ اگر سمندر سامنے نہیں رہا تو اس سمندر سے نکلا ہوا ایک عظیم الشان دریا ان کے سامنے ہے جو اپنی بعض امتیاری خصوصیات کیساتھ بدل الغلط نہیں بلکہ بدل صحیح ہے۔ جن سے بلا تامل علوم کے پیاسے سیراب ہونے لگے اور آب حیات سے قدیم و جدید سیرابی میں انہیں کوئی زیادہ فرق محسوس نہ ہوا۔ بلکہ حضرت شاہ صاحبؒ کے درس حدیث میں کچھ ایسی امتیازی خصوصیات نمایاں ہوئی جو عام طور سے دروس میں نہیں تھی اور حضرت شاہ صاحبؒ کا انداز درس درحقیقت دنیائے درس وتدریس میں ایک انقلاب کا باعث ثابت ہوا (حیات انور ۲۰۸، ۲۰۹)

تقسیم کار:.....صاحبؒ التعلیق الصبیح شرح مشکوۃ المصابیح مولینا محمد ادریس کاندھلوی مرحوم (سابق شیخ الحدیث دار العلوم اشرفیہ لاہور) حضرت شاہ صاحبؒ کے ان تلامذہ میں سے تھے جن کو فن حدیث کی مناسبت کے لحاظ سے آپ سے خصوصی فیض حاصل ہوا تھا۔ اور یہ فیض آپ کی وساطت سے ان ہزاروں لوگوں تک پھیلا جو دار العلوم اشرفیہ لاہور سے ہر سال حدیث کا دورہ ختم کر کے نکلتے رہے۔

مولینا محمد ادریس صاحبؒ نے اپنے ایک مضمون میں حضرت شیخ الہند کی روانگی حجاز کے موقع پر شاہ صاحبؒ کی جانشینی کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ آپ نے رخصت ہونے سے پہلے احادیث کی کون کون سی کتابوں کا درس اپنے کس کس شاگرد کے ذمہ کیا۔ مولینا کاندھلوی تحریر فرماتے ہیں:

> "حضرت مولینا محمد حسن صاحبؒ دیوبندی قدس اللہ سرہ اپنے زمانہ میں علم اور ورع کے لحاظ سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا نمونہ تھے۔ حدیث کے پروانے آپ کے گرد جمع تھے۔ آپ کے بے شمار شاگردوں میں حضرت مولینا انور شاہ امام بخاری کا نمونہ تھے۔ اور حضرت مولینا شبیر احمد عثمانی دیوبندیؒ امام مسلم کا نمونہ تھے اور حضرت مولینا سید اصغر حسین دیوبندیؒ ابو داؤد کا نمونہ تھے۔ شیخ الہند حضرت مولینا محمود حسن صاحبؒ نے جب ہندوستان سے حرمین محترمین کا قصد فرمایا تو صحیح بخاری کا درس مولینا انور شاہ کے سپرد فرمایا اور صحیح مسلم مولینا شبیر احمد عثمانی کے اور سنن ابی داؤد مولینا

سید اصغر حسین صاحبؒ کے سپرد فرمائی چنانچہ یہ تینوں حضرات ساری عمر یہی تین کتابیں پڑھاتے گزر گئے جوان کے امام احمدان کے سپرد کر گئے تھے۔ آج ہندوستان کی سرزمین میں صدہا جگہ بخاری مسلم اور ابوداؤد کے درس جاری ہیں جن کے درس دینے والے شیخ الہند کے خدام اور خدام الخدام ہیں۔ لیکن ان اسباق ثلاثہ کی خصوصی تقسیم کی خصوصیت سوائے ان حضرات ثلثہ کے اور کسی کو نہیں''۔ (حیات انور ۱۱۴)

اسیر مالٹا حضرت شیخ الہند:...... ۱۳۳۳ھ میں جب حضرت شیخ الہندؒ دیوبند سے سفر حجاز پر روانہ ہوگئے تو کس کے وہم وگمان میں تھا کہ سات سمندر پار سے آئے ہوئے ظالم انگریز حکمران حضرت موصوف اور آپ کے دیگر رفقاء سفر (خاص کر آپ کے خصوصی فیض یافتہ مولینا سید حسین احمد مدنی) کو گرفتار کر کے جزیرہ مالٹا میں نظر بند رکھیں گے اور اس طرح سے تقریبا پانچ سال تک حضرت شیخ الہند کو دیوبند سے دور رکھا جائے گا۔

قیام حجاز میں حضرت شیخ الہندؒ نے آزادی وطن کے لئے کیا کیا اور اقدمات کئے اور جب آپ کو گرفتار کر کے مالٹا کے جزیرہ میں نظر بند کیا گیا تو آپ نے کیا کیا تکلیفیں برداشت کیں؟ یہ ایک بہت بڑا موضوع ہے اور اس پر باقاعدہ تصنیفیں بھی منصۂ شہود پر آئی ہیں۔ خاص کر مولینا سید حسین احمد مدنی کی تصنیفات اسیر مالٹا اور نقش حیات میں اس کی کافی تفصیل ہے۔ اس لئے اس واقعہ کی تفصیلات درج کرنے کا یہ موقعہ ومحل نہیں ہے۔ بایں ہمہ چونکہ حضرت شیخ الہند علم حدیث میں شاہ صاحبؒ کے سب سے بڑے استاد اور مربی تھے اسلئے آپ کے معاملات پر مشتمل ایک مختصر خاکے کو ہم کتاب ہذا کے تتمات میں درج کررہے ہیں (انشاء اللہ)

یہاں صرف اتنا عرض کرنا کافی ہوگا کہ ۱۳۳۳ھ ۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہند دیوبند سے روانہ ہوئے اور ۲۰ رمضان ۱۳۳۸ھ ۱۹۲۰ء کو طویل اسارت کے بعد واپس وطن آگئے وطن پہنچ کر آپ کو چند اسفار پیش آئے اور واپسی سے رحلت تک کل ۶ ماہ تک بقید حیات تھے۔ آخر ۱۸ ماہ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۱ء کی صبح کو آپ نے انتقال فرمایا۔ (رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ)

تیسرا مرحلہ۔ مستقل صدر المدرسین:...... اس وقفہ قلیلہ میں سیاسی مشاغل اور حالات مسلسل کی وجہ سے حضرت شیخ الہند کو دار العلوم کے صدر المدرسین کی حیثیت سے از سر نو مسند تدریس پر رونق افروز ہونے کی فرصت ہی نہ ملی اور حضرت شاہ صاحبؒ اس امید پر اپنی ڈیوٹی انجام دینے میں لگے رہے کہ جلد ہی حالات تبدیل ہوں گے۔ اور حضرت الاستاذ اپنا کام سنبھال

لیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا چنانچہ ان ہی حالات میں حضرت شیخ الہند کے انتقال کا حادثہ پیش آیا تو منتظمین دارالعلوم کو حضرت موصوف کا عہدہ جلیلہ پر کرنے کے لئے شخصیت کی تلاش میں پریشان ہونے کی نوبت نہ آئی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کو بذات خود پانچ چھ سال قبل حضرت شیخ الہند نے اپنی جگہ پر بٹھایا تھا اور اس مدت میں شاہ صاحبؒ کے محدثانہ و مدرسانہ کمالات اکابر اہتمام کو اور دارالعلوم کے تمام مدرسین اور طلباء کو اور مدرسہ کے باہر ملک کے اہل علم کو بھی گرویدہ بنا چکے تھے اس لئے سب کی نظروں میں اب حضرت شیخ الہند کی خالی کردہ نشست کو پر کرنے کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ سے موزوں تر ہستی ملک بھر میں موجود نہ تھی۔ حضرت شیخ الہند نے جس طرح چھ سال قبل سفر حجاز کا قدم اٹھانے کے وقت شاہ صاحبؒ کو اپنے فرائض سونپ کر اپنی پسند اور اپنے انتخاب کا اظہار کر دیا تھا۔

مولینا آزاد کا مطالبہ:...... اسی طرح اپنی وفات سے چند دن پہلے بھی شاہ صاحبؒ کو دارالعلوم کے لئے ضروری ترین شخصیت قرار دیتے ہوئے مولینا آزاد کا یہ مطالبہ مسترد فرما دیا تھا کہ شاہ صاحبؒ کی خدمات کلکتہ کے جدید مدرسہ کے لئے عطا کی جائیں۔ اس کی تفصیلات حضرت مولینا سید حسین احمد مدنی نے اپنی خود نوشت سوانح نقش حیات میں لکھی ہیں۔ آپ کے ارشاد کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت شیخ الہند مالٹا کی اسارت سے رہا ہو کر جب واپس اپنے ملک کو وارد ہوئے تو آپ کی وفات سے چند دن قبل کا ہی واقعہ ہے کہ مولینا ابوالکلام آزاد مرحوم نے بنگال میں بہت اعلیٰ پیمانہ پر عربی اور دینی مدرسہ قائم کر کے حضرت شیخ الہند سے استدعا کی کہ دارالعلوم کلکتہ کے لئے مولینا انور شاہ صاحبؒ کشمیری کی خدمات عطا کی جائیں تاکہ آپ (شاہ صاحبؒ) درجہ اعلیٰ کے طلباء کو درس حدیث دیں اور تازہ قائم شدہ درسگاہ کامیاب ہو جائے۔ حضرت شیخ الہند نے مولینا ابوالکلام آزاد کا یہ مطالبہ یہ کہہ کر مسترد فرمایا کہ شاہ صاحبؒ تو کسی صورت میں بھی دارالعلوم دیوبند کو نہیں چھوڑ سکتے ہیں جس میں ان کی ذمہ داریاں نہایت ہی گراں بار ہیں البتہ میں ان کے بدلے ایک دوسرا مدرس بھیجوں گا چنانچہ مولینا مدنی کو ہی حضرت شیخ الہند نے کلکتہ روانہ کیا لیکن ابھی آپ راستہ میں ہی تھے کہ شیخ الہند کے انتقال کا واقعہ پیش آ گیا۔

ان تاریخی حقائق سے واضح ہے کہ اپنی وفات سے قبل ۱۳۳۹ھ ۱۹۱۲ء میں بھی حضرت شیخ الہند شاہ صاحبؒ ہی کو اپنا صحیح جانشین تصور کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ جس طرح سفر حجاز کے وقت شاہ صاحبؒ نے ان کی خالی کردہ نشست کو پر کیا اسی طرح آپ کے سفر آخرت کے وقت بھی اس نشست پر آپ ہی جمے رہیں۔ چنانچہ جب حضرت شیخ الہندؒ انتقال کر گئے تو حضرت شاہ صاحب

حسب سابق صدارت المعلمین کے منصب جلیل پر فائز رہے۔ یہاں تک کہ ۱۳۴۶ھ میں آپ نے شعبہ اہتمام کے ساتھ اختلافات ہونے پر دارالعلوم سے علیحدگی اختیار کی۔ اور دیوبند کے بجائے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کو اپنے فیوض و برکات کا مرکز بنایا۔

دارالعلوم میں کوئی ۱۹ سال تک تدریسی خدمات انجام دینے کے دوران حضرت شاہ صاحبؒ نے علماء کی ایک بڑی تعداد کو تیار کیا جو اپنے وقت کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔

دنیائے درس میں آپ نے کیا انقلاب لایا وہ بھی ایک اہم ترین اور دلچسپ موضوع ہے اس سلسلے میں مجموعہ ہذا کے بیشتر مقالات میں اس امر کی وضاحت آچکی ہے۔

دارالعلوم کے سابق صدر المدرسین: ...... دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ کو حضرت مولینا محمد قاسم نانوتویؒ نے ڈالی ہے تب سے آج تک بہت سی برگزیدہ اور نادرۂ روزگار ہستیاں اس ادارہ کے صدر المدرسین کے عہدہ جلیلہ پر فائز رہ چکی ہیں۔ دارالعلوم کے اولین صدر مدرس مولینا محمد یعقوب نانوتوی (م ۱۳۰۲ھ) سے پانچویں صدر مدرس مولینا سید حسین احمد مدنی (م ۱۳۷۷ھ) تک مولینا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے ان حضرات کی تدریسی خصوصیات کی نہایت بلیغ انداز میں جو تصویر کھینچی ہے وہ ہدیہ ناظرین ہے۔

دارالعلوم کے اول صدر مدرس حضرت مولینا محمد یعقوب نانوتوی قدس سرہ اپنی جامعیت علوم و فنون جودت طبع ذکاوت احساس اور رموز ولایت میں شاہ عبدالعزیز ثانی تسلیم کئے جاتے تھے اور فن حدیث میں آپ کا انداز درس حکیمانہ عارفانہ اور ساتھ ہی عاشقانہ تھا آپ کے بعد ایک قلیل عرصہ کے لئے حضرت مولینا سید احمد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ صدر نشین مسند درس ہوئے آپ فنون عقلیہ وریاضیہ میں امام وقت سمجھے جاتے تھے اس لئے دینیات کے درس میں آپ کا انداز درس عاقلانہ مندلانہ ار مفکرانہ تھا آپ کے بعد حضرت شیخنا شیخ الہند مولینا محمد حسن قدس سرہ اس گدی پر بٹھائے گئے، آپ جامعیت علوم کے ساتھ شیخ کامل، عارف باللہ، جامع معقول و منقول اور اخلاق فاضلہ میں راسخ القدم تھے اس لئے آپ کا انداز درس اپنے استاد حضرت قاسم العلوم قدس سرہ کے نقش قدم پر عالمانہ متکلمانہ فقیہانہ اور فانیانہ تھا ان کے بعد آپ کے ارشد التلامذہ آیۃ من آیات اللہ استاذ نا حضرت اقدس علامہ دہر مولینا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ مسند رائے درس کتاب و سنت ہوئے۔

آپ کا بغیر معمولی حافظہ تبحر علمی حفظ کتب و سفائن اور وعاء علوم و فنون گویا ایک اعجازی شان رکھتا تھا عقل و نقل کا ہر علم و فن اور اس کے تفصیلی اصول و فروع آپ کو اس طرح مستحضر تھے کہ آپ کو اپنے معاصر علماء و فضلاء میں وقت کا چلتا پھرتا کتب خانہ کہا جانے لگا اس لئے آپ کا انداز درس

حدیث حافظانہ داعیانہ محدثانہ اور تبحرانہ تھا آپ کے بعد حضرت اقدس مولینا سید حسین احمد صاحب" مدظلہ (مرحوم) سے اس گدی کی رونق بخشی گئی۔ تو آپ کے جوش جہاد ذوق علم ہمت باطنی اور وسعت اخلاق نے علم کو عمل کے ہر ہر گوشہ میں دوڑا کر عملی سانچوں میں پیش کیا اور عملی کمالات پر دوامی عمل کو غلبہ پانے کا موقع ملا اور اس لیے آپ کے درس کا انداز عالمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ مجاہدانہ اسپرٹ سے بھرپور اور جذبات عمل سے زیادہ سے زیادہ لبریز ہوتا ہے۔ جس سے طالبوں کے قوی عمل کی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور جذبات عمل زیادہ سے زیادہ مشتعل ہو جاتے ہیں۔ (مکتوب شیخ الاسلام ج ۱ ص ۵ مرتبہ مولینا نجم الدین اصلاحی)

مرحوم مولینا سید محمد میاں صاحب" کی تحریر:...... مولینا سید محمد میاں صاحب" مرحوم فضلائے دیو بند اور حضرت شاہ صاحب" کے ان تلامذہ میں سے تھے جو ہندوستان کے رجال علم کے حالات قلم بند کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ علماء ہند کا ماضی اور علماء ہند کے مجاہدانہ کارناموں پر آپ نے ہزار ہا صفحات تحریر کیے ہیں جو ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں زندگی کے آخری برسوں میں آپ جمعیۃ العلماء ہند کے جنرل سکریٹری اور مدرسہ امینیہ دہلی کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین تھے اس منصب پر آپ اپنی وفات تک فائز رہے جو ماہ محرم ۱۳۹۶ھ ۱۹۷۵ء میں واقع ہوئی۔

حضرت شاہ صاحب" کی سوانح حیات کے متعلق میاں صاحب مرحوم کا جو مضمون حیات انور میں شامل ہے ہم یہاں اس کا ایک اہم حصہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

دار العلوم کی علمی زندگی میں تغیر و اضافہ:...... حضرت شاہ صاحب" کے علمی فیوض سے دار العلوم دیو بند کی علمی زندگی میں کیا تغیر اور اضافہ ہوا؟ یہ بہت ہی دلچسپ موضوع ہے مگر اس کے لئے ایسے عالم کے قلم کی ضرورت ہے جو درس و تدریس کا پورا تجربہ رکھتا ہو اور جس نے حضرت شاہ صاحب" سے پہلے ہی دار العلوم کی عملی زندگی کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہو، احقر ان دونوں سعادتوں سے محروم ہے۔ لہذا اس موضوع کا حق تو ادا نہیں کر سکتا تا ہم اپنی فہم ناقص و استعداد نا تمام کے مطابق آپ کے درس کی چند خصوصیات قلمبند کرتا ہے انہیں کو تغیر و اضافہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

(۱) تحقیق و تفتیش:...... حضرت شاہ صاحب" کا درس اس پر قناعت نہیں کرتا تھا کہ عبارت کا مطلب سمجھا دیا جائے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس مسئلہ سے متعلق تحقیق و تدقیق کا سیر حاصل خلاصہ ہوا کرتا تھا۔ جس میں ہر دعوے کی دلیل کتاب کے حوالہ سے پیش کی جاتی تھی۔ یہ خصوصیت حضرت شاہ صاحب" ہی کی تھی کہ آپ کے سامنے ایک بینچ پر کتابوں کا انبار رہتا تھا اور مسئلہ پر بحث

کرتے ہوئے آپ زبانی حوالہ پر قناعت نہیں کرتے تھے بلکہ کتاب کھول کر اصل عبارت پیش فرمادیتے تھے کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ جس کتاب کا حوالہ دیا جاتا وہ انبار میں موجود نہ ہوتی تو اس کو منگوا کر وہ عبارت پیش فرماتے اور اگر وہ کتاب اس وقت دستیاب نہیں ہوسکی تو اگلے روز وہ کتاب اپنے ساتھ لاتے اور عبارت پڑھ کر سنا دیتے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی قوت حافظہ کا کمال تھا کہ جس عبارت کا حوالہ دیتے تھے اس کے صفحات بھی گویا آپکو محفوظ ہوتے تھے۔ چنانچہ فہرست مضامین سے آپ شاذ و نادر ہی مدد لیتے تھے بلکہ عام طریقہ یہی تھا کہ سینکڑوں صفحات کی کتاب میں بھی عبارت محولہ کو اس طرح پیش کر دیتے تھے جیسے پوری کتاب آپ کو حفظ ہے اور اس کے مضامین کے صفحات آپ کے ذہن میں متحضر ہیں اس کمال کا حیرت انگیز مظاہرہ اس وقت ہوتا تھا جب طلبہ کے سوالات پر کوئی تازہ بحث شروع ہوجاتی اور حوالہ کے لئے کوئی ایسی کتاب منگائی جاتی جس کا مطالعہ سالہا سال پہلے کیا ہو۔ یہ کتاب خواہ کتنی ہی ضخیم ہوتی محولہ عبارت اس طرح پیش کر دی جاتی گویا اس کے صفحات اور سطور آئینۂ قلب پر نقش ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے اس طریق کار نے تلامذہ میں تحقیق و تفتیش کا نیا ذوق پیدا کر دیا۔ یہ ذوق فقط حوالہ کتاب سے مطمئن نہیں ہوتا بلکہ اس کی کاوش اس وقت ختم ہوتی ہے جب اصل عبارت اصل کتاب میں مطالعہ کر کے بحوالہ صفحات اس کو نوٹ کر لیا جائے۔

(۲) تاویل کے بجائے تطبیق وتوجیہہ:...... فن حدیث وسعت نظر چاہتا ہے روایت بالمعنی کرتے ہوئے ایک ہی مفہوم کو راوی حضرات نے موقع اور محل کے لحاظ سے مختلف الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اختلاف الفاظ کے ساتھ بسا اوقات انداز میں بھی فرق پیدا ہو گیا۔ مثلاً ایک بات جو ترغیب و تشویق کے طور پر لسان رسالت سے صادر ہوئی تھی۔ اسکو قطعی حکم کی صورت میں بیان کر دیا گیا ہے کہیں ایسا ہوا ہے کہ کوئی حدیث طویل تھی۔ راوی نے کسی وقتی ضرورت کی بنا پر پوری حدیث نہیں بیان کی۔ بلکہ ضرورت کے مطابق اس کا ایک حصہ نقل کر دیا ہے راوی نے اس جملہ کا وہی مفہوم لیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء مبارک تھا لیکن بعد کے راویوں نے جب تنہا اس جملہ کو نقل کیا تو اصل مفہوم ذہن میں نہیں رہا۔

اس طرح بعد کے علماء میں ایک اختلاف کی بنیاد پڑ گئی۔ اب اس جملہ کا صحیح منشا وہی معلوم کر سکتا ہے جن کی نظر ذخیرہ احادیث پر ہو اور جس نے کتب حدیث کے ہزاروں صفحات کا مطالعہ کر کے سمجھ لیا ہو کہ اصل واقعہ کیا ہے اور فقط اس ایک جملہ کے نقل کر دینے سے کیا فرق پیدا ہو گیا لیکن قاصر الہمت اور کوتاہ دست ایک ہی روایت کے الفاظ لے کر اپنی مرضی کے مطابق ان میں

معنی ڈالتے رہتے ہیں یہ بدعت اس امت میں بہت ہی زیادہ قابل ملامت بن جاتی ہے جب کہ دوسری روایت میں اس کے خلاف الفاظ واقع ہوں۔

حضرت شاہ صاحب" اس قسم کے معنی پہنانے کے سخت مخالف تھے۔ اس کو مدرسین کا طریقہ فرمایا کرتے تھے یعنی جو محض کارگزاری کے لئے درس دیتے ہیں۔ درس میں اپنی ذاتی تحقیق پیش نہیں کرتے اس معنی پہنانے کو تاویل فرمایا کرتے تھے اور ارشاد ہوتا تھا کہ میں تاویل نہیں کرتا بلکہ توجیہ یا تطبیق کرتا ہوں یعنی روایت کے تمام الفاظ جو مختلف انداز میں ذخیرہ احادیث میں وارد ہوتے ہیں ان سب کو سامنے رکھ کر ایک معنی معین کیا کرتا ہوں اور جس جملہ کا جو حقیقی محل ہے اس پر منطبق کرتا ہوں۔

(۳) فن حدیث اور سلف صالحین کا احترام:...... حضرت شاہ صاحب" کے اس طرز نے تلامذہ میں دو باتیں خاص طور پر پیدا کیں۔

(الف) وہ مثلاً ترمذی شریف پڑھاتے وقت یہ جائز نہیں سمجھتے کہ ترمذی شریف کی روایت کے الفاظ پر ان کی نظر منحصر رہے اور اس موقع کے لحاظ سے حدیث کے معنی پہنا کر سبکدوش ہو جائے بلکہ اس روایت کے وہ الفاظ لامحالہ ان کے پیش نظر رہیں گے جو کم از کم صحاح ستہ میں وارد ہوئے ہیں اس طرح شوق مطالعہ کے ساتھ فن حدیث کا خاص احترام ان کے دل و دماغ پر اثر انداز ہوتا ہے۔

(ب) جب وہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریائے ناپیدا کنار کے ساحل پر کھڑے ہو کر اس کی وسعتوں پر نظر ڈالتے ہیں تو جس طرح امام ابو حنیفہؒ کی عظمت ان کے دل میں گھر کرتی ہے اسی طرح ان کے قلوب امام شافعیؒ امام احمد حنبلؒ امام مالکؒ وغیرہ ہم ائمہ مجتہدین اور ائمہ حدیث کے احترام سے بھی لبریز ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے کس طرح اس بحر محیط اور قلزم اعظم میں ساری عمر شناوری کر کے اس کی گہرائیوں سے فقہی مسائل کے موتی برآمد کئے ہیں اور اس طرح اس سمندر کی لہروں کو کتب احادیث کے آبگینوں میں سمویا ہے۔ (فجزاهم الله وشكر سعيهم)

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسرے ائمہ کے مقلدین یا علماء حدیث سے نفرت نہیں کرتے۔ ان کی تحقیر و توہین سے ان کے ذہن پاک ہوتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فقہی مسائل کا یہ اختلاف ایک علمی بحث اور خوشگوار نظریاتی اختلاف بن جاتا ہے جو اختلاف امتی رحمة کی تصدیق پیش کرتا ہے جو متعصبانہ جنگ وجدل اور نفرت و حقارت کے بجائے وسعت مطالعہ اور تحقیق و تفتیش کی دعوت دیتا ہے۔

(۴) تحقیق فن:...... شرح ملا جامی ایک تصنیف کی حیثیت سے قابل قدر کتاب ہے مگر

درسیات میں سے اس کا شمول دماغوں میں ایک خطرناک مرض کے جراثیم پیدا کردیتا ہے۔ طلبہ کی توجہ فن سے ہٹ جاتی ہے اور ان کے دماغ اس قیل وقال اور عبارت سے متعلق مباحثہ میں پھنس جاتے ہیں جن کا تعلق فن کے بجائے منطقی موشگافیوں سے ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ منطقی موشگافیوں میں تو مہارت ہوجاتی ہے لیکن فن سے متعلق مسائل میں مہارت تو درکنار ان پر پوری طرح عبور بھی نہیں ہوتا۔ منطقی موشگافیوں کی گرم بازاری حضرات مدرسین کے دماغوں کو بھی متاثر کرتی ہے اور وہ فن کے متعلق وسعت نظر پیدا کرنے کے بجائے پوری توجہ شعر و حواشی اور منہیات وغیرہ متعلقات عبارت میں صرف کردیتے ہیں اور انہیں چیزوں کے استحضار کو مدرسی کی مہارت مانا جاتا ہے اس کا افسوسناک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حضرات مدرسین کا علم درسیات کے حواشی، شروح اور منہیات تک محدود ہوجاتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس مرض سے بہت زیادہ بیزار تھے الفاظ کی ژولیدگی میں مشغول ہونا آپ کے نزدیک تضیع اوقات تھا آپ کی تمام توجہ فن کی تحقیق پر مبذول رہتی تھی۔ اس کا مظاہرہ آپ کے درس میں ہوتا تھا۔ آپ کی تقریر شروح اور حواشی کے اقتباسات کا مجموعہ نہیں ہوتی تھی بلکہ مسئلہ پر محققانہ تبصرہ ہوتا تھا۔

(۵) املاء اور درس:...... آج ہمارے مدرسوں میں درس کا طریقہ جاری ہے یعنی کتاب سامنے رکھ کر اس کی عبارت کی تفہیم میں وقت صرف کیا جاتا ہے لیکن سلف کا طرف یہ نہیں تھا۔ ان کے یہاں طریقہ املاء جاری تھا۔ یعنی وہ مسئلہ کے متعلق اپنی تحقیق پیش فرمایا کرتے تھے طلبہ اس کو نوٹ کرلیا کرتے تھے عبارت کا سمجھنا اور اس سے مطلب اخذ کرنا طالب علم کا کام ہوتا تھا۔ اس سے طلبہ میں قوت مطالعہ کے اضافے کے ساتھ فنی واقفیت پیدا ہوتی تھی اور وہ اپنے زمانہ کے ابن ہمام و ابن حجر بن جاتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے حلقۂ درس میں کتابیں بے شک کھلی رہا کرتی تھیں طلبہ عبارت بھی پڑھتے تھے، مگر حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر کا تعلق عبارت سے زیادہ تحقیق و تنقیح مسئلہ سے ہوتا تھا۔ آپ الفاظ کی بندشوں سے بلند ہوکر مسئلہ کے متعلق اپنی ذاتی تحقیق پیش فرماتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے اس طرز کے لئے مناسب یہ تھا کہ درس کے بجائے املاء کا طریق اختیار کیا جاتا تاکہ طلبہ کی توجہ بھی تقریر کے قلمبند کرنے کی طرف رہتی اور اس طرح معلومات کا ایک نادر ذخیرہ فراہم ہوجاتا اور آئندہ کے لئے مدارس عربیہ میں سلف کا طریقہ املاء دوبارہ جاری ہوجاتا جس سے حضرات مدرسین میں وسعت نظر اور طلبہ میں قوت مطالعہ پیدا ہوتی۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے اساتذۂ حدیث (شیخ الہند حضرت مولینا محمود الحسن صاحبؒ اور امام ربانی حضرت مولینا رشید احمد گنگوہی) وسعت نظر مہارت فن حدیث تفقہ اور حذاقت میں یکتائے

روز گار تھے حضرت شاہ صاحبؒ بھی انکی جلالت وعظمت اور تبحر علمی کے قائل تھے حضرت مولینا گنگوہی کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔ آپ سے زیادہ ائمہ اربعہ کے مذہب کا ماہر میں نے نہیں دیکھا۔ حضرت شیخ الہند کی تحقیقات اپنی تقریروں میں پیش فرمایا کرتے تھے۔ مگر ان بزرگوں کا طریقہ درس بالکل مختلف تھا۔ ان بزرگوں کی ابتدائی تقریر عبارت کتاب سے متعلق نہایت مختصر ہوتی تھی ان کی مفصل تقریر اس وقت ہوتی تھی جب طلبہ سوال کرتے اور طلبہ کے سوالات کا تقاضا ہوتا کہ مطمئن کرنے کے لئے مفصل تقریر کی جائے مگر حضرت شاہ صاحبؒ طلبہ کو اصرار کی زحمت نہیں دیتے بلکہ آپ کی ابتدائی تقریر ہی مفصل ہوتی اور پہلے ہی مرحلہ میں آپ طلبہ کو موقع دیتے کہ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کرلیں۔ (حیات انور ۲۰۰ تا ۲۸۸)

دار العلوم سے شاہ صاحبؒ کی مفارقت کا حادثہ

(۱۳۴۶ھ ۱۹۲۸ء)

دانشکدوں میں اختلاف آراء:..... تعلیمی ادارات چاہے وہ خالص دینی اور عربی تعلیم کے ہوں یا مروجہ جدید علوم کی دانشگاہیں ہوں ان میں طلبہ اور اہل اہتمام کے درمیان اختلافات ایک قاسم کا امر طبعی ہے دار العلوم دیوبند، علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، مدرسہ ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مدرسہ عالیہ کلکتہ بلکہ ان سے اتر کر دوسرے درجے کے قومی مدارس سب کی تاریخ کو اٹھا کر پڑھ جایئے تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ہر جگہ کبھی نہ کبھی ایسا موقعہ ضرور آیا ہے جب پڑھنے اور پڑھانے والوں کے درمیان اختلافات کی ہوا چلی اور چھوٹے چھوٹے اختلافات بڑھتے بڑھتے ناقابل عبور خلیجوں میں تبدیل ہو گئے۔

علیگڑھ اور ندوۃ العلماء کی مثال:..... علیگڑھ میں تو گزشتہ سو سال کے دوران درجنوں طوفان آئے ہیں اور گزر گئے ہیں سب کی تاریخ بیان کرنے کا یہ محل نہیں۔ ابھی چند سال پہلے سے یونیورسٹی کی تاریخی حیثیت کو قائم رکھنے یا بدلے ہوئے ماحول سے دب کر تبدیل کر ڈالنے کے سوال نے جو رخ اختیار کر رکھا ہے وہ اس دانشکدہ کی حدود سے نکل کر پورے ہندوستان کے مسلمانوں کے ذہنی زلزلے کا موجب بنا ہوا ہے۔ اور سات کروڑ مسلمانان ہند آئے دن اپنے لئے جن اقلیتی تحفظات اور ثقافتی وتعلیمی حقوق کی آزادی پر بحثیں کرتے رہتے ہیں۔ ان کی فہرست میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا کردار بھی ایک ایسا مسئلہ ہے جو ملت اسلامیہ کے مطالبات میں شامل

ہو گیا ہے یونیورسٹی کے وائس چانسلروں اور طلباء کے درمیان رائے کا اختلاف تو اب علی گڑھ کی آب و ہوا کا ضروری عنصر بن کر رہ گیا ہے۔

جہاں تک ندوۃ العلماء کا تعلق ہے الحمد اللہ عصر حاضر میں وہاں کا ماحول پر سکون ہے لیکن اس صدی کے ابتدائی دس پندرہ سال میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے اکابر کے درمیان اختلاف کی وجہ سے طلباء اور ناظمین کے درمیان بھی کشمکش کے ہنگامے برپا ہوتے رہے۔ جس وقت مولینا شبلی نعمانی مرحوم مدرسہ ندوۃ العلما کے معتمد تعلیم مقرر ہوئے تو آپ کی علمی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور ہندوستان سے لیکر مصر اور قسطنطنیہ تک علمی حلقے آپ کے تاریخ اسلام کے محقق و مبصر اور بہترین ترجمان ہونے کے معترف ہو چکے تھے۔ اس لئے ندوۃ العلماء کے ساتھ مولینا مرحوم کی وابستگی مدرسہ کی اندرونی تعلیمی ترقیات کے ساتھ ساتھ ملک بھر میں اس کی شہرت میں بھی چار چاند لگانے کا موجب بنی۔ لیکن طرز فکر کے لحاظ سے چونکہ آپ کی بعض آراء اور مدرسہ کے بہت سے دیگر فاضل ارکان خاص کر مدرسہ کے ناظم حضرت مولینا خلیل الرحمٰن صاحب سہارن پوری کی آراء میں فرق تھا۔ مولینا خلیل الرحمٰن صاحب مشہور محدث مولینا احمد علی صاحب سہانپوری کے فرزند اور مولینا شبلیؒ کے استاد زادہ تھے مگر علم کلام کے بعض مباحث میں دونوں کا اختلاف رائے تھا اور اس اختلاف نے بڑھتے بڑھتے افسوس ناک شکل اختیار کر لی تھی جس کے نتیجے میں ایک مرحلہ ایسا بھی آیا کہ پورا ادارہ اس اختلاف سے اثر پذیر ہو گیا۔ اور طلبا کی ہڑتال نے مولینا ابوالکلام کے الہلال مولینا محمد علی کے ہمدرد اور مولینا ظفر علی خان کے زمیندار کے صفحات کو حمایت اور مخالفت کی بحثوں کا میدان کارزار بنا ڈالا یہ تینوں اہل قلم جو مولینا شبلی نعمانی کے ہی فیض یافتہ تھے اور کانگریس کی طرفداری اور تعلیمی رجحانات میں مولینا شبلی کے مکتبۂ فکر (SCHOOL OF THOUGHT) کے ترجمانوں میں شمار ہوتے تھے اپنی اپنی شہرہ آفاق انشاء پردازی سے اپنے ممدوح کی کوئی زیادہ مدد نہ کر سکے وار مولینا شبلی کی زندگی کے یہ آخری سال جو پہلے ہی پاؤں کٹ جانے اور بعض مزمن امراض کی شدت کی وجہ سے تلخ تھے اور ندوۃ العلماء کے اس جھگڑے نے تلخ تر کر ڈالے۔ آپ نے مدرسہ کے معتمد تعلیم کے منصب سے استعفیٰ بھی دے دیا۔ مگر مصالحت کا مقصد تب بھی حاصل نہ ہو سکا حتی کہ آپ کی اجل پہنچی جس نے آپ کو دنیا کے تمام جھگڑوں سے نجات دلا دی۔ آپ کی وفات کے صدمے نے ارکان ندوۃ العلماء کو بمشکل اتنا متاثر کیا کہ وہ مرحوم کی وفات کے قومی نقصان کا احساس کر کے دوبارہ شیر و شکم ہو جانے پر آمادہ ہو جائے اور "الصلح خیر" پر علم پیرا ہو گئے۔ اس مصالحت کو ممکن العمل بنانے کا سہرا مسیح الملک حکیم محمد



اجمل خان اور مولینا ابوالکلام آزاد کے سر رہا۔

شاہ صاحب کو صدمۂ جاں گداز:......دارالعلوم دیوبند کے ساتھ حضرت مولینا انور شاہ صاحب کا تعلق ۱۳۱۰ھ سے ۱۳۱۴ھ تک بحیثیت طالب علم، ۱۳۲۸ھ سے ۱۳۳۳ھ تک بحیثیت استاذ اور ۱۳۳۳ھ سے ۱۳۴۶ھ تک بحیثیت صدر المدرسین کے قائم رہا۔ ۱۳۴۶ھ میں صدر مدرس کے منصب سے مستعفی ہو کر اس مادر علمی سے جدائی گوارا کرنے کا جو صدمہ جان گداز حضرت شاہ صاحب کو برداشت کرنا پڑا اپنی نوعیت اور فطرت کے لحاظ سے وہ اس قسم کے حالات کا نتیجہ تھا جن کی طرف مسلم یونیورسٹی اور ندوۃ العلماء میں پیش آمدہ اختلافات کا ابھی سطور بالا میں اشارہ کیا گیا ہے۔ تقاضائے وقت کے مطابق دارالعلوم کے نصاب تعلیم میں ردوبدل طلباء کی رہائش اور خوراک کے انتظام میں اصلاحات طلباء اور معلمین کے بعض حقوق اور سہولتیں وراس طرح سے کچھ چھوٹے کچھ بڑے سوالات دوسرے تعلیمی ادارات کی طرح دیوبند میں بھی پیدا ہوتے رہتے تھے اور حل بھی ہوتے رہتے تھے۔ اور بعض اوقات ہیجو قسم سوالات صیغۂ اہتمام میں تغیر وتبدیل کا موجب بھی بن جاتے تھے لیکن ۱۳۴۶ھ میں، جب یہ سوالات اٹھے تو طلباء کے مطالبات کو اونچے درجہ کے اساتذہ میں سے صدر المدرسین حضرت شاہ صاحب اور چند دیگر بڑی شخصیتوں کی ہمدردی حاصل ہوگئی جس سے ضرور ہے کہ صیغہ اہتمام کے لئے پیش آمدہ مسئلہ سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہوگیا ہوگا۔ ادھر دہلی اور لاہور کے مسلم پریس نے بھی طلباء کے مطالبات کی حمایت کچھ اس شدومد سے کی کہ طلبہ بھی اپنے کسی مطالبہ میں نرمی پیدا کرنے کے قابل نہ رہے۔

مصالحانہ مساعی کی ناکامی:......جب کشمکش نے انتہائی نازک شکل اختیار کرلی تو باہمی مصالحت کی کوئی کوشش بارآور نہ ہوسکی ایک موقعہ پر مہتمم دارالعلوم حضرت مولینا حافظ محمد احمد صاحب مرحوم نے براہ راست حضرت شاہ صاحب سے ملکر کوشش کی کہ کس طرح یہ دردناک باب ختم ہوجائے اور شاہ صاحب اس کو ختم کرنے پر آمادہ بھی ہوگئے لیکن اب حالات دونوں بزرگوں کے تصرف سے باہر ہوچکے تھے اس لئے یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی اور آخر کار وہی ہوا جو اللہ تعالیٰ کی مشیت ازلی میں مقدر ہوچکا تھا۔

ایک مقدس قافلہ:......حضرت شاہ صاحب، مولینا شبیر احمد صاحب عثمانی، مولینا مفتی عزیز الرحمن صاحب، مولینا بدر عالم صاحب میرٹھی، مولینا سراج احمد صاحب رشیدی مولینا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی، مولینا محمد ادریس صاحب سکھروڈوی اور مولینا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی وغیرہم وہ مقدس

حضرات تھے جن کا استعفےٰ ادارہ اہتمام دارالعلوم نے منظور کرلیا اور قافلہ کے سالار حضرت مولینا انور شاہ صاحبؒ اور آپکے رفقاء کرام نے بمع ۵۷۷ طلباء درجاتِ عالیہ اپنے محبوب دانش کدہ دارالعلوم پر نگاہ حسرت ڈال کر ہمالیہ کی گود میں واقع مقام دیوبند سے روانہ ہوگئے اور قریباً ایک ہزار میل کے فاصلے پر ہندوستان کے جنوب مغرب میں بحیرہ ہند کے ساحل کے قریب یہ اپنی قسم کا نرالا قافلہ جا پہنچا جس نے اپنے فرشتہ سیرت سالار قافلہ حضرت شاہ صاحبؒ کی قیادت میں (سورت بندر کے حوالی میں) واقع ڈابھیل نامی ایک قصبے میں دارالعلوم دیوبند کا ایک ہمزاد قائم کردیا اور دیوبند کا یہ مثنّےٰ قائم کرڈالنے کے بعد خود دیوبند کی درازی عمر اور سلامتی کی دعائیں مانگنے لگے سچ ہے کہ مقدسین کا ہر قدم مقدسانہ ہوتا ہے۔

مشاجرات اکابر سے کف لسان:...... دارالعلوم کی یہ اصلاحی تحریک جو حضرت شاہ صاحبؒ کے استعفیٰ کا موجب بنی اس کے ساتھ آپ کا واسطہ براہ راست نہ تھا محض بہبودی دارالعلوم کی تحریک کو آپ کی پرخلوص تائید حاصل تھی۔ آپ کے دل میں مہتمم دارالعلوم حضرت مولینا محمد احمد صاحبؒ اور دارالعلوم کی مجلس مشاورت کے دیگر ارکان خصوصاً مولینا حکیم مسعود صاحبؒ گنگوہی کا احترام انتہا درجہ کا تھا اور یہ تمام حضرات بھی حضرت شاہ صاحبؒ کے احترام میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت کرنے کے روادار نہ تھے لیکن تقدیر الٰہی قضائے مبرم بن کر پیش آئی اور ہر دو فریق کو بادل ناخواستہ ایک دوسرے سے جدا ہونا پڑا۔

اہل سنت والجماعت کا مشاجرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق یہی طرز عمل ہے کہ اس میں کف لسان کیا جائے اور ان تنازعات کی تفصیلات میں پڑنے سے اجتناب برتا جائے تاریخ کے ہر مرحلے پر یہی طریقہ کار مسلم معاشرہ کے حق میں خیر و برکت کا موجب رہا ہے اس سبق پر عمل کرتے ہوئے اگر مشاجرات صحابہ کرام کی طرح مشاجرات اکابر ملت سے بھی کف لسان پر عمل کیا جائے تو قوم کے لئے اس میں بے شمار فوائد مضمر ہیں اس لئے ہم دارالعلوم دیوبند کے اکابر اور حضرت شاہ صاحبؒ کے مابین واقع شدہ اختلافات و مشاجرات کی کسی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے ان واقعات سے متعلق خود حضرت شاہ صاحبؒ کا عمل یہ تھا کہ آپ اس واقعہ کے بعد چار پانچ سال زندہ رہے مگر کبھی بھولے سے بھی ان واقعات کا تذکرہ زبان پر نہ لاتے تھے اور

"درمیان ما و جانان ماجرائے رفت و رفت"

کے مطابق اس معاملے کو آپ نے کان لم یکن شیئا مذکورا کا مصداق بنا ڈالا اس لئے اگر ہم اس کی تفصیلات کو حوالہ طاق نسیان کر ڈالیں تو ہم کو حضرت شاہ صاحبؒ کی قابل تقلید مثال پر عمل پیرا ہونے کا ثواب ملے گا۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل نعم المولی و نعم النصیر۔

بقول مرحوم مولینا سید محمد میاں صاحب دیوبندی،

"داستان بہت طویل ہے۔ اور اس کا آخری باب استعفے ہے جو تحریک (اصلاح) کے رہنماؤں نے بطور احتجاج پیش کیا اور اہتمام کے تدبیر قلم نے اس پر منظوری صادر کر کے احتجاج کو ناکام بنادیا۔ اس موضوع کا آخری فقرہ یہ ہے کہ سات سال طبقہ علیا کے مدرس اور تیرہ سال صدر مدرس رہنے کے بعد ۱۳۴۶ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے علیحدگی اختیار کی اور دیوبند کے بجائے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کو اپنے فیوض و برکات کا مرکز بنایا۔ [1]

ہر طرف چشم فرش راہ:...... یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب حضرت شاہ صاحبؒ دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہوئے اور یہ خبر اخبارات میں چھپی تو مدرسہ امینیہ دہلی ندوۃ العلماء لکھنوڈھاکہ اور علیگڑھ یونیورسٹی کے علاوہ بہت سے مشہور و معروف اداروں نے معقول مشاہروں پر آپ کی خدمت حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن آپ نے بڑی بڑی تنخواہوں کو اہمیت دیئے بغیر اپنے مخلص شاگرد الحاج مولینا محمد میاں سملکی افریقی کی استدعاؤں اور مشوروں پر ڈابھیل جانے کو ترجیح دی۔

علامہ اقبالؒ کی تمنا:...... یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ جب شاہ صاحبؒ نے دارالعلوم سے علیحدگی اختیار کی تو علامہ اقبالؒ نے خوشی کا اظہار کیا اور سخت اصرار سے شاہ صاحبؒ کو ایک تار ارسال کیا کہ آپ لاہور تشریف لے آئیں لیکن چونکہ وہ تار حضرت شاہ صاحبؒ کو اس وقت ملا جب آپ نے ڈابھیل والوں سے وعدہ کیا تھا اس لئے شاہ صاحبؒ لاہور نہ جاسکے۔

مولینا سعید احمد صاحبؒ اکبر آبادی مدظلہ نے اپنے مضمون میں اس سلسلے میں جو کچھ رقم فرمایا ہے وہ ہدیہ ناظرین ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں اختلافات کے باعث جب حضرت الاستاد نے اپنے عہدۂ صدر الاساتذہ سے استعفےٰ دیا اور یہ خبر اخبارات میں چھپی تو اس کے چند روز بعد میں ایک دن ڈاکٹر صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا فرمانے لگے کہ آپ کا یا دوسرے مسلمانوں کا جو بھی تاثر ہو میں بہر حال شاہ صاحبؒ کے استعفیٰ کی خبر پڑھ کر بہت خوش ہوا ہوں میں نے بڑے تعجب سے عرض کیا

---

[1] ...... مولینا سید محمد میاں صاحبؒ مرحوم نے حضرت شاہ صاحبؒ کا زمانہ قیام دیوبند بیس سال قرار دیا ہے لیکن حقیقت میں حضرت شاہ صاحبؒ دارالعلوم دیوبند سے صرف ۱۸ سال تک وابستہ رہے ہیں مولینا سید احمد رضا صاحب بجنوری راقم الحروف کے نام اپنے مکتوب گرامی میں رقمطراز ہیں کہ میری بیاض درس بخاری ۹۵۳ میں حضرت کا یہ ارشاد نقل ہے کہ میں ۱۸ سال دیوبند میں رہا (گوندہ)

کیا آپ کو دار العلوم دیوبند کے نقصانات کا کچھ ملال نہیں؟ فرمایا کیوں نہیں؟ مگر دار العلوم کو تو صدر المدرسین اور بھی مل جائیں گے اور یہ جگہ خالی نہ رہے گی لیکن اسلام کے لئے جو کام اب میں شاہ صاحبؒ سے لینا چاہتا ہوں اس کو سوائے شاہ صاحبؒ کے کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا۔

اس کے بعد انہوں نے اس اجمال کی تفصیل یہ بیان کی کہ آج اسلام کی سب سے بڑی ضرورت فقہ کی جدید تدوین ہے۔ جس میں زندگی کے ان سینکڑوں ہزاروں مسائل کا صحیح اسلامی حل پیش کیا گیا ہو جن کو دنیا کے موجودہ قومی اور بین الاقوامی سیاسی، معاشی اور سماجی احوال وظروف نے پیدا کر دیا ہے۔ مجھ کو پورا یقین ہے کہ اس کام کو میں اور شاہ صاحبؒ دونوں مل کر ہی کر سکتے ہیں ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی شخص اس وقت عالم اسلامی میں ایسا نظر نہیں آتا جو اس عظیم الشان ذمہ داری کا حامل ہو سکے۔ پھر فرمایا مسائل کیا ہیں اور ان کا سرچشمہ کہاں ہے؟ میں ایک عرصہ سے ان کا بڑے غور سے مطالعہ کر رہا ہوں یہ سب مسائل میں شاہ صاحبؒ کے سامنے پیش کروں گا اور ان کا صحیح اسلامی حل کیا ہے یہ شاہ صاحبؒ بتائیں گے۔ اس طرح ہم دونوں کے اشتراک وتعاون سے فقہ جدید کی تدوین عمل میں آجائے گی چنانچہ باخبر اصحاب کو معلوم ہے کہ اسی جذبہ کے تحت ڈاکٹر صاحبؒ مرحوم نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح شاہ صاحبؒ دیوبند کی خدمت سے سبکدوش ہونے کے بعد لاہور تشریف لے آئیں اور وہیں مقیم ہو جائیں لیکن افسوس! حالات کچھ اس قسم کے تھے کہ ایسا نہ ہو سکا اور حضرت شاہ صاحبؒ لاہور کے بجائے ڈابھیل تشریف لے گئے۔ جس کا ڈاکٹر صاحب کو واقعی بڑا ملال اور صدمہ ہوا۔ (حیات انور ۱۶۵،۱۶۶)

دیوبند سے ڈابھیل

(۱۳۴۶ھ ۱۰۲۸ء)

اختلاف امتی رحمۃ:...... امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام والف الف تحیتہ) کا اختلاف رحمت ثابت ہو سکتا ہے، بشرطیکہ اختلاف جن کے درمیان پیدا ہو گیا ہو وہ متقین ومخلصین ہوں۔ تاریخ اسلام میں پیش آمدہ اختلاف کی فہرست کو پیش نظر رکھ کر ہر اختلاف کے نتائج وثمرات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اختلاف جو نیک نیتی پر مبنی تھا آخر کار اس کا نتیجہ مشترکہ مقاصد کی ترقی کی صورت میں برآمد ہوا ہے۔ دار العلوم کے اکابر صیغہ تعلیم اور صیغہ اہتمام کے درمیان جو اختلاف ۱۳۴۶ھ میں پیدا ہوا وہ ہمارے اس دعوے کی روشن مثال ہے۔ چونکہ جانبین مخلص تھے اس لئے خدا کے فضل سے اس اختلاف نے دار العلوم دیوبند کو بھی کوئی ناقابل تلافی نقصان نہ پہنچایا اور

اختلاف کے نتیجہ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی شکل میں ایک جدید اور دوسری شاندار درس گاہ کا وجود
سامنے آگئی جس نے علامہ وجیہہ الدین، علامہ طاہر پٹنی اور علی متقی کے گجرات کو ایک بار پھر قال اللہ
قال الرسول کے نغمات سے گونجا دیا اور علوم وفنون کا ایک ایسا چشمہ بہا دیا جس سے ہندوستان کے
جنوب مغرب میں بھی دیوبند وسہارنپور مراد آباد ورامپور اور دہلی ولکھنؤ جیسے علمی باغات کی آبیاری کا
سامان ہوگیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ مولینا شبیر احمد عثمانی اور ان کے دیگر رفقاء نے ڈابھیل کے مدرسہ
کو جہاں علوم اسلامیہ دیوبند کا ثانی بنا ڈالا۔ وہاں سیاسی اور معاشرتی پالیسیوں اور تربیت مستفیدین
کے لحاظ سے بھی مدرسہ ڈابھیل کو دارالعلوم دیوبند کے متوازی خطوط پر گامزن رکھا اور مزید یہ کہ وہاں
تصنیف وتالیف کا ایک ادارہ مجلس علمی ڈابھیل کے نام سے قائم کرکے نئی اور نایاب کتابوں کی
اشاعت سے علمی دولت کی ترقی کا راستہ کھول دیا یہی ادارہ تھا جس کی کوششوں سے صحیح بخاری پر
حضرت شاہ صاحبؒ کا تدریسی تقاریر فیض الباری کی شکل میں مصر سے چھپ کر اکحل البصر اولی
الابصار بنی اور یہ فخر بھی مجلس علمی ڈابھیل کو ہی حاصل ہوا کہ اس نے اکابرینِ امت حضرت مجدد
الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ (قدس اللہ اسرارہما) اور خود مولینا انور شاہ کشمیریؒ کے نادر علمی
خزینوں کی نشر واشاعت سے روپوش شدہ خزائن علمیہ کے فیوض عام کردیئے۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں نزول اجلال:...... بہر حال کس کے وہم وگمان میں تھا کہ
حضرت شاہ صاحبؒ کی تدریسی خدمات کا جو شرف ملک کی بڑی بڑی یونیورسٹی اور معروف تعلیمی
اداروں کی قسمت میں نہ آسکے وہ ڈابھیل کی سرزمین کے لئے ازل ہی سے مقدر ہوچکا تھا حالات
گجرات میں زمانہ قدیم کی درسگاہیں کالعدم ہوجانے اور قدیم علماء کے فیوض کے چشمے خشک
ہوجانے کے بعد اب وہاں کوئی معروف تعلیمی ادارہ موجود نہیں تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ ودیگر علمائے ربانی کے گجرات پہنچ کر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل قائم کرنے سے
پہلے قصبہ ڈابھیل میں مدرسہ تعلیم الدین کے نام سے ایک چھوٹا سا دینی مدرسہ موجود تھا جسے علاقہ
گجرات ہی کے ایک اہل اللہ مولینا احمد حسن صاحبؒ اور گجرات کے بعض مخیرؒ ومتمول بندگان خدا نے
مولینا موصوف کو ہر ممکن مدد بہم پہنچا کر قائم کیا تھا۔ یہ امر تدبیر قدرت کا ایک کرشمہ تھا کہ اس مدرسہ کے
متعلقین اور بہی خواہ شروع ہی سے علماء دیوبند اور خصوصاً حضرت شاہ صاحبؒ کے عقیدتمندان خاص
میں سے تھے اور اس مدرسہ کو وسیع پیمانے پر چلانے کے ہمیشہ سے متمنی تھے جوں ہی ان حضرات کو علم ہوا
کہ حضرت شاہ صاحبؒ اور آپ کے بہت سے رفیق علماء نے دارالعلوم دیوبند سے علیحدگی اختیار کرلی
ہے تو منتظمین مدرسہ ڈابھیل نے اس ادارہ کو ترقی دینے کے لئے اس موقعہ کو ایک قسم کی نعمت خداداد سمجھا

اس لئے انہوں نے (خاص کر حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک شاگرد مولینا محمد بن موسیٰ میاں سملکی نے) حضرت شاہ صاحبؒ اور آپ کے سب رفقاء کو پیہم اصرار کے ساتھ ڈابھیل پہنچنے پر آمادہ کرلیا۔

اس چھوٹے سے مدرسے میں جب ہندوستان کے سب سے بڑے علماء نے درجات عالیہ کے سینکڑوں طلباء کا قافلہ ساتھ لئے ہوئے ڈیرا ڈال دیا تو اس مدرسہ کا نام جامعہ اسلامیہ ڈابھیل رکھا گیا۔

یہ بھی قدرت کا کرشمہ تھا گویا ایک پرائمری سکول راتوں رات ایک یونیورسٹی میں تبدیل ہوگیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ دارالعلوم سے مستعفی شدہ حضرت مولینا علامہ شبیر احمد عثمانی اور حضرت مولینا سراج احمد رشیدی جیسے علماء کی ایک جماعت کے ساتھ ساتھ دورہ حدیث اور دوسری اونچی جماعتوں میں پڑھنے والے دوسو پچھتر (۲۷۵) طلباء پر مشتمل ایک قابل توجہ اور لائق اعتبار تعداد بھی تھی۔

یہ سب لوگ ڈابھیل جاکر اساتذہ درس و تدریس اور طالبان علم استفادہ کرنے میں مصروف ہوگئے اور اپنے روزانہ کے مشاغل کو اس سنجیدگی سے آگے بڑھانا شروع کردیا کہ گویا کوئی بڑا حادثہ پیش ہی نہ آیا تھا۔

اکابر اسلام کی ہمیشہ سے یہی شان رہی ہے کہ ان کے لئے بڑے بڑے حوادث کا تاثر لمحاتی ہوتا ہے

صوبہ گجرات

بحیرہ عرب

اور جوں ہی وہ حادثہ گزر جاتا ہے وہ پہلے سے زیادہ توجہ اور انہماک کے ساتھ اپنے اصلی کام میں مصروف ہوجاتے ہیں بلکہ حادثہ کی وجہ سے متنبہ ہوکر منزل مقصود کی طرف اپنی رفتار کو بھی تیز کردیتے ہیں

جہاں میں اہل ایمان صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے
(اقبالؒ)

ڈابھیل سے دیوبند آتے جاتے مدرسہ امینیہ دہلی کا قیام:

...... جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں شاہ صاحبؒ نے ۱۳۵۱ھ ۱۹۳۲ء تک قال اللہ وقال الرسول کی مجلس گرم رکھی یہاں تک کہ آپ کے قویٰ نے بالکل جواب دے دیا۔ ڈابھیل کے اس پانچ سالہ قیام کے دوران آپ کبھی کبھی دیوبند آیا کرتے تھے کیونکہ دارالعلوم سے علیحدگی اختیار کرنے کے باوجود وطنیت دیوبند کو آپ کسی حالت میں بھی ترک کرڈالنے پر آمادہ نہ تھے۔ آپ کا دولت خانہ دیوبند میں تھا اور دیوبند میں ہی رہا۔ اس دوران آپ ڈابھیل سے دیوبند آتے جاتے دہلی کے مدرسہ امینیہ میں اپنے رفیق خاص حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہ سے بھی ملتے تھے اور ایسے ہی اکثر موقعوں پر مولینا ابوالکلام آزاد بھی شاہ صاحبؒ سے ملنے کے لئے دہلی کے مدرسہ امینیہ میں تشریف لاتے تھے اس سلسلے کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ مولینا آزاد شوق ملاقات سے امینیہ میں وارد ہوئے اور یکدم شاہ صاحبؒ کے سامنے زانو بیٹھ گئے۔ چونکہ حضرت شاہ صاحب علم وانکسار کے کوہ گراں تھے انہوں نے مولینا آزاد مرحوم کی یہ ہیئت کذائی گوارا نہ فرمائی اور مولینا آزاد کو مناسب نشست پر بیٹھنے پر مجبور کردیا۔

قیام ڈابھیل کے دوران علامہ عثمانی کا استفادہ:

...... قیام ڈابھیل کے دوران علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ سے علم تفسیر علم حدیث اور دوسرے علوم کے دقائق ومشکلات میں رجوع فرماکر صحیح معنی میں اپنی علمی تشنگی بجھائی اسی لئے مولینا عثمانی کے علم وفضل میں (خاص کر حذاقت علم حدیث میں) ڈابھیل جاکر بہ نسبت دیوبند کے نمایاں فرق ہوگیا تھا۔

اس سلسلے میں مولینا سید احمد رضا صاحبؒ بجنوری کا بیان ہے کہ مجلس علمی ڈابھیل کے قیام کے زمانہ میں یہ بات خاص طور پر میں نے محسوس کی کہ اساتذہ جامعہ میں کم وکیف دونوں کے اعتبار سے زیادہ علمی استفادہ حضرت شاہ صاحبؒ سے مولینا عثمانیؒ نے کیا چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ نے جو رجال کی مدح وتوصیف میں انتہائی محتاط تھے ایک بار مولینا مفتی محمود احمد صاحبؒ نانوتوی سے فرمایا:

"تمہیں ایک خوش خبری سناتا ہوں کہ مولینا شبیر احمد صاحبؒ کو علم حدیث سے مناسبت ہوگئی ہے" (نطق انور ج ۹)

بہاولپور کا مقدمہ اور قادیانیت پر ضرب کاری

(۱۳۵۱ھ ۱۹۳۲ء)

امت پر فتنوں کی بارش:...... محسن اعظم مخبر صادق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اپنے زمانہ کے بعد آنے والے بے شمار فتنوں کی خبر دی ہے اور ان سے بچنے کا اور ان کا مقابلہ کرنے کا راستہ بیان فرمایا ان فتنوں میں سب سے زیادہ شدید فتنے وہ ہیں جن کا رخ اسلام کے عقائد حقہ پر حملے کر کے ملت کو تشتیت کا ہدف بنانا اور اعدائے دین کے بالواسطہ مدد کرنا ہوتا آیا ہے گزشتہ چودہ سو سال کی مدت میں امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کو قدم قدم پر ان فتنوں کا سامنا رہا ہے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی جیسے مدعیان درجہ نبوت کا فتنہ، خوارج کے پے در پے فتنے اور معتزلوں کا فتنہ اور ان کے بعد ایسے ہی بے شمار فتنے ہر ملک اور ہر دور میں اپنے اپنے زمانے میں پوری اسلامی آبادی کے لئے تو مصائب وابتلا کا موجب رہے ہیں لیکن چودھویں صدی ہجری میں مغربی استعمار کے زیر سایہ اسلام کے عقیدہ ختم نبوت اور فریضہ جہاد پر جو حملہ ہوا یہ سب سے زیادہ خوفناک حملہ تھا۔

فتنہ سامراج:...... انگریزی سامراج نے مشرق کا رخ کرتے ہی بھانپ لیا تھا کہ بحر اٹلانٹک



سے بحر الکاہل کے کناروں تک اس کے راستہ میں اگر کوئی بڑی رکاوٹ ہے تو وہ اسلام اور مسلمانوں کا وجود ہے جو اپنے سیاسی انتشار کے باوجود اخوت اسلامی کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کا پیغمبر یعنی محمد الرسول اللہ ﷺ اس دنیا میں خدا کا آخری پیغمبر اور خاتم النبیین ہے۔ جس کا لایا ہوا دین آخری دین ہے اور اس دین کا صحیفہ یعنی قرآن مجید خدا کی آخری کتاب ہے اور یہ کتاب ہر زمانہ اور ہر ملک کے لئے مکمل ہدایت نامہ ہے اور یہ کہ اسلام ہی وہ دین ہے جو زمانہ حاضرہ میں تمام انسانوں کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے۔ جس کی اشاعت اور تبلیغ حکمت و موعظہ حسنہ سے فرض ہے لیکن اس کی حفاظت کے لئے اور دشمنوں کے نرغے سے اس کے متبعین اور دیگر مظلوم انسانوں کو بچانے کے لئے تیر و تفنگ اور ہر میسر ہتھیار سے کام لینا بھی فرض ہے۔ جس کو جہاد فی سبیل اللہ کہا جاتا ہے۔

بنابرآن مشرق پر سامراجی تسلط کو مستحکم کرنے اور اس کو دوام دینے کے لئے مغربی سامراج مسلمانوں کو اپنے اس راستے سے ہٹانا یا کم از کم ان کی روح مفاومت وقوت مقابلہ کو کچل ڈالنا ضروری سمجھتا تھا۔

سامراجی چال:...... انگریز یہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں میں سے ایسے لوگ پیدا ہو جائیں جو پروپیگنڈا کریں کہ جس طرح دوسرے مذہبوں کے پیشوا اپنے اپنے وقت اور اپنی اپنی بستی کے لوگوں کی اصلاح کو آئے تھے اور جب اس دنیا سے چلے گئے تو ان کے بعد ان ہی جیسے یا ان سے بھی بڑھ کر دوسرے آتے اور پہلوں کی جگہ لیتے رہے اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ بھی اپنے زمانے کے عربوں کی اصلاح کر کے چلے گئے ان کا دین اسی زمانہ کے لئے تھا اب نیا دین۔ لے کر کوئی اور آسکتا ہے اور چونکہ مذہب ملکوتی چیز ہے اس کی حفاظت جہاد جیسے مسلح اور خون ریزی والے اقدام سے نہ ہونی چاہئے جس میں تیر و شمشیر کا دخل ہے جو وحشیانہ بات ہے، انگریز کا یہ خیال تھا کہ جب ختم نبوت کا عقیدہ نہ رہے گا تو مسلمانوں کی وحدت ملت اور وحدت انسانیت کے عقائد خود بخود ختم ہو جائیں گے اور جب جہاد کے فرض الی یوم القیامۃ کا عقیدہ نہ رہا تو ملت اسلامیہ کو غلام بنا لینے کا راستہ خود بخود صاف ہو جائے گا اور ایشیا و افریقہ میں انگریزی سامراج کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہ جائے گی۔

بہائیت اور قادیانیت کی پیدائش:...... ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے اور بھی ضرورت محسوس کی کہ مسلمانوں کے دل سے جذبہ جہاد اور عقیدہ ختم نبوت کو ختم کرنا مشرق میں اور خاص کر ہندوستان میں ان کے سامراج کی بقا و حیات کے لئے بہت ضروری ہے اور وہ اپنے

وسیع ذرائع اور گہری چالوں سے کام لیکر مختلف شکلوں میں جہاد کی فرضیت اور اسلام کی ہمہ گیری پر حملے کرتے اور کراتے رہے پہلے پہل یہ کام عیسائی مشنریوں کو سونپا گیا تھا لیکن ان کی ناکامی بہت جلد آشکارا ہوگئی اس کے بعد بہت کچھ رد وکد کے بعد ایران میں علی محمد باب اور بہاؤ اللہ اور ہندوستان میں پنجاب کے مرزا غلام احمد قادیانی چن لئے گئے جنھوں نے انگریزی راج کی پناہ حفاظت اور سرپرستی میں سامراج کی بدترین تمناؤں کو پورا کرنے کے لئے اسلام کے عظیم عقائد محمد رسول اللہ کے خاتم النبین ہونے اور جہاد کی تاقیامت فرضیت سے انکار کیا اور سامراج کی اغراضِ مشمومہ کو پورا کرنے کے لئے مسلمانوں میں وہ فتنے کھڑے کئے کہ الامان والحفیظ۔

بہائیت نے ایران میں شیعہ مسلمانوں کا شیرازہ بکھیرنے اور قادیانیت نے ہندوستان میں زیادہ تر اہل سنت میں اور ساتھ ہی اہل تشیع میں بھی تفریق وتشتیت کی آگ بھڑکانے میں مغربی سامراج کے لئے وہی کام کیا جو دوسری عالمگیر جنگ میں ہٹلر کے لئے اس کا تیسرا دستہ (THIRD COLUMN) کرتا تھا اور بحیثیت مجموعی ان دونوں فتنوں نے اسلام کو ہر پہلو سے اپنی نیش زنی کا نشانہ بنائے رکھا۔

چونکہ ایران میں مسلم سلطنت موجود تھی جس نے علی محمد باب کو سزائے موت دے کر اور بہاؤ اللہ کو جلائے وطن کر کے اور ان کے متبعین کو غیر مسلم قرار دے کر فتنہ بابیت وبہائیت کی آگ جلد ہی بجھادی۔ اور اس کے بعد بہائیت کے لئے اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ وہ خود بھی دین اسلام سے اپنی لاتعلقی کا اعلان کر کے اسلام کے لئے اندرونی چھپے دشمن کا رول ترک کردے۔

انگریز کا خود کاشتہ پودا:......لیکن ہندوستان میں انگریزی راج کی موجودگی میں قادیانیت کے پھوڑے کو اہل اسلام کے جسم سے کاٹ کر الگ کرنے کا امکان نہ تھا اس لئے یہ فتنہ زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔ مرزا غلام احمد اپنے آپ کو انگریزی سامراج کا خود کاشتہ پودا بھی کہتا رہا۔ انگریزی راج کے حق میں اسلامی ممالک (ترکی اور عربستان) میں پروپیگنڈا کرنے کا دعوی بھی کرتا رہا انگریزوں پر احسان جتاتے ہوئے یہ بھی لکھتا رہا ہے کہ میں نے اس حکومت کی تائید میں جتنا لٹریچر شائع کیا ہے اس سے پچاس الماریاں پر ہوسکتی ہیں۔

پہلی جنگ عظیم میں جب بغداد پر انگریزوں کا قبضہ ہوا تو قادیان اور جہاں کہیں قادیانی تھے انہوں نے خوشی سے چراغاں کیا اور فتح کے جشن منائے اور مسلمانوں کے لئے جہاد کو حرام قرار دیتے رہے اور انگریز کی فوج میں بھرتی ہو کر مصر، عرب، عراق، ترکی اور ایران میں جا کر مسلمانوں پر گولیاں چلانے کو اپنا مذہبی فرض سمجھتے رہے اور محمد رسول اللہ کی ختم نبوت سے انکار کر کے ایک جھوٹے مدعی

نبوت کو پیغمبر بنا کر پیش کرتے رہے تا کہ مغربی سامراج کی تائید اور مسلمانوں کو اس کی غلامی پر رضامند کرنے کے لئے وحی اور الہام جیسی پاکیزہ اصطلاحات کا استحصال (EXPLON TATION) کیا جائے اور اس اسلام دشمنی پر بھی اپنے آپ کو مسلمان کہلانے پر مصر رہے۔

علمائے اسلام کا جہاد:...... علماء امت نے دونوں جگہ اس فتنے کا مقابلہ کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور الحمد للہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے علمائے حق کی سعی کو قبولیت اور برکت عطا فرمائی اور اب یہ دونوں فرقے ہر محاذ پر پسپا ہو رہے ہیں اور ان کا پھیلا ہوا دجل وفریب کا جال پارہ پارہ ہو چکا ہے اور اب کسی کو بھی پھنسانے کے قابل نہیں رہا۔ اور سامراج کے خاتمہ سے تو وہ سرچشمہ ہی ختم ہو گیا جس پر ان کی آبیاری منحصر تھی۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا کارنامہ:...... فتنہ قادیانیت کے خلاف جہاد کرنے والے علمائے ربانی کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جن میں سے بعض نے اپنی تقریروں سے بعض نے تحریروں سے اور بعض نے مناظروں اور مباحثوں سے اس فتنے کا مقابلہ کیا۔ شکر اللہ سعیھم لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے جن گہرے احساسات کے ساتھ اس فتنہ کے خطرات کا اندازہ لگایا اور پھر جس لگن کے ساتھ وہ مدافعت عقائد اسلام کی جنگ لڑنے میں محو ہو گئے اس نے وہ فضا پیدا کر دی کہ قادیانیت کے لئے کوئی پناہ لینے کی جگہ باقی نہ رہی۔ یہ شاہ صاحبؒ کی للّٰہیت کا ثمرہ تھا کہ حضرت علامہ اقبالؒ سے لے کر رئیس الاحرار مولینا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تک اور مولینا ظفر علی خان سے لے کر مولینا ثناء اللہ امرتسری تک اور ایک عالم وفاضل سے لے کر ایک عامی مسلمان تک سب کے سب ''ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین'' کا ورد کرنے لگے اور الجہاد ماض الی یوم القیمۃ کے غوامض واسرار کی قدر وقیمت پر غور کرنے لگے۔

پنجاب کی طرف توجہ خاص:...... چونکہ فتنہ قادیانیت کا مرکز اور اس کا مقام پیدائش پنجاب تھا اس لئے حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی زندگی کے آخری برسوں میں اپنی توجہ عالیہ کا مرکز پنجاب کو قرار دیا انگریزی سامراج کے خلاف مجاہدین کی ایک سرفروش تنظیم مجلس احرار کو اپنی سرپرستی کا شرف بخش کر اس کو قادیانیت کے خلاف بھی صف آرا کر دیا اور اس کے پیشواؤں میں سے سب سے بڑے خطیب سید الاحرار مولینا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو امیر شریعت کا اعزاز بخش کر جلسہ عام میں بذات خود ان کے ہاتھ پر قادنیت کے خلاف بیعت جہاد کی اور اس طرح قادیانیت پر وہ بھرپور حملہ شروع کیا جو شاہ صاحبؒ کی وفات پر بھی ختم نہ ہوا۔

قادیانی ایک غیر مسلم فرقہ :......الغرض قادیانیت کے خلاف حضرت شاہ صاحبؒ کی چلائی ہوئی تحریک جہاد کا سلسلہ قریبا پچاس سال تک جاری رہا آخر کار مملکت پاکستان کی پارلیمنٹ نے قادیانیوں اور منکرین ختم نبوت اور منکرین فرضیت جہاد کو اسلام سے خارج ایک غیر مسلم اقلیت قرار دے کر جسم اسلام کو اس رستے ہوئے ناسور سے ہمیشہ کیلئے پاک کر ڈالا۔

آج سے برسوں پہلے حضرت مولینا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسریؒ حضرت مولینا انور شاہ کشمیریؒ حضرت مولینا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور ہندوستان کے دیگر علمائے کرام نے قادیانیوں کے ملت اسلامیہ سے خارج ایک ٹولی ہونے کا جو فیصلہ فتوؤں کی صورت میں صادر کیا تھا اور ترجمان ملت اسلامیہ علامہ اقبالؒ نے پنڈت جواہر لال نہرو کے شبہات کا جواب دیتے ہوئے قادیانیت کو اسلام کی بغاوت ثابت کرتے ہوئے جو فیصلہ کن مضامین تحریر فرمائے تھے۔ ان کو قانون وقت بن جانے میں نصف صدی کا وقت لگا۔ سامراج کے رخصت ہو جانے کے بعد بھی انگریز کا خود کاشتہ پودا زندہ رہ کر ماحول کو مسموم بنانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا رہا مگر آخر کار اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔

الغرض تاریخ کو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ علماء ربانی قرآن وحدیث اور اسلام کے ہادیانہ اصولوں کی روشنی میں اس کینسر کو اسلام کے جسم سے کاٹ کر پھینک دینے کا جو فیصلہ صادر کر گئے تھے آج ان کے اس فیصلے کو ایک اسلامی ملک کی قانون ساز جماعت نے ایک دوامی آئین اور قانون بنا ڈالا۔ اور عرب وعجم کی تمام مسلم حکومتوں نے اس اقدام پر مہر تصدیق ثبت کر ڈالی۔

مقدمہ بہاولپور اور اس کی اہمیت :......حضرت شاہ صاحبؒ نے فتنہ قادیانیت کے خلاف اپنی زندگی کے آخری دس بارہ سال کی مدت میں جو جہاد شروع کیا تھا ۲۵ اگست ۱۹۳۲ء کو بہاولپور کے مقدمہ میں عدالت کے سامنے پیش ہو کر بطور گواہ کے اسلام کی احقانیت اور قادیانیت کا ابطال ثابت کرنا اس طویل معرکے میں آپ کا ایک بڑا کارنامہ ہے بہاولپور سے واپس جا کر آپ تھوڑی ہی مدت کے اندر اندر انتقال فرما گئے۔ اور مقدمہ کا فیصلہ جو قریبا سارے کا سارا آپ ہی کی شہادت پر مبنی ہے آپ کی وفات کے بعد صادر ہوا۔

مقدمۂ بہاولپور کی نوعیت :......مقدمہ کی نوعیت یہ تھی کہ ایک شخص کے ساتھ اس کے رشتے کے ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح پڑھا دیا ابھی شادی کی رسومات انجام نہ پائی تھیں کہ منگیتر نے قادیانیت اختیار کر لی۔ لڑکی اور اس کے باپ نے شادی سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ شخص مذکور مرتد ہو گیا ہے اسلئے مسلمان عورت اس کی زوجہ نہیں بن سکتی۔ قادیانیوں نے اپنے آپ کو مسلمان ثابت

کرنے کے لئے اپنے خلیفہ کا اثر ورسوخ اور اپنی تنظیم اور انگریزی حکومت کے قوانین کو داؤ پر لگا دیا۔ کوئی سات سال تک مقدمہ چلتا رہا۔ لڑکی نے خاوند کے قادیانیت کی وجہ سے مرتد اور خارج از اسلام ہونے کے ثبوت میں علماء اسلام کو بطور گواہ پیش کیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی تحریک سے مولینا ابوالوفا شاہجہاں پوری لڑکی کی طرف سے پیروکار رہے اور مولینا مرتضی حسن صاحبؒ استاذ دیوبند مولینا محمد شفیع صاحبؒ مفتی دیوبند (سابق مفتی اعظم پاکستان)، مولینا نجم الدین صاحبؒ پرنسپل اورینٹل کالج لاہور، مولینا غلام محمد صاحبؒ شیخ الجامعہ بہاولپور اور مولینا محمد حسین گوجرانوالہ کی شہادتوں کے بعد خود حضرت شاہ صاحبؒ بطور گواہ پیش ہوئے اور پانچ دن تک اپنی شہادت قلم بند کراتے رہے۔ اور قادیانی وکلاء کے سوالات کے جوابات دیتے رہے بہاولپور کی عدالت کے فاضل جج صاحبؒ جناب محمد اکبر خان صاحبؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی شہادت پر اپنے فیصلے کا انحصار رکھا اور قادیانیت کو اسلام سے خارج شدہ ٹولہ قرار دیتے ہوئے ناکح کو مرتد قرار دیا۔

بستر مرگ سے عدالت کے کٹہرے میں:...... یوں تو حضرت شاہ صاحبؒ اس زمانہ میں کہیں بھی فتنہ قادیانیت کو سر اٹھاتے دیکھتے تو اس کو کچل ڈالنے کے لئے شہباز کی طرح جھپٹ کر پہنچ جاتے تھے لیکن بہاولپور میں جانے کے وقت آپ بستر مرگ سے اٹھ کر گئے تھے جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ بہاولپور ایک ایسی ریاست تھی جو انگریزی راج کے ماتحت ہونے کے باوجود اسلامی ریاست کہلاتی تھی اور اس کی عدالتوں میں عائلی معاملات کی حد تک اسلامی قانون کے مطابق فیصلے صادر ہوتے تھے شاہ صاحبؒ کی تمنا تھی کہ قادیانیت کے خارج از ملت اسلام ہونے کا فیصلہ کسی چھوٹی سی چھوٹی اسلامی حکومت کی عدالت سے ہی صادر ہو جائے تو حقیقت کو آشکارا کرنے اور فتنے کو اس کے کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے ایک مستحکم بنیاد بن جائے گی۔

بہاولپور کے عوام سے خطاب:...... جن دنوں (اگست ۱۹۳۲ء) بہاولپور کے تاریخی مقدمے میں حضرت شاہ صاحبؒ کو شہادت دینے کے لئے جانا پڑا۔ اس وقت آپ سخت علالت کی وجہ سے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت) کے مدرسے کی صدارت کا چارج مولینا شبیر احمد عثمانی کو سونپ کر موافق آب وہوا میں علاج کرانے کے لئے اپنے دولت خانہ پر دیوبند تشریف لے آئے تھے۔ دیوبند میں کچھ قلیل عرصہ ہی میں قیام فرمایا تھا کہ اسی دوران میں مقدمہ بہاولپور کا معرکۃ الآراء واقعہ پیش آ گیا۔ اس لئے حضرت کو وہاں جانا پڑا حالانکہ اب آپ چاروناچار دوبارہ ڈابھیل جانے کا ارادہ کر چکے تھے چنانچہ پہلے ہی جمعہ کو جب بہاولپور کی جامع مسجد میں عامۃ المسلمین سے آپ نے خطاب فرمایا تو اس بات کا انکشاف ان الفاظ میں کیا:

''حضرات! میں نے ڈابھیل جانے کے لئے سامان سفر باندھ لیا تھا کہ یکا یک مولینا غلام محمد صاحبؒ شیخ الجامعہ (بہاولپور) کا خط دیوبند موصول ہوا۔ کہ شہادت دینے کے لئے بہاولپور آیئے۔ چنانچہ اس عاجز نے ڈابھیل کا سفر ملتوی کیا اور بہاولپور کا سفر کیا یہ خیال کیا کہ ہمارا نامۂ اعمال تو سیاہ ہے ہی، شاید یہی بات میری نجات کا باعث بن جائے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا جانبدار ہو کر بہاولپور میں آیا تھا''

(حیات انور ۳۲۶،۳۲۷)

مولینا محمد انوری لائلپوری کا بیان ہے کہ حضرت کے اس فرمانے پر تمام مسجد میں چیخ وچہاڑ پڑ گئی، لوگ دھاڑیں مار مار کر اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے کہ خود حضرت پر ایک عجیب کیفیت وجد طاری تھی۔ ایک مولینا صاحبؒ نے اختتام وعظ پر فرمایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی شان ایسی ہے اور آپ ایسے بزرگ ہیں وغیرہ۔ حضرت فوراً کھڑے ہوگئے فرمایا حضرت! ان صاحبؒ نے غلط کہا ہے ہم ایسے نہیں ہیں بلکہ ہمیں تو یہ بات یقین کے درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ ہم سے گلی کا کتا ہی اچھا ہے، ہم اس سے بھی گئے گزرے ہیں۔ (حیات انور ۳۲۷)

لاہور کا آخری سفر اور مسجد میں کرسی کا مسئلہ:...... بہاولپور کے اس سفر میں حضرت شاہ صاحبؒ لاہور بھی تشریف لے گئے۔ وہاں دو روز قیام فرمایا۔ اس سلسلے میں مرحوم مولینا محمد انوری لائلپوری کے الفاظ میں ہی ایک اور واقعہ کا اندراج غیر مناسب نہ ہوگا۔

(حضرت شاہ صاحبؒ نے) آسٹریلین بلڈنگ (لاہور) کی مسجد میں بعد نماز فجر وعظ فرمایا۔ علماء، فضلا عوام وخواص بالخصوص ڈاکٹر محمد اقبالؒ اور ان کے ساتھی اہتمام سے حاضر ہوئے تھے۔ بیان ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، مالک تعالیٰ سے علاقہ پیدا کرو غرض حضرت نے خطبہ شروع فرمایا۔ الحمد الله نحمده ونستعينه الخ وعظ کرسی پر بیٹھ کر فرما رہے تھے۔ احقر کے دل میں وسوسہ سا گزرا کہ مسجد میں تو شاید کرسی بچھانا سوء ادب ہو۔ حضرت نے فوراً خطبہ بند کر دیا۔ فرمایا کہ مسجد میں کرسی بچھانا نبی کریم سے ثابت ہے۔ چنانچہ مسلم شریف میں روایت ہے کہ ایک سائل کے جواب دینے کے لئے حضور کے لئے مدینہ کے بازار سے کرسی لائی گئی۔ راوی کہتا ہے کہ اس کرسی کے پائے سیاہ تھے۔ غالباً لوہے کے تھے۔ مصلے کے قریب رکھی گئی حضور نبی کریم نے اس پر بیٹھ کر جوابات دیئے۔ یہ فرمایا اور پھر خطبہ شروع فرما کر حضرت نے وعظ کہا۔ احقر ندامت سے پسینہ پسینہ ہوگیا۔ (حیات انور ۳۲۷،۳۲۸)

مرض الوصال

ریاست بہاولپور اور شہر لاہور کے سفر کے بعد جب حضرت شاہ صاحبؒ دیوبند پہنچے تو آپ کی پہلی علالت میں مزید اضافہ ہوگیا اور سفر کی تھکان اور بے آرامی کی وجہ سے خونی بواسیر کے دیرینہ مرض نے شدت اختیار کرلی۔ لیکن ڈابھیل میں تدریس کا جو کام ہو رہا تھا آپ اس کو حاصل حیات کا درجہ دے رہے تھے اس لئے آپ اپنی وصیت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے از سرنو کچھ عرصہ کے لئے ڈابھیل تشریف لے گئے اور درس حدیث کا محبوب شغل جاری رکھا آخر کار جب جسمانی ضعف ونقاہت نے انتہائی نازک صورت اختیار کرلی اور مسند درس کو رونق بخشنے کا امکان ہی باقی نہ رہا تو آپ وہاں سے رخصت ہوکر واپس دیوبند تشریف لے آئے اور گھر پہنچ کر صاحبِ فراش ہوگئے۔ مرض کا یہ آخری حملہ اس قدر شدید تھا کہ کوئی علاج کارگر نہ ہوسکا۔ آپ کے جسم کا خون اس قدر ضائع ہو چکا تھا کہ اس کا بدل ما یتحلل اب پیدا ہی نہ ہوتا تھا اور وہ دیرینہ مرض جس کو آپ اپنے علمی انہماک کی وجہ سے اہمیت نہ دیتے تھے اب مرض الوصال ثابت ہو رہا تھا اور ہوا۔

مگر آخری دم تک مطالعہ:...... اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں دین اسلام کی خدمت کا جو جذبہ بے پایاں ودیعت فرمایا تھا وہ آپ کو بستر مرگ پر بھی چین سے لیٹنے نہ دیتا تھا۔ آپ کو اپنے علاج کی طرف توجہ ہی نہ تھی۔ پرہیز وغیرہ سے بھی یک گونہ بے پروائی بلکہ بیزاری تھی۔ البتہ مطالعہ کتب کا سلسلہ اس حالت میں بھی حسب معمول جاری تھا۔ معالج اطباء نے باصرار ترکِ مطالعہ کی ممانعت کی اور عرض کیا کہ حضرت اس سے مرض بڑھ جائے گا فرمانے لگے کہ بھائی یہ کتب بینی بذات خود میرا مستقل مرض ہے اور لاعلاج ہے۔

پیشین گوئیاں:...... حضرت شاہ صاحبؒ کے شاگرد مولینا محمد انوری لائلپوری تحریر فرماتے ہیں کہ (حضرت مولینا) مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ (مدظلہ تعالیٰ) نے بیان فرمایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے سفر آخرت اختیار فرمانے کے چند یوم قبل (میں) در دولت پر حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے کبھی پیشین گوئی نہیں کی، اب تو دو باتیں ذہن میں آگئی ہیں عرض کرہی دیتا ہوں۔ ایک یہ کہ حضرت شیخ الہندؒ کے علوم کی خوب اشاعت ہوگی۔ دوم ہندوستان (اب) ضرور آزاد ہوگا اس لئے کہ مظالم کی انتہا ہوگئی۔ (دارالعلوم مئی ۱۹۷۵ء، ۱۵)

اسی طرح حضرت مولینا قاری محمد طیب صاحبؒ کا بیان ہے کہ مرض وفات میں ایک دفعہ

مولوی حامد الانصاری غازی کو مخاطب کر کے فرمانے لگے کہ بھائی ہمیں اب یقین ہو گیا کہ انگریز ہندوستان سے نکل جائے گا۔ کیونکہ اس نے قدرتی اشیاء پر بھی ٹیکس عائد کر دیئے ہیں۔ ہوا پر ٹیکس، فضا پر ٹیکس، پانی پر ٹیکس، نمک پر ٹیکس، جن چیزوں پر قدرت نے آزاد رکھا تھا ان پر پابندی عائد کرنا قدرت کا مقابلہ ہے۔ جس کے بعد زیادہ دیر تک بقا نہیں ہو سکتی اس لئے ہمیں یقین ہے کہ اب انگریز کے جانے کے دن قریب آ گئے ہیں۔ (حیات انور ۲۲۸، ۲۲۹)

مراجعت بطرف کشمیر کی تمنا:...... جہانگیر بادشاہ کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے اپنی آخری تمنا کے بارے میں سوال کا یہ جواب دیا تھا کہ ''کشمیر و دگر ہیچ'' حالانکہ کشمیر جہانگیر کے لئے صرف سیر گاہ تھی اور بس حضرت شاہ صاحب کا خمیر ہی کشمیر کی خاک پاک سے تھا۔ یہ خطہ دلپذیر آپ کا وطن تھا اور آپ کے آباء واجداد کا وطن تھا۔ آپ کو اپنی جنت ارضی کے ساتھ جو قلبی لگاؤ تھا اس کا اندازہ مشکل نہیں۔ وفات سے متصل قبل کے ایام میں قلب مبارک میں مراجعت کشمیر کی تمنا جاگ اٹھی تھی آپ چاہتے تھے کہ لولاب پہنچ کر حضرت مولینا معظم شاہ صاحبؒ کی قدم بوسی حاصل کریں۔ عزیز واقارب سے بھی ملیں اور موافق آب و ہوا میں علاج بھی جاری رکھیں اس پر مزید یہ کہ ان دنوں پنجاب کے مسلم پریس کا ایک حصہ یہ تاثر دے رہا تھا کہ قادیانی پارٹی نے کشمیر کے سیاسی ہنگاموں کا ناجائز فائدہ اٹھا کر یہاں قادیانیت پھیلانے کا دھندا شروع کر رکھا ہے۔ اس لئے حضرت شاہ صاحبؒ یہ چاہتے تھے کہ کچھ وقت کے لئے کشمیر میں قیام کر کے علمائے کشمیر کا ایک محاذ منظم کریں اور وادی کشمیر کے عوام کو جھنجھوڑ کر فتنۂ آخر زماں کے خطروں سے خبردار کریں اور قادیانیت کے زہر کا کچھ نہ کچھ تریاق اپنی وفات سے پہلے مہیا کر جائیں۔ مگر وقت معین قریب آ پہنچا تھا اور اہل کشمیر بھی اتنے خوش نصیب نہ تھے کہ ان کو یہ دولت غیر مترقبہ ارزانی ہو جاتی اس لئے آپ کا یہ ارادہ عملی صورت اختیار نہ کر سکا۔

مولینا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا بیان:...... حضرت مولینا مفتی محمد شفیع صاحبؒ رحمۃ اللہ (سابق مفتی اعظم پاکستان) کے بیان کے مطابق مرض الوصال میں حضرت شاہ صاحب کا ارادہ تھا کہ ایک مرتبہ پھر کشمیر کا سفر کیا جائے اور وہاں اپنے اعزہ واقارب کی ملاقات کے علاوہ پیش نظر یہ تھا کہ کشمیر میں قادیانی فتنہ پھیلا ہوا ہے۔ اب تک وہاں پہنچ کر اس کے انسداد کے متعلق کوئی کام نہیں کیا گیا۔ اس سفر کا قصد کرنے کے ساتھ یہ ضرورت محسوس فرمائی کہ کشمیر کے عوام اردو یا عربی کے رسائل تو پڑھ نہ سکیں گے۔ فارسی زبان میں مسئلہ ختم نبوت اور قادیانیت کے متعلق لکھ کر طبع کر کے وہاں ساتھ لے جائیں اور مفت تقسیم کریں۔ اس ارادہ کے ساتھ ہی خود ایک رسالہ کی تصنیف شروع فرما دی۔ ابھی یہ تصنیف تکمیل کو نہ پہنچی تھی کہ مرض کے اشتداد نے بالکل ہی قوی کو

معطل کر دیا تو ایک طالب علم کے ذریعہ اس ناکارہ خلائق کے پاس پیغام بھیجا کہ میں نے کشمیر کی ضرورت سے فارسی زبان میں مسئلہ ختم نبوت پر ایک رسالہ لکھنا شروع کیا تھا مگر اب میں اس کی تکمیل سے معذور ہوں تجھ سے ہو سکے تو اس کی تکمیل کر دے۔

کتاب خاتم النبیین: ......احقر ناکارہ نے تعمیل ارشاد کو سعادت سمجھ کر شروع کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ حضرت استاد رحمۃ اللہ علیہ کی حالت بدلنا شروع ہوئی اور یہ علم وتقوی کا آفتاب عالمتاب غروب کے کنارے آ لگا یہاں تک کہ اس پیکر علم وتقوی مجسم دین ودیانت نے دین ہی کی فکر میں اپنی عمر کا آخری سانس پورا کر دیا۔

اب وہ کشمیر ❶ کا قصد اور وہاں رسالہ فارسی کی اشاعت بھی ایک خواب وخیال ہو گیا۔ حضرت کے بعد آپ کے مسودات میں سے وہ منتشر اوراق فارسی جمع کر کے مجلس علمی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سورت نے خاتم النبیین کے نام شائع کیا اور یہی اوراق آپ کا خاتمۃ التصانیف قرار پائے ❷ (اور حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ختم نبوت پر قادیانی دجال نے جو حملے کئے تھے ان کی مدافعت کرتے کرتے حضرت شاہ صاحبؒ کی حیات سراپا کرامات کا بھی خاتمہ ہوا)

یہ وہی خاتم النبیین نامی کتاب ہے جن کے متعلق مولینا قاری محمد طیب صاحبؒ کا بیان ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے مرض وفات میں رو رو کر فرمایا کہ ہم نے عمر ضائع کی اور کوئی کام آخرت کے لئے نہ کیا۔ یہ رسالہ خاتم النبیین اس لعین قادیانی کے رد میں لکھا ہے۔ توقع ہے کہ شاید یہ رسالہ میری نجات کا ذریعہ ہو جائے۔ (حیات انور ۲۲۴)

وفات حسرت آیات

۳ صفر ۱۳۵۲ھ، ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء

کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربك ذو الجلال والاکرام (الرحمٰن)

روئے زمین پر موجود ہر کوئی فنا ہونے والا ہے آپ کے پروردگار کی ذات کو ہی دوامی بقا ہے جو عظمت اور احسان والی ہے)

---

❶ ......حضرت شاہ صاحبؒ اپنی وفات سے کوئی ایک سال قبل ۱۳۵۰ھ میں آخری بار کشمیر تشریف لا چکے تھے دوران قیام سوپور بارہ مولہ اور لولاب وغیرہ مقامات پر اپنے مواعظ حسنہ سے عامۃ المسلمین کو مستفید فرمایا۔ ۲۳ صفر ۱۳۵۰ھ کو حضرت ممدوح نے جو خطبہ جامع مسجد سوپور میں ارشاد فرمایا اسے اسی وقت قلم بند کیا گیا ہے ایک رفیق کی وساطت سے راقم الحروف نے یہ تقریبا حاصل کی ہے کوندی۔ ❷ ......ملتقطا ومختصرا حیات انور ۲۲۸، ۲۲۹

امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ زندگی کے آخری سانس لے رہے تھے اور بار بار "رب توفنی مسلما و الحقنی بالصالحین" ❶ پڑھ رہے تھے۔ بستر مرگ کے پاس بیٹھی ہوئی آپ کی عظیم الشان دختر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبان مبارک سے آپ کے جذبات قلب ان الفاظ میں ادا ہوئے جو وفات کے ہر واقعہ کے بہترین ترجمان ہیں۔

وَكُلُّ ذِیْ غَیْبَةٍ یَئُوْبُ
وَغَائِبُ الْمَوْتِ لَا یَئُوْبُ

(ہر مسافر کبھی نہ کبھی گھر آ ہی جاتا ہے۔ مگر موت کے سفر پر گیا ہوا کبھی واپس نہیں آتا۔

عبقریت اور جوان مرگی:...... علم وفضل کی دنیا میں ایسی بے شمار ہستیوں کا تذکرہ ملتا ہے جو وفات کی طبعی اور عادی عمر کو پہنچنے سے پہلے انتقال کر گئے۔ اور ان کی زندگی کا مطالعہ کرنے والے آج بھی حسرت کے ساتھ محسوس کرتے ہیں کہ کاش یہ کچھ اور مدت جیئے ہوتے تو نہ جانے اس جہاں میں اپنے آثار کے کتنے خزانے چھوڑ جاتے۔

استاذ العلماء والمحدثین علامۂ الدہر شیخ الحدیث حضرت مولینا انور شاہ کشمیری بھی عباقرہ اسلام کی اس جواں مرگ جماعت میں شامل ہیں۔ جو اسی یا نوے سال تو کجا عالم پیری کی پہلی منزل ساٹھ سال کی عمر کو بھی نہ پہنچنے پائے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذہانت کی آگ کے تیز شعلے ذہین انسان کی جسمانی قوی کو اندر ہی اندر جلا کر بھسم کر دیتے ہیں۔

سحرمی گفت بلبل باغباں را
دریں گل جز نہال غم نگیرو
بہ پیری می رسد خار مغیلاں
ولی گل چوں جواں گردو بمیرو

اذا جاء الاجل:...... حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی دیرینہ علالت کو صبر ایوبی کے ساتھ برداشت کرنے کے بعد ۳ ماہ صفر المظفر ۱۳۵۲ھ (مطابق ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء) کو یاایتھا النفس

---

❶ اے رب! مجھ کو پوری فرمانبرداری کی حالت میں دنیا سے اٹھا لے اور مجھ کو (خاص) نیک بندوں میں شامل کر لے۔

الْمُطْمَئِنَّةُ، ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ❶ کا پیغام ربانی سن کر لبیك اللھم لبیك ❷ کہتے ہوئے اور فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ❸ کے ارشاد کی تکمیل کرتے ہوئے حضرت جان آفرین (جل جلالہ) کو اپنی جان عزیز سپرد کر دی اور اپنے اعزہ واقارب ملک بھر کے علماء وفضلاء اور اپنے مداحین ومعتقدین کو اشک بار چھوڑ کر اپنے معبود ومقصود اور محبوب حقیقی الرفیق الاعلیٰ سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

وما کان قیس ھلکہ ھلك واحد
ولکنہ بنیان قوم تھدما

(قیس کی وفات ایک آدمی کی وفات نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی موت سے قصر ملت کے ستون گر گئے ہیں)

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت شاہ صاحبؒ کی رحلت کے وقت آپ کے گرد وپیش سے بقول مولینا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (مفتی اعظم پاکستان) گویا بزبان حال یہ سنا جاتا تھا۔

اگرچہ خرمن عمرم غم تو داد بباد
بخاک پائے عزیزت کہ عہد نہ شکستم

حضرت شاہ صاحبؒ کے وصال کا واقعہ دیوبند میں آپ کے اپنے دولت خانے پر ہی پیش آیا اور سرزمین دیوبند ہی میں آپ کے جسد خاکی کی تدفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ آپ کے رفیق شفیق شیخ وقت مولینا میاں اصغر حسین صاحبؒ (متوفی ۱۳۶۴ھ) نے پڑھائی۔ واقعہ وصال پر اگرچہ دیوبند سے باہر اعلان واطلاع کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا تھا پھر بھی خبر وفات ہر طرف بجلی کی طرح پھیل گئی اور دور دراز علاقوں سے آنے والوں کا جم غفیر شامل نماز جنازہ ہوا۔ گوجرانوالہ، لاہور، لدھیانہ، دہلی، امرتسر، سہارن پور، مظفر نگر، میرٹھ اور یوپی کے دیگر اطراف واکناف سے مرحوم کے تلامذہ اور محبین دیوبند پہنچ گئے۔

رنج وغم کی ہمہ گیر لہر:...... حضرت شاہ صاحبؒ نور اللہ مرقدہٗ اپنی رحلت سے نہ صرف اپنے جگر

---

❶ ...... اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار (کے جوار رحمت) کی طرف چل اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش۔ ❷ ...... میں حاضر ہوں اے میرے اللہ میں حاضر ہوں۔ ❸ ...... تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

یاروں ازہر، اکبر اور انظر کو بے سہارا چھوڑ گئے بلکہ اپنے تلامذہ اور وقت کے علماء و فضلاء کو یتیم کر گئے۔ جس روشن، نورانی اور پرکشش رخ انور کو دیکھ کر ایک غیر مسلم نے کہا تھا کہ اسلام کے حق ہونے کی ایک مستقل دلیل یہ چہرہ بھی ہے وہ آفتاب اپنے عشاق کی نظروں سے پوشیدہ ہو گیا۔

ہندوستان، بنگال و برما اور بلاد اسلامیہ کے مشہور اہل عمل اور دینی اداروں نے حضرت مرحوم کی رحلت کے صدمہ کو محسوس کیا اور اپنے ملک کی حدود سے نکل کر غیر ملکی اخبار و جرائد میں دیر تک آپ کے حالات زندگی پر تذکرے شائع ہوتے رہے پورے غیر منقسم ہندوستان میں جنوب سے شمال اور مشرق سے مغرب تک آپ کی وفات کو قومی اور ملی نقصان کے طور پر محسوس کیا گیا اور تقریر و تحریر اور نثر و نظم میں اس نقصان عظیم پر اشکباری کی گئی۔

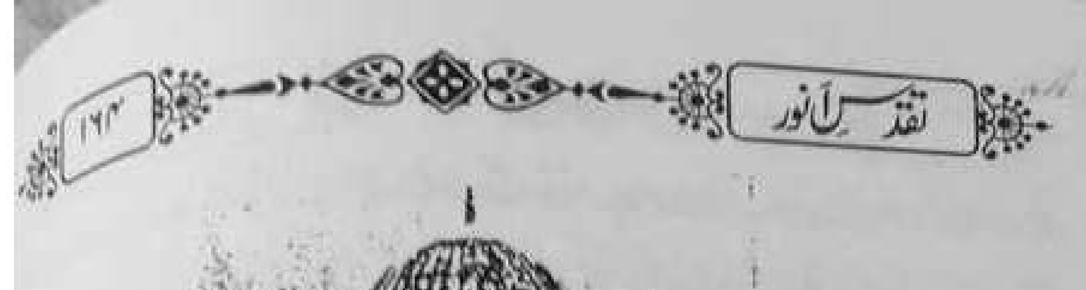
ماتم کدہ ڈابھیل:...... چونکہ وفات کے وقت آپ کا بحیثیت صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے تعلق تھا اس لئے اس ادارے کا سب سے زیادہ متاثر ہونا قدرتی امر تھا۔ جس دن حضرت شاہ صاحبؒ کے انتقال کی اطلاع ڈابھیل پہنچی تو پورا خطہ ڈابھیل ماتم کدہ بن گیا۔

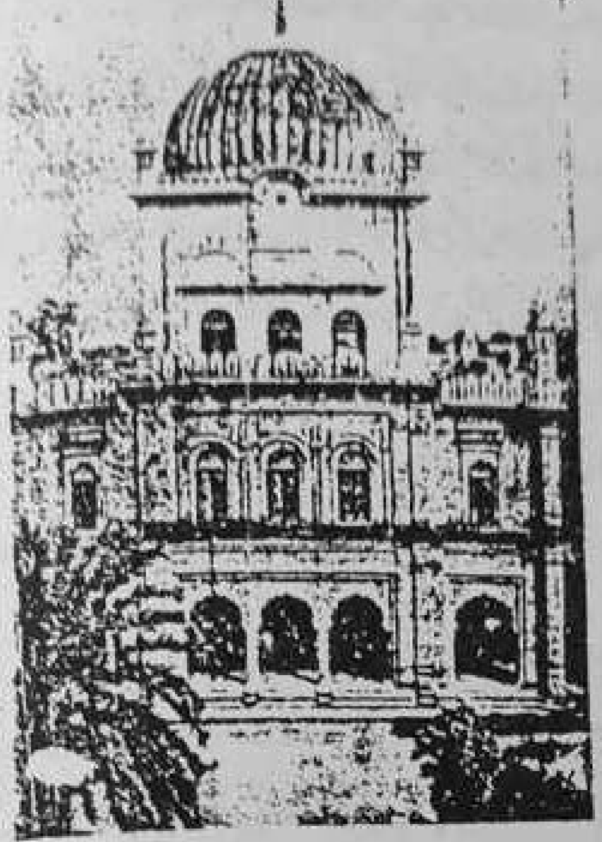
حضرت مولینا شبیر احمد صاحبؒ عثمانی (متوفی ۱۳۶۹ھ) بے ساختہ چیخیں اور دھاڑے مار مار کر رو رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ آہ اب کس کے پاس جا کر اشکالات حل کرائیں گے؟ اس سلسلے میں مولینا سید احمد رضا صاحبؒ بجنوری کا بیان ہے کہ:

> "جب جلسہ تعزیت (جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے) دارالحدیث میں منعقد ہوا تو مجھے وہ منظر اب تک یاد ہے کہ طلبہ اساتذہ اور اہل قصبہ کا پورا مجمع حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات پر گریہ و بکاء میں مصروف تھا اور خود حضرت (مولینا) عثمانی نے جب تقریر شروع فرمائی تو وہ بھی تحمل نہ فرما سکے اور فرط گریہ سے کچھ دیر کیلئے رک کے تقریر بند کرنی پڑی۔ پھر انہوں نے جلسہ کو خطاب فرمایا۔

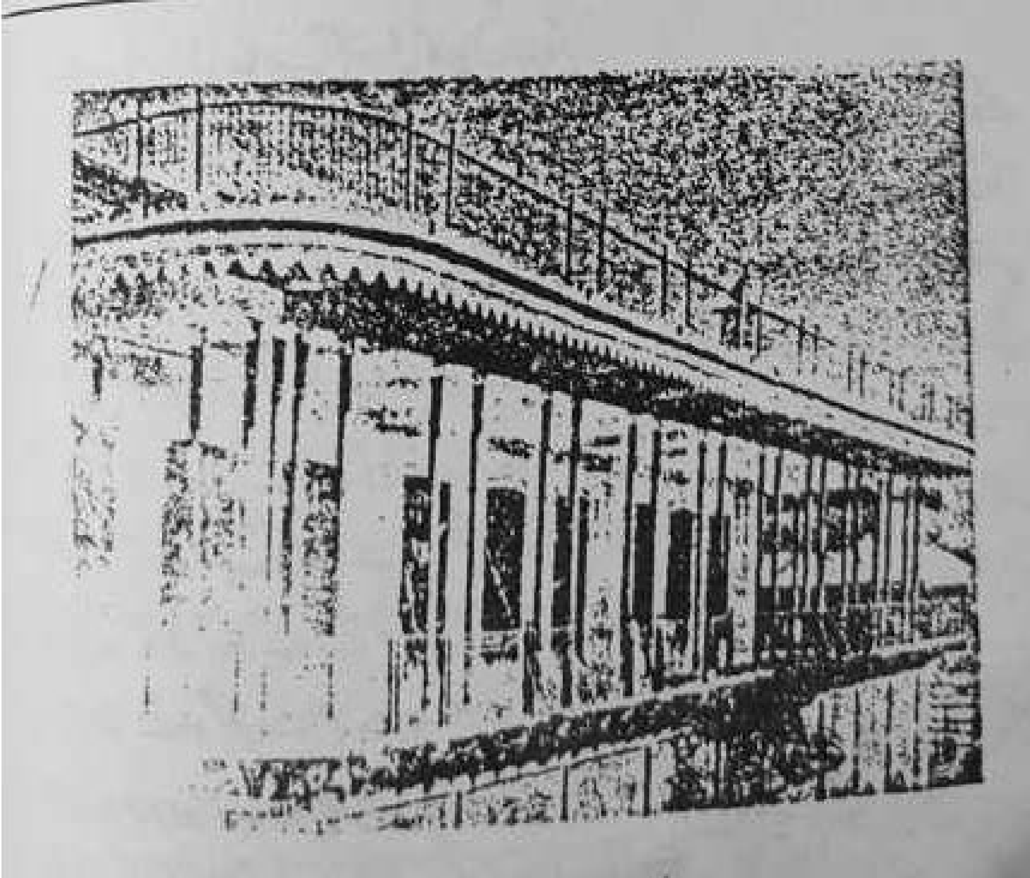
حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات سے تم لوگ یتیم نہیں ہوئے بلکہ ہم جیسے پڑھانے والے یتیم ہو گئے ہیں۔ کیونکہ تمہارے لئے تو خدا کے فضل سے ہم بھی کافی ہیں مگر جس سے ہم پڑھانے والے پڑھتے تھے وہ شخصیت ہم سے جدا ہو گئی ہے۔ (نطق انور ۹)

حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد حضرت مولینا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ڈابھیل میں علماء و طلباء کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے اپنے مشفق محترم حضرت شاہ صاحبؒ کے متعلق بلیغ انداز میں فرمایا کہ بھائی! میں تو اتنا جانتا ہوں کہ صحابہ کا قافلہ جا رہا تھا (اس میں سے) یہ پیچھے رہ گئے تھے۔





دار التفسیر: دار العلوم دیوبند



دار الحدیث، دار العلوم دیوبند

حضرت علامہ کشمیریؒ کی خواب گاہ

یہ خاک کی وہ ڈھیری ہے جس کے نیچے ایک گنج گراں مایہ پنہاں ہیں



حضرت شاہ صاحبؒ کے جدِ بزرگوار حضرت الشیخ بابا مسعود نروریؒ کی تربت

منظر میں سنگِ مزار کے سرہانے چراغ داں پھولوں کے جھنڈ میں سے سر اٹھائے کھڑا ہے

وادیٔ کشمیر میں صف ماتم:...... حضرت شاہ صاحبؒ کے انتقال پر سارے ملک کے علمی اور مذہبی حلقوں میں جو صف ماتم بچھ گئی تھی اس میں آپ کے اہل وطن پیش پیش تھے وادی کشمیر کے طول وعرض میں اس وقت ایسے بے شمار اہل علم موجود تھے۔ جو براہ راست یا بالواسطہ آپ کے علمی وروحانی فیوض سے بہرہ ور ہو چکے تھے اور آپ کی ذات کو اسلام کی دولت بے بہا یقین کرتے تھے سرینگر سوپور بارہ مولہ اور اسلام آباد کی مساجد ومعاہد میں دعائیہ مجالس اور فاتحہ خوانی کے حلقے منعقد ہوئے۔ کشمیر کے علماء وفضلاء اور مشاہیر ومقتدر شعراء نے سرینگر میں ایک ماتمی اجتماع کیا جہاں حضرت شاہ صاحبؒ کے فضائل ومناقب بیان کئے گئے اور آپ کے علوم وکمالات پر تقریریں ہوئیں اور مشہور شعراء خواجہ عبدالقادر صاحبؒ درویش، پیر عبدالقادر صاحب آثمؒ (ملارئی)، خواجہ محمد امین صاحبؒ داراب، سید مبارک شاہ گیلانی فطرت اور خواجہ سعد الدین سعد صاحب نقشبندیؒ وغیرھم نے نہایت عالمانہ مرثیے پڑھے (جن میں سے پیر عبدالقادر صاحب آثمؒ کا مرثیہ اس کتاب کے اگلے صفحات میں شامل ہے)

باپ کے آنسو:...... خطہ کشمیر کے باشندے حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات حسرت آیات پر نالاں وگریاں تھے ہی آپ کے اخوان واقرباء خصوصاً آپ کے پدر بزرگوار مولینا معظم شاہ صاحبؒ پر کیا گزری ہوگی اس کا اندازہ لگانا کچھ مشکل امر نہیں۔ آپ تو ''انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ'' کی تصویر بن کر رہ گئے ہونگے۔ حضرت معظم شاہ صاحبؒ پہلے بھی ایک جواں سال فاضل اور شاعر فرزند مولوی یسین شاہ کی وفات کا صدمہ برداشت کر چکے تھے اور اب علامہ انور شاہ جیسے ہمہ صفت موصوف اور علمی دنیا میں سورج کی طرح مشہور ومعروف لخت جگر کی جدائی نے انہیں جیتے جی ہی مار ڈالا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی رحلت کے موقعہ پر آپ کو اطراف واکناف سے بے شمار تعزیتی پیغامات موصول ہوئے۔ جامعہ اسلامیہ کے منتظمین نے بھی ایک تعزیت نامہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا تھا جس کے جواب میں مولینا معظم شاہ صاحبؒ نے ادارہ کو شکریہ کا ایک خط تحریر فرمایا جس میں دیگر باتوں کے علاوہ لکھا تھا کہ:

''میں ہمیشہ سے اس آرزو میں تھا کہ حضرت مرحوم میرا جنازہ پڑھائیں اور وقتاً فوقتاً فاتحہ سے یاد فرماتے رہیں گے افسوس کہ خاکسار کی یہ تمنا پوری نہ ہوسکی''۔

دہلی ولاہور کے تعزیتی جلسے:...... حضرت شاہ صاحبؒ دوشنبہ کو انتقال فرما گئے آنے والے جمعہ کو جامع مسجد دہلی میں مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہؒ (متوفی ۱۳۷۲ھ) کی صدارت میں ایک بہت بڑا تعزیتی جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں علماء وفضلاء کی ایک جماعت نے

حضرت شاہ صاحبؒ کو خراج عقیدت پیش کیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے شاہ صاحبؒ کی رحلت کو بے مثل ترین عالم ربانی کی وفات قرار دیا۔

دہلی کے اس جلسہ میں سحبان الہند مولینا احمد سعید صاحبؒ دہلویؒ (متوفی ۱۳۷۹ھ) نے شاہ صاحبؒ کی شان میں جو طویل اور بلیغ تقریر ارشاد فرمائی وہ اگلے صفحات میں من وعن مجموعہ ہذا کی زینت ہے یہاں صرف اس تقریر کا حسب ذیل اقتباس درج کرنا کافی ہوگا۔

"معزز حاضرین! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ نے دوشنبہ کی شام کو دیوبند کی خاک میں کسی انسان کو دفن نہیں کیا ہے بلکہ آپ نے ایک ایسے مکتبہ کو خاک میں ملایا ہے جس میں ہر فن کی بے شمار کتابیں الماریوں میں لگی ہوئی تھیں۔ آپ نے ایک ایسے کتب خانہ کو زمین کی تہہ میں چھپادیا ہے جس کی کتابیں احاطۂ احصاء وشمار سے خارج تھیں۔ ہائے مسلمانوں کی بدقسمتی، ہائے قوم کی حرماں نصیبی کیا چیز ان کے ہاتھ سے تلف ہوگئی"۔ (ماہنامہ دار العلوم دیوبند جولائی ۱۹۶۶ء)

لاہور کے تعزیتی جلسے میں حضرت علامہ اقبالؒ (متوفی ۱۹۳۸ء) نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"اسلام کی ادھر کی پانچ سو سالہ تاریخ شاہ صاحبؒ کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے"

(مقدمہ انوار الباری حصہ دوم ۲۴۵)

ہر طرف سے خراج عقیدت:...... فاتح قادیان حضرت مولینا ثناء اللہ امرتسری نور اللہ مرقدہ اس موقعہ پر اخبار اہلحدیث امرتسر میں حضرت شاہ صاحبؒ کا تذکرہ فرماتے ہوئے تحریر فرما چکے ہیں۔ بے نظیر عالم دین رخصت ہوگیا۔

دار المصنفین اعظم گڑھ کے ترجمان رسالہ معارف جون ۱۹۳۳ء کے شذرات میں اپنے درد دل کا اظہار فرماتے ہوئے حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ یوں رقمطراز ہیں۔

"دین ودانش کا مہر انور ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کی صبح کو دیوبند کی خاک میں ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا...... مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے۔ ان کی مثال اس سمندر کی سی ہے جس کی اوپر کی سطح ساکن لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گران قدر خزانوں سے معمور ہوتی ہے"۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے جلسہ تعزیت میں تقریر کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ کی رحلت کو حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ تقی الدین اور سلطان العلماء کا انتقال قرار دیا۔

مزارِ پُر انوار:

برمزار ما غریبان نے چراغ و نے گلے
نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

اس شعر میں شاعر نے مزار کی جس سادگی اور درس فنائیت کا نقشہ پیش کیا ہے وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے مزار پر انوار پر صادق آتا ہے کیونکہ دیوبند کے دیگر اکابر علماء وصلحاء کے مقابر کی طرح حضرت شاہ صاحبؒ کی تربت شریف کو بھی شریعت اسلامیہ کی ہدایت کے مطابق رکھا گیا ہے تاکہ **لا تجعلو قبری صنما** کی عملی تعمیل کا زندہ نمونہ سبق آموز رہے۔

سرزمین کشمیر کا یہ مایہ ناز فرزند اور علم وعمل کا یہ پیکر عظیم سرزمین دیوبند کے عیدگاہ سے متصل محو استراحت ہے۔ آپ کی تربت مخزن قربت بالکل کچی ہے۔ اس کا نہ کوئی پختہ چبوترہ ہے اور نہ اس پر کوئی قبہ اور گنبد ہے۔ اگر ایک طرف کو بعد کے زمانے میں نصب کئے کتبے سے رہنمائی نہ ملے تو پتہ بھی نہ چلے کہ شاہ صاحبؒ کہاں پر آرام فرمائیں۔ اللہ اللہ اس سادگی پر ہزار بناؤ قربان کئے جاسکتے ہیں۔ ظاہر بینوں کو وہاں کیا ملے گا البتہ اہل دل اور اصحاب دانش وبینش کے لئے وہاں ہر وقت انوار وتجلیات کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ اور ارادتمند برابر فاتحہ کے پھول چڑھاتے رہتے ہیں۔

دیوبند میں وقتاً فوقتاً دنیائے اسلام کی برگزیدہ ہستیاں وارد ہوتی ہیں۔ ان میں سے اہل ذوق حضرت شاہ صاحبؒ اور دیوبند کے دیگر اکابر بزرگان ملت کے مقابر پر حاضری اور فاتحہ خوانی کے بغیر سیر دیوبند کو ادھورا تصور کرتے ہیں یہ صاحب قبر حضرت شاہ صاحبؒ کی بلند وبالا شخصیت کا کرشمہ ہے کہ ظاہری اور رسمی دھوم دھام نہ ہوتے ہوئے بھی آپ کی قبر شریف یزار ویتبرک بہ کا نمونہ ہے۔

ایک حالیہ واقعہ:...... مجموعہ ہذا ابھی زیر ترتیب ہی تھا کہ ۲۴ اپریل ۱۹۷۶ء کو صدر جمہوریہ ہند جناب فخر الدین علی احمد صاحبؒ دیوبند تشریف فرما ہوئے اخبارات میں چھپا کہ آپ پورے سرکاری لوازمات کے ساتھ اکابرین دیوبند حضرت مولینا محمد قاسم نانوتوی، شیخ الہند حضرت مولینا محمود الحسنؒ حضرت مولینا سید حسین احمد مدنی اور حضرت مولینا انور شاہ کشمیری (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کے مقابر پر ایصال ثواب کے لئے تشریف لے گئے۔

مرقد انور پر فاتحہ خوانی کے موقعہ پر صدر جلیل القدر کے ہمراہ حضرت شاہ صاحبؒ کے فرزندان کرام کے علاوہ مولینا اسعد مدنی (صدر جمعیۃ العلماء ہند) مولینا حامد الانصاری غازی (ممبر مجلس شوری دار العلوم دیوبند) جناب محمد عثمان (چیئرمین میونسپل بورڈ دیوبند) شری نرائن دت تیواری

(وزیرِ اعلیٰ یوپی) ڈاکٹر چنا ریڈی (گورنر یوپی) اور دیگر عمائدین وزعماء بھی تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا کنبہ

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے اکابر واقرباء میں مشائخ وعلماء اور رجال مشہور کی اتنی کثرت ہے کہ ان سب کو سمیٹنے کے لئے ایک الگ مجلد میں حضرت شاہ صاحبؒ کے جدامجد آپ کے خاندان اور کشمیر کے ہزاروں مسعودیوں کے جداعلیٰ حضرت الشیخ بابا مسعود نوریؒ کا مختصر تذکرہ شامل کردیں اور آپ کی اولاد کی مختلف شاخوں میں سے جو حضرات علمی اور عملی کمالات میں مشاہیر ہوگزرے ہیں ان کے حالات کی تھوڑی سی جھلک اس ضمن میں شامل کتاب کردیں حضرت شاہ صاحبؒ کے بزرگوار دادا صاحبؒ قاضی شاہ عبدالکریم کا تذکرہ بھی اسی تتمہ میں ہی آئے گا۔ البتہ آپ کے والد ماجد مولینا محمد معظم شاہ صاحبؒ کا تذکرہ جو قدرے تفصیل کا متقاضی ہے شاہ صاحبؒ کے اقرباء واولاد کے تذکرے کے ساتھ ساتھ کردینا برمحل محسوس ہوتا ہے۔

والد ماجد:...... کتاب ہذا کے مختلف ابواب وفصول میں شاہ صاحبؒ کے والد گرامی کا جو حال بیان ہوا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مولوی پیر محمد معظم شاہ صاحبؒ، قاضی شاہ عبدالکبیر صاحبؒ کے چھ فرزندوں میں سے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ آپ قریباً ۱۲۵۰ھ میں یا اس سے بھی کچھ قبل وادی نیلم کے ایک گاؤں کوٹن میں پیدا ہوئے۔ ابھی دو سال کو بھی نہ پہنچے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا خاندانی روایات میں ہے کہ وفات کے وقت باپ نے اس ننھی سی جان کو اپنے سینے سے چمٹا کر دیر تک آنکھیں بند رکھیں اور نہ جانے کیا کیا دعائیں دیتے رہے اپنے دوسرے بہن بھائیوں کی طرح چھوٹے معظم کی پرورش بھی موضع لوات میں اپنے قریبی رشتہ داروں نے کی۔ ابتدائی تعلیم بھی لوات ہی میں حاصل کی اور اپنے قبیلہ کے دستور کے مطابق اونچی تعلیم کے لئے ضلع ہزارہ کے عربی مدارس میں جا کر داخل ہوگئے۔ وہاں کے نصاب کی تکمیل کے بعد واپس لوات آگئے۔ موضع دودھوان (کپواڑہ) کے پیر سیف اللہ شاہ کی دختر سے شادی کی اور اہلیہ محترمہ کو بھی لوات لے گئے اور صاحبؒ اولاد ہو جانے کے بعد بھی مزید برسوں تک لوات میں مقیم رہے مگر چونکہ اپنا اور بیوی صاحبہ دونوں کے اجداد کا وطن لولاب تھا اس لئے صاحبؒ عیال ہو جانے کے بعد آپ نے وادی نیلم کو ترک کر کے وادی لولاب میں منتقل ہونے کا عزم کر لیا اور کچھ اپنی کوششوں سے اور کچھ اپنے سسرال والوں کی مساعی جمیلہ سے قریباً ۱۳۰۰ھ میں لولاب کے موضع ورنو میں وہ گھر بنالیا جو اب قریباً ایک سو سال سے، پہلے آپ کا اور اب آپ کی ذریات کا مسکن چلا آرہا ہے۔ جب

آپ وادی نیلم میں تھے تب بھی اور لولاب سے چلے آنے پر بھی تبلیغ دین، وعظ وتذکیر، فتوی نویسی اور تعلیم وتدریس کے ساتھ پیری مریدی کے لوازمات کی انجام دہی آپ کا محبوب مشغلہ حیات رہا۔ اس زمانہ میں ڈوگرہ حکومت عوام کی بیداری کو اپنے وجود کے لئے خطرناک تصور کرتی تھی اور اس نے ہر قسم کی تقریر اور عوام سے خطاب کی ممانعت کر رکھی تھی بڑی مشکل سے صرف چند ایک ایسے علماء ہی دین کی تبلیغ کر سکتے تھے جن کے پاس حکومت کا تحریری اجازت نامہ ہوتا ہے اس لئے مولینا معظم صاحبؒ نے بھی مہاراجہ رنبیر سنگھ سے اجازت وعظ خوانی حاصل کر رکھا تھا۔ اور پولیس کی مداخلت کے بغیر کھلے بندوں تبلیغ اسلام کا فرض انجام دیتے تھے۔ ان مشاغل سے بچے ہوئے اوقات کو آپ گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر ذکر الٰہی میں صرف کرتے تھے آپ کی عبادت وریاضت اور تہجد کی پابندی ضرب المثل تھی۔ کشمیر کے اہل علم کے ہاں آپ کا شمار دانشمندان وقت میں ہوتا تھا آپ فارسی زبان کی نثر میں صاحب طرز محرر اور علم میں قادر الکلام شاعر تھے۔ طویل عمر کے ساتھ ساتھ آپ قابل رشک صحت کے مالک تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد درد تنہائی سے تنگ آ کر جب آپ نے دوسرا نکاح کیا تو اس وقت آپکی عمر نوے سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔ اس عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساتواں فرزند عطا کیا جو بحمد اللہ ابھی تک بقید حیات ہے۔ مولینا معظم صاحبؒ کو دو قابل ترین فرزندوں مولوی یسین شاہ اور حضرت شاہ صاحبؒ کی قبل از وقت وفات کے صدمات برداشت کرنے پڑے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے انتقال کے بعد آپ مزید کوئی آٹھ نو سال زندہ رہ کر ایک سو دس سال کی عمر پا کر انتقال کر گئے اور اپنی مسجد کے مشرق کی طرف بلند ٹیلے پر مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ وبرد مضجعہ۔

الاخوان:...... حضرت شاہ صاحبؒ کے والد ماجد مولینا معظم صاحبؒ کے سات صاحبزادے اور پانچ صاحبؒ زادیاں تھیں۔ صاحبؒ زادوں کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولینا یٰسین شاہ، حضرت مولینا محمد انور شاہ، مولینا عبد اللہ شاہ، مولینا سلیمان شاہ، پیر محمد نظام الدین شاہ، مولینا سیف اللہ شاہ اور پیر محمد شاہ

مولینا معظم صاحبؒ کے ان سات فرزندوں میں سے پہلے چھ صاحبؒ انتقال کر گئے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم، والدین کی حسن تربیت، تعلیم اور دعاؤں کی برکت سے یہ بھائی چندے آفتاب وچندے مہتاب تھے اپنی صورت وسیرت اور سلیقہ ہر صفت میں ابنائے زمانہ سے ممتاز تھے۔ دار العلوم دیوبند سے علوم کی تکمیل حضرت شاہ صاحبؒ کے سوا صرف مرحوم مولینا سیف اللہ شاہ نے کی تھی۔ مگر دیکھنے اور برتنے میں ان میں سے ہر ایک عالم دین ثابت ہوتا تھا۔

(۱) مولینا یٰسین شاہ: عمر میں سب سے بڑے تھے بڑے ذکی، فہیم، عالم اور شاعر تھے۔
۱۳۲۰ھ ۱۹۰۰ء میں جبکہ آپ صرف ۲۳ سال کے تھے۔ ان کا اچانک انتقال ہو گیا اور اپنے پیچھے کوئی اولاد بھی نہ چھوڑی۔ حضرت شاہ صاحبؒ ان دنوں مدرسہ امینیہ دہلی میں صدر مدرس تھے اس حادثہ جانکاہ کی وجہ سے کشمیر آ کر مدت تک غمزدہ والدین کی تسکین قلب کے لئے ٹھہرے رہے۔

(۲) خود صاحب تذکرہ۔ حضرت شاہ صاحبؒ

(۳) مولینا عبداللہ شاہ: حضرت معظم صاحبؒ نے اپنی جدت پسندی کی وجہ سے آپ کا پہلا نام بسم اللہ شاہ رکھا تھا مگر جوان ہو کر حضرت شاہ صاحبؒ کے مشورے سے آپ عبداللہ شاہ کے نام سے موسوم ہوئے آپ بھی انتہائی ذہین تھے اور اپنے وقت کے ممتاز ترین طبیب حاذق تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دست شفا ارزانی کر رکھا تھا۔ آپ صرف نبض سے (بلکہ اکثر و بیشتر نظر ہی سے) مرض کی جو تشخیص کرتے وہ ہو بہو ایکسرے (XRAY) کے مطابق ہوتی تھی ان کی غیر معمولی ذہانت اور تشخیص امراض آج بھی ضلع بارہ مولہ میں زبان زد خاص و عام ہے اور عجب تر آنکہ طب یونانی کی تعلیم و تربیت آپ نے باضابطہ کسی سے بھی نہیں لی تھی، جو کچھ بھی نہ تھا ذاتی اور تفریح مطالعہ پر مبنی تھا۔ **ذلك فضل الله یوتیه من یشاء۔**

آپ فارسی زبان کے شاعر بھی تھے بعض شرعی مسائل کو نظم کیا تھا۔ طبابت سے بچا ہوا وقت خدا تعالیٰ کی یاد اور گوشہ نشینی میں بسر کرتے تھے۔ آپ کے اکلوتے فرزند پیر محمد سعید شاہ صاحب علم و عمل اور طباعت غرضیکہ ہر کام میں آپ کے مکمل جانشین ہیں۔ اور بقید حیات ہیں۔

(۴و۶) مولینا سلیمان شاہ اور مولینا سیف اللہ شاہ: مولینا سلیمان شاہ کو عربی، فارسی اور اردو زبانوں پر خاص دسترس تھی آپ نے اور مولینا سیف اللہ شاہ نے تحریک آزادی کشمیر کے اولین دور میں عوام کو بیدار کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔ ۱۹۳۱ء میں سرینگر سے سیاسی تحریک کا جو نعرہ بلند ہوا اس سے دیہاتی علاقے ابتداء میں کم سے کم متاثر ہوئے لیکن کامراج لولات اور ہندواڑہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے برادران مولینا سلیمان شاہ و مولینا سیف اللہ شاہ صاحبؒ جب میدان عمل میں نکل آئے تو تحریک نے بے پناہ ہنگامے کی صورت اختیار کر لی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ان علاقوں میں ان حضرات کا ذکر اور عقیدت پہلے سے موجود تھی اس لئے ان کی زبان سے نئی تحریک کو عوام نے پورے اعتماد اور جوش کے ساتھ یک دم قبول کر لیا۔ حکومت نے لوگوں پر سخت تشدد کیا۔ پولیس نے ہندوارہ میں نماز جماعہ پڑھکر نکلتے ہوئے ہجوم پر گولیاں چلائیں جس سے درجنوں شہید ہوئے اور زخمیوں کا شمار ہی نہیں مولینا سلیمان شاہ، مولینا سیف اللہ شاہ اور ان کے

رفیق حاجی عبدالغفار، مفتی محمد شاہ تارت پوری ماسٹر غلام حسن مخدومی، خواجہ ختہ لون و ہندواری اور غلام قادر وغیرہ کو تو طویل قید و بند اور بڑے بڑے جرمانوں کی سزائیں دی گئیں۔

یہ ماہ جنوری اور فروری ۱۹۳۲ء کے واقعات ہیں کہ جب کشمیر کی ڈوگرہ حکومت نے علاقہ ہندوارہ میں فوج بھیج کر مولینا سیف اللہ شاہ اور سلیمان شاہ کو گرفتار کیا۔ اور الزام یہ لگایا کہ ان دونوں بھائیوں نے کامراج میں اپنی حکومت قائم کر کے مولینا سیف اللہ شاہ کو حاکم اعلیٰ اور سلیمان شاہ کو چیف جسٹس بنا رکھا ہے۔ فوج نے دہشت گردی کے بعد دونوں کو گرفتار کر کے پولیس کے ہاتھوں، بہت سی تکالیف کا ہدف بنانے کے بعد کئی دنوں تک برف اور کیچڑ بھرے راستوں سے پیدل چل کر سنٹرل جیل سرینگر پہنچا کر بند کر دیا۔ یہ سزائیں دونوں بزرگوں نہایت محبت استقلال اور خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیں بزمانہ اسارت جیل کے سینکڑوں قیدیوں کو ان کے علمی اور روحانی فیوض حاصل ہوتے رہے۔ رہائی کے بعد بھی عوامی تحریک میں دونوں بھائیوں کا رول بہت نمایاں رہا۔ مسلم کانفرنس قائم کرنے میں بھی دونوں بھائی دوسرے سیاسی رہنماؤں کے دوش بدوش رہے۔ اپنے والد ماجد مولینا معظم صاحب ؒ کی وفات کے چند سال بعد مولینا سلیمان شاہ انتقال کر گئے۔ آپ کے چار فرزند ہیں (۱) مولینا عزیز الدین شاہ (۲) مولوی احمد سعید شاہ (۳) مولوی عبدالرشید شاہ اور (۴) مولوی عبدالمجید شاہ چاروں نے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی ہے خاص کر مولوی عبدالمجید شاہ نے کشمیر یونیورسٹی سے عربی زبان میں مولوی فاضل کی ڈگری حاصل کی ہے اور اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح کشمیر کے محکمہ تعلیم میں خدمات انجام دیتے ہیں۔

مولینا سیف اللہ شاہ کے سیاسی کارناموں کا تذکرہ اوپر آچکا آپ اپنے علم و عمل کے لئے بھی مرجع عام تھے آپ فاضل دیو بند، حضرت شاہ صاحب ؒ کے شاگرد اور دار العلوم دیو بند میں میر واعظ مولینا محمد یوسف شاہ صاحب ؒ مرحوم کے ہمدرس تھے دنوں نے ایک ہی سال سندات حاصل کی تھیں لولاب اور ملحقہ علاقوں میں آپ کے عقیدت مندوں کا دائرہ، بہت وسیع تھا۔ ۱۲۷ کتوبر ۱۹۷۴ء کو آپ وفات پاگئے۔ آپ نے دو فرزند پیچھے چھوڑے ہیں۔ آپ کے بڑے فرزند پیر شریف الدین صاحب ؒ ہیں۔

(۷) پیر محمد شاہ: آپ حضرت شاہ صاحب ؒ کے سب سے چھوٹے بھائی ہیں آپ نے ورنو کو چھوڑ کر درگمولہ (کپواڑہ) میں سکونت اختیار کر لی ہے۔ اور تجارت کا شغل اختیار کر رکھا ہے۔

اولاد نا اکبار نا: بس..... حضرت شاہ صاحب ؒ کی اولاد ذکور و اناث کل پانچ تھے۔ تین صاحب ؒ زادے اور دو صاحب ؒ زادیاں۔ ان سب سے بڑی صاحب ؒ زادی عابدہ خاتون تھیں۔ یہ اور منجھلے صاحب ؒ زادے محمد اکبر شاہ دونوں حضرت شاہ صاحب ؒ کی وفات کے بعد جلد ہی انتقال

کر گئے۔ اور صرف دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی زندہ رہے۔ جو اب تک خدا سلامت رکھے زندہ ہیں۔

یہ ہیں: (۱) مولینا حافظ محمد ازہر شاہ قیصر (۲) مولینا محمد انظر شاہ (۳) محترمہ راشدہ خاتون۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے وقت یہ تینوں نوعمر اور نابالغ تھے، سوجھ بوجھ اور رشد کی عمر کو ابھی کوئی نہ پہنچا تھا۔ اور نہ ہی کسی کی تعلیم آپ کے سامنے کسی قابل لحاظ درجے تک پہنچ پائی تھی۔

مولینا حافظ محمد ازہر شاہ قیصر:...... آپ حضرت شاہ صاحبؒ کے بڑے فرزند ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے وقت آپ کم سن تھے۔ یتیمانہ حالات ومشکلات کو ہمت سے برداشت کرتے ہوئے آپ نے عربی اور فارسی کی تعلیم ذاتی مطالعہ سے حاصل کی ہے۔ ظاہر ہے کہ ناموافق کوائف کی وجہ سے آپ کسی قاعدے اور ڈھنگ سے تعلیم کی تکمیل تو نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم موروثی ذہانت وفطانت اور اپنے مطالعہ اور محنت سے اتنی عمدہ قابلیت حاصل کر لی ہے کہ ایک وسیع النظر عالم کی حیثیت میں علوم ضروریہ کی کتب زبان ہائے عربی اور فارسی وغیرہ سے پورا استفادہ کر سکتے ہیں اردو زبان جو آپ کو مادری دولت ہے اس کے نظم ونثر کے ساتھ اور اس کے ادب اور صحافت کے ساتھ آپ کو غیر معمولی اور فطری لگاؤ ہے۔ گزشتہ چالیس سال سے آپ کا رہوار قلم اس میدان میں جولانیاں دکھاتا رہا ہے ابتداء میں اخبار انور دیوبند اخبار استقلال دیوبند، رسالہ خالد دیوبند، اخبار صداقت سہارن پور، اخبار زمیندار لاہور اور اخبار شہباز لاہور کے صفحات آپ کے رشحات قلم کے لئے وقف رہا کرتے تھے۔ تقسیم ہند سے پہلے کے زمانے میں آپ کے جو بے شمار ادبی اور سیاسی مضامین برصغیر کے مشہور اخبارات اور اونچے معیار کے جرائد ورسائل میں چھپتے رہے وہ اگر جمع کیے جائیں تو کئی ضخیم جلدیں مرتب ہو سکتی ہیں

ادارت جریدۂ دار العلوم:...... تقسیم ملک کے بعد آپ دار العلوم دیوبند کے ترجمان خاص ماہنامہ دار العلوم کی ادارت کی ذمہ داریاں انجام دے رہے ہیں۔ گزشتہ ایک ربع صدی سے رسالہ دار العلوم کی ادارت کے گرانبار فرائض کامیابی سے سرانجام دینے کے علاوہ آپ تصنیف وتالیف کے شغل سے بھی غافل نہیں ہیں۔ مزمن علیل اور عدیم الفرصت ہونے کے باوجود کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہتے ہیں۔ کتاب حیات انور تو آپ کی بہت پرانی تالیفات میں سے ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حالات میں صدیق اکبر نام سے بھی آپ کی ایک چھوٹی سی کتاب ہے اور آپ کی ایک تازہ تصنیف یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ تھوڑی مدت پہلے شائع ہوئی ہے جو اپنی نوعیت

کی خاص چیز ہے ان کتابوں کے علاوہ بھی اور بہت سی گرانقدر تخلیقات غیر مرتب وغیر مکمل ہیں، جو اپنی اشاعت کے لئے موافق حالات اور آپ کی فرصت کی منتظر ہیں۔

مولینا ازہر صاحبؒ نے یکے بعد دیگرے دو نکاح کئے تھے دونوں سے آپ کو خدا نے بابرکت اولاد عطا فرمائی ہے۔ آپ کے چار فرزند اور تین صاحبؒ زادیاں ہیں۔ صاحبؒ زادوں کے نام یہ ہیں: محمد اطہر، محمد راحت، محمد نسیم اور محمد وجاہت۔

مولینا محمد انظر شاہ صاحبؒ:...... آپ اس وقت دار العلوم کے اساتذہ میں سے ایک اہم مدرس اور اس کے ناظم تعلیم ہیں۔ آپ نے دار العلوم دیوبند سے ہی علوم کی تکمیل کی ہے اور دور بیچ کی صبر آزما ابتلا و آزمائشوں سے گزر کر اپنی شخصیت کو نکھارا ہے۔ آپ آج کل دار العلوم دیوبند میں اپنی خداداد صلاحیتوں کے صدقے میں طبقہ اعلیٰ کے اساتذہ کی صف میں شمار ہوتے ہیں۔ فنون حدیث اور تفسیر کے لائق مدرس اور کامیاب مقرر ہونے کے علاوہ آپ دار العلوم کے موجودہ اساتذہ میں ایک فاضل محقق و مصنف مانے جاتے ہیں آپ کی کئی کتابیں منصۂ شہود پر آ کر مقبول ہو چکی ہیں۔ جن میں تذکرۃ الاعزاز اور شرح اسماء حسنیٰ آپ کی ابتدائی مشق کی چیزیں تھیں۔ اب آپ کا تفسیر ابن کثیر پر ایک بسیط حاشیہ بھی منظر عام پر آیا ہے جو آپ کا علمی کارنامہ ہے۔ آپ علم و عمل کی ترقی کے راستہ پر جس رفتار سے گامزن ہیں اس کو دیکھ کر امید ہے کہ وقت آنے پر آپ اپنے فقید النظیر والد کے قدم بقدم جادو پیما دکھائی دیں گے اور اس مقولہ کے مصداق ثابت ہوں گے۔

اذا مات مناسیّد قام سید

قئولماقال الکرام فعول

مولینا انظر شاہ صاحبؒ کی اولاد میں سے صاحبزادہ صرف ایک احمد میاں ہیں اور پانچ صاحبؒ زادیاں ہیں۔

خانوادۂ مولینا سید احمد رضا بجنوری:...... حضرت شاہ صاحبؒ کی سب سے چھوٹی صاحبؒ زادی محترمہ راشدہ خاتون جو حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے وقت بہت چھوٹی اور نو عمر تھیں اور جن کو صحیح تعلیم اور بہترین پرورش عطا کرنے میں حضرت شاہ صاحبؒ کی زوجہ محترمہ نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ فرمایا۔ جب شادی کی عمر کو پہنچیں تو حضرت شاہ صاحبؒ کے تلامذہ میں سے ایک فاضل ہستی مولینا سید احمد رضا صاحبؒ بجنوری کے ساتھ آپ کا رشتہ طے ہوا۔ شاہ صاحبؒ کے رفیق اعظم علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے خطبۂ نکاح پڑھا۔

مولینا سید احمد رضا صاحب موصوف مشہور اہل قلم اور حضرت شاہ صاحبؒ کے لائق وفائق تلامذہ میں سے ہیں اور آپ صحیح البخاری کی مفصل شرح انوار الباری کے مصنف ہیں جس کی ۱۳ جلدیں چھپ چکی ہیں۔

اخلاف و نبائر:......مولینا سید احمد رضا صاحبؒ سے علیا حضرت راشدہ خاتون صاحبہ کے ہاں پانچ فرزند محمد ارشد رضا، محمد اسعد رضا، محمد امجد رضا، محمد اسجد رضا، محمد اعبد رضا اور چار بچیاں ہیں۔

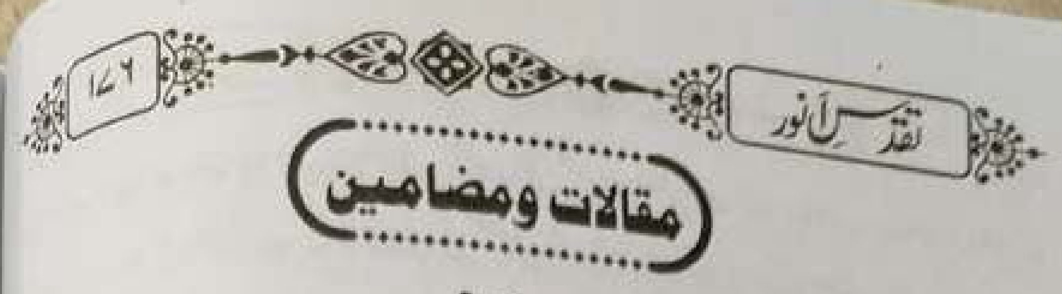
صورت و سیرت اور ذہانت و فطانت میں یہ سب لوگ حضرت شاہ صاحبؒ کی خصوصیات کے وارث ہیں خاص کر بڑے فرزند مولوی محمد ارشد رضا جو فاضل دیو بند ہو جانے کے بعد حجاز چلے گئے اور مدینہ طیبہ کی زمانہ حال میں قائم شدہ عدیم النظیر اسلامی یونیورسٹی جامعہ ازہر سے بھی تکمیل کی سند حاصل کی۔

دیو بند، مدینہ منورہ اور الازہر قاہرہ کے گلستان ہائے علوم کے رنگا رنگ پھولوں سے اپنا دامن بھر لینے کے بعد مولانا محمد انور شاہ کشمیری کے علوم و فیوض کے چشمے اگر مولوی ارشد رضا کے دہان سے بہنے لگ جائیں تو عین تقاضا فطرت ہوگا نہ کہ مقام حیرت یہی وجہ ہے کہ علمی حلقوں میں اب آپ کی ذات سے بڑی امیدیں وابستہ ہو رہی ہیں۔

آپ کے باقی برادران بھی اپنی ذہانت کے لحاظ سے مستقبل کے چمکتے ہوئے ستارے دکھائی دیتے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

"این خانہ ہمہ آفتابست"





مقالات ومضامین

نُورُ الانور

استاذ الامام محمد انور شاہ الکشمیری نوراللہ ضریحہ

از حکیم الاسلام حضرت مولینا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی مہتمم دار العلوم

حضرت مولینا قاری محمد طیب صاحبؒ حضرت مولینا حافظ محمد احمد صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولینا محمد قاسم نانوتویؒ کے پوتے ہیں۔ آپ کا سال ولادت ۱۳۱۵ھ ہے۔ ۱۳۲۲ھ میں آپ دار العلوم کے ابتدائی درجات میں داخل ہوئے اور پندرہ سال میں دار العلوم میں پڑھائے جانے والے تمام علوم کی تکمیل کر کے ۱۳۳۷ھ میں سند فضیلت حاصل کر لی تکمیل تعلیم کے بعد عملی زندگی کا آغاز دار العلوم میں بحیثیت ایک مدرس کے کیا۔ ۱۳۴۳ھ میں اس عظیم ادارہ کے نائب مہتمم کے منصب پر فائز ہوئے اور اپنے پیشرو مہتمم مولینا حبیب الرحمٰن صاحبؒ عثمانی کی وفات کے بعد ۱۳۴۸ھ میں دار العلوم کے اہتمام کی تمام ذمہ داریاں آپ کے کاندھوں پر آ گئیں، جو قریباً نصف صدی سے آپ کامیابی سے انجام دے رہے ہیں۔ یوں تو دار العلوم دیوبند نے بڑے بڑے ثقہ بزرگوں کو مہتمم کی مسند پر رونق افروز دیکھا ہے۔ حاجی سید محمد عابد صاحبؒ، مولینا رفیع الدین صاحبؒ، حاجی سید فضل حق صاحبؒ مولینا محمد منیر صاحبؒ، مولینا حافظ محمد احمد صاحبؒ اور مولینا حبیب الرحمٰن صاحبؒ (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) سب کے سب اپنے اپنے وقت میں دار العلوم کے عظیم معماروں میں سے تھے لیکن جو ترقی دار العلوم کو مولینا قاری محمد طیب صاحبؒ کے زمانہ اہتمام میں نصیب ہوئی ہے۔ اس سے پہلے دور میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ طیبی دور اہتمام میں دار العلوم نے ترقی کی جو منازل طے کی ہیں انکا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ جب حضرت قاری صاحبؒ نے اہتمام کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لی تو دار العلوم کا سالانہ میزانیہ مداخل ومصارف پچاس ہزار روپے سے زیادہ نہ تھا مگر آج وہی سالانہ بجٹ ۲۷ لاکھ روپے سے متجاوز ہو چکا ہے۔ دار العلوم میں اساتذہ اور طلباء کی تعداد بھی آپ کے دور میں دوگنی سے زیادہ ہو گئی ہے۔ اور دار العلوم کی بہت سی عالیشان تعمیرات بھی اس دور میں بن کر تیار ہوئی ہیں جن پر لاکھوں روپیہ کے اخراجات آئے ہیں مدرسے کے نصاب تعلیم کتب خانہ اور دوسرے شعبوں میں بھی ترقی کی بہت سی

منزلیں طے ہوئی ہیں حالانکہ قاری صاحبؒ کے اہتمام کا دور مشکلات سے بھرا ہوا دور تھا۔ اس میں
ملک تقسیم ہوا جس سے وہ صوبے جو دارالعلوم کے لئے مالی امداد کا کھیت تھے جدا ہو گئے ہندوستان
میں جو مسلم آبادی بچ رہی ہے ملک کی تقسیم کا غصہ اس پر اتارا جاتا رہا اور ماحول میں امن وسلامتی کے
فقدان کی وجہ سے اس کی معاشی مشکلات بجائے خود ایک مسئلہ بن گئیں فرقہ ورانہ تعصبات کی طوفانی
آندھیاں اٹھیں جن کے اثر سے دارالعلوم کا گلشن بھی مرجھاتے مرجھاتے مشکل سے ہی بچتا رہا لیکن
قاری محمد طیب صاحبؒ کا پختہ عزم صبر وتوکل مقصد عظیم کے لئے بے پناہ ایثار وقربانی اور اس پر
مستزاد حسن تدبیر اور بے پایاں خلوص ایک ایسا بادبان ثابت ہوا جس کے سہارے الحمدللہ دارالعلوم
کا سفینہ منزل بمنزل ساحل مراد کی طرف جادہ پیما ہے۔

سفینہ برگِ گل بنالے گا قافلہ مور ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہوگا

آپ کی مساعی کا تازہ قدم یہ ہے کہ آپ ۱۹۷۸ء میں دارالعلوم کے قیام کی یک صد و چہاردہ
سالہ تقریب منا رہے ہیں جو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس ادارہ کو ظاہری وباطنی ہر
لحاظ سے بام عروج پر پہنچانے کا موجب ثابت ہوگی۔ وما ذلك على الله بعزيز.

حضرت قاری صاحبؒ ادارہ دارالعلوم کی امداد واعانت کے حصول اور اس سے بھی زیادہ اسلام
کی تبلیغ واشاعت اور سربلندی کے لئے لازمی آرام تک ترک کر کے اپنی صحت سے بے پرواہ ہو کر دور
دراز ملکوں کے سفر پر جاتے ہیں یورپ عربستان، افریقہ، افغانستان اور پاکستان ہر جگہ پہنچتے ہیں۔
ہندوستان کے اندر تو آپ سال کا اکثر حصہ دورے پر ہی رہتے ہیں جنوب سے شمال تک اور مشرق
سے مغرب تک آپ کی تگ ودو پیہم رہتی ہے مسلمانوں کے پرسنل لا کے تحفظ کی مہم نے آپ کے
لئے آرام وسکون اور بھی مشکل کر ڈالا ہے مگر یہ آپ کی قوت ایمانی اور اولوالعزمانہ محبت ہے جس کی
وجہ سے ضعف وپیری اور بدنی نحافت پر آپ غلبہ حاصل کر کے چلے جا رہے ہیں۔

ہوا ہو گو تند وتیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

مولانا طیب صاحبؒ قریباً ڈیڑھ سو کتابوں کے مصنف ہیں۔ چند ایک کے نام یہ ہیں۔
(۱)۔ التشبہ فی الاسلام۔ (۲)۔ مشاہیر امت۔ (۳)۔ کلمات طیبات۔ (۴)۔ اطیب الثمر
فی مسئلۃ القضاء والقدر۔ (۵)۔ سائنس اور اسلام۔ (۶)۔ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام۔ (۷)۔
مسئلہ زبان اور ہندوستان۔ (۸)۔ دین وسیاست۔ (۹)۔ اسباب عروج وزوال اقوام۔ (۱۰)۔

اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام۔ (۱۱)۔ الاجتہاد والتقلید۔ (۱۲)۔ اصول دعوت اسلام۔ (۱۳)۔ اسلامی مساوات۔ (۱۴)۔ تفسیر سورہ فیل۔ (۱۵)۔ فطری حکومت۔

اور اسی قسم کے دیگر موضوعات پر آپ کے قلم نے اپنی جولانیاں دکھائی ہیں اور دور حاضر کی تشکیکات وتلبیسات کے شافی اور کافی جوابات فراہم کر دیئے ہیں۔ آپ کا انداز امام غزالی کا سا ہے۔ جس موضوع پر قلم اٹھاتے عقلی اور نقلی دلائل کا انبار لگا دیتے ہیں۔

مولینا طیب صاحب کو شعروسخن سے بھی مناسبت ہے عرفان عاف کے نام سے آپ کا ایک مجموعہ کلام بھی منصۂ شہود پر آیا ہے، مگر آپ کی مصروفیات میں سخن وری کی فرصت کہاں اور یوں بھی آپ کا پایہ شعروشاعری کی دنیا سے بہت بلند ہے اور آپ حضرات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کے مصداق ہیں۔

ولولا الشعر بالعلماء یدری
لکنت الیوم اشعر من لبید

(اگر شاعری علماء کی شان سے پست درجے کی چیز نہ ہوتی تو میں آج لبید سے بڑھکر شاعر ہوتا)

مولینا قاری طیب حضرت شاہ صاحب کے ارشد واخص تلامذہ میں سے ہیں۔ آپ کو مولینا انور کشمیری کے ساتھ وہی تعلق ہے جو خلاصہ ابن قیم کو شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ حرانی کے ساتھ تھا۔ حضرت شاہ صاحب کی صحبت میں مولینا طیب صاحب نے طالب علمی اور اس کے بعد کے دور میں دوسرے تلامذہ کی نسبت رہنے کا زیادہ موقع پایا ہے اس لئے ان کے علوم وکمالات سے غیر معمولی استفادہ فرمایا ہے۔ علم سلوک میں حضرت قاری صاحب کو حضرت شاہ صاحب کے علاوہ حکیم الامت مولینا اشرف علی تھانوی سے بھی رابطہ تھا جن کے ہاتھ پر آپ نے ۱۳۵۰ھ میں بیعت کی تھی۔

الغرض مولینا طیب صاحب مشہور ومعروف شخصیت کے عالم دین میں آپ اپنے حسب ونسب کے لحاظ سے ممتاز علم وعمل کے لحاظ سے یکتا بیدار مغز فلسفی شرافت وعلم کے مجسمہ استقلال واخلاص کے نمونہ کامل اور ورع وتقوی کا چلتا پھرتا پیکر ہیں۔ اس لئے زمانہ حاضر میں مسلمانان ہند کے لئے آپ کا وجود مغتنمات میں سے ہے۔

حضرت قاری صاحب تحدیث نعمت اور ادائے شکر کے طور پر ہمیشہ اپنے ہر کمال کو اپنے محبوب معلم ومرشد حضرت شاہ صاحب کے فیض کی طرف منسوب فرماتے ہیں اور ہر مجلس میں حضرت شاہ صاحب کے فضائل علمیہ کے بیان میں رطب اللسان رہتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کا تذکرہ حیات انور جب تیار ہوا تھا تو کتاب کے مرتب مولینا حافظ محمد

از ہر شاہ صاحب قیصر کی استدعا پر حضرت مولینا محمد طیب صاحبؒ نے بھی ایک مقالہ عجالۃً لکھا تھا جو نورالانور کے عنوان سے زینت کتاب ہے اس مضمون میں آپ نے ساگر کو گاگر میں بند دینے کی کامیاب کوشش فرمائی ہے اور اپنے ذاتی و نیازمندانہ تعلقات اور تجربات کی روشنی میں نہایت فصیح و بلیغ انداز میں اتنا کچھ فرما گئے ہیں کہ جس کو اگر پھیلایا جائے تو ایک کتاب کی صورت اختیار کرے ہم نے گزشتہ اوراق میں اس مقالہ کے بعض اقتباسات ہدیہ ناظرین کئے ہیں لیکن مقالہ کے حسن و جامعیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو یہاں پر من وعن دہرایا جائے۔ کوندو

☆☆☆☆☆☆☆

الحمدللہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

دارالعلوم دیوبند نے اپنی نوے سالہ زندگی [1] میں علم و فضل کے ایسے ایسے رجال پیدا کئے کہ ان آخری صدیوں میں دور دور تک تاریخ ان کی مثال پیش کرنے سے عاجز نظر آتی ہے، ہر ایک اپنے فن، کردار سیرت اور بلند ذوقی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہی تھا۔ جو حضرات نصف صدی پیشتر گزر چکے ہیں ان سے شاید نئی دنیا واقف نہ ہو اور ممکن ہے کہ تعارف کرانے کے باوجود وہ ان سے متعارف نہ ہو سکے۔ لیکن ماضی قریب کے مشاہیر دیوبند کی ایک بڑی جماعت ہے جو اپنے شہرت عامہ کے لحاظ سے محتاج تعارف نہیں، اس کے علم و سیرت کی مثالیں بھی دور دور تک نہیں ملتیں۔

حضرت شیخ الہند مولینا محمود حسن قدس سرہ حضرت مولینا احمد حسن محدث امروہیؒ، حکیم الامت مولینا اشرف علی تھانویؒ حضرت مولینا عبدالحق مفسر تفسیر حقانی، حضرت مولینا عبیداللہ سندھیؒ، حضرت مولینا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولینا شبیر احمد عثمانیؒ وغیرہ حضرات اپنے شہرۂ آفاق علم و فضل اور کردار و سیرت کے لحاظ سے عزت و شہرت کی اونچی سطح پر پہنچے ہیں قلم و زبان انہیں عام طور پر جانتے پہنچانتے ہیں پھر ایسی تعداد کی تو کوئی شمار نہیں جو مشاہیر میں نہیں لیکن اپنی مضبوط علمی و اخلاقی سیرت کے ساتھ وہ زمینوں سے زیادہ آسمانوں میں مشہور ہیں اور وہاں القاب سے یاد کئے جاتے ہیں اور زمین کے کتنے ہی خطوں کے ایمانوں کو سنبھالے ہوئے ہیں۔

بہرحال دارالعلوم دیوبند ایک شجرہ طیبہ ہے۔ جس کے خوش ذائقہ اور خوشبودار پھل پھول سے دنیائے اسلام کا دل و دماغ معطر اور پر کیف بنا ہوا ہے اور اس آخری صدی میں اس کی جماعت مجموعی حیثیت سے اٹھی تو اس نے مجددانہ اور اسلامی علم و عمل کو غیر اسلامی اثرات کی آمیزشوں اور

[1] اس وقت تک اس میں لگ بھگ ۲۵ سال کا مزید اضافہ ہوا ہے کیونکہ زیرِ نظر مقالہ ۱۰ ذیقعد ۱۳۷۳ھ کو لکھا گیا ہے۔ کوندو عفی عنہ

شرک و بدعات کے لوث سے پاک کر کے نکھار دیا اور ستھرا کر کے دنیا کے آگے رکھ دیا۔

دیوبند کی ان آفتاب و ماہتاب ہستیوں میں نہایت تیز اور شفاف روشنی کا ایک جلیل القدر ستارہ حضرت الاستاذ علامہ دہر فرید عصر، حافظ الدینا، محدث وقت مولینا محمد انور شاہ الکشمیری صدر المدرسین دار العلوم دیوبند کی مبارک ہستی بھی ہے جو مجموعی حیثیت سے آیۃ من آیات اللہ اور غیر معمولی علم و فضل کے لحاظ سے دین کا ایک روشن منارہ تھے۔ اور آپ کی ذات بلا مبالغہ عالم جلیل، فاضل نبیل، تقی و نقی محدث مفسر و متکلم ادیب و شاعر صوفی صافی اور فانی فی السنۃ ذات تھی۔

لیس علی اللہ بمستنکر

ان یجمع العالم فی واحد

دار العلوم میں آپ ۱۳۱۰ھ میں داخل ہوئے جبکہ منشی فضل حق دیوبند کا دور اہتمام تھا۔ اور ۱۳۱۴ھ میں تمام علوم و فنون کی تکمیل سے فارغ ہو کر جبکہ مولینا محمد احمد صاحب کا زمانہ اہتمام تھا۔ یہاں سے واپس ہوئے۔ چند سال مدرسہ امینیہ دہلی میں مسند درس پر متمکن رہے اور وہاں سے اپنے وطن کشمیر تشریف لے گئے وہاں سے بہ نیت ہجرت حجاز مقدس کے قصد سے روانہ ہوئے دیوبند میں اپنے اساتذہ و شیوخ سے ملنے کے لئے اترے۔

آپ کے شیوخ و اساتذہ نے جو آپ کے جوہروں کو جانے اور پہچانے ہوئے تھے یہ دیکھتے ہوئے کہ دار العلوم کی مسند درس کے شایان شان یہ ایک ہستی ہے جسے دار العلوم نے گویا اپنے ہی لئے پیدا کیا ہے آپ کو دیوبند روک لیا۔ اور آپ نے بھی غایت تواضع و انکسار نفس سے اپنے اساتذہ کی بات اونچی رکھتے ہوئے قیام دیوبند کا ارادہ فرما لیا۔

حضرت ممدوح کے ٹھہرانے سے ابتدائی منصوبہ اور مقصد یہ تھا کہ ترمذی اور بخاری کی شرح حضرت ممدوح سے لکھوائی جائے لیکن عملاً یہ معاملہ آگے نہیں بڑھا جس کی وجوہ سے نامعلوم ہیں۔ شاید یہ ہوں کہ درس کی مصروفیات بڑھ گئیں۔ واللہ اعلم

بہر حال آپ نے باتمثال اکابر دار العلوم میں درس شروع فرما دیا البتہ غلبہ زہد و قناعت سے مشاہرہ لینے پر راضی نہ ہوئے اور لوجہ اللہ کام شروع کر دیا اس اصرار پر ان کے اکابر نے بھی سکوت رضاء سے کام لیا اور تنخواہ کا مسئلہ کلیۃً ان ہی کی مرضی پر چھوڑ دیا۔

لیکن حضرت والد ماجد، حضرت مولینا حافظ محمد احمد صاحب نے اس کے بعد یہ گوارہ نہیں کیا کہ طعام و ضروریات طعام کے مصارف خود ان کے سر ڈالے جائیں اور فرمایا کہ اگر مدرسے سے حضرت ممدوح لینا نہیں چاہتے تو ان کے سر میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

تیسری متعین صورت یہ ہے کہ کھانا میرے ساتھ کھائیں۔اسے حضرت ممدوح نے منظور فرمایا اور اس طرح تقریباً دس برس تک یہ صورت قائم رہی۔حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ نے بھی اپنی معروف آبائی اور روایتی مہمان نوازی سے آپ کو مثل اپنے اہلبیت کے سمجھا اور نہایت پورے انشراح وانبساط کے ساتھ یہ دور پورا ہوا۔

اس دور میں حضرت مولینا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حضرت شیخ الہند اور حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے یاد فرمایا۔اور قیام دیوبند پر مجبور فرمایا ممدوح بھی یہاں رک گئے اور وہ بھی اس پوری مدت میں حضرت والد ماجد ہی کے مہمان رہے۔یہ دستر خوان بظاہر کھانے کا دستر خواں ہوتا تھا لیکن حقیقتاً اہل علم وفضل کی ایک پاکیزہ مجلس ہوتی تھی۔جس میں حضرت والد ماجد قدس سرہ حضرت مولینا حبیب الرحمٰن صاحب قدس سرہ حضرت مولینا انور شاہ صاحب قدس سرہ، حضرت مولینا عبید اللہ سندھی، اور اکثر وبیشتر حضرت مولینا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور متعدد دوسرے اکابر اساتذہ دار العلوم شریک ہوتے تھے۔علمی مسائل میں مکالمے ہوتے بحثیں ہوتیں معارف وحقائق کھلتے اور خصوصیت سے حضرت شاہ صاحبؒ اور مولینا سندھیؒ مختلف علوم وفنون کے کافی دلچسپ مباحث چھیڑتے اور آخر کار بزرگان مجلس کی طرف سے کبھی مزاحی رنگ میں اور کبھی سنجیدہ اور متین رنگ میں فیصلے اور مکالمے سنائے جاتے حاضر الوقت خدام وطلبہ کو شاید درس تدریس کی لائن سے برسہا برس میں وہ تحقیقات ہاتھ نہ لگ سکتی تھی جو اس حلقۂ طعام میں پکی پکائی ایک دم مل جاتی تھیں ان دونوں بزرگوں میں حاضر الوقت اکابر کے کمال ادب اور احترام کے ساتھ سلسلہ مسائل حق گوئی میں کبھی کوئی ادنیٰ اضمحلال یا تہاون پیدا نہ ہوتا تھا اور ہر ایک دوسرے کے خلاف بے محابا اور بہت صاف ریمارک کرتا۔اس طرح کھانے پینے کا یہ دستر خوان مائدہ علم وفضل بن جاتا اور اس دستر خوان پر صرف بدنی غذا جمع نہ ہوتی تھی۔بلکہ روحانی غذاؤں کے قسم قسم کے الوان جمع ہو کے جاتے تھے۔اور دستر خوان اس شعر کا مصداق بن جاتا۔

بہار عالم حسنش دل وجان تازہ میدارد
برنگ اصحاب صورت را بہ بو ارباب معنیٰ را

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں غذا کے بارے میں لطافت تھی مگر شوقینی نہ تھی غذاؤں کے تنوع اور کھانوں کے الوان کی طرف طبیعت جھکی ہوئی نہ تھی جو مل گیا کھالیا جو آگیا شکر ورضاء سے قبول کر لیا میری جدہ محترمہ رحمۃ اللہ علیہا (جن کی مہمان نواری اپنے دور میں مشہور تھی) اور خود حضرت نانوتوی قدس سرہ نے بھی اس بارہ میں یہ کہہ کر شہادت دی تھی کہ ہماری مہمان

نوازی تو احمد کی والدہ کی بدولت ہے۔

کبھی کبھی حضرت شاہ صاحبؒ سے میری معرفت یہ کہلا کر بھیجتیں کہ حضرت کبھی تو اپنے کسی مرغوب کھانے کی فرمائش کر دیا کیجئے تو متاثرانہ لب ولہجہ سے جواب دیتے کہ میری طرف سے سلام گزارش کیجئے اور یہ عرض کر دیجئے کہ دستر خوان پر ہمہ نعمت موجود ہوتے ہوئے میں کاہے کی فرمائش کروں مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں میری جنت کی نعمتیں یہیں تو نہیں تمام کی جارہی ہیں۔

قیام دیوبند کی یہ صورت قائم ہو جانے پر حضرت شاہ صاحبؒ نے باشارہ اکابر درس وتدریس کا مستقل سلسلہ تو جاری فرمایا لیکن ہجرت کی پاک نیت سے دستبردار نہ ہوئے اور برابر حاضری حرم نبوی وحرم الٰہی کا جذبہ آپ کو دیوبند چھوڑنے کی طرف مائل کرتا رہتا تھا۔ جس کا اظہار وقتاً فوقتاً ہوتا اور یہ اکابر بلطائف تعبیرا سے ٹلاتے جاتے لیکن خطرہ انہیں بھی رہتا تھا کہ نہ معلوم کس وقت یہ جذبہ غالب ہو جائے اور دارالعلوم کو ایسی جامع اور مستقبل کی بڑی بڑی امیدوں کی محور ہستی سے دستبردار ہونا پڑ جائے اس لئے یہ خطرات بھی انہیں مستقل جمادینے کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔

آخر کار انہیں پابند بنانے کے لئے ان بزرگوں نے ان کے پیروں میں بیڑی ڈالنے کی تدبیر سوچ ہی لی۔ اور ارادہ کیا کہ حضرت ممدوح کا نکاح کر دیا جائے گو اس سے حضرت ممدوح کو انکار تھا مگر بلطائف تدبیر انہیں راضی کر کے گنگوہ کے سادات کے ایک خاندان میں نکاح کر دیا گیا۔ میری دادی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا اور حضرت والد ماجد قدس سرہ نے اس کی کفالت کی اور نکاح کی اس تقریب کو اس طرح انجام دیا۔ جس طرح وہ اپنی اولاد کی کوئی بھاری تقریب کر سکتے تھے۔ بھوپال بارات گئی علماء کی ایک جماعت ساتھ تھی۔ بڑی پر مسرت فضا میں نکاح ہوا۔ دلہن آئی تو حضرت جدہ مرحومہ نے اسی طرح گھر میں اتارا جیسے اپنے گھر کی دلہن اتاری جاسکتی تھی۔ ولیمہ کی لمبی چوڑی دعوت کی اور احقر کے زنانہ مکان کے بالاخانہ پر حضرت شاہ صاحبؒ مع اہلیہ محترمہ فروکش ہوئے۔

اس پر تقریباً ایک دو سال ہی گزرے تھے کہ اولاد کی امید ہوئی ہمارے گھر میں اس کی وہی خوشی تھی جو اپنے گھر میں اہلبیت کے اولاد ہونے کی ہوتی ہے۔ اس وقت تک میری شادی نہیں ہوئی تھی۔ گھر میں عرصہ مدید گزر چکا تھا، کوئی بچہ نہیں تھا جس کی سب کو تمنا تھی اس امید سے کہ حضرت ممدوح کے یہاں بچہ ہونے والا ہے سب گھر والوں کو بالخصوص میری دادی صاحبہ کو بے حد خوشی تھی اور جیسا کہ عورتوں کو قاعدہ ہوتا ہے انہوں نے عقیقہ کی تقریب کا سامان بھی شروع کر دیا تھا کہ اچانک حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کو مشورہ دیا گیا اور ممکن ہے کہ خود ان کے قلب میں ہی یہ داعیہ از خود پیدا ہوا ہو۔ انہوں نے حضرت جدہ مرحومہ سے عرض کیا کہ دس سال تک تو میں تنہا تھا

اب دو سال سے متاہل ہوں اور آپ ہی کے یہاں مقیم ہوں اب اولاد کی امید ہے تو اب میں ایک اور دو کے ساتھ ایک عائلہ کا بار ڈالنے اور ڈالتے رہنے پر شرمندگی محسوس کرتا ہوں۔ مجھے اجازت دی جائے کہ الگ مکان لیکر رہوں۔ حضرت ممدوحہ اور والد ماجد اس پر راضی نہیں ہوئے تھے لیکن ادھر سے اصرار بڑھا تو انہوں نے بادل ناخواستہ اسے قبول فرمالیا اور حضرت شاہ صاحبؒ محلہ ریوان کے ایک مکان میں فروکش ہو گئے۔

اس صورت واقعہ کے بعد ذمہ داران مدرسہ کے لئے موقع آ گیا کہ وہ تنخواہ لینے کے لئے حضرت ممدوح پر اصرار کریں۔ چنانچہ کیا اور تاہل کی زندگی اور اس کے وسیع ہوتے رہنے کی صورت حال کے ماتحت طوعا وکرہا ممدوح کو بھی یہ اصرار قبول کر کے تنخواہ لینے پر راضی ہو جانا پڑا اور اب ایک گرہستی کی طرح ان کی عائلی زندگی کا دور شروع ہو گیا۔

اس مکان کی رہائش کے بعد عزیزم مولوی ازہر شاہ سلمہ کی بہن عابدہ مرحومہ پیدا ہوئی اور پھر میاں ازہر شاہ سلمہ معرض وجود میں آئے تجرد سے تاہل ہوا تھا اور اب تاہل سے عائلی اور خاندانی زندگی کی داغ بیل پڑ گئی۔ اور زندگی کے علائق ایک ایک کر کے بڑھتے رہے۔ اس کا قدرتی نتیجہ وہی نکلا جو ایک تدبیر کے اختیار کرنے والے بزرگوں نے سوچا تھا کہ حضرت شاہ صاحب مقید ہو گئے اور ہجرت کے جانے کا وہ جذبہ سست پڑ گیا۔ بالآخر ترک کر دینا پڑا۔ اور باطمینان خاطر دارالعلوم میں مسند نشین درس ہو کر علمی افادات میں مشغول ہو گئے۔ اسی دوران میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ نے حجاز مقدس جانے کا قصد فرمایا اور شہرت ہوئی کہ حضرت بہ نیت ہجرت تشریف لے جارہے ہیں۔ یہ شہرت تو غلط ثابت ہوئی لیکن تشریف بری محقق تھی مگر شیخ زمانہ اور دارالعلوم کے شیخ الحدیث کا دارالعلوم سے جانے کا ارادہ کرنا کوئی معمولی حادثہ نہ تھا زمانہ بھی پر آشوب ہو گیا تھا حضرت کی نسبت برطانوی حکومت کو شکوک وشبہات پیدا ہو چکے تھے اور حضرت شیخ اور دارالعلوم کے بہی خواہوں کو ایک تو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں گورنمنٹ آپ کو تھام نہ لے اور سب سے بڑا خطرہ دارالعلوم کی ایسی فرد فرید شخصیت نمونہ اکابر واسلام اور یگانہ روز ہستی سے محروم ہو جانے کا تھا جو کچھ کم حادثہ نہ تھا لیکن دارالعلوم کے ذمہ دار مبصرین نے حضرت شیخ صاحبؒ کو دارالعلوم میں روک کر پہلے ہی آنے والے خطرات کی روک تھام کر لی اور حضرت شاہ صاحب جیسی یکتائے زمانہ ہستی کو دارالعلوم میں لاکر بٹھا دیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت شیخ کی دارالعلوم سے اس عارضی جدائی اور مخصوص روحانی برکات سے برائے چندے محرومی کا اثر تو ضرور ہوا لیکن علمی حلقہ کے خلاء کا خطرہ روبراہ نہ آسکا مسند بھری بھرائی گویا موجود تھی اگر شیخ الہند برائے چند سامنے نہ رہے تو شیخ کے مثل سامنے تھے۔

چنانچہ حضرت کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے قائم مقام سمندر ہونے کی حیثیت سے درس ترمذی و بخاری کو سنبھال لیا اور علمی پیاسوں کو یہ محسوس نہ ہوا کہ وہ علم کے اس بحر ذخار سے محروم ہو گئے ہیں بلکہ انہیں یہ محسوس ہوا کہ اگر سمندر سامنے نہ رہا تو اس سمندر سے نکلا ہوا ایک عظیم الشان دریا ان کے سامنے ہے جو اپنی بعض امتیازی خصوصیات کے ساتھ بدل الغلط نہیں بلکہ بدل صحیح ہے جس سے بلا تامل علوم کے پیاسے سیراب ہونے لگے اور آب حیات سے قدیم و جدید سیرابی میں انہیں کوئی زیادہ فرق محسوس نہ ہوا۔

بلکہ حضرت شاہ صاحبؒ کے درس حدیث میں کچھ ایسی امتیازی خصوصیات نمایاں ہوئیں جو عام طور سے درس میں نہیں تھیں اور حضرت شاہ صاحبؒ کا انداز درس درحقیقت دنیائے درس وتدریس میں ایک انقلاب کا باعث ثابت ہوا............ اولا آپ کے درس حدیث میں رنگ تحدیث غالب تھا فقہ حنفی کی خدمت، تائید وترجیح بلاشبہ ان کی زندگی تھی لیکن رنگ محدثانہ تھا۔ فقہی مسائل میں کافی سیر حاصل بحث فرماتے لیکن انداز بیان سے یہ کبھی معلوم نہیں ہوتا تھا کہ آپ حدیث کو فقہی مسائل کے تابع کر رہے ہیں اور کھینچ تان کر حدیث کو فقہ حنفی کی تائید میں لانا چاہتے ہیں۔ بھلا اس کا قصد وارادہ تو کیا ہوتا؟ بلکہ واضح یہ ہوتا تھا کہ آپ فقہ کو بحکم حدیث قبول کر رہے ہیں حدیث فقہ کی طرف نہیں لی جائی جا رہی ہے۔ بلکہ فقہ حدیث کی طرف لایا جا رہا ہے وہ آ رہا ہے اور کلیۃ حدیث کے موافق پڑتا جا رہا ہے۔ بالفاظ دیگر گویا حدیث کا سارا ذخیرہ فقہ حنفی کو اپنے اندر سے نکال نکال کر پیش کر رہا ہے اور اسے پیدا کرنے کے لئے نمودار ہوا ہے۔

۱۳۳۰ھ میں علامہ سید رشید رضا مدیر المنار مصر جب بسلسلہ صدارت اجلاس ندوۃ العلماء لکھنو ہندوستان آئے اور دیوبند کی دعوت پر دار العلوم میں بھی تشریف لائے حضرت شیخ الہند کی موجودگی میں خیر مقدم کا عظیم الشان جلسہ نو درہ ہال میں منعقد ہوا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی برجستہ عربی تقریر میں ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے دار العلوم کے علمی مسلک پر روشنی ڈالی جس کا اہم جزو یہ تھا کہ ہم تمام مختلف فیہ مسائل میں فقہ حنفی کے مسائل کو ترجیح دیتے ہیں اور تمام متعارض روایات کی تطبیق وترجیح کے سلسلہ میں فقہ حنفی کی تائید حاصل کرتے ہیں تو علامہ رشید رضاء نے حضرت شاہ صاحب کی تقریر کے دوران ہی میں تعجب آمیز لہجہ سے کہا کہ کیا سارا ذخیرہ روایات حدیث صرف فقہ حنفی ہی کی حمایت کے لئے ہے۔

اس پر حضرت شاہ صاحب نے تقریر کے رخ کو پھیرتے ہوئے اس متعجبانہ استفسار کے جواب کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ ہمیں تو ہر حدیث میں وہی نظر آتا ہے جو ابو حنیفہؒ نے سمجھا اور کہا ہے۔

اور اس پر بطور دلیل حنفیہ شافعیہ کے مشہور مختلف فیہ مسائل کی مثالیں دیتے ہوئے تطبیق روایات اور ترجیح راجح کے اپنے اصول بیان فرمائے اور واضح کیا کہ ان اصول کے تحت ہمیں ذخیرۂ حدیث سے کس طرح فقہ حنفی نکلتا ہوا نظر آتا ہے؟

فقہ حنفی کی عظمت شان کو نمایاں کرتے ہوئے دکھلایا کہ ہم محض قیاسی طور پر نہیں بلکہ نصوص حدیث کے سارے ہی ذخیرہ میں عیاناً وہ بنیادیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں جن پر فقہ حنفی کی تعمیر کھڑی ہوتی ہے۔

بہر حال درس حدیث میں آپ کے یہاں محدثانہ رنگ غالب تھا اور حدیث کو فقہ حنفی کے موید کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس کے منشاء کی حیثیت سے پیش کیا جاتا تھا اور ہاتھ در ہاتھ اس کے دلائل وشواہد سے اس دعوی کو مضبوط بنایا جاتا تھا۔

متون حدیث کی معتمد کتابوں کا ڈھیر آپ کے سامنے ہوتا تھا اور تفسیر الحدیث بالحدیث کے اصول پر کسی حدیث کے بارہ میں جو دعوی کرتے اسے دوسری احادیث سے موید اور مضبوط کرنے کے لئے درس ہی میں کتب پر کتب کھول کھول کر دکھائے جاتے تھے اور جب ایک حدیث کا دوسری احادیث کی واضح تفسیر سے مفہوم متعین ہو جاتا تھا تو نتیجہ وہی فقہ حنفی کا مسئلہ نکلتا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ حدیث فقہ حنفی کو پیدا کر رہی ہے یہ ہرگز مفہوم نہیں ہوتا تھا کہ فقہ حنفی کی تائید میں خواہ مخواہ توڑ مروڑ کر حدیثوں کو پیش کیا جا رہا ہے یعنی گویا اصل تو مذہب حنفی ہے محض مویدات کے طور پر روایات حدیث سے اسے مضبوط بنانے کے لئے یہ ساری جدوجہد کی جا رہی ہے نہیں بلکہ یہ کہ حدیث اصل ہے لیکن جب بھی اس کے مفہوم کو اس کے فحوی اور سیاق وسباق نیز دوسری احادیث باب کی تائید و مدد سے اسے مشخص کر دیا جائے تو اس میں سے فقہ حنفی نکلتا ہوا محسوس ہونے لگتا ہے اس لئے طلبہ حدیث حضرت ممدوح کے درس سے یہ ذوق لیکر اٹھتے تھے کہ ہم فقہ حنفی پر عمل کرتے ہوئے حقیقتاً حدیث پر عمل کر رہے ہیں اور حدیث کا جو مفہوم ابو حنیفہؒ نے سمجھا ہے وہی در حقیقت شارع علیہ السلام کا منشاء ہے جس کو روایت حدیث ادا کر رہی ہے بلکہ یہ سمجھ میں آتا تھا کہ روایت حدیث سے امام ابو حنیفہؒ اپنا کوئی مفہوم پیش نہیں کرتے بلکہ صرف پیغمبر علیہ السلام کا مفہوم پیش کر رہے ہیں اور خود اس حدیث میں محض ایک جویا اور ناقل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

غرض حضرت شاہ صاحب کے درس حدیث کی ایک خصوصیت تو یہ تھی کہ تحدیث واخبار کے سلسلہ میں فقہ حنفی کی تائید ہوتی نظر نہیں آتی تھی بلکہ فقہ حنفی حدیث سے نکلتا ہوا نظر آتا تھا جس سے حدیث موید فقہ نہیں بلکہ منشا فقہ ثابت ہوتی تھی۔

اس سلسلہ میں ایک لطیفہ یاد آیا جو اس مقام کے مناسب حال ہے اور وہ یہ کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک بار ایک مناظرہ میں جو حضرت ممدوح اور ایک عالم اہل حدیث کے مابین ہوا۔ اہلحدیث عالم نے پوچھا کیا آپ ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں؟ فرمایا نہیں میں خود مجتہد ہوں اور اپنی تحقیق پر عمل کرتا ہوں۔ اس نے کہا کہ آپ تو ہر مسئلہ میں فقہ حنفی ہی کی تائید کر رہے ہیں پھر مجتہد کیسے؟ فرمایا یہ حسن اتفاق ہے کہ میرا ہر اجتہاد کلیۃ ابو حنیفہؒ کے اجتہاد کے مطابق پڑتا ہے اس طرح جواب سے سمجھانا یہی منظور تھا کہ ہم فقہ حنفی کو خواہ مخواہ بنانے کے لئے حدیث کو استعمال نہیں کرتے بلکہ حدیث میں سے فقہ حنفی کو نکلتا ہوا دیکھ کر اس کا استخراج سمجھا دیتے ہیں اور طریق استخراج پر مطلع کر دیتے ہیں۔

بہر حال اکابر دیوبند کے مذاق کے مطابق حضرت شاہ صاحبؒ مقلد بھی تھے مگر اس تقلید میں محقق بھی تھے، وہ مسائل میں پابند فقہ حنفی بھی تھے مگر اس پابندی کو مبصرانہ تحقیق سے اختیار کئے ہوئے تھے جیسے مسئلہ تقدیر میں اہل سنت کا مذہب بندے کے جبر و اختیار کو جمع کر کے یہ کہنا ہے کہ وہ مختار ضرور ہے مگر مجبور فی الاختیار ہے۔ اسی طرح مسائل فقہیہ میں حضرت شاہ صاحب کا رنگ یہ تھا کہ وہ مقلد ضرور ہیں مگر محقق فی التقلید ہیں، اور تمام اجتہادی مسائل میں جہاں تقلید کرتے ہیں وہاں مسائل کی تمام حدیثی اور قرآنی بنیادوں کی تحقیق بھی ذہن میں رکھتے ہیں۔

ایک امریکی مصنف نے اپنی معروف کتاب "MODERN INDIA" میں زیر عنوان دیوبندیوں کا اسلام اہل دیوبند کا یہی جامع اضداد طریقے اپنے مختصر عنوان میں اس طرح ادا کیا ہے کہ:

حیرت ناک بات یہ ہے کہ یہ لوگ (اہل دیوبند) اپنے کو مقلد کہتے ہیں، مگر ساتھ ہی ہر مسئلہ کو پورے محققانہ انداز سے کہتے ہیں اور مسائل کا تجزیہ کرتے ہوئے ایسی تنقیح و تحقیق کرتے ہیں کہ وہ اس دعوائے تقلید کے ساتھ بے ساختہ مجتہد بھی نظر آنے لگتے ہیں (انتہیٰ بمعناہ)

حاصل اس کا بھی وہی ہے کہ یہ حضرات مجتہد فی التقلید اور محقق فی الاتباع ہیں کورانہ تقلید یا جاہلہ اتباع کے جال میں پھنسے ہوئے نہیں ہیں اور لم یخروا علیھا صما و عمیانا کے سچے مصداق ہیں۔

بہر حال یہ عنوان حضرت شاہ صاحبؒ کے درس میں اس لئے کافی بکھرا ہوا نظر آتا تھا کہ ان کا غالب رنگ محدثانہ تھا اور ہر مسئلہ میں حدیثی مسئلہ کی تائید حدیث ہی سے کرتے جاتے تھے لیکن نتیجہ میں پہنچ کر وہ مسئلہ حنفی فقہ کا مسئلہ بن جاتا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ اس مسئلہ کا منشا فلاں حدیث ہے جسے امام ابو حنیفہؒ نے باتباع حدیث حدیث سے نکال کر پیش کر دیا۔

دوسری خصوصیت یہ تھی کہ حضرت ممدوح کے علمی تبحر اور علم کے بحر ذخار ہونے کی وجہ سے درس

حدیث صرف علوم حدیث ہی تک محدود نہ رہتا تھا۔ اس میں اعطر واطیف نسبتوں کے ساتھ ہر علم وفن کی بات آتی تھی۔ اگر معانی وبلاغت کی بحث آجاتی تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا علم معانی کا یہ مسئلہ اس واضع نے وضع کیا تھا۔ معقولات کی بحثیں آجائیں اور معقولیوں کے کسی مسئلہ کا رد فرماتے تو ایسا ہوتا کہ یہ حدیث گویا معقولات کے مسئلہ ہی کی تردید کے لئے قلب نبوی پر وارد ہوئی تھی۔

غرض اس نقلی اور روایتی فن (حدیث) میں نقل وعقل دونوں کی بحثیں آتیں اور ہر فن کے مقصد پر ایسی سیر حاصل اور محققانہ بحث ہوتی کہ علاوہ بحث حدیث کے وہ فنی مسئلہ ہی فی نفسہ پوری تحقیق کے ساتھ منقح ہو کر سامنے آجاتا تھا۔

سال بھر تک یکسانی کے ساتھ مسائل پر یہ محققانہ بحثیں جاری رہتیں یہ ضرور تھا کہ ششماہی امتحان کے بعد عصر سے مغرب تک کا وقت طلبہ مزید لے لیتے تھے جس سے رجب کے اواخر تک یعنی امتحان سالانہ شروع ہونے سے پہلے پہلے ترمذی وبخاری یکساں شان تحقیق کے ساتھ ختم ہو جاتی تھیں۔

میں نے ان مختلف الانواع تحقیق کو دیکھ کر ایک املائی کاپی تیار کی جس کے چوڑے اوراق میں بہت سے کالم بنائے اور ہر کالم کے اوپر والے سرے پر فنون کے عنوان ڈال دیئے یعنی مباحث حدیث، مباحث تفسیر، مباحث عربیت (صرف ونحو) مباحث فلسفہ ومنطق، مباحث ادبیات (جن میں اشعار عرب اور فصاحت وبلاغت کی بحثیں آتی تھیں) مباحث تاریخ وغیرہ پھر فنون عصریہ کے لئے ایک کالم رکھا کیونکہ موجودہ دور کے فنون جیسے سائنس فلسفہ جدید اور ہیئت جدیدہ وغیرہ کے مباحث بھی بذیل بحث حدیث درس میں آتے تھے۔ میں کالم وار ان مباحث کو املاء کرتا جاتا تھا۔ ان فنی مباحث کے کالموں کے بعد کاپی کے کنارہ کا کالم حضرت ممدوح کی رائے اور محاکمہ کا تھا جس کے سرنامہ پر عنوان تھا قال الاستاذ اس میں وہ فیصلے درج کر لیا کرتا تھا جو مسائل کی تدقیق کے بعد بطور آخری نتیجہ کے حضرت یہ کہہ کر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں کہتا ہوں۔

افسوس کہ یہ بیاض جو تقریبا چار پانچ سو صفحات پر مشتمل تھی، ایک کرم فرما طالب علم نے مستعار مانگی اور میں نے اپنی طالب علمانہ ناتجربہ کاری سے چند روز کے لئے ان کے حوالہ کر دی انہوں نے اس کیا جو کتاب کو عاریۃً مانگنے والے طلبہ کرتے ہیں یعنی چند دن کے بعد میرے مطالبہ پر فرمایا کہ میں تو دے چکا ہوں آپ کو یاد نہیں رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان مطالعوں سے عاجز ہو کر میں نے اس ذخیرہ سے صبر کر لیا جس کو کوئی عرق ریزی اور محنت سے تیار کیا تھا اب میں نہیں کہہ سکتا کہ چوری کا یہ علم خود ان کے کام بھی آیا یا ان کے پاس سے بھی یوں ہی نکل گیا جیسے انہوں نے میرے ہاتھ سے نکالا تھا۔ یہ سانحہ یاد آنے پر میں اس کے سوا اور کیا کہوں کہ اللہ انہیں جزا دے۔

بہر حال حضرت شاہ صاحبؒ کا درس حدیث محض حدیث تک محدود نہ تھا بلکہ فقہ تاریخ ادب کلام فلسفہ، منطق، ہیئت، ریاضی اور سائنس وغیرہ تمام علوم جدیدہ وقدیمہ پر مشتمل ہوتا تھا اور اس لئے اس جامع درس کا طالب علم اس درس سے ہر علم وفن کا مذاق لیکر اٹھتا تھا اور اس میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی تھی کہ وہ بضمن کلام خدا اور سول ہر فن میں محققانہ انداز سے کلام کر جائے۔ یہ درحقیقت درس کی لائن کا ایک انقلاب تھا جو زمانہ کی رفتار کو دیکھ کر الاستاد الامام الکشمیریؒ نے اختیار فرمایا چنانچہ کبھی کبھی تحدیث بالنعمۃ کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! اس زمانہ کے علمی فتنوں کے مقابلہ میں جس قدر ہو سکا ہم نے سامان جمع کر دیا ہے بالخصوص فقہ حنفی کے مآخذ ومناشی کے سلسلہ میں حدیثی ذخیرہ کافی ہی نہیں کافی سے زیادہ جمع فرما دیا۔

پھر بھی قیام ڈابھیل کے زمانہ میں آخری سال جس کے بعد درس دینے کی نوبت نہیں آئی اور وصال ہو گیا درس حدیث میں فقہی وحدیثی تحقیقات کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا اور ترجیح مذہب حنفی اور تطبیق روایات میں عمر بھر کے علم کا نچوڑ پیش فرمایا جس کو املا کرنے والوں نے املا کیا۔ تائید مذہب حنفی کے اس غیر معمولی اہتمام کی توجیہہ کرتے ہوئے گاہ گاہ فرماتے کہ عمر بھر ابوحنیفہ کی نمک حرامی کی ہے اب مرتے وقت جی نہیں چاہتا کہ اس پر قائم رہوں چنانچہ کھل کر پھر ترجیح مذہب کے سلسلہ میں اچھوتے اور نادر روزگار علوم ومعارف اور نکات ولطائف ارشاد فرمائے جس سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ من جانب اللہ آپ پر مذہب حنفی کی بنیادیں منکشف ہو گئی تھیں اور ان میں شرح صدر کی کیفیات پیدا ہو چکی تھیں جس کے اظہار پر گویا آپ مامور یا مجبور تھے۔ ان علوم ومعارف کے ذخیرے کو حضرت ممدوح کے دو رشید شاگردوں مولینا محمد یوسف بنوری، اور مولینا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی نے الواح اوراق میں جمع کر کے اہل علم پر ایک ناقابل مکافات احسان فرمایا ہے حق تعالیٰ ان دونوں محقق فاضلوں کو جزائے خیر عطا فرمائے اور حضرت شاہ صاحبؒ کی روحانیت سے ان کی نسبت کو اور زیادہ قوی فرمائے آمین۔

حضرت ممدوح کا یہ جملہ کہ عمر بھر ابوحنیفہ کی نمک حرامی کی شاید اس طرف مشیر ہے کہ حضرت ممدوح جہاں روایات حدیث میں تطبیق وتوثیق روایات کا اصول اختیار فرمائے ہوئے تھے وہیں روایات فقہیہ میں بھی آپ کا اصول تقریباً تطبیق وتوثیق ہی کا تھا یعنی مذاہب فقہاء کے اختلاف کی صورت میں حنفیہ کا وہ قول نقل فرماتے جس سے خروج عن الخلاف ہو جائے۔ اور دونوں فقہ باہم جڑ جائیں اگرچہ یہ قول مفتی بہ بھی نہ ہو اور مسلک معروف کے مطابق بھی نہ ہو نظر صرف اس پر تھی کہ دو فقہی مذہبوں میں اختلاف جتنا کم سے کم رہ جائے وہی بہتر ہے ظاہر ہے کہ اس میں بعض مواقع پر

خود امام کا قول بھی چھوٹ جاتا اور صاحبین کا قول زیر اختیار آجاتا تھا۔ یعنی فقہ حنفی کے دائرے سے تو کبھی باہر نہیں جاتے تھے مگر امام ابوحنیفہؒ کے بلا واسطہ قول سے کبھی کبھی باہر نکل جاتے تھے۔ خواہ وہ بواسطہ صاحبین ابوحنیفہ ہی کا قول ہو۔ شاید اس کو حضرت ممدوح نے ابوحنیفہؒ کی نمک حرامی سے تعبیر فرمایا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آخر عمر میں اس توسع سے رجوع کر کے کھلے طور پر مذہب کے معروف و مفتی بہ حصے بلکہ اقوال ابی حنیفہؒ کے اختیار و ترجیح کی طرف طبیعت آچکی تھی اور یہ بلاشبہ اس کی دلیل ہے کہ ابوحنیفہؒ کی خصوصیات کے بارہ میں حق تعالیٰ نے انہیں شرح صدر عطا فرما دیا تھا اور وہ بالآخر اسی ٹھیٹھ لکیر ہی پر جم کر چلنے لگے تھے۔ جس پر ان کے شیوخ سرگرم رفتار رہ چکے تھے۔

میں نے حضرت شیخ الہندؒ کا مقولہ سنا ہے فرماتے تھے کہ جس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ منفرد ہوتے ہیں اور ائمہ ثلاثہ میں سے کوئی ان کی موافقت نہیں کرتا۔ اس میں میں ضرور بالضرور پوری قوت سے ابوحنیفہؒ کا اتباع کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ میں ضرور کوئی ایسا واقعہ ہے۔ جس تک امام ہی کی نظر پہنچ سکی ہے اور پھر حق تعالیٰ اس دقیقہ کو منکشف بھی فرما دیتا ہے۔

یہ مقولہ امام ابوحنیفہؒ کے اس مسلک کے ذیل میں فرمایا کہ قضاء قاضی ظاہر و باطنا نافذ ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ اس مسئلہ میں میں بالضرور امام ابوحنیفہؒ ہی کی پیروی کروں گا۔ کیونکہ اس میں صرف امام ہی متفرد ہیں۔ اور یہ تفرد اس کی دلیل ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی ایسی دقیق بنیاد ان پر منکشف ہوئی ہے جہاں تک دوسروں کی نگاہیں پہنچ نہیں سکی ہیں۔

اس قسم کے مضمون حضرت نانوتویؒ قدس سرہ کے بارے میں میں نے حاجی امیر شاہ خان صاحب مرحوم سے سنا کہ حضرت والا نے مولینا محمد حسین صاحب بٹالوی سے گفتگو فرماتے ہوئے کہا تھا کہ ابوحنیفہؒ کا مقلد ہوں، صاحب ہدایہ اور درمختار کا مقلد نہیں ہوں اس لئے میرے مقابلے میں بطور معاوضہ جو قول بھی آپ پیش کریں وہ ابوحنیفہؒ کا ہونا چاہئے دوسروں کے اقوال کا میں جواب دہ نہ ہونگا۔ اس سے بھی یہی نکتہ نکلتا ہے کہ فقہ حنفی میں اصل بنیادی قول ان حضرات کے نزدیک خود امام کا ہوتا تھا اور وہی درحقیقت فقہ حنفی کی اساس ہونے کا حق بھی رکھتا تھا۔

پس ممکن ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ پر آخری عمر میں یہی نکتہ منکشف ہوا ہو جو ان کے شیوخ پر منکشف ہوا تھا۔ اور اس کے خلاف توسع کو وہ ابوحنیفہؒ سے نمک حرامی کرنے کی تعبیر سے اس مقصد کو ظاہر فرما رہے ہوں۔

اس کے ساتھ درس حدیثؒ کے سلسلہ میں مذاہب اربعہ کے اختلاف بیان کرتے ہوئے کبھی کبھی مناظرانہ صورت حال بھی پیدا ہو جاتی تھی، ان مناظرانہ مباحث اور فرعیاتی اختلافات سے کتاب

وسنت کے ہزار ہا مکنون علوم واشگاف ہوتے تھے جو اس اختلاف کے بغیر حاصل کرنا ممکن نہ تھے۔ پھر
پھر ان فرعیات کا تراجم اور تراحم کے بعد قول فیصل حضرت ممدوح کے قلب لسان سے ظاہر ہوتا جو
حضرت کی خصوصیات لگ جانے سے عجیب وغریب اور نئے نئے علوم پیدا ہوتے پھر ان تراجمات میں
محاکمہ اور ترجیح کے سلسلہ سے جو تنقیحات بیان ہوئیں وہ خود مستقل علوم ومصارف کا ذخیرہ ہوتی تھیں۔

غرض ایجابی اور سلبی دونوں قسم کے علوم کی نیرنگیاں حلقہ درس کو ایک رنگین گلدستہ بنائے ہوئے
تھیں۔ جن میں رنگ رنگ کے علمی پھول چنے ہوئے ہوتے تھے تفنن علوم کی رنگینیوں کے ساتھ
آپ کے درس میں ایک خاص شوکت بھی ہوتی تھی کلام میں تمکنت اور قوت الفاظ میں شوکت
وحشمت اور کلام کے وقت حضرت ممدوح کی ہیئت کذائی کچھ ایسے انداز کی ہو جاتی تھی جیسے کوئی
بادشاہ اپنا حاکمانہ فرمان سنا رہا ہے۔ بالخصوص ائمہ مجتہدین کے متبعین علماء کے کلام پر بحث وتنقید
چھڑ جاتی تو اس وقت معارضانہ اور ناقدانہ کلام کی شوکت اور بھی زیادہ ابھری ہوئی دکھلائی دیتی
تھی، نگاہیں تیز ہو جاتیں، آواز قدرے بلند ہو جاتی اور گردن اٹھا کر بولتے تو ایک عجیب پرشوکت
اور رعب افزاء کلام معلوم ہوتا تھا۔

بعض مواقع پر مثلاً حافظ ابن تیمیہ اور ابن قیمؒ کے تفردات کا ذکر آتا تو پہلے ان کے علم وفضل اور
تفقہ وتبحر کو سراہتے ان کی عظمت وشان بیان فرماتے، اور پھر ان کے کلام بحث ونظر سے تنقید
فرماتے، جن میں عجیب متضاد کیفیات جمع ہوتی تھیں۔ ایک طرف ادب وعظمت اور دوسری طرف
رد وقدح یعنی بے ادبی اور جسارت کے ادنی سے ادنی شائبہ سے بھی بچتے اور رنج اور صواب میں
کتمان صواب سے بھی دور رہتے کبھی کبھی علمی جوش میں آکر برنگ مزاح بھی رد وقدح فرماتے
تھے جو بجائے خود ہی ایک مستقل علمی لطیفہ ہوتا تھا۔

ایک بار غالباً استوی علی العرش کے مسئلہ پر کلام فرماتے ہوئے حافظ ابن تیمیہؒ اور ان کے مسلک
اور دلائل کا تذکرہ آیا تو پہلے اسے شرح وسط سے بیان فرمایا پھر ان کے علم کی عظمت وشان کو کافی دیر تک
اور عقیدت بھرے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ حافظ ابن تیمیہؒ جبال علوم میں سے
ہیں۔ ان کی رفعت شان وجلالت قدر کا یہ عالم ہے کہ اگر میں ان کی عظمت کو سر اٹھا کر دیکھنے لگوں تو
ٹوپی پیچھے کی طرف گر جائے گی اور پھر بھی نہ دیکھ سکوں گا لیکن بایں ہمہ مسئلہ استواء علی العرش میں اگر
وہ یہاں آنے کا ارادہ کریں گے تو درس گاہ میں نہ گھسنے دوں گا یا کبھی ان اکابر متقدمین کے کسی موہم
شرح طلب کلام کی توجیہہ کرتے ہوئے فرماتے کہ ہر شخص اپنی ہی جلالت شان کے مطابق کلام کرتا
ہے۔ اسے کیا خبر ہوتی ہے کہ بعد میں ہم جیسے گھس کھدے بھی آنے والے ہیں جو اس کلام کی عظمت

ہی لطمان ونیچاں ہوکر رہ جائیں گے؟

بہر حال درس کا انداز ہ ایک عجیب نیرنگی کا رنگ لئے ہوئے تھا جو بالکل انوکھی تھی۔ جس میں علوم وفنون بھی ہوتے تھے تائید وتنقید بھی ہوتی تھی علوم ومعارف کے ساتھ علمی مزاح اور لطائف وظرافت بھی ہوتے تھے جس سے ہر استعداد کا طالب علم لطف اندوز ہوتا تھا حتی کہ کبھی کبھی خود طلبہ کے ساتھ بھی علمی رنگ کا مزاح فرمالیتے تھے۔

عصر مغرب کے درمیان ایک دن بخاری کا درس زور وشور سے ہو رہا تھا احقر بھی اس سال بخاری میں تھا اور شریک درس بھی تھا کہ اچانک کتاب بند کردی اور فرمانے لگے کہ جب بھائی شمس الدین ہی رخصت ہوئے تو اب درس کا کیا لطف رہا جاؤ تم بھی گھر کا راستہ لو۔

ہم سب حیران ہوئے کہ کون بھائی شمس الدین اور وہ آئے کب تھے؟ اور رخصت کب ہوگئے؟ ہماری حیرانی کو دیکھ کر سورج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، جو غروب ہورہا تھا فرمایا کہ جاہلین دیکھتے نہیں وہ بھائی شمس الدین جا رہے ہیں اب کیا اندھیرے میں سبق پڑھوگے کیا وہ لطف کا سبق ہوگا؟

ایک بار پچھلی صف میں سے کسی طالب علم نے سوال کیا مگر مہمل انداز سے، فرمایا کہ مہمان تجھے معلوم نہیں کہ میں اسناد متصل کرنا بھی جانتا ہوں جانتا ہے کس طرح اسناد متصل ہوگی؟ میں اس اپنے پاس والے کو تھپڑ ماروں گا، وہ اپنے پاس والے کو مارے گا۔ وہ اپنے پاس والے کو تھپڑ رسید کریگا یہاں تک کہ تھپڑ کا یہ فعلی سلسلہ سند تجھ تک پہنچ جائے گا۔

یہ تہدید بھی تھی اور حکیمانہ رنگ سے فنی اصطلاحات میں ایک مزاح بھی تھا جس سے طلبہ کی تنشیط (نشاط میں لانا) مقصود تھا۔

ایک دفعہ مسائل فقہیہ کے ذیل میں نابالغ کی امامت کا ذکر آ گیا کہ اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ فرمانے لگے کہ مسئلہ تو یہی ہے۔ مگر بعض نابالغوں کے پیچھے ہو بھی جاتی ہے (اس زمانہ میں حضرت مدوح ہی مسجد دار العلوم میں امامت کرتے تھے) فرمانے لگے کہ تم نے کبھی پیر نابالغ بھی دیکھا ہے؟ جو ساٹھ برس کا بھی ہوا اور نابالغ بھی؟ جاہلین! وہ ساٹھ برس کا نابالغ میں ہوں (اس وقت تک حضرت ممدوح کی شادی نہیں ہوتی تھی) اشارہ اسی طرف تھا[1]

ایک دفعہ ملا علاؤ الدین میرٹھی جو اس زمانہ میں قلفی کا برف بیچا کرتے تھے اور آجکل دودھ مٹھائی کی دکانداری کرتے ہیں۔ نہایت دیندار اور وضعدار آدمی ہیں۔ قلفی برف کا مٹکا لے کر

---

[1] ..... اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت کی عمر اس وقت ۶۰ برس کی تھی۔ انہوں نے یہ محاورۃً فرمایا حقیقت میں ان کا نکاح ۴۴ سال کی عمر میں ہوا ہے: ۱۲ کوندہ

دار الاہتمام میں پہنچ گئے۔ جہاں حضرت والد ماجد کے پاس اس وقت حضرت شاہ صاحب اور چند اکابر مدرسین تشریف فرما تھے، حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ نے ملاجی کو روک کر برف کی قلفیاں کھولنے کے لئے فرمایا یہ سب حضرات قلفیاں تناول فرماتے رہے۔ کھانے کے دوران میں حضرت شاہ صاحبؒ نے ملاجی سے پوچھا کہ آپ اس برس کی تجارت میں ماہانہ کتنا پیدا کر لیتے ہیں؟ کہا کہ یہی کوئی ساٹھ روپے ماہوار اس زمانہ میں حضرت شاہ صاحب کی تنخواہ بھی ۶۰ روپے ہی ماہوار تھی مسکرا کر فرمانے لگے تو پھر تمہیں دار العلوم کی صدر مدرسی کی ضرورت نہیں۔

بہر حال حضرت شاہ صاحبؒ کا حلقہ درس اور ساتھ ہی دوسری مجالس علم وکمال کے ساتھ ظرافت سے بھی معمور ہوتی تھیں جو ان کی زندہ دلی اور فقہ نفس کی دلیل تھی اور اس ذیل میں کتنے ہی علوم ومعارف بے ساختہ نکلے ہوئے ارباب مجلس کے ہاتھ پلے پڑ جاتے تھے مگر اس کے باوجود مجلس شرعی آداب سے بھرپور ہوتی تھی۔ جس میں غیر متعلق یا فضول اور لایعنی باتوں کا کوئی وجود نہ ہوتا تھا۔ اگر کسی شخص نے کسی کی برائی یا فضول بات شروع کی تو معاً فرماتے کہ بھائی ہمیں اس کی فرصت نہیں ہے کوئی مسئلہ پوچھنا ہو تو پوچھو ورنہ جاؤ ہمارا وقت ایسی باتوں کے لئے فارغ نہیں۔ وقت کی بہت زیادہ قدر اور حفاظت فرماتے تھے۔

اوقات کا بڑا حصہ مطالعہ کتب میں گزرتا تھا ذوق مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ طبعی اور شرعی ضروریات کے علاوہ کوئی وقت کتب بینی یا افادہ سے خالی نہ رہتا تھا۔ ایک دفعہ فرمایا کہ فتح الباری کا (جو تیرہ جلدوں کی کتاب ہے) تیرہویں مرتبہ مطالعہ کر رہا ہوں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ میں درس کے لئے کچھ مطالعہ نہیں کرتا ہوں مطالعہ کا مستقل سلسلہ ہے اور درس کا مستقل اس لئے ہر سال درس میں نئی نئی تحقیقات آتی رہتی تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس درس کے لئے مطالعہ کی ضرورت ہی کیا تھی جب وقت کے تمام گوشے مطالعہ سے پر تھے گویا مطالعہ لامحدود تھا تو محدود مطالعہ کی ضرورت بھی کیا تھی؟ کتب درسیہ اور بالخصوص کتب حدیث کے فنی مباحث طبیعت ثانیہ بن چکے تھے اور ہمہ وقت کے مطالعہ سے ان میں روز بروز ضبط وانبساط کی کیفیات پیدا ہوتی چلی جا رہی تھیں اور مباحث درس گھٹنے یا قائم رہنے کے بجائے خود ہی یوماً فیوماً بڑھتے رہتے تھے تو انہیں جزوی مطالعہ سے بڑھانے کے کوئی معنی بھی نہ تھے بلکہ شاید یہ مقررہ جزوی مطالعہ علوم کے بڑھتے ہوئے بسط میں کچھ نہ کچھ حارج اور حد بندی ہی کا سبب بن جاتا۔

پھر یہ مطالعہ محض کتب درسیہ یا شروح وحواشی اور منہیات درس تک ہی محدود نہ تھا بلکہ تمام فنون کی ہر میسر آمدہ کتاب تک پھیلا ہوا تھا جن میں کسی فن کی تخصیص نہ تھی۔ ذہن کسی ایک فن کے

ساتھ مقید نہ تھا بلکہ مطلقاً علم کے بارے میں ھل من مزید کا ذوق رکھتا تھا اور حدیث منھومان لایشبعان کا صحیح مصداق تھا۔

مصر تشریف لے گئے تو اوقات کا بڑا حصہ کتب خانہ خدیویہ کی کتب کے مطالعہ میں صرف ہوتا حجاز حاضر ہوئے تو حرمین کے کتب خانے کھنگال ڈالے اور فرائض وتطوعات کے بعد گویا آپ کی عبادات یہ تبحر اور کتب بینی تھی۔ مرض وفات میں اطباء نے مطالعہ کی ممانعت کردی۔ لیکن جب بھی موقع ملا اسی وقت کتب بینی شروع کردی۔ اطباء نے کہا کہ حضرت اس سے مرض بڑھ جائے گا۔ فرمانے لگے کہ بھائی کتب بینی خود ہی میرا مستقل مرض ہے اور لاعلاج ہے۔

مطالعہ کے سلسلہ میں فنون عصریہ، فلسفہ جدید، ہیئت جدید حتی کہ فن رمل اور جفر کی کتابوں کو بھی مطالعہ سے نہ چھوڑا۔

جب بھوپال شادی کے سلسلہ میں تشریف لے گئے تو جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی ایک جماعت نے عصری فنون کی کچھ بحثیں چھیڑ دیں آپ نے ان ہی فنون کی اصطلاحات میں بحوالہ کتب جوابات دیئے۔ اور فرمایا کہ یہ نہ سمجھنا کہ ہم لوگ ان فنون سے نابلد ہیں ہم ان عصری فنون کی کتابوں کا مطالعہ بھی کافی کئے ہوئے ہیں اور ان فنون کی بنیادوں کو بھی جانتے ہیں یہی صورت مسائل حاضرہ کے مطالعہ کی بھی تھی۔

سفر پنجاب کے سلسلہ میں جب لاہور پہنچے تو یہ زمانہ سود کی تحریک کا تھا مسلمانوں کی ایک جماعت اقتصادی وجوہ پر سودی بینکوں کا قیام مسلمانوں کے لئے ضروری سمجھ رہی تھی۔ مولوی طفیل احمد صاحب منگلوری رسالہ سود مند نکال رہے تھے اور جواز سود کا پرچار شد ومد سے کیا جا رہا تھا لاہور پہنچنے پر حضرت کی قیام گاہ پر لوگ ملنے کے لئے آنے لگے مجمع ہوگیا۔ مولینا ظفر علی خان بھی آگئے اور جواز سود کے بارہ میں اقتصادی دلائل سے بھری ہوئی ایک تقریر کی جس میں ضرورت سود پر کلام کیا گیا تھا۔

مقصد یہ تھا کہ حضرت ممدوح بھی اس کی تائید میں کچھ فرمادیں حضرت شاہ صاحب نے ساری طویل تقریر سن کر جواب میں فرمایا کہ بھائی جسے جہنم میں جانا ہو وہ خود جائے ہماری گردن کو پل نہ بنائے کہ اس سے گزر کر پہنچے اور اس کے بعد سودی کاروبار کے مضرات اور اس تحریک کے غلط ہونے پر سیر حاصل علمی بحث فرمائی جس سے لوگوں کے خیالات کی کافی حد تک اصلاح ہوئی۔

علامہ اقبال مرحوم کے خیالات کی بہت حد تک اصلاح حضرت ممدوح کے ارشادات سے ہوئی۔ ان کے آٹھ آٹھ صفحات کے خطوط سوالات وشبہات سے پر آتے تھے اور حضرت ان کے جوابات لکھتے جس سے ان کے قلب کی راہ بنتی چلی گئی۔

غرض کثرت مطالعہ صرف درسی علوم کی کتب تک محدود نہ تھا، عصری علوم وفنون کا مطالعہ جاری

رہتا تھا جس سے نو تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ بھی مرعوب اور مستفید تھا۔

جب میں نے اپنے ایک عربی قصیدے **نونية الأحاد** کے طبع کرانے کا ارادہ کیا اس قصیدے میں امت کے مشاہیر علم وفن کی مختصر سوانح نظم ونثر میں جمع کی گئی ہیں جسے اس زمانہ میں طبع کرایا گیا تھا اور اب چھوٹی خوبصورت تقطیع پر برخوردار مولوی حافظ قاری محمد سالم سلمہ نے اپنے ادارہ تاج المعارف کی طرف سے دوبارہ طبع کرایا ہے اس قصیدہ میں ابوالحسن کذاب کا نام بھی مشاہیر کے سلسلہ میں آیا ہے کہ یہ صفت کذب اور دروغ گوئی میں مشہور اور یکتائے روزگار تھے مجھے ان کی تاریخ نہ ملی جو اس قصیدے میں درج کرتا۔ اس صورت میں ہم لوگوں کی آخری دوا یہ ہوتی تھی کہ حضرت شاہ صاحب تک پہنچ جاتے تھے اور اس سلسلہ میں بلا محنت ومشقت علم کا نایاب اور وسیع ذخیرہ لیکر گھر آجاتے تھے جو برس ہا برس کے ذاتی مطالعہ سے بھی حاصل ہونا دشوار تھا۔

میں اپنے اسی معمول بہ دستور کے مطابق حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں ان کے دولت خانہ پر حاضر ہوا۔ مرض اوقات اپنی آخری حد پر پہنچ چکا تھا اور دو تین ہفتہ بعد ہی وصال ہونے والا تھا۔ کمزور بے حد ہو چکے تھے۔ لیٹنے اور بیٹھنے میں بے حد تکلیف ہوتی تھی اطلاع کرنے پر مجھے حسب معمول گھر میں بلا لیا اور عادت تھی کہ جب بھی میں پہنچتا تو کسی نہ کسی چیز سے تواضع فرماتے فوراً چائے بنانے کا حکم دیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت ممدوح کا دار العلوم سے کوئی تعلق نہیں تھا اور میں اس زمانہ میں عہدہ اہتمام دار العلوم پر تھا لیکن حضرت ممدوح کے اس تعلق کے انقطاع بلکہ اس سے بھی پہلے فتنہ کے زمانہ میں میرا تعلق ان سے وہی رہا جو پہلے سے تھا حتی کہ آمدورفت بھی منقطع نہیں ہوئی اسے حضرت شاہ صاحب بھی محسوس فرماتے اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے پھر یہ تعلق کوئی رسمی یا دنیوی نہ تھا جو قطع ہو جاتا بلکہ روحانی تھا اور قدیم تھا جو ناممکن الانقطاع تھا گو درمیانی مدت میں قضاء وقدر سے وہ مستور اور مغلوب سا ہو گیا تھا اور تکوینی طور پر اَنْ نَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي کا منظر کا ظہور ضرور ہوا تاہم یہ سب سطحی بات تھی قلبی طور پر محبت وعقیدت کا علاقہ بدستور قائم تھا اور اس میں جتنا کچھ رخنہ پڑ گیا تھا مرور ایام سے اس میں بھی اضمحلال آچکا تھا اس لئے از اول تا آخر میرے لئے حضرت ممدوح کے قلب مبارک میں کافی گنجائش تھی جس کا ظہور میری گاہ بگاہ حاضری پر ہوتا رہتا تھا اس موقع پر بھی حسب معمول اس بزرگانہ شفقت سے پیش آئے چائے وغیرہ سے فراغت کے بعد متوجہ ہوئے فرمایا مولوی صاحب کیسے تشریف لائے۔

میں نے عرض کیا حضرت ابوالحسن کذاب کا ترجمہ نہیں ملتا اس کے بارہ میں نشان معلوم کرنے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا ادب وتاریخ کی کتابوں میں فلاں فلاں مواقع کا مطالعہ کر لیجئے تقریباً آٹھ دس کتابوں

کے نام لے دیئے اور ان کے مظان ومواقع کی نشاندہی فرمادی میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے اس شخص کی پوری تاریخ معلوم کرنی نہیں صرف اس کی صفت کذب ودروغ گوئی کے حالات معلوم کرنے ہیں مگر ان کا کوئی عنوان کسی کتاب میں نہیں ملتا کہ اس کے نیچے ان خاص واقعات کا مطالعہ کرلوں۔

فرمایا مولوی صاحب! آپ نے بھی کمال کیا صفت کذب کونسی صفت مدح ہے کہ لوگ اس پر عنوانات قائم کرکے اس کے واقعات دکھلائیں ایسی مذموم صفات وافعال کا تذکرہ تو ضمنا اور بطر یق آجاتا ہے عنوانات ہمیشہ کمالات پر قائم کئے جاتے ہیں نہ کہ نقائص وعیوب پر، ان کتب میں فلاں فلاں مقام دیکھ لیجیے ضمنا اس کی صفت کذاب کا بھی تذکرہ کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گا۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے تو کتابوں کے اتنے اسماء بھی یاد نہیں رہیں گے۔ چہ جائیکہ ان کے مظان اور مواقع محفوظ رہیں نیز انتظامی مہمات کے بکھیڑوں میں اتنی فرصت بھی نہیں کہ چند جزوی مثالوں کے لئے اتنا طویل وعریض مطالعہ کروں بس آپ ہی اس شخص کے کذبات اور دروغ گوئی سے متعلقہ واقعات کے دو چار مثالیں بیان فرمادیں میں ان ہی کو آپ کے حوالہ سے جزو کتاب بنادوں گا۔

اس پر مسکرا کر ابوالحسن کذاب کی تاریخ اس کے سن ولادت سے سن وفات تک بیان فرمانی شروع کردی جس میں اس کے جھوٹ کے عجیب وغریب واقعات بیان فرماتے رہے، آخر میں سن وفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شخص مرتے مرتے بھی جھوٹ بول گیا پھر اس جھوٹ کی تفصیل بیان فرمائی۔

حیرانی یہ تھی کہ یہ بیان ایسے طرز سے ہورہا تھا کہ گویا حضرت ممدوح نے آج کی شب میں مستقلا اسی کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے جو اس بسط سے سن وار واقعات بیان فرمارہے ہیں۔

میں نے تعجب آمیز لہجہ میں عرض کیا کہ حضرت شاید کسی قریبی ہی زمانہ میں اس کی تاریخ دیکھنے کی نوبت آئی ہوگی؟ سادگی سے فرمایا جی نہیں آج سے تقریبا تیس سال کا عرصہ ہوتا ہے جب میں مصر گیا ہوا تھا خدیوی کتب خانہ میں مطالعہ کے لئے پہنچا تو اتفاقا اسی ابوالحسن کذاب کا ترجمہ سامنے آگیا اور اس کا مطالعہ دیر تک جاری رہا بس اسی وقت جو باتیں کتاب میں دیکھیں حافظہ میں محفوظ ہوگئیں اور آج آپ کے سوال پر مستحضر ہوگئیں جن کا میں نے اس وقت تذکرہ کیا۔

اللہ اکبر! یہ واقعات حدیث وتفسیر اور فقہ واصول کے ان مباحث سے تعلق نہ رکھتے تھے جو ان کے متداول فنون اور روزمرہ کے مشاغل میں سے تھے بلکہ ایک غیر متعلق بات اور وہ بھی تیس سالہ مدت کی ذہن میں آئی ہوئی اور اوپر سے وہ بھی کسی اہتمام سے نہیں محض اتفاقی طور پر اور سرسری انداز سے ذہن میں آئی ہوئی چیز تھی اس کا اتنا استحضار عام معتاد حافظہ سے بالاتر، کرامتی حافظہ سے ہی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

یہی نہیں بلکہ جس علم وفن میں بھی گفتگو فرماتے تبحر واستحضار کی یہی نوعیت ہوتی تھی کو گویا اس مسئلہ کو ابھی دیکھ کر اور ذہن میں سمیٹ کر آرہے ہیں۔

مولینا سعید احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ صدر جمعیۃ علماء دہلی کا حضرت ممدوح کو چلتا پھرتا کتب خانہ کہنا حقیقتا اظہار حقیقت پر مبنی ہے اور حضرت ممدوح اس لقب کے جائز طور پر نہیں بلکہ واجبی طور پر مستحق ہیں۔

وفور مطالعہ اور اس کے ساتھ قوت حافظہ ایسا ہی ہے جیسے سرمایہ دار سرمایہ کے ساتھ سخی دل بھی ہو بخیل سرمایہ دار ہو تو بے فیض اور بے نتیجہ ہے جیسے بعض کا مطالعہ وسیع ہوتا ہے مگر قوت حافظہ نہ ہونے کے سبب ان کا وقتی شوق مطالعہ تو پورا ہو جاتا ہے مگر خود ان کو یا دوسروں کو اس مطالعہ کی کاوشوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کا جس درجہ مطالعہ وسیع تھا اسی درجہ حافظہ بھی قوی تھا گویا ذہن وحافظہ ہر وقت تیار رہتے تھے کہ آنکھیں یا کان کچھ لائیں تو وہ فوراً اسے جمع کرلیں۔ بلاشبہ حضرت ممدوح کے اس غیر معمولی حافظہ سے حفاظ سلف کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ انہیں غیر متداول بلکہ غیر معروف کتب کی عبارتیں بھی اس درجہ مستحضر رہتی تھیں کہ وقت پڑنے پر بے تکلف پیش کردیا کرتے تھے اور علماء حیرت زدہ ہو کر رہ جاتے تھے۔

تحریک خلافت کے دور میں جب امارت شرعیہ کا مسئلہ چھڑا تو مولوی سبحان اللہ خان صاحب گورکھپوری نے اس مسئلہ میں اپنے بعض نقاط نظر کی تائید میں بعض سلف کی عبارت پیش کی جو ان کے نقطۂ نظر کی تو موید تھی مگر مسلک جمہور کے خلاف تھی۔ یہ عبارت وہ خود لیکر دیوبند تشریف لائے اور مجمع علماء میں اسے پیش کیا تمام اکابر دارالعلوم حضرت شاہ صاحبؒ کے کمرہ میں جمع تھے۔ حیرانی یہ تھی کہ نہ اس عبارت کو رد ہی کر سکتے تھے کیونکہ وہ سلف میں سے ایک بڑی شخصیت کی عبارت تھی اور نہ اسے قبول ہی کر سکتے تھے کہ مسلک جمہور کے صراحۃً خلاف تھی۔ یہ عبارت اتنی واضح اور صاف تھی کہ اسے کسی تاویل وتوجیہہ سے بھی مسلک جمہور کے مطابق نہیں کیا جا سکتا تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ استنجا کے لئے تشریف لے گئے ہوئے تھے وضو کر کے واپس ہوئے تو اکابر نے عبارت اور مسلک کے تعارض کا تذکرہ کیا اور یہ کہ ان دونوں باتوں میں تطبیق وتوفیق بھی نہیں بن پڑتی۔

حضرت ممدوح حسب عادت حسبنا اللہ کہتے ہوئے بیٹھ گئے اور عبارت کو ذرا غور سے دیکھ کر فرمایا ”کہ اس عبارت میں جعل اور تصرف کیا گیا ہے اور دو سطروں کو ملا کر ایک کردیا گیا ہے۔ درمیان کی ایک سطر چھوڑ دی گئی ہے“۔

اس وقت کتب خانہ سے کتاب منگائی گئی دیکھا گیا تو واقعی اصل عبارت میں سے پوری ایک

سطر درمیان میں سے حذف ہوئی تھی۔ جوں ہی اس ساقط کردہ سطر کو عبارت میں شامل کیا گیا، عبارت کا مطلب مسلک جمہور کے موافق ہو گیا۔ اور سب کا تحیر رفع ہو گیا۔

بہر حال حافظہ اور انتقال ذہنی کے لحاظ سے حضرت ممدوح آیت من آیات اللہ تھے جن کی نظیر ان قریبی زمانوں میں نہیں ملتی۔

حضرت ممدوح کی اس تبحر پسندی اور ذوق زیادۂ علم کا نتیجہ یہ تھا کہ طلبہ میں بھی وہی ذوق پیدا ہو نے لگا۔ ہر طالب علم کوشش کرتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ تحقیق کے ساتھ مسئلہ کی تہہ تک پہونچے۔ اس دور میں ہر چھوٹے بڑے کا یہ ذہن بن گیا تھا اور اس کے آثار زمانہ طالب علمی ہی میں نمایاں ہونے لگے۔

چنانچہ اس زمانہ کے متعدد طلباء دورِ حدیث نے اچھے اچھے قابل قدر رسالے اور مضامین سے اپنے علمی تبحر کا ثبوت دیا میں نے ادب و تاریخ کے سلسلہ میں رسالہ مشاہیر امت لکھا۔ مولینا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم (سابق مفتی اعظم) پاکستان نے ختم النبوۃ فی القرآن اور ختم النبوۃ فی الحدیث کا رسالہ دو جلدوں میں مرتب کیا مولینا محمد ادریس صاحب کاندہلوی نے کلمۃ السرفی حبوۃ روح السر لکھا مولینا بدر عالم صاحب میرٹھی نے بھی کئی رسالے لکھے اور تقریباً دو تین سال کے عرصہ میں احاطہ دار العلوم سے اٹھارا، انیس رسالے شائع ہوئے۔

یہ درحقیقت وہی ذوق تھا جو حضرت ممدوح کے درس حدیث سے طلبہ لیکر اٹھتے تھے اور علمی طور پر اپنے اندر زمانہ طالب علمی ہی میں ایک ایسی قوت محسوس کرنے لگتے تھے کہ گویا وہ تمام علوم وفنون پر حاوی ہیں اور علم ان کے اندر سے خود بخود ابھر رہا ہے۔ وہ کتب بینی محض عنوان بیان تلاش کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔

حضرت ممدوح کے یہاں علم کے اس غیر معمولی شغف وانہماک اور ہمہ وقت کے شغل کے باوجود عمل اور اتباع سلف کے اہتمام میں ذرہ برابر کمی اور کوتاہی نہ ہوتی تھی۔

ہم بہت سی سنتیں ان کے عمل دیکھ کر معلوم کرلیا کرتے تھے۔ اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ کھانے میں ہمیشہ تین انگلیاں استعمال کرتے تھے اور دونوں ہاتھ مشغول رکھتے تھے بائیں ہاتھ سے روٹی اور داہنے ہاتھ سے اسے توڑ توڑ کر استعمال کرتے تھے۔ لقمے ہمیشہ چھوٹے چھوٹے استعمال کرتے تھے۔

یہی صورت لباس کی تھی پاجامہ نیم ساق سے کبھی نیچا نہ ہوتا تھا، عمامہ کا استعمال زیادہ ہوتا تھا، سردیوں میں اکثر و بیشتر سبز یا سیاہ رنگ کا عمامہ استعمال فرماتے تھے زہد و تقوی حضرت ممدوح کے کھلے اور روشن چہرے پر برستا تھا ایک غیر مسلم شخص نے کسی موقع پر حضرت ممدوح کا سرخ وسفید

رنگ کشادہ پیشانی اور ہنس مکھ چہرہ نیز چہرہ کی مجموعی وجاہت وعظمت دیکھ کر کہا اسلام کے حق ہونے کی ایک مستقل دلیل یہ چہرہ بھی ہے۔

جمعہ کیلئے جاتے تو فاسعوا الی ذکر اللہ کا منظر سب کو نظر آتا سعی اور دوڑ کی شان تیز رفتاری اور لمبے لمبے قدم ڈالنے کی چال سے نمایاں ہوتی۔ حسبنا اللہ تکیہ کلام تھا۔ اٹھتے بیٹھتے اکثر و بیشتر حسبنا اللہ فرماتے تھے اور ایسے ہی موقع بموقع اللہ اَجل فرماتے رہتے تھے۔ درس میں بعض اوقات غایت خشیت سے آنکھوں میں نمی آجاتی جسے ضبط کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ انشاء وقصاید اور وعظ میں خوف وخشیت کے اشعار اکثر تر آنکھوں کے ساتھ پڑھتے جس سے چہرہ مظہر خشیت الٰہی نظر آتا تھا اور سامعین کی آنکھیں تر ہو جاتی تھیں۔ ٹھیک طریقہ نبوی ﷺ کے مطابق کن آنکھوں سے دیکھتے اور جدھر متوجہ ہوتے، پورے پورے متوجہ ہوتے تھے۔ ادب علم کا یہ عالم تھا کہ خود ہی فرمایا کہ میں مطالعہ میں کتاب کو اپنا تابع کبھی نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ خود کتاب کے تابع ہو کر مطالعہ کرتا ہوں چنانچہ سفر وحضر میں ہم لوگوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ لیٹ کر مطالعہ کر رہے ہوں یا کتاب پر کہنی ٹیک کر مطالعہ میں مشغول ہوں بلکہ کتاب کو سامنے رکھ کر مؤدب انداز سے بیٹھتے گویا کسی شیخ کے آگے بیٹھے ہوئے استفادہ کر رہے ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک دینیات کی کسی کتاب کا مطالعہ بے وضو نہیں کیا۔

سبحان اللہ! کہنے کو تو یہ بات بہت چھوٹی سی نظر آتی ہے لیکن اس پر استقامت اور دوام ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ یہ وہی کر سکتا ہے جسے حق تعالیٰ نے ایسے کاموں کے لئے موفق اور میسر کر دیا ہے اور وہ گویا بنا ہی اس لئے گیا ہے کہ اس سے دینی آداب کے عملی نمونے پیش کرائے جائیں۔ کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَہٗ۔

ہر کسے ما بہر کارے ساختند ☆ با میل اور اور دلش انداختند

ادب شیوخ واکابر کا یہ عالم تھا کہ ان کے سامنے کبھی آنکھ اٹھا کر یا آنکھ ملا کر گفتگو نہ فرماتے فتنہ ۱۳۴۶ھ میں جب معاملہ حدود سے بڑھنے لگا اور حضرت ممدوحؒ نے مدرسہ میں آنا اور درس دینا چھوڑ دیا جس سے طلبہ میں انتشار پھیل گیا اور اسٹرائک کی صورت پیدا ہوئی۔ تو حضرت والد ماجدؒ نے بلا واسطہ اس مسئلہ کو سنبھالنے کی سعی فرمائی اور ایک دن اچانک صبح کے وقت حضرت ممدوح کے مکان پر تن تنہا پہنچ گئے۔ اور اطلاع ہونے پر ایک دم گھبرا کر حضرت ممدوح باہر تشریف لائے اور اسی سابقہ نیازمندوں کے ساتھ بہت ہی مؤدبانہ انداز سے پردہ کرا کر گھر میں لے گئے گردن جھکا کر عرض کیا کہ حضرت اس وقت اچانک کیسے تکلیف فرمائی۔

حضرت والد ماجدؒ نے فرمایا کہ حضرت مجھے یہ عرض کرتا ہے کہ میرا بھی آپ پر کوئی حق ہے؟
فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر آپ میری کھال کی جوتیاں بنا کر پہنیں تو مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔
والد ماجدؒ نے فرمایا کہ بارك الله بس تو میری گزارش یہ ہے کہ آپ ان قصوں کو چھوڑ دیں اور
مدرسہ چلیں اور میرے ساتھ چلیں۔
فرمایا بہت اچھا! حضرت نے چند معاملات پیش فرمائے کہ حضرت انہیں یوں کردیا جائے،
والد ماجدؒ نے فرمایا کہ آپ کا منصب مطالبہ کرنے کا نہیں، مطالبے پورے کرنے کا ہے آپ اپنے
قلم سے، جو مناسب سمجھیں چل کر خود کریں اس پر ساتھ ہو لئے اور مدرسہ میں پہنچ گئے سب کو حیرت
اور بے انتہا مسرت ہوئی کہ سارا فتنہ ختم ہوگیا۔
والد ماجدؒ نے فرمایا کہ ”یہ سب مطالبے آپ خود جاری کردیں اور درس شروع کرادیں“ فرمایا کہ
حضرت اتنی اجازت دیں کہ ظہر کے بعد حاضر ہوکر درس شروع کروں فرمایا مضائقہ نہیں حضرت ممدوح
تشریف لے گئے مگر پھر ظہر کے بعد تشریف نہیں لائے اور معلوم ہوا کہ لوگوں نے مجبور کرکے روک دیا۔
مجھے یہ عرض کرنا تھا کہ زمانہ اختلاف میں ادب وتوقیر اور تسلیم ورضاء کا بذات خود یہ عالم تھا کہ
جو اس واقعہ میں آپ نے دیکھا۔
تقریری افادہ کے ساتھ تحریری افادہ یعنی تصنیف کا بھی آپ میں کافی ذوق تھا۔ حدیث میں
متعدد نافع اور نادرہ روزگار رسالے تالیف فرمائے اور علمی ترکہ میں چھوڑے جیسے:

نیل المرقدین فی مسئلة رفع الیدین، فصل الخطاب فی مسئلة ام الکتاب، کشف الستر عن مسئلة الوتر، اکفار الملحدین فی ضروریات الدین (عربی) اور خاتم النبیین (فارسی)

مرض وفات میں رو کر فرمایا کہ ہم نے عمر ضائع کی اور کوئی کام آخرت کے لئے نہ کیا یہ رسالہ خاتم
النبیین اس لعین قادیانی کے رد میں لکھا ہے توقع ہے کہ شاید یہ رسالہ میری نجات کا ذریعہ ہوجائے۔
دارالعلوم کے سنین قیام میں تقریباً اواخر سنین میں کلامی مسائل کی طرف توجہ دی ابتدائی ایام میں
کلامی مسائل میں زیادہ ذوق سے کام نہیں فرماتے تھے۔ نقل وروایت کا غلبہ تھا۔ آخر عمر میں ذوق ابھرا
تو خارج اوقات میں دوپہر کے ابتدائی حصہ میں کتاب شروع کرائی۔ احقر بھی اس میں شریک تھا۔
اس میں بالخصوص حضرت نانوتوی قدس سرہ کی کتب کے حوالہ سے کلامی مسائل میں ان کے علوم کو
بیان فرماتے اور ان کی شرح فرماتے اور آخر کار ان علوم کے عنوانات منضبط کرنے کے لئے عربی کا
ایک بلیغ قصیدہ خود ہی موزون فرمایا جو ”ضرب الخاتم علی حدوث العالم“ کے نام سے

چھپ چکا ہے اس کے ایک ایک شعر میں بہت سے مسائل کھپا دیئے ہیں ساتھ ہی ان کی تشریحات کے لئے ماخذوں کے حوالے دیئے گئے ہیں جن میں تمام کتب معقول و مباحثہ فلسفہ کے حوالوں کے ساتھ علوم قاسمیہ کی کتب مثلاً تقریر دلپذیر انتصار الاسلام، مباحثہ شاہ جہاں پور وغیرہ کے حوالے بکثرت ملتے ہیں خط نہایت پاکیزہ تھے، حروف موتیوں کی طرح کاغذ پر جڑے ہوئے نظر آتے تھے اور بہت خوب صورت ہوتے تھے باریک قلم سے لکھتے تھے اور مختصر نویسی کے ساتھ لکھنے کی عادت تھی اکثر تحریریں اشارات ہوتے تھے جن کو صاحب ذوق ہی سمجھ سکتا تھا۔

فن ادب اور شاعری کا ذوق بہت بلند پایہ تھا دار العلوم میں عام اجتماعات یا کسی بڑی شخصیت کے قدوم یا کسی اہم حادثہ کے وقوع پر قصائد قلم بند فرماتے اور انہیں مجمع میں سناتے، پڑھنے کا طرز نہایت دلکش تھا ترنم کے ساتھ پڑھتے تھے جس سے سامعین پر گہرا اثر پڑتا تھا عربی اور فارسی کی بلاغت اعلیٰ مقام تک پہنچی ہوئی تھی۔

فرماتے کہ مقامات حریری جیسی عبارت ایک گھنٹہ میں چار ورق برجستہ لکھ سکتا ہوں لیکن ہدایہ جیسی عبارت چار مہینوں میں بھی چار سطر نہیں لکھ سکتا اردو سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا لیکن کلام بہر حال بلیغ ہوتا تھا مگر عربیت آمیز، اس اردو اجنبیت کی وجہ سے ہم میں اردو کی ایک گونہ تحقیر قائم ہوگئی تھی اردو کی کتابوں کو دیکھنا عیب سا معلوم ہوتا تھا حتی کہ خود اپنے اسلام صالحین کی علوم معارف سے بھری ہوئی اردو تصنیفیں دیکھنے میں بڑی رکاوٹ پیدا ہوگئی تھی۔ خواہ اسے محسوس کر کے یا از خود داعیہ قلب سے ایک دن تفسیر بیان القرآن اردو از حضرت تھانوی قدس سرہ کے بارے میں فرمایا کہ اردو میں اتنی چست تفسیر آج تک نظر سے نہیں گزری اس تفسیر نے بہت سی پرانی تفاسیر سے مستغنی کر دیا ہے۔

اس کے بعد ہم لوگ اردو کی کتابیں دیکھنا گویا جائز سمجھنے لگے تھے اور یہ کہ اردو زبان بھی کوئی ایسی چیز ہے جس سے علم کا تعلق ہو سکتا ہے۔

اثناء سال تعلیمی میں گاہ بگاہ سفر بھی فرماتے تھے اور سال بھر میں سفروں کی تعداد خاصی ہو جاتی تھی اس میں بعض سفر لمبے لمبے بھی ہوتے تھے جیسے پنجاب و سرحد وغیرہ کے اسفار سے رد قادیانی کے سلسلے میں پنجاب کے مستقل دورے بھی فرمائے خاص قادیان کا سفر بھی ہوا جس میں ایک بڑی جماعت ساتھ تھی اور ہم لوگ بھی ہمرکات تھے اور سفروں میں بھی احقر ساتھ رہا۔

تقریر علمی ہوتی تھی جس سے علماء ہی استفادہ کر سکتے تھے لیکن عوام بصد عقیدت سن کر برکت حاصل کرتے تھے۔

گھونڈ ضلع راولپنڈی کے سفر میں احقر اور مولینا محمد ادریس صاحب کاندھلوی حال شیخ الحدیث

جامعہ اشرفیہ لاہور اور دوسرے بعض اور مستفیدین بھی ساتھ تھے۔ حضرت مولینا مرتضیٰ حسن صاحب رحمۃ اللہ بھی ہمراہ تھے راولپنڈی پہنچنے پر بڑے بڑے اجتماعات ہوئے اور بڑی بڑی عالمانہ تقریریں ہوئیں مجلسی خوش مذاقی اور ظرافت کے سلسلہ میں ایک واقعہ بھی پیش آیا کہ حضرت مولینا مرتضیٰ حسن مرحوم وظیفہ پڑھ رہے تھے جو ناشتہ آ گیا حضرت ممدوح نے زور سے فرمایا شیخ وظیفہ کا مقصد آ چکا ہے دسترخوان پر آ جائیے!

کوئٹہ کے اسی سفر میں حضرت ممدوح نے مجھے فقیر صاحب کا خطاب عطا فرمایا صورت واقعہ یہ ہوئی کہ بارش بہت زیادہ ہو گئی جلسہ گاہ شہر سے میل بھر کے فاصلہ پر تھی راستہ میں بھی بارش آ گئی اور میں سرے پیر تک پانی میں مع کپڑوں کے نچڑ گیا جلسہ گاہ کے قریب ایک مسجد میں پہنچکر بھیگے ہوئے کپڑے اتارے ایک صاحب نے اپنی چادر لنگی کے طور پر دی اور ایک صاحب نے اوڑھنے کے لئے دوسری چادر دیدی میں لنگی باندھ کر اور چادر اوڑھ کر ننگے سر ننگے پاؤں حضرت شاہ صاحب کے ساتھ جلسہ گاہ میں پہنچا حکم فرمایا کہ:

''اس وقت جلسہ میں تقریر تجھی کو کرنا ہوگی''

چنانچہ مجھے اسٹیج پر کھڑا کر کے خود ہی میرے تعارف کی تقریر کی اور فرمایا کہ یہ فقیر صاحب جو آپ کے سامنے حد میں ننگے سر ننگے پاؤں کھڑے ہیں فلاں ہیں فلاں کے بیٹے اور فلاں کے پوتے ہیں علمی سواد خاصا رکھتے ہیں مجمع میں بولنے کا ڈھنگ انہیں آ گیا ہے یہ جیسے باہر سے فقیر نظر آتے ہیں ویسے ہی اندر سے بھی فقیر صاحب ہی ہیں آپ ان کی تقریر سے فائدہ اٹھائیں گے۔

ملتان میں بھی شیخ زکریا بہاؤالدین ملتانی کی درگاہ کے احاطہ میں جلسہ ہوا میں ساتھ تھا تو مجھے بھی تقریر کرنے کا حکم دیا اور جب میں تقریر ختم کر چکا تو اس تقریر کی تائید میں بار بار میرا ذکر فرما فرما کر خود بھی تقریر فرمائی اور کافی حوصلہ بڑھایا، صاغر کی حوصلہ افزائی کی آپ کو خاص عادت تھی جس سے چھوٹے اپنے حوصلہ سے زیادہ کام کر جاتے تھے اور ان میں ترقی کی امنگ پیدا ہو جاتی تھی۔

درس و تدریس کے ساتھ ارشاد و تلقین کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا بیعت بھی فرما لیتے تھے اپنے اوپر سے سنا کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کی طرف سے مجاز بیعت بھی تھے۔ دیوبند کے بھی بعض لوگ بیعت تھے اللہ دین دیوبندی جو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ کے دیکھنے والوں میں تھے حضرت ممدوح ہی سے بیعت تھے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد میں نے اور جناب مولینا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان مقیم کراچی نے بھی ساتھ ہی ساتھ حضرت ممدوح کی طرف رجوع کیا۔ ہمیں

طریق چشتیہ کے مطابق اذکار تلقین فرمائے اور ہم اس میں کھلی تاثیر تصرف محسوس کرتے تھے۔
علم واخلاق کے ان اونچے مقامات کے ساتھ سیاسیات سے بھی آپ کو لگاؤ تھا اور ملکی معاملات میں شرعی اصول پر جچی تلی رائے ظاہر فرماتے تھے۔

جمعیۃ العلماء ہند کے سالانہ اجلاس پشاور کی صدارت فرمائی خطبہ صدارت ارشاد فرمایا۔ جس میں وقت کے تمام مسائل پر بحث فرمائی انگریزوں سے کافی تنفر تھا ایک دفعہ مرض وفات میں ۱۹۴۷ء کے انقلاب سے سولہ سترہ سال پہلے عزیزی مولوی حامد الانصاری غازی کو مخاطب کر کے فرمانے لگے کہ بھائی ہمیں اب یقین ہو گیا ہے کہ انگریز ہندوستان سے نکل جائے گا کیونکہ اس نے قدرتی اشیاء پر بھی ٹیکس عائد کر دیے ہیں ہوا پر ٹیکس، فضا پر ٹیکس، پانی پر ٹیکس، نمک پر ٹیکس، جن چیزوں کو قدرت نے آزاد رکھا تھا ان پر پابندی عائد کرنا قدرت کا مقابلہ ہے۔ جس کے بعد زیادہ دیر تک جم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ہمیں یقین ہے کہ اب انگریز کے جانے کے دن قریب آ گئے ہیں۔

حضرت ممدوح کی ان گونا گوں علمی اور اخلاقی خصوصیات کے سبب خود ان کے اکابر ان کی عزت کرتے تھے حضرت شیخ الہند استاد ہونے کے باوجود توقیر کے کلمات ان کے بارہ میں استعمال فرماتے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ فرماتے کہ جب مولوی انور شاہؒ میرے پاس آ کر بیٹھتے ہیں تو میرا قلب ان کی علمی عظمت کا دباؤ محسوس کرتا ہے میرے والد ماجد باوجود استاد ہونے کے انکی انتہائی توقیر فرماتے تھے اور غائبانہ بھی ان کے لئے کلمات تعظیم استعمال فرماتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جس کی عظمت اس کے بڑوں کے دل میں بھی ہو اس کی عظمت اس کے چھوٹوں کے دلوں میں کتنی ہوگی۔

ایک مقتدر ہستی ایک یگانہ روزگار ہستی کے فضائل ومناقب ان سطور میں کیا آ سکتے ہیں بڑی بڑی تصنیفیں بھی ایسے لوگوں کی سوانح کے لئے کافی نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے یہ مضمون تو کیا ان کی سمائی کر سکتا ہے لیکن اس کی نگارش بطور سوانح کے ہوئی ہی نہیں یہ سطریں صرف بطور تذکرۂ کاملین اپنے دل کی تسلی اپنے استاد زادہ عزیز مولوی محمد ازہر شاہ قیصر، مدیر ماہنامہ دار العلوم کے ایماء کی تعمیل کے لئے لکھی گئی ہیں۔ ورنہ کجا سوانح خاتم المحدثین اور کجا یہ اجہل الجاہلین، بس جهد المقل دموعه کے طور پر یہ بضاعت مزجاہ (جو آج بتاریخ ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۷۳ھ کو بعد نماز صبح بیٹھ کر لکھنی شروع کی اور مسلسل لکھتے لکھتے ٹھیک گیارہ بجے دن کے ختم کر دی) بطور ایک ہدیہ ناچیز عزیز محترم وممدوح کی خدمت میں پیش ہے۔

"گر قبول افتد زہے عز و شرف"

الحمد للہ اولا و آخرا

(منقول از حیات انور)

قادیانی فتنہ

اور

حضرت مولٰینا محمد انور شاہ کشمیری

از حضرت مولٰینا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ (سابق مفتی اعظم پاکستان)

حضرت مولٰینا محمد شفیع صاحب، حضرت شاہ صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے تھے سالہا سال تک دارالعلوم دیوبند میں مفتی کے فرائض انجام دے چکے ہیں اور بعد ازاں پاکستان تشریف لے گئے اور وہاں دارالعلوم کراچی کے شیخ الحدیث اور مملکت پاکستان میں مفتی اعظم کے منصب جلیل پر فائز رہے۔ واسع الاطلاع کثیر المطالعہ کثیر التصانیف محقق اور فاضل متبحر تھے۔ ۱۱ شوال المکرم ۱۳۹۶ھ کو آپ پاکستان میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون کونده

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی امتیازی فضیلت ہے کہ پوری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوتی اور امت میں تاقیامت ایک ایسی جماعت قائم رہنے کی بشارت رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر دی ہے جو دین حق کی اصلی ہیئت پر قائم رہ کر اس کے اندر پیدا ہونے والے رخنوں کی اصلاح کرتی رہے گی اس کو اللہ کی راہ میں نہ کسی کا خوف مانع ہوگا نہ طمع ایسے ہی لوگوں کے حق میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

ان اللہ لیغرس لهذا الدین غرسا

(اللہ تعالیٰ اس دین کی خدمت کے لئے پودے لگا تا رہے گا)

یہ ضروری نہیں کہ اس جماعت کے افراد سب کسی ایک ہی جگہ یا کسی ایک ہی بستی یا ایک ملک میں ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ اس جماعت کے افراد کو ہر زمانہ اور ہر خطہ میں پیدا فرماتے رہتے ہیں۔

ان کی خصوصی علامت یہ ہوتی ہے کہ دین کے فروغ اور اس میں پیدا شدہ رخنوں کی اصلاح عام مسلمانوں کی خیر خواہی اور ان کو دین کے صحیح راستہ پر چلانے کا داعیہ ان کے قلوب میں ایسا رچا ہوا ہوتا ہے کہ یہ جذبہ ان کے حوائج ضروریہ انسانیہ کا درجہ لے لیتا ہے۔ ان مقاصد میں کسی جانب سے خلل آتا ہے تو انہیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا گھر جل گیا ہم لٹ گئے۔

خنجر چلے کسی پر تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

خدمت خلق اور اصلاح خلق ان کے لئے طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے اللہ تعالیٰ کا ہزار شکر ہے کہ اس نے جن بزرگوں کی صحبت کا شرف عطا فرمایا ان میں کافی تعداد ایسے حضرات کی تھی جن کے چہرے دیکھ کر خدا یاد آئے جن کی زندگی کو دیکھنے والے بے تامل کہہ اٹھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دین اور مسلمانوں کی خدمت ہی کے لئے چن لیا ہے۔ انا اخلصنا هم بخالصة ذکری الدار (ہم نے ان کو ایک خاص کام کے لئے مخصوص کرلیا ہے یعنی ذکر و فکر آخرت کے لئے)

ان ہی مقدس بزرگوں میں سے میرے استاذ محترم استاد الاساتذہ بحر العلوم والفنون ذہبی زمانہ اور رازیٔ وقت حضرت علامہ مولینا محمد انور شاہ صاحب قدس سرہ کی ذات گرامی ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس ناکارہ کو آپ کی خدمت و صحبت میں رہنے اور بقدر ظرف استفادہ کرنے کے لئے تقریباً بیس سال کی طویل المدت عطا فرمائی آپ کے پورے فضائل و کمالات کو تو کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کو علم کا حظ وافر حاصل ہے۔ یہ ناکارہ اپنی کم ہمتی اور کم حوصلگی کی بناء پر اس درجہ سے محروم رہا۔

ما نداریم مشامے کہ توانست شنید
ورنہ ہر دم وزداز گلشن وصلت نفحات

مگر اس پر بھی جو کچھ آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا اس کو ضبط بیان میں لانا آسان نہیں خصوصاً اس وقت کہ ہجوم مشاغل وذواہل نے دل و دماغ کو کسی کام کا نہیں چھوڑا۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسدر باغباں
بلبل چہ گفت وگل چہ شنید وصبا چہ کرد

مولوی محمد ازہر شاہ صاحب قیصر سلمہ اللہ تعالیٰ نے احقر سے فرمائش کی کہ قادیانی فتنہ کے استیصال میں حضرت شاہ صاحب کی مساعی جمیلہ سے متعلق اپنی معلومات کو ضبط کر کے پیش کیا جائے اس لئے میں کچھ وقت نکال کر اپنی ناتمام معلومات کا ایک حصہ آپ کی زندگی کے ایک مختصر گوشہ پر اپنی یادداشت کے مطابق پیش کرتا ہوں۔

فتنہ مرزائیت کی شدت اور اس کے بعض اسباب:...... تقریباً ۱۳۴۰ھ کا واقعہ ہے کہ فتنۂ قادیانیت پورے ہندوستان کے اطراف و جوانب میں خصوصاً پنجاب میں ایک طوفانی صورت سے اٹھا۔ اس کا سبب خواہ یہ ہوا کہ ۱۹۱۹ء کی جنگ عظیم میں قادیانی مسیح کی امت نے

مسلمانوں کے مقابلہ میں عیسائیوں (انگریزوں) کو کافی مدد بہم پہنچائی جس کا اعتراف خود مسلمانوں نے اپنے اخبارات میں کیا ہے اور یہی وجہ تھی کہ بغداد و سات سو سال کے بعد مسلمانوں اور ہاتھوں سے نکل کر انگریزوں کے تسلط میں داخل ہوا تو جہاں محمد مصطفیٰ کی پوری امت ان کے رنج کے باعث غم میں مبتلا تھی وہیں قادیانی مرزا کی امت قادیان میں چراغاں کر رہی تھی۔ (الفضل قادیان) گو اس جنگ عظیم میں امداد دینے اور مسلمانوں کے مقابلے میں انگریزوں کو کامیاب بنانے کے صلہ میں انگریزوں کی حمایت (بقول مرزا صاحب) اپنے اس خود کاشتہ پودے کو زیادہ حاصل ہوگئی اور اس کا حوصلہ ہو گیا کہ وہ کھل کر مسلمانوں کے مقابلہ میں آجائے اور ممکن ہے کہ کچھ اور بھی اسباب ہوں۔

یہ زمانہ دارالعلوم دیوبند میں میرے درس و تدریس کا ابتدائی دور تھا اور میں اس بسم اللہ کے گنبد کی ابتدائی کتاب اور سبق پڑھانے کے سوا کچھ نہ جانتا تھا کہ دیوبند میں کیا ہو رہا ہے۔

لیکن ہمارے بزرگ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے فروغ اور اسلام کی خدمت ہی کے لئے پیدا فرمایا تھا، قادیانیت کے اس بڑھتے ہوئے طوفان سے سخت تشویش واضطراب محسوس فرما رہے تھے اور تبلیغ واشاعت کے ذریعہ اس کے مقابلہ کی فکر کر رہے تھے۔ بالخصوص حضرت شاہ صاحب قدس سرہ پر اس فتنہ کا بہت اثر تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ کے مقابلہ کے لئے ان کو چن لیا ہے۔ جیسا ہر زمانہ میں عادت اللہ یہ رہی ہے کہ ہر فتنہ کے مقابلہ کے لئے اس وقت کے علماء دین سے کسی کو منتخب کرلیا گیا اور اس کے قلب میں اس کی اہمیت ڈال دی گئی، فتنہ قادیانیت کے استیصال میں حضرت ممدوح کی شبانہ روز جد و جہد اور فکر و عمل سے ہر دیکھنے والے کو یقین ہو جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس خدمت کے لئے آپ کو چن لیا ہے۔

مصر و عراق وغیرہ ممالک اسلامیہ میں فتنۂ قادیانیت کا انسداد:...... میں حسب عادت ایک روز استاد محترم حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کی دائمی عادت کے خلاف دیکھا کہ ان کے سامنے کوئی کتاب زیر مطالعہ نہیں، خالی بیٹھے ہوئے ہیں اور چہرے پر فکر کے آثار نمایاں ہیں میں نے عرض کیا کہ کیسا مزاج ہے؟ فرمایا کہ بھائی مزاج کو کیا پوچھتے ہو قادیانیت کا ارتداد اور کفر کا سیلاب امنڈتا چلا آتا ہے صرف ہندوستان میں نہیں عراق بغداد میں ان کا فتنہ سخت ہوتا جاتا ہے اور ہمارے علماء عوام کو اس طرف توجہ نہیں ہم نے اس کے مقابلہ کے لئے جمعیۃ علماء ہند میں یہ تجویز پاس کرائی تھی کہ دس رسالے مختلف موضوعات متعلقہ قادیانیت پر عربی زبان میں لکھے جائیں اور ان کو طبع کرا کر ان بلاد اسلامیہ میں بھیجا جائے۔ مگر اب کوئی کام کرنے والا نہیں ملتا۔ اس کام کی اہمیت لوگوں کے خیال میں نہیں میں نے عرض کیا کہ

اپنی استعداد پر تو بھروسہ نہیں لیکن حکم ہو تو کچھ لکھ کر پیش کروں، ملاحظہ کے بعد کچھ مفید معلوم ہو تو شایع کیا جائے ورنہ بے کار ہونا تو ظاہر ہی ہے ارشاد ہوا کہ ''مسئلہ ختم نبوت'' پر لکھو، احقر نے استاد محترم کی تعمیل ارشاد کو سرمایہ سعادت سمجھ کر چند روز میں تقریباً ایک سو صفحات کا ایک رسالہ عربی زبان میں لکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت ممدوح رسالہ دیکھتے جاتے تھے اور بار بار دوعائیہ کلمات زبان پر تھے مجھے کوئی تصور نہ تھا کہ اس ناچیز خدمت کی اتنی قدر افزائی کی جائے گی۔ پھر خود ہی حضرت ممدوح نے اس رسالہ کا نام ''ھدایۃ المھدیین فی آیۃ خاتم النبیین'' تجویز فرما کر اس کے آخر میں ایک صفحہ بطور تقریظ تحریر فرمایا اور اپنے اہتمام سے اس کو طبع کرایا۔ مصر، شام، عراق، مختلف مقامات پر اس کے نسخے روانہ کئے۔

خاص قادیان میں پہنچ کر اعلان حق اور رد مرزائیت:...... اسی زمانہ میں حضرت ممدوح کے ایماء پر امرتسر پٹیالہ اور لدھیانہ کے چند علماء نے یہ تجویز کیا کہ اس فتنہ کے استیصال کے لئے خاص قادیان میں ایک تبلیغی جلسہ سالانہ منعقد کیا جائے تا کہ قضیہ زمین برسر زمین میں طے ہو سکے۔ یہ عوام کو فریب میں ڈالنے والے مناظرے اور مباہلے کے چیلنج جو اکثر اس فرقہ کی طرف سے چھپتے رہتے ہیں ان کی حقیقت لوگوں پر واضح ہو جائے۔ چنانچہ چند سال مسلسل یہ جلسے قادیان میں ہوتے تھے، اور حضرت ممدوح اکثر بذات خود ایک جماعت علماء دیوبند کے ساتھ اس میں شرکت فرماتے تھے۔ احقر ناکارہ بھی اکثر ان میں حاضر رہا ہے۔

قادیانی گروہ نے اپنے آقاؤں (انگریزوں) کے ذریعہ ہر طرح اس کی کوشش کی کہ یہ جلسے قادیان میں نہ ہو سکیں لیکن کوئی قانونی وجہ نہ تھی جس سے جلسے روک دیئے جائیں۔ کیونکہ ان جلسوں میں عالمانہ بیانات تہذیب و متانت کے ساتھ ہوتے اور کسی نقض امن کے خطرہ کو موقع نہ دیتے تھے۔ جب قادیانی گروہ اس میں کامیاب نہ ہوا تو خود تشدد پر اتر آیا۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ اور ان کے رفقاء کو قادیان جانے سے پہلے اکثر ایسے گمنام خطوط ملا کرتے تھے کہ اگر قادیان میں قدم رکھا تو زندہ واپس نہ جاسکو گے۔ اور یہ صرف دھمکی ہی نہ تھی بلکہ عملاً بھی اکثر اس قسم کی حرکتیں ہوتی تھیں کہ باہر سے جانے والے علماء و مسلمانوں پر حملہ کئے جاتے تھے ایک مرتبہ آگ بھی لگائی گئی۔

لیکن حق کا چراغ کبھی پھونکوں سے بجھایا نہیں گیا اس وقت بھی ان کے اخلاق سوز حملے مسلمانوں کو ان جلسوں سے نہ روک سکے۔

تردید مرزائیت میں تصانیف کا سلسلہ:...... ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ہم چند خدام جائے قادیان میں حضرت ممدوح کے ساتھ حاضر تھے صبح کی نماز کے بعد حضرت شاہ صاحب قدس سرہ

نے اپنے مخصوص تلامذہ و حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ زمانہ کو الحاد کے فتنوں نے گھیر لیا اور قادیانی دجال کا فتنہ ان سب میں زیادہ شدت اختیار کرتا جاتا ہے۔ اب ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ ہم نے اپنی عمر و توانائی کا بڑا حصہ اور درس حدیث کا اہم موضوع حنفیت و شافعیت کو بنائے رکھا۔ ملحدین زمانہ کے وساوس کی طرف توجہ نہ دی۔ حالانکہ ان کا فتنہ مسئلہ حنفیت و شافعیت سے کہیں زیادہ اہم تھا۔ اب قادیانی فتنہ کی شدت نے ہمیں اس طرف متوجہ کیا تو میں نے اس کے متعلقہ مسائل کا کچھ مواد جمع کیا ہے۔ اگر اس کو میں خود تصنیف کی صورت میں مدون کروں تو میرا طرز ایک خاص علمی اصطلاحی رنگ کا ہے اور زمانہ قحط الرجال کا ہے اس قسم کی تحریر کو نہ صرف یہ کہ پسند نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اس کا فائدہ بھی بہت محدود رہ جاتا ہے۔ میں نے مسئلہ قراۃ فاتحہ خلف الامام پر ایک جامع رسالہ فصل الخطاب بزبان عربی تحریر کیا۔ اہل علم اور طلباء میں عموماً تقسیم کیا لیکن اکثر لوگوں کو یہی شکایت کرتے سنا کہ پوری طرح سمجھ میں نہیں آیا۔ اس لئے اگر آپ لوگ کچھ ہمت کریں تو یہ مواد آپ کو دیدوں۔ اس وقت حاضرین میں چار آدمی تھے۔ احقر ناکارہ، حضرت مولینا سید مرتضیٰ حسن رحمۃ اللہ علیہ، سابق ناظم شعبہ تعلیم و تبلیغ دار العلوم دیوبند، حضرت مولینا بدر عالم صاحب سابق مدرس دار العلوم دیوبند (حال مہاجر مدینہ) اور حضرت مولینا محمد ادریس صاحب سابق مدرس دار العلوم دیوبند و شیخ الجامعہ بہاولپور (حال شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور) ادام اللہ تعالیٰ فیوضہم۔ ہم چاروں نے عرض کیا کہ جو حکم ہو ہم امتثال امر کو سعادت کبریٰ سمجھتے ہیں۔ اس وقت فرمایا کہ اس فتنہ کے استیصال کے لئے علمی طور پر تین کام کرنے ہیں۔ اول مسئلہ ختم نبوت پر ایک محققانہ مکمل تصنیف۔ جس میں مرزائیوں کے شکوک و شبہات و اوہام کا ازالہ بھی ہو۔

دوسرے حیاتِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلہ کی مکمل تحقیق قرآن و حدیث اور آثار سلف سے مع ازالہ شبہات ملحدین۔

تیسرے خود مرزا کی زندگی۔ اس کے گرے ہوئے اخلاق اور متعارض و متہافت اقوال اور انبیاء و اولیاء و علماء کی شان میں اس کی گستاخیاں اور گندی گالیاں۔ اس کا دعویٰ نبوت و وحی اور متضاد قسم کے دعوے۔ ان سب چیزوں کو نہایت احتیاط کے ساتھ اس کی کتابوں سے مع حوالہ جمع کرنا جس سے مسلمان کو اس فرقہ کی حقیقت معلوم ہو اور اصل یہ ہے کہ اس فتنہ کی مدافعت کے لئے وہی چیز اہم اور کافی ہے۔ مگر چونکہ مرزائیوں نے مسلمانوں کو فریب میں ڈالنے کے لئے خواہ مخواہ کچھ علمی مسائل میں عوام کو الجھا دیا ہے اس لئے ان سے بھی (غماض) نہیں کیا جاسکتا پھر فرمایا کہ مسئلہ ختم نبوت کے متعلق تو یہ صاحب (احقر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) ایک جامع رسالہ عربی زبان میں لکھ چکے ہیں اور اردو میں لکھ رہے ہیں اور آخر الذکر معاملہ کے متعلق مواد فراہم کر کے

مدون کرنے کا سب سے بہتر کام حضرت مولینا سید مرتضی جس صاحب کر سکیں گے کہ اس معاملہ میں ان کی معلومات بھی کافی ہیں اور مرزائی کتابوں کا پورا ذخیرہ بھی ان کے پاس ہے اور اس کام کو اپنے ذمہ لے کر جلد سے جلد پورا کریں۔

اب مسئلہ رفع وحیات عیسیٰ علیہ السلام رہ جاتا ہے اس کے متعلق میرے پاس کافی مواد جمع ہے آپ تینوں صاحب دیوبند پہنچ کر مجھ سے لے لیں اور اپنے اپنے طرز پر لکھیں۔

یہ مجلس ختم ہوگئی مگر حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے قلبی تاثرات اپنا ایک گہرا نقش ہمارے دلوں پر چھوڑ گئے۔ دیوبند واپس آتے ہی ہم تینوں حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسئلہ حیات عیسیٰ سے متعلق مواد مل گیا۔

حضرت مولینا بدر عالم صاحب دامت برکاتہم نے آیت انی متوفیك ورافعك الی کی تحریر سے متعلقہ مواد لے کر اس پر ایک مستقل رسالہ اردو میں الجواب الفصیح لمنکر حیات المسیح تحریر فرمایا جو علمی رنگ میں لاجواب سمجھا گیا اور حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے پسند فرما کر اس پر تقریظ تحریر فرمائی یہ رسالہ ۱۳۳۲ھ میں شعبہ تبلیغ دار العلوم دیوبند سے شائع ہوا۔

حضرت مولینا محمد ادریس صاحب دامت فیوضہم نے اپنے مخصوص انداز میں اس مسئلہ پر اردو زبان میں ایک جامع اور محققانہ رسالہ بنام کلمۃ السر فی حیوۃ روح السر تصنیف فرما کر حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی خدمت میں پیش کیا حضرت ممدوح نے بے حد پسند فرما کر تقریظ تحریر فرمائی۔ اور ۱۳۳۲ھ میں دار العلوم دیوبند سے شائع ہو کر مقبول ومفید خلائق ہوا۔

احقر ناکارہ کے لئے یہ کام رکھا گیا کہ جتنی مستند معتبر روایات حدیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات یا نزول فی آخر الزمان کے متعلق وارد ہوئی ہیں ان سب کو ایک رسالہ میں جمع کر دے۔ احقر نے تعمیل حکم کے لئے رسالہ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح بزبان عربی لکھا اور حضرت ممدوح کی بے حد پسندیدگی کے بعد اسی سال شائع ہوا۔

اس کے بعد حسب ارشاد ممدوح مسئلہ ختم نبوت پر ایک مستقل کتاب اردو زبان میں تین حصوں میں لکھی۔

پہلا حصہ ختم النبوۃ فی القرآن جس میں ایک سو آیات قرآنی سے اس مسئلہ کا مکمل ثبوت اور ملحدوں کے شبہات کا جواب لکھا گیا ہے۔

دوسرا ختم النبوۃ فی الحدیث جس میں دو سو دس احادیث معتبرہ سے اس مضمون کا ثبوت اور منکرین کا جواب پیش کیا گیا ہے۔

تیسرا ختم النبوۃ فی الآثار جس میں سینکڑوں اقوال صحابہ وتابعین اور ائمہ دین سے اس کے ثبوت اور منکرین اور ان کی تاویلات باطلہ پر رد کے متعلق نہایت صاف وصریح نقل کیے گئے ہیں پچیوں رسالے پہلی مرتبہ ۱۳۴۲ھ سے ۱۳۴۷ھ تک شائع ہوئے۔ اس کے ساتھ مختصر رسالہ دہادی مرزا اور مسیح موعود کی پہچان اردو زبان میں احقر نے لکھ کر پیش کیے ان رسائل کا جو کچھ نفع مسلمانوں کی اصلاح وہدایت اور ملحدین ومنکرین پر اتمام حجت کے سلسلہ میں ہوا یا ہوگا اس کا علم واللہ ہی کو ہے مجھے تو اپنی محنت کا نقد صلہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی مسرت وخوشنودی اور بے شمار دعاؤں سے اسی وقت مل گیا اور جوں جوں ان رسائل کی اشاعت سے مسلمانوں کی ہدایت بلکہ بہت سے قادیانی خاندانوں کی توجہ ورجوع الی الاسلام کے متعلق حضرت کو معلوم ہوئے اسی طرح اظہار مسرت اور دعاء کے انعامات ملتے رہے۔

مخدومنا حضرت مولینا سید مرتضیٰ حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو عمر اور طبقہ کے اعتبار سے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ سے مقدم تھے لیکن حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے محیر العقول علم کے بے حد معتقد اور آپ کے ساتھ معاملہ بزرگوں کا سا کرتے تھے جو خدمت اس سلسلہ کی ان کے سپرد فرمائی تھی اس کو آپ نے بڑی سعی بلیغ کے ساتھ انجام دینا شروع کیا اور مرزا قادیانی کی پوری زندگی اس کے اخلاق واعمال اور عقائد وخیالات دعوئ نبوت ورسالت اور تکفیر عام اہل اسلام گستاخی درشان انبیاء واولیاء کو مرزا کی اپنی کتابوں سے بحوالہ صفحہ سطر نہایت انصاف اور احتیاط کے ساتھ نقل کر کے بہت سے رسائل تصنیف فرمائے اور حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہ کے سامنے پیش فرما کر ان کی مراد پوری فرمائی۔ ان رسائل میں سے چند کے نام حسب ذیل ہیں۔

قادیان میں قیامت خیز بھونچال، اشد العذاب علی مسیلمۃ الفنجاب، فتح قادیان، مرزائیوں کی تمام جماعتوں کو چیلنج مرزائیت کا خاتمہ، مرزائیت کا جنازہ بے گوروکفن، ہندوستان کے تمام مرزائیوں کو چیلنج، مرزا اور مرزائیوں کو دربار نبوت سے چیلنج۔ یہ سب رسائل ۱۳۴۲ھ سے ۱۳۴۴ھ تک شائع ہوئے۔

فیروز پور پنجاب میں تاریخی مناظرہ:...... اسی زمانہ میں چھاؤنی فیروز پور پنجاب میں قادیانیوں کا ایک خاصا جتھا جمع ہو گیا تھا یہ لوگ وہاں کے مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے تھے اور اپنے دستور کے موافق عوام مسلمانوں کو مناظرہ ومباحثہ کا چیلنج کیا کرتے تھے اور جب کسی عالم سے مقابلہ کی نوبت آئی تو راہ گریز اختیار کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں ضلع سہانپور کے رہنے والے کچھ مسلمان جو فیروز پور میں بسلسلہ ملازمت مقیم تھے ان لوگوں نے روز روز کی جھک جھک کو ختم کرنے کے لیے خود قادیانیوں کو دعوت مناظرہ دے دی۔

قادیانیوں نے سادہ لوح عوام سے معاملہ دیکھ کر بڑی دلیری اور چالاکی کے ساتھ دعوت مناظرہ قبول کر کے بجائے اس کے کہ مناظرہ کرنے والے علماء سے شرائط مناظرہ طے کرتے انہیں عوام سے ایسی شرائط مناظرہ پر دستخط لئے جن کی رو سے فتح بہر حال قادیانی گروہ کی ہو اور اہل اسلام کو مقررہ شرائط کی پابندی کی وجہ سے ہر قدم پر مشکلات درپیش ہوں۔ ان عوام مسلمین نے مناظرہ اور شرائط مناظرہ طے کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند سے چند علماء کو دعوت دی جو قادیانیوں سے مناظرہ کریں۔

مہتمم دارالعلوم حضرت مولینا حبیب الرحمٰن صاحبؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ مولینا بدر عالم صاحب، حضرت مولینا محمد ادریس صاحب اور احقر تجویز ہوئے ادھر قادیانیوں نے یہ دیکھ کر کہ ہم نے اپنی من مانی شرائط میں مسلم مناظرین کو جکڑ لیا ہے اپنی قوت محسوس کی اور قادیان کی پوری طاقت فیروز پور میں لا ڈالی ان کے سب سے بڑے عالم اس وقت سرور شاہ کشمیری اور سب سے بڑے مناظر حافظ روشن علی اور عبدالرحمٰن مصری وغیرہ تھے یہ سب اس مناظرہ کے لئے فیروز پور پہنچ گئے۔

ہم چار افراد حسب الحکم دیوبند سے فیروز پور پہونچے تو یہاں پہنچ کر چھپا ہوا پروگرام مناظرہ اور شرائط مناظرہ کا نظر سے گزارا شرائط مناظرہ پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ ان میں ہر حیثیت سے قادیانی گروہ کے لئے آسانیاں اور اہل اسلام کے لئے ہر طرح کی بے حد پابندیاں ہیں جو کہ عوام نے اپنی ناواقفیت کی بنا پر تسلیم کی ہیں۔

اب ہمارے لئے دو ہی راستے تھے کہ یا ان مسلمہ فریقین شرائط مناظرہ کے ماتحت مناظرہ کریں جو ہر حیثیت سے ہمارے لئے مضر تھیں یا پھر مناظرہ سے انکار کر دیں کہ ہم ان شرائط کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے جو بغیر ہماری شرکت کے طے کر لی گئی ہیں۔ لیکن دوسری شق پر مقامی مسلمانوں کی بڑی خفت اور سبکی تھی اور قادیانیوں کو اس پروپیگنڈے کا موقع ملتا کہ علماء نے مناظرہ سے فرار کیا اس لئے ہم سب نے مشورہ کر کے مناظرہ کرنے کا تو فیصلہ کر لیا اور بذریعہ تار صورت حال کی اطلاع حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کو دے دی۔

اگلے روز مقررہ وقت پر مناظرہ شروع ہو گیا ابھی شروع ہی تھا عین مجلس مناظرہ میں نظر پڑی کہ حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت مولینا شبیر احمد صاحبؒ مع چند دیگر علماء کے تشریف لا رہے ہیں۔ ان کی آمد پر ہم نے کچھ دیر کے لئے مجلس مناظرہ ملتوی کی اور ان حضرات کو صورت حال بتلائی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جائیے ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تم نے جتنی شرطیں اپنی پسند کے موافق عوام سے طے کرائی ہیں اتنی ہی اور لگا لو ہماری طرف سے کوئی شرط نہیں۔ تم چوروں کی طرح عام ناواقف مسلمانوں کے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے عادی ہو کسی شرط اور کسی طریق

پر ایک مرتبہ سامنے آکر اپنے دلائل بیان کرو اور ہمارا جواب سنو پھر خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو۔
حضرتؒ کے ارشاد کے موافق اسی کا اعلان کر دیا گیا اور مناظرہ جاری ہوا ان اکابر کو مناظرہ کے لئے پیش کرنا ہماری غیرت کے خلاف تھا۔ اس لئے پہلے دن مناظرہ مسئلہ ختم نبوت پر احقر نے کیا۔ دوسرے دن حضرت مولانا بدر عالم اور مولینا محمد ادریس صاحب نے دوسرے مسائل پر مناظرہ کیا۔ تیسرے دن...
یوں تو مناظرہ کے بعد ہر فریق اپنی اپنی کہا ہی کرتا ہے لیکن اس مناظرہ میں چونکہ عموماً تعلیم یافتہ طبقہ شریک تھا اس لئے کسی فریق کو دھاندلی کا موقع نہ تھا۔ پھر اس مناظرہ کا کیا اثر ہوا۔ اس کا جواب فیروز پور کے ہر گلی کوچہ سے دریافت کیا جا سکتا تھا۔ کہ قادیانی گروہ کو کس قدر رسوا ہو کر وہاں سے بھاگنا پڑا۔ خود اس گروہ کے تعلیم یافتہ و سنجیدہ طبقہ نے اس کا اقرار کیا کہ قادیانی گروہ اپنے کسی دعوے کو ثابت نہیں کر سکا اور اس کے خلاف دوسرے فریق نے جو بات کہی قوی دلیل کے ساتھ کہی۔
مناظرہ کے بعد شہر میں ایک جلسہ عام ہوا جس میں حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت مولینا شبیر احمد عثمانیؒ کی تقریریں قادیانی مسئلہ کے متعلق ہوئیں۔ یہ تقریریں فیروز پور کی تاریخ میں ایک یادگار خاص کی نوعیت رکھتی ہیں۔ بہت سے وہ لوگ جو قادیانی دجل کے شکار ہو چکے تھے اس مناظرہ اور تقریروں کے بعد اسلام پر لوٹ آئے۔

حضرت شاہ صاحب کا دورہ پنجاب:......۱۳۴۳ھ میں جب کہ حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہ کی کوشش سے بذریعہ تصنیف و تحریر قادیانی دجل و فریب کا پردہ پوری طرح چاک کر دیا گیا۔ اور قادیانیت سے متعلق ہر مسئلہ اور مختلف طرز و انداز کے بیسوں رسائل شائع ہو چکے تو آپ نے اس کی بھی ضرورت محسوس فرمائی کہ ناخواندہ عوام کا طبقہ جو زیادہ کتابیں نہیں پڑھتا اور قادیانی مبلغین چل پھر کر ان میں اپنا دخل پھیلاتے ہیں اور مناظرہ و مباہلہ کے جھوٹے چیلنج ان کو دکھاتے پھرتے ہیں ان لوگوں کی حفاظت کے لئے پنجاب کے مختلف شہروں کا ایک تبلیغی دورہ کیا جائے۔
پنجاب و سرحد کے دورہ کا پروگرام بنا علماء دیوبند کی ایک جماعت ہمرکاب ہوئی اس جماعت میں حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ اکابرین میں سے حضرت شیخ الاسلام مولینا شبیر احمد عثمانی اور حضرت مولینا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ شریک تھے اس کے علاوہ حضرت مولینا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند حضرت مولینا بدر عالم صاحب حضرت مولینا محمد ادریس صاحب، مولینا محمد نعیم صاحب لدھیانوی اور احقر ناکارہ شامل تھے یہ علم کے پہاڑ اور تقوی کے پیکر پنجاب کے ہر بڑے شہر میں پہنچے اور مرزائیت کے متعلق اعلان حق کیا۔ منکرین کو رفع شبہات کی دعوت دی۔ لدھیانہ امرتسر لاہور، گوجرانوالہ، گجرات، راولپنڈی، ایبٹ آباد مانسہرہ ہزارہ، کھوٹہ وغیرہ میں ان حضرت کی بصیرت افروز

اور عالمانہ تقریریں ہوئیں، مرزائی دجال جو آئے دن مناظرہ و مباہلہ کے چیلنج عوام کو دکھانے کے لئے
پھرا کرتے تھے ان میں سے ایک سامنے نہ آیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس جہان میں نہیں ہیں۔
اس پورے سفر میں عام مسلمانوں نے جاء الحق وزھق الباطل کا مناظرہ گویا آنکھوں
سے دیکھ لیا۔

بہاولپور کا معرکۃ آلاراء تاریخی مقدمہ:...... حضرت شاہ صاحب اور دیگر اکابر علماء کے
بیانات اور مرزائیوں کے **مرتد ہونے کا فیصلہ۔**

۱۹۲۶ء میں احمد پور شرقیہ ریاست بہاولپور کی ایک مسلمان عورت کا دعوی اپنے شوہر کے مرزائی
ہو جانے کی وجہ سے نکاح فسخ ہونے کے متعلق بہاولپور کی عدالت میں دائر ہوا۔ اور سات سال تک
یہ مقدمہ بہاولپور کی ادنی و اعلی عدالتوں میں دائر رہتے ہوئے آخر میں دربار معلی بہاولپور میں پہنچا
۱۹۳۲ء میں دربار معلی نے پھر عدالت میں یہ لکھ کر واپس کر دیا کہ ہمارے خیال میں اس مسئلہ کی
پوری تحقیق و تنقیح کرنا ضروری ہے دونوں فریق کو موقع دیا جائے کہ وہ اپنے اپنے مذہب کے علماء کی
شہادتیں پیش کریں اور دونوں طرف کے مکمل بیانات سننے کے بعد اس مسئلہ کا کوئی فیصلہ کیا جائے۔

اب مدعی علیہ مرزائی نے اپنی حمایت کے لئے قادیان کی طرف رجوع کیا قادیان کا بیت المال
اور اس کے رجال کار مقدمہ کی پیروی کے لئے وقف ہو گئے ادھر مدعیہ بیچاری ایک غریب گھرانے
کی لڑکی نہایت کس مپرسی میں وقت گزار رہی تھی اس کی قدرت سے قطعاً خارج تھا کہ ملک کے
مشاہیر علماء کو جمع کر کے اپنی شہادت میں پیش کر سکے یا اس مقدمہ کی پیروی کر سکے۔ مگر الحمد بہاولپور
کے غیور مسلمانوں کی انجمن موید الاسلام نے زیر پرستی حضرت مولینا محمد حسین صاحب شیخ الجامعہ
بہاولپور اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا اور مقدمہ کی پیروی کا انتظام کیا اور ملک کے مشاہیر علماء کو خطوط لکھ
کر اس مقدمہ کی پیروی اور شہادت کے لئے طلب کیا حضرت شاہ صاحبؒ اس وقت جامعہ اسلامیہ
ڈابھیل میں صدر مدرسی کے فرائض انجام دے رہے تھے اور کچھ عرصہ علالت کے سبب رخصت پر
دیوبند تشریف لائے ہوئے تھے۔ طویل علالت سے نقاہت بے حد ہو چکی تھی۔

لیکن جس وقت یہ معاملہ آپ کے سامنے آیا تو مسئلہ کی نزاکت اور ہیئت کے قوی احساس نے آپ
کو اس کے لئے مجبور کر دیا کہ اپنی صحت اور دوسری ضرورتوں کا خیال کئے بغیر وہ بہاولپور کا سفر کریں۔
آپ نے نہ صرف اپنے آپ کو شہادت کے لئے پیش فرمایا بلکہ ملک کے دوسرے علماء کو بھی
ترغیب دے کر شہادت کے لئے جمع فرمایا۔

یہ واقعہ تقریباً ۱۳۵۱ھ کا ہے جب احقر ناکارہ بحیثیت مفتی دارالعلوم دیوبند فتوی نویسی کی خدمت انجام دے رہا تھا۔

انجمن موید الاسلام بہاولپور کی دعوت کے علاوہ استاد محترم حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی ہمراہی حاضری کے متعلق معلوم ہوا۔ احقر نے حاضری کا قصد کرلیا لیکن حضرت الاستاذ شاہ صاحب قدس سرہٗ کو جو خداداد شغف دینی ضرورتوں کے ساتھ تھا اور آپ کو بے چین کئے رکھتا تھا اس کی وجہ سے آپ نے تاریخ مقدمہ سے کافی روز پہلے بہاولپور پہنچ کر اس کام کو پوری توجہ کے ساتھ انجام دینے کا فیصلہ فرما کر سب بیانات کے اختتام تک تقریباً بیس پچیس روز بہاولپور میں قیام فرمایا۔

حضرت شاہ صاحب کا پر شوکت عالمانہ بیان جو کمرہ عدالت میں ہوا اس کی اصل کیفیت تو صرف ان ہی لوگوں کے دل سے پوچھئے جنہوں نے یہ منظر دیکھا ہے اسکو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ مختصر یہ کہ اس وقت کمرۂ عدالت دارالعلوم دیوبند کا دارالحدیث نظر آتا تھا عدالت اور حاضرین پر ایک سکتہ کا عالم تھا۔ علوم ربانی کے حقائق ومعارف کا دریا تھا جو امڈا چلا جاتا تھا۔

پانچ روز مسلسل بیان ہوا تقریباً ساٹھ صفحات پر قلم بند ہوا یہ بیان اور دوسرے حضرات کے بیانات جو ایک مستقل جلد میں طبع ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف رد مرزائیت کے لئے بلکہ اسلام وایمان اور کفر وارتداد کی پوری حقیقت کو سمجھنے کے لئے ایک نادر مجموعہ ہیں۔

اس مقدمہ میں کیا ہوا؟ اس کی پوری تفصیل تو اس مفصل فیصلہ سے معلوم ہوسکتی ہے جو عدالت کی طرف سے ۷ فروری ۱۹۳۵ء مطابق ۳ ذی قعدۃ ۱۳۵۳ھ کو دیا گیا اور جو اسی وقت بزبان اردو ایک سو باون صفحات پر شائع ہو چکا تھا۔ اسکی اشاعت کا اہتمام حضرت مولینا محمد صادق صاحب مہتمم جامعہ عباسیہ بہاولپور حال ناظم امور مذہبیہ بہاولپور کے دست مبارک سے ہوا۔ اس مقدمہ کی پیروی علماء کے اجتماع ان کی ضروریات کا انتظام بھی مولینا موصوف ہی کے ہاتھوں انجام پایا تھا اور مولینا سے میرا پہلا تعلق اس سلسلہ میں پیدا ہوا۔ آپ نے اس فیصلہ کے شروع میں ایک مختصر تحریر لکھی ہے اس کے چند جملے نقل کردینے سے کسی قدر حقیقت پر روشنی پڑسکتی ہے وہ یہ ہیں۔

مدعیہ کی طرف سے شہادت کے لئے حضرت شیخ الاسلام مولینا محمد انور شاہ صاحبؒ حضرت مولینا سید مرتضی حسن صاحب چاند پوری، حضرت مولینا محمد نجم الدین صاحب پروفیسر اورینٹل کالج لاہور اور مولینا محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند پیش ہوئے حضرت شاہ صاحب کی تشریف آوری نے تمام ہندوستان کی توجہ کے لئے جذب مقناطیسی کا کام کیا۔ اسلامی ہند میں اس مقدمہ کو

غیر فانی شہرت حاصل ہو گئی۔ حضرات علمائے کرام نے اپنی شہادتوں میں علم و عرفان کے دریا بہا دیئے اور فرقہ ضالہ مرزائیہ کا کفر و ارتداد روز روشن کی طرح ظاہر کر دیا اور فریق مخالف کی جرح کے نہایت مسکت جواب دیئے خصوصاً حضرت شاہ صاحبؒ نے ایمان کفر، زندقہ ارتداد ختم نبوت اجماع تواتر متواترات کے اقسام وحی کشف الہام کی تعریفات اور ایسے اصول و قواعد بیان فرمائے جن کے مطالعہ سے ہر ایک انسان علیٰ وجہ البصیرت بطلان مرزائیت کا یقین کامل حاصل کر سکتا ہے۔ پھر فریق ثانی کی شہادت شروع ہوئی، مقدمہ کی پیروی کاری اور شہادت پر جرح کرنے اور قادیانی دجل و تزویر کو آشکارا کرنے کے لئے شہرۂ آفاق مناظر، حضرت مولینا ابوالوفاء صاحب نعمانی شاہ جہاں پوری تشریف لائے۔ مولینا موصوف مختار مدعیہ ہو کر تقریباً ڈیڑھ سال مقدمہ کی پیروی کاری فرماتے رہے فریق ثانی کی شہادت پر ایسی باطل شکن جرح فرمائی جس نے مرزائیت کی بنیادوں کو کھوکھلا اور مرزائی دجل و فریب کے تمام پردوں کو پارہ پارہ کر کے فرقہ مرزائیہ بفضل الٰہ کا ارتداد آشکار عالم کر دیا۔ فریقین کی شہادت ختم ہونے کے بعد مولینا موصوف نے مقدمہ پر بحث پیش کی اور فریق ثانی کی تحریری بحث کا تحریری جواب الجواب نہایت مفصل اور جامع پیش کیا کامل دو سال کی تحقیق و تنقیح کے بعد عالی جناب ڈسٹرکٹ جج صاحب بہادر نے اس تاریخی مقدمہ کا بصیرت افروز فیصلہ ے فروری ۱۹۳۵ء بحق مدعیہ سنایا۔ یہ فیصلہ اپنی جامعیت اور قوت استدلال کے لحاظ سے یقیناً بے نظیر و بے عدیل ہے مسلمانان ہند کی بہرہ اندوزی کی خاطر اس فیصلہ کو اپنی کتابی صورت میں شائع کیا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ مواد مقدمہ کی تیسری جلد ہے اس سے پہلے دو جلدیں اور ہوں گی۔

جلد اول میں حضرت علمائے کرام کی مکمل شہادتیں اور جلد ثانی میں حضرت مولینا ابوالوفاء صاحب شاہ جہاں پوری کی بحث اور جواب الجواب شائع کیا جائے گا۔ باقی رہا یہ سوال کہ دونوں جلدیں کب شائع ہوں گی۔ اس کا جواب مسلمانان ہند کی ہمت افزائی پر موقوف ہے۔ یہ تیسری جلد جتنی جلد فروخت ہوگی اسی انداز سے پہلی دو جلدوں کی اشاعت میں آسانی ہوگی۔ حضرات علمائے کرام کے بیانات اور بحث اور جواب الجواب تردید مرزائیت کا بے نظیر ذخیرہ ہے اگر خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ تینوں جلدیں شائع ہو گئیں تو تردید مرزائیت میں کسی دوسری تصنیف کی قطعاً حاجت نہ رہے گی۔

اس مقدمہ میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے حکم کی بناء پر پہلا بیان اس احقر کا ہوا، تین روز بیان اور ایک دو روز جرح ہو کر تقریباً ساٹھ صفحات پر بیان مرتب ہوا۔ یہ پہلا بیان تھا ابھی لوگوں نے اکابر کے بیان سنے نہ تھے۔ سب نے بے حد پسند کیا مجھے یاد ہے کہ دوران بیان میں بھی اور مکان پر آنے کے بعد بھی حضرت شاہ صاحب قدس سرہ دل سے نکلی ہوئی دعاؤں کے

ساتھ اپنی مسرت کا اظہار فرماتے تھے اور اس ناکارہ و آوارہ کے پاس دین و دنیا کا صرف یہی سرمایہ ہے کہ اللہ والوں کی رضا رضائے حق کی علامت ہے۔

والله تعالیٰ ان شاء ان یلحقنی بالصالحین

فتنہ مرزائیت پر حضرت شاہ صاحبؒ کی اپنی تصانیف:......مرزائیت کے متعلق ضروری مسائل پر کافی سے زائد رسائل و کتب حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے ارشاد و ایماء کی بناء پر لکھے جا چکے تھے۔ لیکن ایک مسئلہ ہنوز تشنہ باقی تھا کہ مرزائیوں کے نماز، روزہ، تلاوت قرآن اور کلمہ اسلام پڑھنے سے عام مسلمانوں اور خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ کو سخت اشتباہ تھا کہ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے ان کو اسلام سے خارج کیسے کہا جاسکتا ہے۔ بلکہ اس معاملہ میں بعض اہل علم کو بھی یہ انکار تھا کہ اہل قبلہ اور کلمہ گو کی تکفیر جو شخص کسی تاویل کی بناء پر خلاف شرع عقیدے کا قائل ہو اس کی تکفیر میں علمائے اہل حق نے بہت کلام کیا ہے۔ اس لئے اس مسئلہ پر حضرت الاستاد شاہ صاحب قدس سرہ نے خود قلم اٹھایا اور ایک رسالہ بنام اکفار الملحدین والمتاولین فی شئی من ضروریات الدین تحریر فرمایا جس میں اس مسئلہ کو قرآن و حدیث اور تصریحات سلف کی روشنی میں آفتاب نصف النہار کی طرح واضح فرما دیا بلکہ کفر و ایمان مکمل حقیقت اہل قبلہ اور کلمہ گو کی شرعی تعریف پر ایک جامع کتاب تصنیف فرما دی جس میں اس بات کو بھی واضح کر دیا گیا کہ اگر کسی عقیدہ کفریہ میں مطلقاً تاویل کو مانع کفر قرار دیا جائے تو دنیا میں کوئی کافر کافر نہیں رہ سکتا کیونکہ ہر کافر کچھ نہ کچھ تاویل اپنے عقیدۂ فاسدہ کی کرتا ہے بلکہ فیصلہ یہ ہے کہ اسلام کے وہ احکام جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہیں (جن کو اصطلاح فقہ و کلام میں ضروریات دین کہا جاتا ہے) جیسے ان کا انکار صریح کفر و ارتداد ہے اسی طرح تاویل کر کے جمہور امت کے خلاف ان کے نئے معنی بتانا بھی کفر و ارتداد ہے (یہ کتاب عربی زبان میں ہے)

ایک دوسری مستقل کتاب مسئلہ حیات نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی اپنے قلم سے بزبان عربی تصنیف فرمائی جس کا نام عقیدۃ الاسلام فی نزول عیسی علیہ السلام رکھا۔

یہ کتاب کہنے کو تو اسی ایک مسئلہ کی بہترین و جامع تحقیق ہے لیکن حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر و تحریر کو جاننے والے جانتے ہیں کہ ایک مسئلہ کے ضمن میں کتنے علوم و معارف کے ابواب آجاتے ہیں یہ کتاب بھی اپنے موضوع کی عجیب و غریب تصنیف ہے۔

مقدمہ بہاولپور سے واپسی کے بعد مرض روز بروز شدت پکڑتا گیا لیکن اسی حالت میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے درس حدیث کو جاری رکھا تا آنکہ قوی نے بالکل جواب دے دیا اور آپ

دیو بند تشریف لا کر گویا صاحب فراش ہو گئے اور یہی مرض مرض الموت ثابت ہوا۔

لیکن قدرت نے جو دینی خدمت کا جذبہ بے پایاں آپ کے قلب مبارک میں ودیعت فرمایا تھا وہ بستر مرگ پر بھی چین سے نہ لیٹنے دیتا تھا۔ افادات علمیہ اور کتب دینی کا سلسلہ اس حالت میں بھی اسی طرح جاری تھا۔

تا آنکہ یہ ارادہ ہوا کہ ایک مرتبہ پھر کشمیر کا سفر کیا جائے وہاں اپنے اعزہ واقارب کی ملاقات کے علاوہ پیش نظر یہ تھا کہ کشمیر میں قادیانی فتنہ پھیلا ہوا ہے۔ اب تک وہاں پہنچ کر اس کے انسداد کے متعلق کوئی کام نہیں کیا گیا۔ اس سفر کا قصد کرنے کے ساتھ یہ ضرورت محسوس فرمائی کہ کشمیر کے عوام اردو یا عربی کے رسائل تو پڑھ نہ سکیں گے فارسی زبان میں مسئلہ ختم نبوت اور قادیانیت کے ساتھ ہی خود ایک رسالہ کی تصنیف شروع فرمادی ابھی یہ تصنیف تکمیل کو نہ پہنچی تھی کہ مرض کے اشتداد نے بالکل ہی قویٰ کو معطل کر دیا تو ایک طالب علم کے ذریعے اس ناکارہ خلائق کے پاس پیغام بھیجا کہ میں نے کشمیر کی ضرورت سے فارسی زبان میں مسئلہ ختم نبوت پر ایک رسالہ لکھنا شروع کیا تھا۔ مگر اب میں اس کی تکمیل سے معذور ہوں تجھ سے ہو سکے تو اس کی تکمیل کردے۔

احقر ناکارہ نے تعمیل ارشاد کو سعادت عظمیٰ سمجھ کر شروع کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ حضرت استاذ کی حالت بدلنا شروع ہوئی اور یہ علم وتقویٰ کا آفتاب عالمتاب غروب کے کنارے آگیا یہاں تک کہ ۲ ماہ صفر ۱۳۵۲ھ شب دوشنبہ اس پیکر علم وتقویٰ مجسم دین ودیانت نے دین ہی کی فکر میں اپنی عمر کا آخری سانس پورا کر دیا آپ کے گرد وپیش سے گویا بزبان حال یہ سنا جاتا تھا۔

اگرچہ خرمن عمرم غم تو داد بباد
بخاک پائے عزیزت کہ عہد نہ شکستم

اب وہ کشمیر کا قصد اور وہاں رسالہ فارسی کی اشاعت بھی ایک خواب وخیال ہو گیا عرصہ کے بعد آپؒ کے مسوادات میں سے وہ منتشر اوراق فارسی جمع کر کے مجلس علمی ڈابھیل ضلع سورت نے بنام خاتم النبیین شایع کیا۔ اور یہی اوراق آپ کا خاتمۃ التصانیف قرار پائے۔

فجزاه عنا وعن جميع المسلمين خير الجزاء ووفقنا لاتباع سنته في خدمة الدين المتين وهو الموفق والمعين.

(منقول از حیات انور)





حضرت مولینا محمد انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہ

از حضرت مولینا **محمد منظور صاحب نعمانی** دامت فیوضہم (مدیر الفرقان لکھنؤ)

علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں مولینا نعمانی قبلہ مدظلہ العالی کا مرتبہ ارفع و اعلیٰ ہے۔ آپ سال ہا سال تک ندوۃ العلماء لکھنؤ میں شیخ الحدیث رہے ہیں۔ اس وقت سرزمین ہند میں ملت اسلام کی دینی اور علمی خدمات انجام دینے کے لئے ''الفرقان'' نامی رسالہ کی ادارت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ نہایت بیدار مغز صاحب علم و فضل اور ممتاز عالم دین مبین ہیں۔ جن کی بلند پایہ تصانیف صاحب بصیرت کے لئے نہایت قابل قدر ہیں، ان کی کئی کتابوں کا ترجمہ انگریزی زبان میں بھی ہوا ہے جن میں "FOITH AND PRACTICE" اور "ISLAMIC WHAT ISLAM IS?" مغربی ممالک کے طالبان حق اور مفکرین میں بھی کافی مقبولیت پا چکی ہیں۔ خدمت حدیث میں معارف الحدیث، ان کا محدثانہ کارنامہ ہے۔ (کوندو)

خداداد نورانیت و محبوبیت:...... حضرت استاد قدس اللہ سرہ کے کمالات میں یقیناً علم و عمل کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ کی نظر اور مخلوق کی نگاہ میں بھی زیادہ قدر و قیمت علم و عمل ہی کی ہے۔ اس لحاظ سے مجھے پہلے حضرت ممدوح کے وہی واقعات وارشادات اور اپنے وہی تاثرات ذکر کرنے چاہئیں جن کا تعلق علم و عمل جیسے اعلیٰ کمالات سے ہے لیکن یہ عاجز چونکہ سب سے پہلے حضرت کی ظاہری نورانیت و محبوبیت ہی سے واقف اور متاثر ہوا اس لئے سلسلہ سخن اسی سے شروع کرتا ہوں۔

آج سے تقریباً تیس سال پہلے کی بات ہے، میری طالب علمی کا زمانہ تھا اور اگلے سال دارالعلوم دیوبند جانے کا ارادہ تھا۔ مراد آباد میں جمعیۃ العلماء ہند کا اجلاس ہوا۔ یہ عاجز بھی گیا حضرت شاہ صاحبؒ کا ذکر اپنے اساتذہ سے سنا کرتا تھا لیکن ابھی تک آنکھوں سے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ غالباً صبح کا وقت تھا دیکھا کہ چند حضرات ایک طرف تشریف لا رہے ہیں۔ ان میں ایک بزرگ جو گہرے سبز رنگ کا عبا پہنے ہوئے تھے۔ اور غالباً ہلکے زرد رنگ کا عمامہ زیب سر تھا بڑے حسین و جمیل اور بڑے نورانی نظر پڑے، آپ سے آپ دل میں آیا کہ شاید یہی دیوبند کے حضرت شاہ صاحبؒ ہیں کسی سے پوچھا، یہ جواب ملا کہ ہاں شاہ صاحب یہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے

صرف اس دید ہی سے دل میں ایک خاص محبت وعقیدت ڈال دی۔

اجلاس کے سلسلہ میں تین دن میں مراد آباد رہا۔ اب تک یاد ہے کہ اس تاک میں رہا کرتا تھا اور گھوم پھر کر اس کی کوشش کیا کرتا تھا کہ حضرت کو کہیں دیکھوں غالباً دیکھنا تو بار بار نصیب ہوا لیکن تقریر یا بات سننا کیا معنی؟ ان دنوں میں آواز سننا بھی یاد نہیں۔

چند مہینے کے بعد دیوبند پہنچ گیا۔ اس سال چونکہ میں نے دورہ حدیث نہیں کیا تھا اس لئے حضرت کے یہاں میرا کوئی سبق تو نہیں تھا لیکن پھر بھی روزانہ کئی کئی بار آنکھوں کو دید کا موقع ملتا تھا۔ مگر خوب یاد ہے کہ جی بھرتا نہیں تھا اور ہر دفعہ دیکھنے میں لذت ملتی تھی اگلے سال میں نے دورہ لیا اور حسب معمول بخاری شریف اور ترمذی شریف پوری پوری حضرت کے یہاں ہوئیں اور ان دونوں سبقوں کے سلسلہ میں روزانہ قریبا ۳، ۴ گھنٹے خدمت میں حضوری کی سعادت نصیب ہوتی تھی لیکن اپنی گذشتنی کے ذکر اور اس کی یاد میں آج بھی لذت محسوس کرتا ہوں کہ حسب توفیق علمی استفادہ کے علاوہ یہ عاجز آنکھوں کے ذریعہ بھی لذت وسرور حاصل کرتا تھا اور میرا خیال ہے کہ میں اس حال میں منفرد نہ تھا بلکہ بہت سے شرکاء درس غالباً میرے شریک حال تھے۔

سیرت وباطن کے کمال کے ساتھ ساتھ اگر اللہ اپنے کسی بندہ کو صورت وظاہر کی نورانیت وزیبائی اور اس میں جذب وکشش بھی نصیب فرمائے تو بلاشبہ بڑا انعام ہے اور میرا خیال ہے کہ افادہ واستفادہ میں اس سے بڑی جان پڑ جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر پیغمبر کو ظاہر پر صورت کی زیبائی بھی عطا فرمائی جاتی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔

ما بعث اللّٰہ نبیا الا حسن الوجہ حسن الصوت وصاحبکم احسنھم وجھا واحسنھم صوتا ❶

کمال علمی اور علوم میں جامعیت:...... یوں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ کو گونا گوں ظاہری وباطنی کمالات سے نوازا تھا لیکن اس میں شبہ نہیں کہ آپ کا علمی کمال دوسرے تمام کمالات پر غالب تھا۔ اتنا غالب کہ دوسرے سب کمالات گویا بالکل اس کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ آپ کے متعلق صرف یہی سمجھتے ہیں کہ آپ اپنے وقت کے ایک بہت بڑے علامہ تھے اور بعض حضرات جن کی واقفیت اور زیادہ ناقص ہے وہ علوم میں بھی صرف علم حدیث

---

❶...... یہ حدیث شریف امام قاضی عیاض نے اپنی کتاب الشفا میں نقل کی ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنے پیغمبر بھی آئے وہ سب خوبرو اور خوش آواز تھے اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دونوں چیزیں بھی دوسروں سے زیادہ عطا فرمائی گئی تھیں اور آپ اس پہلو میں بھی سب سے فائق تھے۔

میں آپ کے امتیاز اور علو مقام کے قائل ہیں اور آپ کو اس دور کے صرف ایک ممتاز محدث کی حیثیت سے جانتے ہیں کہ حضرت ممدوح کا خاص امتیاز علوم کی جامعیت تھی اور وہ بھی ایسی جامعیت کہ اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کس علم میں حضرت کی مہارت اور مناسبت نسبتاً زیادہ تھی۔

وسعتِ علم کے ساتھ دقتِ نظر:...... اس موقع پر بعض حضرات کی ایک اور غلط فہمی کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے زمانے کے ایک نامور عالم جنہیں حضرت استاد رحمۃ اللہ علیہ کی علمی خصوصیت سے بلاواسطہ واقف ہونے کا غالباً کبھی موقع نہیں ملا۔ ان کے متعلق میں نے سنا کہ کسی موقع پر انہوں نے حضرت کی تعریف کرتے ہوئے اپنے اسی خیال کا اظہار فرمایا کہ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور چونکہ حافظہ بہت قوی تھا اسلئے آپ بذاتِ خود ایک وسیع کتب خانہ تھے۔ لیکن نظر میں گہرائی نہیں تھی۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ وسیع النظر اور کثیر المعلومات تو تھے لیکن دقیق النظر اور عمیق العلم نہیں تھے۔

یہ عاجز پورے وثوق اور بحمد اللہ پوری بصیرت کے ساتھ عرض کرتا ہے کہ جن اہل علم ونظر کو حضرت کی علمی خصوصیات سے واقف ہونے کا موقع ملا ہے انہیں اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت کے یہاں دقتِ نظر کا پلہ کسی طرح بھی وسعتِ نظر کے مقابلہ میں ہلکا نہیں تھا البتہ علم کی سطح ہمارے اس زمانہ کی عام سطح سے اتنی بلند تھی کہ نہ سمجھ سکنے والے ابھی معذور سمجھے جانے کے قابل ہیں ایک دفعہ خود فرمایا۔

"بعض اوقات بہت نیچے اتر کا بات کرتا ہوں لیکن پھر بھی لوگ نہیں سمجھتے"

یہ ایک بڑا علمی سانحہ ہے کہ حضرت ممدوح نے اپنے علم کی نشانی میں کوئی مستقل تصنیف نہیں چھوڑی لیکن اس کی وجہ غالباً یہ بھی ہوئی کہ حضرت کو اہل زمانہ کیطرف سے مایوسی تھی تاہم بعض خاص خاص مسائل اور موضوعات پر جو چند رسالے خود آپ کے لکھے ہوئے ہیں ان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کی سطح زمانہ کی عام سطح سے کس قدر بلند ہے اور آپ کی نظر کتنی دقیق اور علم کتنا عمیق ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے زمانے کے بہت سے اہل علم اپنے کو ان رسالوں کے سمجھنے سے عاجز وقاصر پاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ تعبیر وادا میں کوئی اغلاق وتعقید ہے۔ بلکہ یہ صرف علمی سطح کے غیر معمولی تفاوت کا نتیجہ ہے اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ آج کل کے بہت سے اہل علم حضرت امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کی کتابوں سے اتنی آسانی سے استفادہ نہیں کرسکتے جتنی آسانی سے متاخرین کی کتابوں سے وہ استفادہ کر لیتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ حضرت کا طرزِ فکر اور طرزِ استدلال بہ نسبت متاخرین کے متقدمین سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔

قرآن مجید میں تدبر و تفکر:...... علم کی گہرائی اور دقت نظر کا کچھ اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ حضرت نے اپنا یہ حال خود ایک دفعہ بیان فرمایا کہ:

''میں رمضان مبارک میں قرآن مجید شروع کرتا ہوں اور تدبر و تفکر کے ساتھ اس کو پورا کرنا چاہتا ہوں لیکن کبھی پورا نہیں ہوتا جب دیکھتا ہوں کہ آج رمضان المبارک ختم ہونے والا ہے تو پھر اپنے خاص طرز کو چھوڑ کر جو کچھ باقی ہوتا ہے اس دن ختم کر کے دور پورا کر لیتا ہوں''۔

یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ رمضان مبارک میں کبھی حضرت کے قریب رہنے کا اتفاق تو نہیں ہوا لیکن یہ معلوم ہے کہ آپ ''انزل فیه القرآن'' والے اس مبارک مہینہ میں زیادہ وقت قرآن مجید ہی کی تلاوت اور تدبر و تفکر پر صرف فرماتے تھے۔ اس کے باوجود قرآن مجید ختم نہیں کر پاتے تھے۔

حدیث میں غور و تدبر:...... خود حضرتؒ نے ایک دن بیان فرمایا:

''کہ میں نے غور و فکر کے ساتھ صحیح بخاری کے صرف متن کا تیرہ دفعہ بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔ شرح یا حواشی کے ساتھ جو مطالعہ کیا ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔''

قرآن مجید میں تدبر و تفکر کی مثالیں تو بہت سی سنی ہیں اور کتابوں میں بھی پڑھی ہیں۔ لیکن حدیث میں تفکر کی ایسی مثال نہ سنی نہ کتابوں میں کہیں نظر سے گزری۔

اور جن لوگوں کو حضرت کے درس حدیث سے کچھ مستفید ہونے کا موقع ملا ہے غالباً وہ سب اس کی شہادتیں دیں گے کہ آپ کے درس کا رنگ بھی یہی تھا کہ اس میں اسنادی و روایتی بحث و تنقید کے مقابلہ میں معنوی اور روایتی مباحث کم نہیں۔ بلکہ کچھ زیادہ ہی ہوتے تھے اور اس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ آپ نے صرف ایک صاحب روایت محدث کی حیثیت سے حدیث کے متون و اسانید ہی سے واقفیت حاصل نہیں کی ہے۔ اور اسی طرح یہ کہ آپ کے علم کا ماخذ و مبلغ چند حواشی و شروح ہی نہیں ہیں بلکہ ایک صاحب فکر و درایت اور دقیق النظر فقیہ کی طرح آپ نے احادیث کے معانی و مقاصد پر خود بھی بڑا گہرا غور کیا ہے اور چند خاص خاص مسئلوں پر حضرت کے جو بعض رسائل ہیں وہ بھی حضرت کی اس خصوصیت و جامعیت پر شاہد ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک واقعہ بھی قابل ذکر ہے جو شاید بہت سے اہل علم کے لئے ایک نیا انکشاف ہو اچھا ہے اس بہانہ سے وہ بھی قرطاس کی امانت بن جائے۔

علامہ نیمویؒ کی آثار السنن اور حضرت استاذؒ:...... حضرت مولینا ظہیر احسن شوق نیمویؒ

اوران کی معرکۃ الآراء ناتمام "آثار السنن" سے اوراس کی غیر معمولی اہمیت سے کم از کم حضرات اہل علم ضرور واقف ہوں گے۔ ہمارے زمانہ طالب علمی میں تو علمی اور درسی حلقوں میں اس کتاب کی دھوم مچی ہوئی تھی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ محدثانہ طرز پر حنفیت کی تائید میں یہ کتاب ہمارے اس زمانے کا شاہکار ہے، افسوس یہ پوری نہیں ہوسکی اور اس کے پہلے دو حصے تالیف فرما کر علامہ ممدوح اس عالم سے رحلت فرماگئے۔

حضرت استاد رحمۃ اللہ نے ایک دن درس میں اس کتاب کے متعلق یہ پورا واقعہ فرمایا کہ:

"جس زمانہ میں مولینا ظہیر احسن صاحب نیموی رحمۃ اللہ علیہ آثار السنن" تالیف فرمارہے تھے انہوں نے اس کے کچھ اجزاء حضرت استاد (یعنی حضرت شیخ الہندؒ) کی خدمت میں اس غرض سے بھیجے کہ ملاحظہ فرما کر مشورے دے دیں اور جو اضافے فرمائے جاسکیں وہ اضافے فرمادیں۔ حضرت استادؒ نے ملاحظہ فرما کر وہ اجزاء واپس فرمادیئے اور ان کو میرا پتہ لکھ دیا کہ آپ اس مقصد کے لئے اس پتہ پر خط وکتابت فرمائیں میں اس زمانے میں اپنے وطن (کشمیر) میں رہتا تھا۔

مولینا ظہیر احسن صاحب نے حضرت استادؒ کے حوالے سے مجھے خط لکھا اور اس طرح میری ان کی خط وکتابت شروع ہوگئی۔ اور پھر انہوں نے اپنی کتاب بھیجنی شروع فرمائی۔ جتنی لکھ لیتے تھے وہ مجھے بھیج دیتے تھے اور میں ان کے حکم کی تعمیل میں اضافے کرتا تھا۔ میں نے جو اضافے کئے وہ مقدار میں ان کی اصل کتاب سے زیادہ تھے۔ لیکن میرے یہ اضافے زیادہ تر معنوی بحثوں سے متعلق تھے کیونکہ مولینا موصوف نے علل واسانید کی بحثوں کے اضافہ کی گنجائش کسی کے لئے بہت کم چھوڑی تھی مگر چونکہ میری وہ معنوی بحثیں مولینا کے ذوق کی چیز نہیں تھی اور وہ اپنی کتاب میں خالص محدثین کے طرز پر علل واسانید ہی سے بحث کرنا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے میرے اس باب کے (یعنی علل واسانید کے متعلق) اضافے تو قبول فرمائے اور کتاب میں لے لئے لیکن معنوی مباحث تمام تر حذف کردئے۔

اس عاجز نے حضرت استاذ سے یہ پوری بات درس میں خود سنی ہے اور حضرت ہی کے ذریعہ یہ معلوم ہے کہ علامہ شوق نیموی جب تک رہے حضرت سے علمی مراسلت اور مشاورت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ حضرت استاذؒ ہی سے سنے ہوئے بعض جزئیات اس عاجز کو یاد بھی ہیں لیکن وہ خالص علمی باتیں ہیں اس مقالہ میں ان کا ذکر مناسب نہ ہوگا۔

علامہ نیمویؒ حضرت استاذ کی نظر میں:...... جب علامہ شوق نیمویؒ کا ذکر آگیا ہے تو اس واقعہ کا

اظہار بھی میرے لئے ضروری ہے کہ حضرت استاذ فن حدیث میں علامہ ممدوح کا مقام بہت بلند سمجھتے تھے اور معرفت علل واسانید میں ہندوستان کے کسی دوسرے عالم کو ان کا عدیل ومثیل نہیں قرار دیتے تھے۔ اس عاجز کو خوب یاد ہے یہاں تک فرماتے تھے کہ مولینا ظہیر احسن صاحب حضرت مولینا عبدالحی صاحب" (لکھنوی فرنگی محلی) کے شاگرد ہیں لیکن صناعت حدیث میں ان سے بہت فائق ہیں۔

اس سے یہ اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ اس زمانے کے اکثر علمی حلقوں میں جو یہ بیماری آگئی ہے کہ اپنے خاص حلقہ اور اپنی خاص جماعت سے باہر ان کو کوئی صاحب کمال نظر ہی نہیں آتا اور ہر میدان میں وہ اپنے ہی حلقہ اور سلسلہ والوں کا جھنڈا اونچا رکھنا چاہتے ہیں۔ حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ کو الحمد للہ یہ بیماری بالکل نہیں لگی تھی۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھیں یہ بڑی ہی خراب بیماری ہے۔

خیر، یہ باتیں تو استطراداً ذکر میں آگئیں، ورنہ میں حضرت استاذؒ کی علمی خصوصیات کا تذکرہ کر رہا تھا۔ اب پھر وہیں آجایئے۔

یادداشت کے متعلق اپنے بعض تجربے:......دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی کے کئی سال بعد تک درس وتدریس اس عاجز کا مشغلہ رہا اور اس زمانہ میں کتابوں کے مطالعہ سے بھی کچھ زیادہ شغف تھا۔ کبھی زیر درس کتابوں میں اور کبھی خارجی مطالعہ میں ایسے اشکالات بھی پیش آجاتے تھے جن کے حل کرنے سے اپنا غور وفکر عاجز رہتا تھا میں ایسے تمام اشکالات کو اپنی نوٹ بک میں نوٹ کرتا رہتا تھا اور جب حضرت استاذؒ کی خدمت میں حاضری میسر ہوتی تو وہ نوٹ بک جیب سے نکالکر اکثر پہلی ہی ملاقات کی مجلس میں حضرت کے سامنے اپنے وہ اشکالات عرض کرتا۔ اور حضرت میرے ہر سوال کا جواب اس طرح دیتے گویا اس سوال کے تمام اطراف پر آپ نے خاص طور پر حال ہی میں غور فرمایا ہے اور میرا خیال ہے کہ اس تجربہ کی شہادت ہر وہ شخص دے گا جس نے کوئی علمی اشکال کبھی حضرت کے سامنے پیش کر کے جواب چاہا ہو۔

بہر حال مجھے یہ عرض کرنا تھا کہ جب تک حضرت اس دنیا میں رہے میرا برابر یہ دستور رہا بلکہ اپنے مطالعہ کے اشکالات کے علاوہ بعض دوسرے اہل علم واصحاب درس کے اشکالات وسوالات بھی ان سے دریافت کر کے میں اپنی نوٹ بک میں لکھ کر لے جاتا تھا۔ اگر یہ عرض کروں تو بے جا نہ ہوگا کہ حضرت کی خدمت میں حاضری کے ہر موقع پر میری نوٹ بک کے یہ سوالات ہی حضرت کے لئے میرا خاص ہدیہ ہوتا تھا جس کا میں بڑا اہتمام کرتا تھا اور حضرت کا معاملہ بھی یہ تھا کہ اگر کبھی میں حاضر ہوا اور کسی وجہ سے پوچھنا مناسب نہ سمجھا اور کچھ دیر خاموش بیٹھا تو حضرت خود فرماتے تھے۔ مولوی صاحب کچھ پوچھنا ہے؟ اور اس کے بعد میں پوچھتا۔

خیر یہ تو تھی تمہید اب یادداشت اور قوت حافظہ کا واقعہ سنیئے جس کے لئے مجھے یہ لمبی تمہید لکھنی پڑی۔ ایک دفعہ کی حاضری میں ترمذی شریف کی ایک عبارت کا میں نے حوالہ دیا اور عرض کیا کہ اس عبارت میں یہ اشکال ہے، بہت غور کیا لیکن حل نہیں ہو سکا۔

فرمایا مولوی صاحب آپ کو یاد نہیں رہا مجھے خوب یاد ہے جس سال آپ دورہ میں تھے اس موقع پر میں نے بتایا تھا کہ یہاں ترمذی کے اکثر نسخوں میں ایک غلطی واقع ہو گئی ہے لیکن لوگ سرسری طور پر گزر جاتے ہیں اور انہیں پتہ نہیں چلتا ورنہ جو اشکال آپ کو پیش آیا سب کو پیش آنا چاہئے۔ پھر فرمایا صحیح عبارت اس طرح ہے۔

بس سارا اشکال جس نے چکر میں ڈال رکھا تھا ایک منٹ میں رفع ہو گیا اللہ اکبر، یہ بات بھی یاد رہی تھی کہ فلاں سال اس موقع پر سبق میں یہ بات بتلائی تھی۔

ایک واقعہ اور سنئے۔ سورہ النساء کے سولہویں اور سترہویں رکوع کی آیتیں چوری اور دھوکہ بازی کے ایک خاص واقعہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اس واقعہ کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے مجھے طالب علمی ہی کے زمانہ میں ایک خاص مسئلہ کی تحقیق کے سلسلہ میں معلوم کرنے کی ضرورت پڑی کہ کس سن میں یہ واقعہ پیش آیا اور یہ آیتیں نازل ہوئیں؟ دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں جو تفسیریں مجھے ایسی ملیں جن میں آیات سے متعلق روایات کو جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ میں نے ان سب کو دیکھ ڈالا مگر واقعہ کا زمانہ اور سن مجھے کہیں سے معلوم نہ ہو سکا۔ عاجز آ کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے فلاں واقعہ کے سن وقوع کی تلاش ہے کتابوں میں دیکھا مگر مجھے نہیں ملا۔

فرمایا کون کون سی کتابیں آپ نے دیکھیں؟ میں نے تفسیر ابن جریر و ابن کثیر معالم وغیرہ چند تفسیروں کے نام لئے۔ فرمایا در منثور میں نہیں دیکھا۔ میں نے عرض کیا کہ در منثور کا نسخہ اس وقت کتب خانہ میں موجود نہیں تھا کہیں عاریت میں گیا ہوا ہے، اس لئے اس کو تو نہیں دیکھ سکا۔

فرمایا: جاؤ اس کو دیکھ لو، اس میں مذکور ہے۔

چنانچہ تلاش کر کے در منثور کو دیکھا تو ابن سعد کی ایک روایت میں یہ صریح الفاظ اس میں موجود تھے۔

وکا ذلک فی شهر ربیع سنة اربع کہ یہ واقعہ ماہ ربیع ۴ھ میں پیش آیا۔

گویا جو چیز بھی کسی کتاب میں حضرت نے دیکھی تھی وہ حافظہ کے خزانہ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئی تھی۔

حدیث کے درس کے وقت صحاح ستہ اور ان کے علاوہ چند اور احادیث کی کتابیں حضرت کے سامنے رکھی رہتی تھیں اور جب کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے آپ کو کسی حدیث کا حوالہ دینا ہوتا تھا تو

صرف زبانی حوالہ پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ تقریر جاری رکھتے ہوئے بے تکلف اسی کتاب پر ہاتھ جاتا تھا کہ بعض اوقات تو وہی صفحہ کھلتا تھا جس پر وہ حدیث ہوتی تھی ورنہ بس دو چار ورق ادھر سے یا ادھر سے الٹنے کے بعد وہ حدیث سامنے ہوتی تھی۔ جن حضرات نے یہ منظر نہیں دیکھا انہیں آج یہ سن کر غالباً حیرت ہوگی اور شاید بہت سوں کو باور کرنا بھی مشکل ہوگا۔ لیکن جن لوگوں کو حضرت کے درس میں چند روز بھی بیٹھنے کا موقع ملا ہوگا انہوں نے قریباً روزانہ سبق میں یہ عجوبہ دیکھا ہوگا۔

علمی اطمینان اور اتفاق:...... حضرت استاذؒ کے علمی امتیازات اور خصوصیات میں ایک نہایت اہم اور قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ جس مسئلہ میں آپ سے رجوع کیا جاتا آپ جواب اس طرح دیتے کہ گویا اس کے سارے پہلوؤں اور تمام مالہ وماعلیہ پر آپ نے ماضی قریب ہی میں غور فرمایا ہے اور آپ بالکل مطمئن ہیں۔ شاید یوں ہو یا شاید یوں ہو والی بات آپ کے یہاں بالکل نہ تھی۔

فقہ حنفی کے بارہ میں اطمینان:...... جس سال یہ عاجز دورۂ حدیث کا طالب علم تھا (اور وہی سال دارالعلوم دیوبند میں حضرت کے درس کا آخری سال تھا۔ شعبان کے مہینہ میں جیسا کہ طلبہ امتحان سے فارغ ہوکر اپنے اپنے وطن جانے والے تھے آپ نے ایک دن بعد نماز عصر تمام طلبہ سے بالعموم اور دورہ حدیث سے فارغ ہونے والے اپنے تلامذہ سے بالخصوص خطاب فرمایا اس میں من جملہ اور باتوں کے ایک بات یہ بھی فرمائی۔

ہم نے اپنی زندگی کے پورے تیس سال اس مقصد کے لئے صرف کئے کہ فقہ حنفی کے موافق حدیث ہونے کے بارہ میں اطمینان حاصل کیا جائے۔ سو الحمد للہ اپنی اس تیس سالہ محنت اور تحقیق کے بعد میں اس بارہ میں مطمئن ہوں کہ فقہ حنفی حدیث کے مخالف نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جس مسئلہ میں مخالفین احناف جس درجہ کی حدیث سے استناد کرتے ہیں کم از کم اسی درجہ کی حدیث اس مسئلہ کے متعلق حنفی مسلک کی تائید میں ضرور موجود ہے او جس مسئلہ میں حنفیہ کے پاس حدیث نہیں ہے اور اس لئے وہ اجتہاد پر اس کی بنیاد رکھتے ہیں وہاں دوسروں کے پاس بھی حدیث نہیں ہے۔

یہاں مجھے فقہ حنفی کے بارہ میں تو حضرت کا صرف اتنا ہی ارشاد نقل کرنا تھا جو دراصل حضرت نے ایک دوسری بات کے لئے بطور تمہید کے فرمایا تھا لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہیں وہ اصل بات بھی ذکر کردی جائے۔ جس کی یہ تمہید تھی۔

حضرت نے فقہ حنفی کے مسئلہ میں اپنی تیس سالہ محنت وتحقیق اور اس کے نتیجہ میں اپنے اس اطمینان کا ذکر فرمانے کے بعد خدام سے فرمایا سننے والے گوش دل سے سنیں کیا فرمایا۔ فرمایا

لیکن اب مجھے افسوس ہے کاش میرا یہ وقت دین کے اس سے زیادہ اہم اور زیادہ ضروری کام میں صرف ہوا ہوتا تو آخرت میں اس کے کام آنے کی زیادہ امید کر سکتا تھا۔

پھر اسی تقریر میں آپ نے فرمایا:

''میں نے اپنے فارسی اور عربی ذوق کو محفوظ رکھنے کے لئے ہمیشہ اردو لکھنے پڑھنے سے احتراز کیا یہاں تک کہ عام طور سے اپنی خط وکتابت کی زبان بھی میں نے عربی اور فارسی ہی رکھی لیکن اب مجھے اس پر بھی افسوس ہے کہ ہندوستان میں اب دین کی خدمت اور دین سے دفاع کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اردو میں مہارت پیدا کی جائے اور باہر کی دنیا میں دین کا کام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انگریزی زبان کو ذریعہ بنایا جائے ۔میں اس بارہ میں آپ صاحبوں کو خاص طور پر وصیت کرتا ہوں''۔

آگے کسی موقع پر ان شاء اللہ میں اس کا مستقلاً ذکر کروں گا کہ حضرت استاذ کو اس زمانہ میں دو فتنوں کی طرف سے بڑی سخت فکر تھی۔ اندرونی فتنوں میں قادیانیت کا فتنہ اور خارجی فتنوں میں الحاد و مادہ پرستی کا فتنہ، اپنی زندگی کے اس دور میں حضرت کی دل کی خاص لگن بس یہی تھی کہ امت محمدیہ کو ان فتنوں کے طوفان سے محفوظ رکھنے کے لئے اہل علم پوری تیاری اور طاقت سے میدان میں آئیں۔ اور حضرت سمجھتے تھے کہ یہ کام اس زمانہ میں اردو اور انگریزی ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے اس لئے ان دونوں زبانوں میں مہارت حاصل کرنے کے لئے خاص طور سے فرمایا کرتے تھے۔

اسی سے ناظرین یہ بھی اندازہ فرما سکتے ہیں کہ خالص کتاب بین عالم ہونے کے باوجود آپ کے ذہن وفکر میں کتنی وسعت تھی اور آپ کی نظر میں وقت کے تقاضوں کی کتنی اہمیت تھی۔

خیر یہ تو گویا ایک جملہ معترضہ تھا ورنہ میں فقہ کے سلسلہ میں حضرت کی بعض علمی خصوصیات کا تذکرہ کر رہا تھا اب آگے اسی سلسلہ میں سنئے۔

فقہ میں آپ کا ایک خاص اصول:......ایک موقع پر آپ نے فرمایا اکثر مسائل میں فقہ حنفی میں کئی کئی اقوال ہیں اور مرجحین اور اصحاب فتوی مختلف وجوہ اسباب کی بناء پر ان میں سے کسی ایک قول کو اختیار کرتے اور ترجیح دیتے ہیں۔ میں اس قول کو زیادہ وزنی اور قابل ترجیح سمجھتا ہوں جو از روئے دلائل زیادہ قوی ہو یا جس کے اختیار کرنے میں دوسرے ائمہ مجتہدین کا اتفاق زیادہ حاصل ہو جاتا ہو۔ اسی سلسلہ میں فرمایا میرا اپنا اصول تو یہی ہے لیکن دوسرے اہل فتوی اپنے اصول پر جو فتوی، لکھتے ہیں، میں ان کی بھی تصدیق کر دیتا ہوں اور میری اس تصدیق کا مطلب یہ

ہوتا ہے کہ از روئے فقہ حنفی یہ جواب بھی صحیح ہے۔

بعض مسائل میں آپکی خاص تحقیق:.......وسعت علم ونظر اور خاص فقیہانہ فکر کا ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ بعض مسائل میں آپ کی تحقیق ہمارے زمانہ کے عام علماء احناف سے الگ تھی بلکہ شاید واقعہ کی زیادہ صحیح تعبیر یہ ہوگی کہ عام علماء واہل فتوی کے لئے فقہ حنفی میں وہ ایک نئی علمی دریافت ہوتی تھی۔ اس کی کئی ایک مثالیں اس عاجز کو یاد ہیں لیکن ان میں سے ایک ایسی ہے جس کا ذکر اردو کے اس مقالہ میں بھی نامناسب نہ ہوگا۔

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ مشہور ہے کہ اگر دنیا کے کسی بھی گوشہ میں چاند دیکھا جائے تو دوسرے تمام مقامات پر اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ مثلاً اقصائے مغرب میں رمضان کا چاند ایک دن دیکھا گیا تو اگر شرعاً قابل اعتبار ذریعہ سے اس کی اطلاع اقصائے مشرق میں رہنے والوں کو پہنچ جائے تو ان کو بھی اسی حساب سے روزہ رکھنا ہوگا۔ خاص علمی اور فقہی تعبیر اس مسئلہ کی یہ کی جاتی ہے کہ حنفیہ کے یہاں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں اور دوسرے ائمہ کے یہاں اس کا اعتبار ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا عام طور سے علمی اور فقہی حلقوں میں حنفیہ کا یہی مذہب معلوم ومشہور ہے اور عموماً اسی پر فتوی دیا جاتا ہے حنفی فقہ وفتاوی کی کتابوں میں کچھ ایسا ہی لکھا ہوا بھی ہے حالانکہ ہیئت کے حساب سے یہ بالکل ناقابل فہم ہے۔

حضرت استاذ قدس سرہ کی تحقیق اس مسئلہ میں یہ تھی کہ عام مصنفین سے اس کی تعبیر میں لغزش ہوگئی اور اصل مسئلہ حنفیہ کا یہ ہے کہ ایک اقلیم میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں فرماتے تھے کہ مشرق ومغرب کے درمیان اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کرنا بداہتہً غلط ہے اور حضرت استاد اپنی اس تحقیق کے سلسلہ میں جہاں تک اب یاد پڑتا ہے ابن رشد کی بدایۃ المجتہد اور فقہ حنفی کی کتابوں میں سے بدائع کا حوالہ بھی دیتے تھے۔

واضح رہے کہ پہلے تو یہ صرف ایک قابل غور علمی مسئلہ تھا جو محض معقولیت پسندوں کے لئے اشکال اور خلجان کا باعث ہوتا تھا لیکن اب یہ واقعاتی مسئلہ ہو گیا ہے کیونکہ اکثر ممالک عربیہ میں ہندوستان سے ایک دن پہلے چاند نظر آتا ہے اور ہیئت کے اصول پر ایسا ہی ہونا بھی چاہئے اور ہوائی جہاز جدہ سے پرواز کر کے ۸، ۹ گھنٹے میں بمبئی آجاتا ہے اور ۱۲ گھنٹے سے کم میں دہلی آسکتا ہے۔ پس یہ ہوسکتا ہے کہ مثلاً ۲۹ رمضان کی شام کو کچھ لوگوں نے جدہ میں عید کا چاند دیکھا اور اسی شب کو وہ ہوائی جہاز سے روانہ ہو کر صبح کو بمبئی پہنچے تو اگر اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کیا جائے تو ان لوگوں کی شہادت پر ہندوستان والوں کے لئے اس دن روزہ ختم کر کے عید منانے کا حکم دیا جائے گا۔ حالانکہ یہاں اس روز انتیسواں ۲۹ بلکہ کبھی تو اٹھائیسواں ۲۸ ہی روزہ ہوگا اپنے زمانے کے

اکابر علماء واہل فتوی کے متعلق سنا ہے کہ جب ان کے سامنے یہ واقعاتی اشکال اس مسئلہ کے متعلق پیش کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر ایسی صورت پیش آجائے پھر اس کے سوا چارہ نہیں کہ دوسرے ائمہ کے قول پر فتوی دیا جائے گا جیسا کہ اس قسم کی ناگزیر صورتوں میں کیا جاتا ہے۔ یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ اگر ان بزرگوں کو اس مسئلہ کے متعلق حضرت استاذ کی مندرجہ صدر تحقیق و تنقیح پہنچی ہوتی تو اس مسئلہ میں فقہ حنفی کو چھوڑ کر دوسرے ائمہ کے قول پر فتوی دینے کو وہ ناگزیر نہ سمجھتے۔

علم اسرار وحقایق:...... حضرت استاذ علم اسرار وحقائق میں بلاشبہ اس دور کے شیخ اکبر تھے شیخ ممدوح کے علوم سے خاص مناسبت بھی تھی اور شیخ کے بہت سے نہایت اعلی اور قیمتی افادات زیادہ تر ان کی مشہور کتاب "فتوحات مکیہ" کے حوالہ سے درس میں بیان بھی فرمایا کرتے تھے۔ اور بلاشبہ بعض مشکل دینی حقیقتوں کے بارہ میں ان سے بڑا انشراح اور اطمینان حاصل ہوتا تھا۔

حضرت استاذ کے شاگرد رشید مولینا بدر عالم صاحب میرٹھی (مقیم حال مدینہ طیبہ) کو اللہ تعالی جزائے خیر دے پہلے انہوں نے فیض الباری میں بھی حضرت کے اس سلسلہ کے افادات کا خاصا حصہ لے لیا تھا اور اب حدیث کی جو ایک نئی جامع کتاب وہ خود مرتب فرمارہے ہیں جو ان ہی کے اردو ترجمہ اور مفصل تشریحی نوٹوں کے ساتھ ندوۃ المصنفین دہلی سے ترجمان السنۃ کے نام سے شائع ہورہی ہے اور پہلی دو جلدیں شائع بھی ہو چکی ہیں۔ اس میں بھی انہوں نے حضرت استاذ کے خاص الخاص علمی شعبہ کے نہایت گراں قدر افادات کو اردو میں منتقل کرنے کی اور غیر عالم اردو خوانوں کو بھی سمجھا دینے کی بڑی مبارک اور کامیاب کوشش کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ شیخ اکبر کے مضامین کو صحیح وسالم اور محتاط طریقہ پر اردو جیسی کسی زبان میں منتقل کردینا یقیناً بڑا مشکل کام ہے مگر ترجمان السنۃ کے ابتدائی ابواب ہی کے مطالعہ سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالی نے مولینا بدر عالم صاحب کے لئے اس کو کس حد تک آسان فرمادیا ہے۔

جدید مغربی علوم پر بھی نظر:...... مصر والوں نے جدید مغربی علوم پر عربی میں جو کتابیں شائع کی ہیں اور مختلف مغربی زبانوں سے جو تراجم کئے ہیں حضرت استاذ ان کے ذریعہ ان نئے علوم اور نئی تحقیقات سے بھی کافی واقفیت رکھتے تھے خاص طور سے طبعیات میں یورپ نے جو علمی ترقی کی ہے اس کے معترف اور اس کے افادی پہلو کے قدردان تھے اور اسی وجہ سے مشہور مصری فاضل طنطاوی جوہری کی تفسیر جواہر القرآن کے مطالعہ اور اس سے علمی استفادہ کا مشورہ دوسرے اہل علم کو بھی دیتے تھے حالانکہ اس میں بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں جو سخت ناپسندیدہ ہیں۔

سلسلہ درس کی بعض قابل ذکر چیزیں:...... جو طلبہ صرف ونحو کی خامی اور عربی استعداد کی کمزوری کی وجہ سے حدیث صحیح نہیں پڑھ سکتے تھے اور اعراب میں غلطیاں کرتے تھے حضرت استاذ ان کے لئے حدیث پڑھنا جائز نہیں سمجھتے تھے اسی طرح اگر طالبعلم سے سبق کی قرأت میں کسی ایسے راوی کے نام میں غلطی ہوتی جو سلسلہ سند میں بار بار اور کثرت سے آتا تو اس سے بھی آپ کو بڑی سخت اذیت ہوتی تھی اور گویا یہ تکلیف آپ کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ ایک دن ترمذی شریف کا سبق ہو رہا تھا ایک طالبعلم نے عبارت پڑھنی شروع کی شاید پہلی یا دوسری حدیث تھی۔ سلسلہ سند میں آیا عن الشعبی اس بے چارہ نے بجائے شَعْبی کے شُعبی پڑھا، حضرت استاذ نے تصحیح فرماتے ہوئے فرمایا عن الشعبی لیکن اس بندہ خدا کی زبان سے پھر وہی نکلا عن الشُعبی۔ حضرت نے اس وقت سبق سے اٹھا دیا اور فرمایا کہ جو لوگ اتنے ناقص الاستعداد اور کم فہم ہوں کہ روزانہ سند میں آنے والے راویوں کے صحیح ناموں سے بھی واقف نہ ہوں اور بار بار بتلانے سے بھی نہ سمجھ سکیں ان کو دورہ حدیث میں شریک نہیں ہونا چاہئے۔

صحیح قسم کے طالبعلمانہ سوالات سے حضرت بہت خوش ہوتے تھے اور بڑی بشاشت کے ساتھ جواب مرحمت فرماتے تھے لیکن مہمل قسم کے اور لایعنی یا غیر متعلق سوالات کی بالکل گنجائش اور اجازت نہ تھی۔ جس سال یہ عاجز دورحدیث میں تھا اس سال دورہ میں تقریباً سو طالبعلم تھے ان میں سے ۴، ۵ کو حضرت نے خود متعین فرمایا تھا کہ صرف یہی سوال کیا کریں اور ان کے علاوہ جس کو سبق کے سلسلہ میں کچھ پوچھنا ہو وہ پہلے ان کو بتلا دے اگر یہ اس کو پیش کرنے کے قابل سمجھیں تو پیش کریں حضرت کے اس طرز عمل کی وجہ سے کسی فضول اور لایعنی بات میں بالکل وقت ضائع نہیں ہوتا تھا میں نہیں کہہ سکتا کہ حضرت کا یہ ہمیشہ کا رویہ تھا یا اس سال یہ طرزِ عمل اختیار فرمایا تھا حضرت استاد قدس اللہ سرہ کے متعلق اس مقالہ میں ذکر کرنے کے لائق اور درس سلسلہ کی جو باتیں اس وقت یاد آئیں وہ یہی تھیں جو حوالہ قلم ہو چکیں اب زندگی کے بعض دوسرے شعبوں کے متعلق اسی طرح کی بعض جستہ جستہ چیزیں جو حافظہ میں ہیں وہ بھی ہدیۂ ناظرین کرام ہیں۔

دو فتنوں کا شدید احساس:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اور آپ کی امت کے بارہ میں آپ کو دو فتنوں کی طرف سے بڑی گہری فکر تھی۔ خارجی فتنوں میں الحاد و مادہ پرستی کا مغربی فتنہ جو اقوام مغرب کے سیاسی غلبہ اور علوم وفنون میں ان کی بالاتری کی وجہ سے تمام عالم میں چھایا جا رہا ہے اور داخلی واندرونی فتنوں میں مسیلمہ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا فتنہ ان دونوں فتنوں کی شدت احساس سے آپ بے چین رہتے تھے اور ان کے مقابلہ اور امت کی ان سے حفاظت کرنے کے واسطے تیاری کرنے کے لئے آپ طلبہ کو بڑے درد کے ساتھ

رغبتیں دیتے تھے اور اس کے لئے درس کے علاوہ آپ مستقل تقریریں بھی کرتے تھے بلکہ اس زمانہ میں حضرت کی تقریروں کا موضوع عموماً یہی ہوتا تھا۔

قادیانی فتنہ سے آپکی غیر معمولی بے چینی:......خاص طور سے مؤخر الذکر قادیانی فتنہ کے بارے میں آپ کی فکر اور بے چینی کا جو حال تھا جن لوگوں نے دیکھا نہیں وہ اس کا انداز نہیں کر سکتے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد عرب کے مختلف علاقوں میں مختلف شکلوں میں ارتداد کی جو وبا پھیلی تھی اور خاص کر مسیلمہ کذاب کی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے کا فتنہ جو اس وقت ایک دم زور پکڑ گیا تھا اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی غیر معمولی بے چینی اور حرارت ایمانی کا ذکر جو روایات میں آتا ہے حضرت استاذ قدس سرہ کے احوال میں بالکل اس کی جھلک نظر آتی تھی اور اس زمانہ میں حضرت اپنی اکثر تقریروں میں اس فتنہ ارتداد کے زمانہ کے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وہ ایمان افروز جملہ جو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس وقت فرمایا تھا جب مرتدین کے خلاف جنگ کے بارہ میں مصلحت اندیشی سے کام لینے کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو انہوں نے مشورہ دیا تھا۔

وہ جملہ کتب حدیث و سیر میں آج تک محفوظ ہے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مقامِ صدیقیت کی شہادت دے رہا ہے اس کے الفاظ جو حضرت استاذ اس زمانہ میں اکثر دہرایا کرتے تھے یہ ہیں۔

"اجبار فی الجاهلیة وخوار فی الاسلام انه قد انقطع الوحی وتم الدین اینقص وانا حی" [1]

بہر حال قادیانی فتنہ کی فکر سے حضرت استاذ کی سب سے بڑی فکر تھی اور اس معاملہ میں آپ کا وہ حال تھا جو ان بندگان خدا کا ہوتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ اپنا خاص کوئی کام لینا چاہتا ہے اور پھر اس کی فکر اور اس کے لئے بے چینی ان پر طاری کر دیتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت استاذ نے قادیانیت سے متعلق اپنے تین خواب سنائے تھے جو آپ نے دس دس سال کے فاصلے سے دیکھے تھے۔ اپنی اس نالائقی پر آج سخت رنج و افسوس ہے کہ نہ کہیں اس کو نوٹ کیا اور نہ یاد رکھا اجمالاً صرف اتنا یاد ہے کہ پہلا خواب آپ نے قیام دہلی کے زمانہ میں دیکھا تھا دوسرا اس سے ٹھیک دس سال بعد اور تیسرا اس کے ٹھیک دس سال بعد دیکھا تھا۔

ان تینوں خوابوں میں آپ کو پنجاب کے اس متنبی کذاب کے فتنہ سے امت محمدیہ کے ایمان کی

---

[1] ......مطلب یہ ہے کہ تم جاہلیت میں تو بڑے سخت اور زور آور تھے اور آج اسلام کی حالت میں ایسی کمزوری اور نامردی کی باتیں کرتے ہو نبوت ختم ہو چکی ہے وحی کی آمد کا سلسلہ ختم ہو چکا اور دین ہر طرح مکمل ہو گیا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں دنیا میں زندہ رہوں اور دین میں قطع و برید ہو۔

حفاظت کے لئے جدوجہد کی طرف توجہ دلائی گئی تھی اور اس راستہ میں اللہ تعالیٰ کی مدد کی بشارت تھی مجھے اجمالا اتنا ہی یاد رہ گیا ہے۔ حضرت نے ایک موقع پر پوری تفصیل سے یہ تینوں خواب سنائے تھے شاید حضرت کے خدام اور تلامذہ میں سے کسی اور کو یاد ہوں۔

اس فتنہ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے جو کام حضرت استاذ سے لیے ان کا ذکر اچھی خاصی تفصیل کے ساتھ جناب مولینا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنے ایک مستقل مضمون میں کر چکے ہیں تاہم اس سلسلہ میں دو تین باتیں ذکر کرنے کو جی چاہتا ہے۔

قادیانی فتنہ کے ظہور نے جن مسائل اور مباحث پر گفت شنید کا سلسلہ پیدا کر دیا ہے ان میں دو مسئلے مختلف وجوہ واسباب سے عملی طور پر کچھ مشکل ہیں یعنی ان میں لوگوں کے لئے مغالطہ کھانے کی گنجائش بہ نسبت دوسرے مسئلوں کے کچھ زیادہ ہے ایک مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام۔ اور دوسرا ایمان وکفر کے حدود کا مسئلہ۔

یہ دوسرا مسئلہ اگرچہ فی نفسہ مشکل نہیں ہے بلکہ سیدھی سادی بات ہے لیکن کچھ تو مسئلہ کے بعض پہلوؤں کی بعض مبہم اور غیر واضح تعبیروں نے اور کچھ تکفیر جیسے سنگین معاملہ میں بعض لوگوں کی بے احتیاطیوں نے مسئلہ کو اچھا خاصا مشکل بنا دیا ہے اور اس میں ایسی الجھنیں پیدا کر دیں کہ بہت سے لوگ خواہ مخواہ اس میں الجھ جاتے ہیں حضرت استاذ نے ان دونوں مسئلوں کی طرف خود توجہ مبذول فرمائی۔

مسئلہ حیات مسیح پر پہلے ایک رسالہ عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسیٰ علیہ السلام لکھا اس کے بعد بطور اس کے حواشی یا ضمیمہ کے دوسرا رسالہ تحیۃ الاسلام تالیف فرمایا یہ دونوں عربی زبان میں ہیں اور جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ حضرت کا طرز فکر اور طرز بیان واستدلال متاخرین کا سا نہیں ہے جس کا سمجھنا ہم جیسوں کے لئے زیادہ آسان ہوتا ہے بلکہ ائمہ متقدمین کا سا ہے اس لئے افسوس ہے کہ ہر عربی دان کیلئے بھی ان دونوں رسالوں کو پوری طرح سمجھ لینا آسان نہیں ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ جو سلیم القلب ان دونوں رسالوں کو سمجھ کر پڑھ لے اس کو ان شاء اللہ اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں رہیگا کہ قرآن مجید کی قطعی شہادت قادیانیوں کے دعوے ممات مسیح کے خلاف ہے اور قادیانیوں کی طرف سے جو سینکڑوں بلکہ ہزاروں صفحات اس مسئلہ پر لکھے گئے ہیں۔ ان کی بنیاد لکھنے والوں کی جہالت پر ہے یا علمی خیانت اور دھوکہ بازی پر۔

جس سال یہ عاجز دار العلوم دیوبند میں دورہ حدیث کا طالبعلم تھا اسی سال ممالک عربیہ میں غالبا مصر کے ایک بڑے وسیع النظر عالم اور ممتاز فاضل جو مغربی علوم میں بھی خاص دستگاہ رکھتے تھے اور جرمنی میں ایک عرصہ تک ان کا قیام بھی رہا تھا دیوبند تشریف لائے تھے اور دار العلوم میں چند روز قیام

کی تحریف آوری کا باعث جیسا کہ اس قوت سنا تھا صرف یہ ہوا تھا کہ حضرت استاذ کے زمانہ طالب علمی ہی میں ان کا ذہن اس طرف متوجہ ہو گیا تھا ان کی تحریر فرمایا تھا ان کی نظر سے گزرا اس کو دیکھنے کے بعد انہوں نے ضروری سمجھا
رسالہ ''عقیدۃ الاسلام'' کا نسخہ کہیں ان کی نظر سے گزرا اس کو دیکھنے کے بعد انہوں نے ضروری سمجھا
کہ اس علم کا آدمی اگر دنیا میں کہیں زندہ موجود ہے تو مجھے اس سے ضرور ملنا چاہئے۔

دوسرے مسئلہ کفر و اسلام کے حدود پر حضرت استاذ نے رسالہ ''اکفار الملحدین فی شیئی ضروریات الدین '' تالیف فرمایا یہ بھی عربی میں ہے اور ہر عربی دان کے لئے یہ بھی سہل الفہم نہیں ہے لیکن کفر و اسلام کے حدود کی ایسی تنقیح غالبا اس سے پہلے نہیں ہوئی اس کو سمجھ کر پڑھنے کے بعد اس میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعوی کر کے اور اس کی امت نے اس کو نبی مان کے اپنے کو اسلام کے وسیع دائرہ سے اس طرح نکال لیا ہے کہ جو شخص محمد رسول اللہ کے لائے ہوئے دین پر ایمان نہیں رکھتا ہو وہ اب کسی طرح ان لوگوں کو مسلمان میں شمار نہیں کر سکتا اور اگر وہ قادیانیت اور قادیانیوں سے اچھی طرح واقف ہونے کے باوجود ایسا کریگا تو اس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے بعض اہم حصوں کی تکذیب یا آپ کی بعض واضح تعلیمات میں تحریف کرنی پڑے گی۔ اگر چہ وہ اپنی کج فہمی یا نادانی کی وجہ سے اپنی اس پوزیشن کو سمجھتا نہ ہو۔

''اکفار الملحدین '' کا تعلق چونکہ کفر و اسلام کے مسئلہ سے تھا اور اس میں مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی امت پر کفر کا حکم لگایا گیا تھا اور بلا شبہ یہ بہت اہم معاملہ تھا اس لئے حضرت نے یہ مناسب سمجھا کہ اس زمانے کے دوسرے اکابر اور شاہیر اہل علم کی آراء بھی اس کے بارہ میں حاصل کی جائیں۔ چنانچہ کچھ اکابر اہل علم مثلا حکیم الامت حضرت مولینا تھانوی، حضرت مولینا خلیل احمد صاحب سہارنپوری وغیرہ کی آراء تو پہلے ہی ایڈیشن میں شامل کر دی گئی تھیں اور اس عاجز کے پاس اسی ایڈیشن کا نسخہ ہے لیکن دوسرے حلقوں کے بعض علماء و افاضل کی رائیں اور تصدیقیں بعد میں حاصل ہوئی تھیں۔ مثلا مولینا حبیب الرحمٰن ایڈیشن کی اشاعت کے کافی عرصہ بعد موصوف کی تصدیق موصول ہوئی تھی مگر مجھے معلوم نہیں کہ بعد کے اڈیشنوں میں بعد والی وہ تصدیقات شامل ہوئیں یا نہیں اگر نہیں شامل ہوئی ہیں اور کہیں محفوظ ہیں تو ان کو شامل ہونا چاہئے۔

الغرض قادیانی فتنہ کی غارت گری سے محمد رسول اللہ ﷺ کی امت کے ایمان کی حفاظت کے سلسلہ میں ایک کام تو آپ نے یہ کیا کہ ان دو مسئلوں کو خود صاف کیا۔ لیکن چونکہ اردو میں لکھنے کی حضرت کو عادت نہ تھی اس لئے مجبورا یہ دونوں رسالے عربی میں لکھے اور اس امید پر لکھے کہ خود علماء کے ذہن جب ان دو مشکل مسئلوں کے بارہ میں ان رسالوں سے صاف مطمئن ہو جائیں گے تو اللہ تعالی جن کو توفیق

دیگا وہ ان کے مضامین کو حسب ضرورت اردو وغیرہ کی زبانوں میں بھی منتقل کر دیں گے۔

ایک رسالہ آپ نے مسئلہ ختم نبوت پر خاتم النبیین کے نام سے فارسی زبان میں بھی تحریر فرمایا اور آپ نے خصوصیت سے اپنے وطن کشمیر کی ضرورت کو سامنے رکھ کر لکھا کیونکہ وہاں کے جس طبقہ کو آپ سمجھانا چاہتے تھے اس کے لئے آپ کے نزدیک فارسی زبان ہی اچھا ذریعہ بن سکتی تھی۔

ان رسالوں کے علاوہ آپ کی فکر اور بے چینی نے آپ کے تلامذہ کی ایک اچھی خاصی تعداد کو اس طرف متوجہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے اس فتنہ کی انسداد میں مختلف شکلوں میں بہت کچھ کام لیا جناب مولینا مفتی محمد شفیع صاحب کے جس مضمون کا ابھی اوپر میں نے تذکرہ کیا ہے اس سے ناظرین کو اس کی کچھ تفصیل معلوم ہوگی۔

سلوک وتصوف:...... میں عرض کر چکا ہوں کہ علمی شغف وانہماک اور علمی کمال کا آپ پر اتنا غلبہ تھا کہ دوسرے تمام کمالات اور زندگی کے دوسرے پہلو اس کے نیچے بالکل دبے ہوئے تھے چنانچہ آپ کی زندگی کا وہ بلند ترین پہلو بھی جس کو سلوک وتصوف سے تعبیر کرنا چاہیے اس علمی کمال اور شغف علمی سے دبا ہوا تھا اسی وجہ سے بہت سے لوگ آپ کی زندگی کے اس رخ سے بالکل ناواقف ہیں یہ عاجز بھی کچھ زیادہ واقف نہیں ہے لیکن اجمالاً اتنا ضرور جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دولت سے بھی حصہ وافر عطا فرمایا تھا اور یقیناً آپ آراستہ باطن اصحاب احسان میں سے تھے۔ حضرت گنگوہی مراللہ مرقدہ سے مجاز بھی تھے لیکن اس لائن کی باتیں کرنے کی عادت نہ تھی۔ البتہ ایک دفعہ ایک واقعہ سنایا اور اس سلسلہ میں جو کچھ جوش آگیا تو ایک آدھ بات ہم لوگوں کو ایسی بھی سنن میسر آگئی جس سے کچھ سمجھا جاسکا کہ اس فضا میں بھی حضرت استاذ کی پرواز کتنی بلند ہے۔ جو واقعہ حضرت نے سنایا وہ یہ تھا۔

فرمایا کہ ایک دفعہ میں کشمیر سے یہاں کے لئے چلا۔ راستہ کی کافی مسافت گھوڑے پر سوار ہو کر طے کرنی پڑتی تھی۔ راستہ میں ایک صاحب کا ساتھ ہو گیا، یہ پنجاب کے ایک مشہور پیر صاحب کے مرید تھے اور ان ہی کے پاس جا رہے تھے یہ مجھ سے اپنے اس پیر صاحب کا اور ان کے کمالات اور کرامات کا تذکرہ راستہ بھر کرتے رہے۔ ان کی خواہش اور ترغیب یہ تھی کہ میں بھی ان پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں اور اتفاق سے وہ مقام میرے راستے میں بھی پڑتا تھا میں نے بھی ارادہ کر لیا جب ہم دونوں پیر صاحب کی خانقاہ پر پہنچے تو ان صاحب نے مجھ سے کہا کہ نئے آدمیوں کو اندر حاضر ہونے کے لئے اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے میں پہلے اندر جا کر آپ کے لئے اجازت لے لوں چنانچہ وہ اندر تشریف لے گئے۔ ان بزرگ نے اطلاع پا کر

خود اپنے صاحبزادے کو مجھے لینے کے لئے بھیجا اور اکرام سے پیش آئے خود ایک تخت پر بیٹھے ہوئے تھے باقی سب مریدین وطالبین نیچے فرش پر تھے مگر مجھے اصرار سے اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا کچھ باتیں ہوئیں اس کے بعد اپنے مریدین کی طرف متوجہ ہو گئے اور اپنے طریقہ پر ان پر توجہ ڈالنی شروع کی اور اس کے اثر سے وہ بے ہوش ہو ہو کر لوٹنے اور تڑپنے لگے۔ میں یہ سب دیکھتا رہا۔ پھر میں نے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ مجھ پر بھی یہ حالت طاری ہو سکے تو مجھ پر بھی آپ توجہ فرمائیں انہوں نے توجہ دینی شروع کی اور میں اللہ تعالیٰ کے اسم پاک کا مراقبہ کر کے بیٹھ گیا بے چاروں نے بہت زور لگایا اور بہت محنت کی لیکن مجھ پر کچھ اثر نہ ہوا کچھ دیر کے بعد انہوں نے خود ہی فرمایا کہ آپ پر اثر نہیں پڑ سکتا۔

حضرت استاذ نے یہ واقعہ اتنا ہی نقل فرمایا اور اس کے بعد ایک غیر معمولی جوش کے ساتھ فرمایا۔

کچھ نہیں ہے لوگوں کو متاثر کرنے کے لئے ایک کرشمہ ہے اور کچھ مشکل بھی نہیں، معمولی مشق سے ہر ایک کو حاصل ہو سکتا ہے ان باتوں کا خدا رسیدگی سے کوئی تعلق نہیں۔

پھر اسی سلسلہ میں اور اسی جوش کی حالت میں فرمایا:

”اگر کوئی چاہے اور استعداد ہو تو انشاء اللہ تین دن میں یہ بات پیدا ہو سکتی ہے کہ قلب سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دینے لگے۔ لیکن یہ بھی کچھ نہیں اصل چیز تو بس احساس کیفیت اور شریعت وسنت پر استقامت ہے“۔

اس ایک موقع کے سوا حضرت سے کبھی کوئی ایسی بات سننا اس عاجز کو یاد نہیں جس سے حضرت کے اس باطنی کمال کا کچھ سراغ ہم کو ملا ہو۔

اپنے بعض اکابر سے خصوصی تاثر:..... جیسا کہ میں عرض بھی کر چکا ہوں سلوک وتصوف کے سلسلہ کی باتیں کرنے کی حضرت استاذ کی عادت نہیں تھی۔ کم از کم اس عاجز کا علم تجربہ تو یہی ہے اس لئے اس سلسلہ کے اپنے اکابر کے خاص احوال وواقعات یا ان کی زندگی کے خاص اس شعبہ کے متعلق اپنے تاثرات حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ سے سننے کا اہم نیاز مندوں کو کبھی شاذ و نادر ہی اتفاق ہوتا تھا ایک ہی دفعہ کی یاد ہے درس ہی میں کسی سلسلہ میں فرمایا۔

ہم یہاں آئے یعنی کشمیر سے ہندوستان تو دین حضرت گنگوہیؒ کے یہاں دیکھا۔ اس کے بعد حضرت استاذ (یعنی حضرت شیخ الہندؒ) اور حضرت رائے پوری (یعنی شاہ عبدالرحیم صاحبؒ) کے یہاں دیکھا اور اب جو دیکھنا چاہے وہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب کے یہاں جا کر دیکھے۔

اپنے سلسلہ کے ان اکابر کے علاوہ ہم عصر مشائخ میں سے دو اور بزرگوں کے بارہ میں بھی حضرت استاذ کے بہت بلند کلمات اس عاجز کو یاد ہیں۔ ایک حضرت مولینا حسین علی شاہ صاحب مجددی نقشبندی اور دوسرے حضرت مولانا احمد خان صاحب مجددی نقشبندی۔ ان دونوں بزرگوں کے متعلق حضرت فرماتے تھے کہ اس عصر میں یہ نقشبندی سلوک کے امام ہیں۔

یہ دونوں بزرگ ضلع میانوالی کے تھے دونوں کے وصال کو کچھ عرصہ ہو چکا ہے دونوں ایک ہی شیخ کے تربیت یافتہ اور مجاز تھے لیکن بعض مسائل میں نقطہ نظر کے فرق کی وجہ سے درمیان میں کچھ بعد پیدا ہو گیا تھا لیکن حضرت استاذ دونوں کو سلوک کا امام مانتے تھے یہ عاجز بھی ان دونوں بزرگوں کی زیارت سے مشرف ہوا ہے وللہ الحمد والمنۃ۔

بعض شمائل نبوی ﷺ کی جھلک:...... اگرچہ شمائل و اخلاق میری اس تحریر کا موضوع نہیں ہے غالبا ان چیزوں پر کوئی اور صاحب مستقلا لکھیں گے لیکن یہاں پہنچ کر حضرت استاذ کی دو تین عادتیں ذکر کرنے کو بھی بے اختیار جی چاہتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے جو اخلاق و شمائل کتب حدیث میں روایت کیے گئے ہیں ان میں ایک یہ عادت مبارکہ بھی نقل کی گئی ہے کہ آپ بہت زیادہ خاموش رہتے تھے (گویا بلا ضرورت بولتے ہی نہ تھے) حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

"كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَوِيْلَ الصَّمْتِ"

یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ اس مبارک عادت کا جیسا کامل نمونہ حضرت استاذ کو دیکھا ایسا کوئی اور دیکھنا یاد نہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان کو صرف علمی و دینی افادہ و استفادہ کے لئے اور ناگزیر ضروری باتوں ہی کے لئے زبان دی گئی ہے۔

اور اس خاموشی میں تنفس کی منضبط کیفیت اور ایک خاص نوعیت محسوس کرنے والے صاف محسوس کر لیتے تھے کہ پاس انفاس ❶ کے شغل میں برابر مشغول اسی اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات مبارکہ میں صحابہ کرامؓ ذکر فرماتے ہیں کہ

مسکرانے کی تو بہت زیادہ عادت تھی لیکن کھل کھلا کر ہنستے کبھی نہیں دیکھا بالکل یہی حال حضرت استاذ کا تھا۔

---

❶...... صوفیہ کے اشغال میں سے صرف پاس انفاس کے متعلق آپ کا خیال تھا کہ اسکی اصل حدیث و سنت سے کچھ معلوم ہوتی ہے اس لئے خود اپنا شغل بھی تھا اور رجوع کرنے والے نیاز مندوں کو تلقین بھی فرماتے تھے۔

اس زمانہ میں غیبت کی بیماری کس قدر عام اور متعدی ہوگئی ہے اور اس سے اور اس کے اڑتے ہوئے جراثیم سے محفوظ رہنا کتنا مشکل ہوگیا ہے اس کا اندازہ بہت سے حضرات کو شاید نہ ہو لیکن اس عاجز کو خوب ہے اور اسلئے میرا یقین ہے کہ اللہ کا جو بندہ اس دور میں غیبت سے محفوظ ہو وہ اللہ کی خاص حفاظت میں ہے اور یہ اس کی بڑی کرامت ہے۔

مگر حضرت استاذ قدس سرہ کو الحمد اللہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے غیبت سے زبان کو ایسا محفوظ کیا تھا کہ کبھی اشارۃً یا کنایۃً بھی غیبت کی قسم کی کوئی بات سننا یاد نہیں بلکہ یہ یاد ہے کہ حضرت کے سامنے کسی نے غیبت کی قسم کی کوئی بات شروع کی اور حضرت نے فوراً روک دیا۔

حضرت استاذ کے متعلق بس یہی کچھ منتشر باتیں اسی وقت اس مقالہ میں ذکر کے قابل یاد آئیں جو حوالہ قلم و قرطاس کردی گئیں

(منقول از حیات انور)



حضرت امام العصر شاہ صاحبؒ

اور

ان کی تصانیف

از حضرت مولینا سید **محمد یوسف صاحب بنوری** رحمۃ اللہ
(سابق شیخ الحدیث و ناظم اعلیٰ جامعہ عربیہ نیو ٹاؤن کراچی پاکستان)

مولینا بنوری رحمۃ اللہ حضرت شاہ صاحبؒ کے مایہ ناز شاگرد اور آپ کے علوم ومعارف کے بہترین وارث تھے۔ پہلے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں شیخ الحدیث اور مجلس علمی ڈابھیل کے رکن اعلیٰ رہے اور پھر جامعہ عربیہ نیو ٹاؤن کراچی میں شیخ الحدیث اور ناظم اعلیٰ کے فرائض انجام دے رہے تھے علم وعمل اور مکارم اخلاق میں فائق الاقران تھے، برصغیر کے ممتاز ادیب ومصنف اور وسیع المعلومات عالم دین تھے۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے سعادت مند تلامذہ میں سے جس اقبالمند کو سب سے پہلے اپنے استاذ جمیل کے سوانح حیات مرتب کرنے کا شرف حاصل ہوا وہ ان ہی کی ذات گرامی تھی۔ انہوں نے ۱۳۵۵ھ میں نفحۃ العنبر من ھدی الشیخ الانور کے نام سے عربی زبان میں حضرت شاہ صاحب کی سوانح حیات تالیفات فرما کر بہت بڑا کارنامہ انجام دیا۔ اس کے علاوہ ان کی متعدد گرانقدر تالیف شائع ہو چکی ہیں جن میں مبسوط مقدمہ مشکلات القرآن۔ بغية الاريب في مسائل القبلة والمحاريب اور شرح ترمذی شریف قابل ذکر ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے قابل فخر شاگرد اور علم وفضل کے اس بحر ذخار کے متعلق یہاں یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ حضرت مرحوم جب فیض الباری کی اشاعت کی غرض سے مصر تشریف لے گئے تو ایک ملاقات میں شیخ طنطاوی جوہری کی تفسیر جواہر القرآن پر صاحب تفسیر کے روبرو تنقید کی، بے پناہ علم وفضل کے باوجود شیخ طنطاوی اس تنقید سے اتنے متاثر اور مرعوب ہوئے کہ بار بار اپنی زبان سے فرمایا: انت ملك نزلت من السماء لاصلاحي "آپ تو فرشتہ ہیں جو آسمان سے میری اصلاح کی غرض سے نازل ہوئے ہیں"

۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو علوم ومعارف کا یہ آفتاب بھی غروب ہو گیا رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ، کوندو

علمی دنیا کی تاریخ میں ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی شخص کے ذاتی کمالات وعلوم کے لئے یہ ضروری نہیں کہ دنیا ان کے کمالات سے واقف بھی ہو جائے اللہ تعالیٰ کی اس عظیم مخلوق میں اس کی وسیع سرزمین میں کتنی ایسی ہستیاں گزری ہوں گی جن کا صحیح علم اور ان کی علمی گہرائیوں کا صحیح اندازہ کسی کو نہ ہوا ہو۔

اور یہ بھی ایک مسلم امر ہے کہ کوئی شخص تصانیف کے محض عددی کمیت واکثریت کی بنا پر علامہ عصر بن جائے ایسا نہیں ہوسکتا علماء اسلام کے علمی سمندر میں کثرت سے ایسے بیش بہا موتی موجود ہیں جو کبھی کسی تاج مرصع کی زینت نہیں بنے۔

قدرت کے معدنی کائنات میں ایسے بے بہا جواہرات موجود ہیں کہ کوہ نور نامی ہیرے اور اس کی چمک وتابانی کے سامنے ماند پڑ جائیں۔

وان من شیئی الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ الا بقدر معلوم (الحجر ۲۱)

حافظ حدیث امام تقی الدین ابن دقیق العید رحمہ اللہ جیسے محقق عصر جن کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ فرماتے ہیں کہ امت محمدیہ میں ایسا دقیق النظر محدث نہیں گزرا۔ اگر ان کی کتاب احکام الاحکام یا کتاب الامام شرح الالمام کی ناتمام نقول کتابوں میں نقل نہ ہوتیں تو شاید موجودہ نسل کو ان کے کمالات کا کچھ علم بھی نہ ہوتا کیا کوئی یہ گمان کرسکتا ہے کہ شیخ جلال الدین سیوطی مصری اپنی کثرت مصنفات کی وجہ سے ابن دقیق العید جیسے محقق روزگار سے سبقت لے جائیں گے۔

بسا اوقات دفتر تاریخ کی ورق گردانی سے بھی اس کا پورا پورا اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے، معاصرین فیض یافتہ اور چشم دید کمالات کے مشاہدہ کرنے والوں کو جن علمی حقائق کا انکشافات ہوتا ہے ان کے مؤلفات کے صفحات پڑھنے والوں کو پورا احساس بے حد مشکل ہے۔ پھر قدرت کا عجیب نظام ہے کہ علماء امت اور ارباب ولایت کے مزاج بھی اتنے مختلف ہیں کہ عقل نارسا حیران رہتی ہے کوئی دینی خدمت، تعلیم وارشاد افادہ وافاضہ کے پیش نظر تالیف وتصنیف میں مشغول نظر آتا ہے۔ کوئی اصلاح وتربیت کے حرص کی خاطر حلقۂ صحبت واستفادہ کو وسیع کرنے کی فکر میں مصروف ہے کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ خمول پسندی تواضع اور شہرت سے نفرت کی بناء پر گم نامی کو اپنا شیوہ امتیاز بنائے ہوئے ہے۔ یہ نظام قدرت کے عجائبات کے انتہاء ہے نہ کائنات کی نیرنگیوں کا شمار

رتب تقصر الامانی حسری دونہا ماوراءھن وراء

امام العصر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک طرف علمی تبحر محیر الافکار جامعیت، حیرت افزا دقت نظر فوق العادت حافظہ، کتب بینی اور مطالعہ کا عجب شوق وذوق عطا فرمایا

دوسری طرف خمول پسندی وجاہت وشہرت سے نفرت اور تواضع وفروتنی کے کمالات سے سرفراز فرمایا۔ حضرت امام العصر کی پوری زندگی مطالعہ کتب میں گذری اور ساری زندگی میں کچھ نہ کچھ جواہر ریزے قلم سے نکلتے رہے۔ مشکلات وحقائق پر یادداشتیں لکھتے رہے اور علمی افکار ونظریات بھی قلم بند کرتے رہے لیکن کبھی مستقل تالیف وتصنیف کا شوق دامنگیر نہ ہوا۔

کاش اگر حضرت کو اپنے علوم ومعارف کے پیش نظر تصنیف وتالیف کا سواں حصہ بھی شوق ہوتا تو آج علمی دنیا کا دامن ان کے علوم وتحقیقات سے پر ہوتا اور ان کے علمی جواہرات سے اہل علم مالا مال ہوتے اور آئندہ کی نسلیں صحیح معنی میں انکی معرفت وقدردانی میں کوتاہی نہ کرتیں۔

لیکن تاہم الحمدللہ قرآن کریم احادیث اور فقہ اسلامی کے بعض مشکلات علم کلام کے مشکل ترین مسائل خلافیات امت کے معرکۃ الآراء مسائل اور عقائد محمدیہ کے امہات واصول پر چند ایسے رسائل یادگار چھوڑ گئے جن کی نظیر علمی ذخائر میں مشکل سے ملے گی۔ جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا کیا مجال کہ بعید سے بعید نقل دقیق سے دقیق نکتہ عقلی ونقلی کوئی پہلو تشنہ رہ جائے دنیائے اسلام کے وسیع النظر محقق عالم شیخ محمد زاہد کوثری مرحوم نے قاہرہ میں ایک دفعہ دوران ملاقات میں فرمایا کہ احادیث سے دقیق مسائل کے استنباط میں شیخ ابن ہمام صاحب فتح القدیر کے بعد ایسا محدث وعالم امت میں نہیں گزرا اور پھر فرمایا کہ یہ کوئی کم زمانہ نہیں غالبا موصوف کے الفاظ یہ تھے:

لم یات فی الامۃ بعد الشیخ ابن الھمام مثلہ فی استشارۃ الابحاث النادرہ من الاحادیث ولیست ھذہ المدۃ بقصیرۃ

اور حیرت یہ ہوتی تھی کہ کسی موضوع پر جب کچھ تحریر فرمایا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شاید ساری زندگی اس ایک موضوع کی نذر ہوئی ہے۔

ایک دفعہ ۱۳۴۷ھ میں مولینا حبیب الرحمٰن خان صاحب شیروانی مرحوم حیدرآباد سے دیوبند تشریف لائے تھے۔ اس وقت مرحوم امور مذہبی کے الصدور الصور کے عہدے پر فائز تھے۔ حضرت کی زیارت کے لئے قیام گاہ پر تشریف لائے حضرت شیخ رحمۃ اللہ نے مشکلات القرآن کا کچھ حصہ تذکرہ فرمایا اور بطور مثال سورۃ مزمل کی پہلی آیتوں میں علماء کو جو علمی اشکال تھا اس کا ذکر فرما کر اپنی طرف سے ایک ایسی تفسیر بیان کر کے ایسی تحقیق کی کہ وہ مشکل حل ہوگئے۔ شیروانی صاحب نے حیران ہو کر بے ساختہ فرمایا کہ حضرت بات بالکل صاف ہوگئی۔ ۱۳۴۸ھ کا واقعہ ہے کشمیر سے واپسی پر حضرت لاہور ایک دو روز کے لئے اترے، آسٹریلیا بلڈنگ میں قیام تھا۔ میزبان نے ڈاکٹر اقبال مرحوم کو بھی دعوت دی۔ ڈاکٹر صاحب کے سامنے حضرت شاہ صاحب

نے بہت سے علمی جواہرات بیان فرمائے ان میں ایک موضوع یہ تھا کہ دنیا میں سائنس وطبعیات میں جو حیرت انگریز ترقیاں ہوئی ہیں انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں ان کی نظیریں موجود ہیں اور انبیاء کرام کے معجزات میں یہ چیزیں قدرت نے اس لئے ظاہر کرائیں کہ یہ آئندہ امت کی ترقیات کے لئے تمہید ہوں اور فرمایا کہ ضرب الخاتم میں بھی اسی کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے راقم الحروف نے حضرت کے ایماء پر یاد سے وہ شعر سنائے جن میں ایک شعر یہ تھا۔

وقد قيل ان المعجزات تقدم   بما يرتقى فيه الخليفة فى صدى

میں نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم بے حد محظوظ ہوتے رہے۔

بارہا یہ دیکھا گیا ہے کہ کسی مصنف نے بقصد تقریظ لکھوانے کوئی کتاب حضرت کے سامنے پیش کی اور ظاہر ہے کسی اہم موضوع پر کوئی محقق سنجیدہ اہل قلم یا معیاری مصنف علمی کتب خانوں کی اس فراوانی میں کیا کسر باقی رکھے گا۔ لیکن دیکھا یہ گیا کہ حضرت سرسری نظر میں اہم ترین اصلاحات فرما کر بیش قیمت اضافہ بھی فرما دیا کرتے تھے جس سے مصنف حیرت میں پڑ جاتا تھا۔ افسوس کہ میں اس مختصر مقالے میں اس کے نظائر پیش نہیں کر سکتا راقم الحروف کی کتاب نفحۃ العنبر میں اس کی کچھ مثالیں ملیں گی جو امام العصر کی حیات کے چند صفحے اب سے اٹھائیس برس قبل راقم کے قلم سے بطور نقش اول نکل چکے ہیں اس حیرت انگیز کمال پر یہ کمال کہ جب تک کوئی شخص خود مسئلہ یہ دریافت کرے اپنی طرف سے کبھی سبقت نہ فرماتے تھے۔ درحقیقت اس حیرت ناک علمی تبحر کے ساتھ یہ وقار وسکون اور علم کے اس متلاطم سمندر کے ساتھ یہ خاموشی امام العصر کی مستقل کرامت ہے۔

مخدوم ومحترم سید سلیمان صاحب ندوی مرحوم کا ایک بلیغ جملہ اس حقیقت کے چہرے سے پوری نقاب کشائی کرتا ہے فرماتے ہیں۔

مرحوم کی مثال ایک ایسے سمندر کی ہے جس کی اُوپر کی سطح ساکن ہو اور اندر کی گہرائیاں گراں قدر موتیوں سے معمور ہوں (معارف غالبا جون ۱۹۳۳ء) غرضیکہ حضرت امام العصر رحمۃ اللہ نے باوجود اس محیر العقول جامعیت، تبحر کثرت معلومات وسعت مطالعہ حیرت ناک استحضار اور قوت حفظ کے شوق سے کبھی تالیف وتصنیف کا ارادہ نہیں فرمایا اور امت کے دل میں یہ تڑپ رہی کہ کاش کسی اہم کتاب حدیث پر کوئی خدمت یادگار چھوڑ جاتے۔

حضرت مولینا صاحب بدر عالم نے ایک دفعہ عرض کیا کہ اگر جامع ترمذی وغیرہ پر کوئی شرح تالیف فرما دیتے تو پس ماندگان کے لئے سرمایہ ہوتا غصہ میں آکر فرمانے لگے کہ زندگی میں نبی کریم ﷺ کی احادیث کو پڑھا کر پیٹ پالا کیا آپ چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد میری حدیث کی

خدمت بکتی رہے۔ ہاں دینی اور کچھ علمی شدید تقاضوں کی وجہ سے چند رسائل یادگار چھوڑ گئے اس طرح اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ علمی دنیا کچھ نہ کچھ ان کی علمی تحقیقات وخصوصیات سے مستفید رہے نیز ان کے تلامذہ واصحاب کی وساطت سے بھی اچھا خاصا ان کے علمی کمالات کا ذخیرہ امت کے ہاتھ آیا۔ اس طرح یہ محقق یگانہ عصر حاضر کا جامع الکمالات امام دنیا میں علم کا آفتاب وماہتاب بن کر چمکا میرے ناقص علم میں غیر منقسم ہندوستان کی سرزمین میں جامعیت وتبحر کے اعتبار سے ایک حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی اور انکے بعد حضرت علامہ امام العصر کشمیریؒ کی نظر نہیں ملے گی۔ ہندوستان کے غیر مقلد حضرات کی چیرہ دستیوں سے تنگ آکر بھی چند رسائل کی تالیف کی نوبت آئی جن میں فاتحہ خلف الامام رفع یدین اور مسئلہ وتر زیر بحث آئے ہیں ضمنا اور بہت سے مسائل آگئے ہیں، نیز فتنہ قادیانیت کی تردید کے سلسلہ میں چند رسائل تالیف فرما چکے ہیں جن میں امت محمدیہ کے قطعی عقیدہ ختم نبوت کی تحقیق بھی آگئی ہے جو دین اسلام کا مرکزی نقطہ ہے۔ اس طرح کفر وایمان کا مدار جن امور پر ہے اس کی تحقیق واضح طور سے ہوگئی حیات مسیح علیہ السلام کے عقیدہ کی تفصیلات بھی آگئی ہیں اس طرح علم کلام کے چند مشکل ترین مسائل کا فیصلہ بھی فرما چکے ہیں۔

حضرت امام العصر کی تالیفی خصوصیات: ...... ''فیض الباری'' کے مقدمہ ۲۱ پر راقم نے لکھا تھا[1]

منجملہ حضرت شیخ کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ زیادہ تر اہتمام مشکلات کے حل کرنے کا فرماتے تھے بحثوں کو پھیلانے اور الفاظ بار بار استعمال کرنے پر زیادہ توجہ نہیں فرماتے تھے نیز یہ کوشش فرماتے تھے کہ موضوع کے متعلق مواد زیادہ پیش کیا جائے اسکی توضیح وتشریح کے زیادہ درپے نہیں ہوتے تھے۔ لفظوں میں اختصار اور معانی میں کثرت ان کی طبیعت وعادت بن گئی تھی۔ خواہ تدریس میں ہو یا تصنیف وتالیف میں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب کسی بلیغ کو دیکھا تو یہ دیکھا کہ الفاظ کے اختصار کے ساتھ معانی میں تفصیل کرتا ہے۔

ابن ندیم کتاب الفہرست میں لکھتے ہیں:

''طبیعتیں نتائج کی منتظر رہتی ہیں نہ کہ مقدمات کی اور مقاصد سے خوش ہوتی ہیں نہ کہ صرف عبارت کی طوالت ہے''۔

مجھے پہنچا ہے کہ حضرت حکیم الامت مولینا تھانویؒ فرمایا کرتے کہ بسا اوقات حضرت

[1] ...... صرف اس کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔ کوندہ

شاہ صاحب رحمۃ اللہ کے ایک جملہ کی تشریح میں ایک رسالہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

یتیمۃ البیان مقدمۃ مشکلات القرآن ۸۳ میں اور نفحۃ العنبر ۱۰۵ پر راقم الحروف نے حضرت امام العصر کی تالیفی خصوصیات کو وضاحت و تفصیل سے بیان کیا ہے، جس کا ماحصل یہ ہے۔

''جامعیت دقت نظر سرعت انتقال ذہنی اور کثرت آمد کی بنا پر طبیعت اختصار کی عادی بن گئی تھی۔ معلومات کی فراوانی کی وجہ سے ضمنی مضامین کثرت سے ذکر فرمایا کرتے تھے حدیث کے لطائف میں جب علم عربیت و بلاغت کے نکات کا بیان شروع ہو جاتا تھا تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ علوم عربیت کی تحقیقات ہی شاید کتاب کے اصلی موضوع ہیں اور بعید ترین و عمدہ ترین ماخذ سے وہ نقول پیش فرمایا کرتے تھے جن سے محققانہ شروح حدیث کا دامن بھی خالی ہوتا تھا۔ افسوس کہ اختصار کی وجہ سے میں اس کی مثالیں پیش نہیں کرسکتا اس لئے عام نگاہیں ان کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں اور بہ مشکل عام طبیعتیں لذت اندوز ہوتی تھیں حضرت کے مختصر سے مختصر رسالے کے لئے بھی سارے علوم سے نہ صرف مناسبت بلکہ مہارت ان میں ضروری ہے ان تصانیف کی صحیح قدر دانی وہی عالم کرسکتا ہے جسے کسی موضوع میں مشکلات پیش آتی ہوں اور پورے متعلقات کی چھان بین کر چکا ہو اور تشفی نہ ہوتی نہ ہو۔ پھر حضرت امام العصر کی تالیف کا غور سے مطالعہ کی توفیق ہو اس وقت قدر شناسی و قدر دانی کی نوبت آئے گی اور حقائق مطلوبہ کے چہرے سے پردے ہٹتے چلے جائیں گے خالی ذہن غیر مبتلا شخص جسکو کبھی کسی مشکل کی خلش ہی پیش نہ آئی سطحی مضامین و شگفتہ عبارت سے مانوس ہو وہ کبھی قدر نہیں کرسکتا''۔

حضرت استاذ محترم مولینا شبیر احمد صاحب عثمانی مرحوم فرماتے تھے کہ حضرت شاہ صاحب کی کتاب کشف الستر عن صلوۃ الوتر کی قدر اس وقت ہوئی کہ اس مسئلے پر جتنا ذخیرہ حدیث کا مل سکا سب کا مطالعہ کیا پھر رسالہ مذکور کو اول سے آخر تک بار بار پڑھا اس وقت اس کی صحیح قدر ہوئی۔

اب میں اس مختصر سے تمہیدی مضمون کو امام مسروق بن الاجدع المتوفی ۶۳ھ کے ایک تاریخی کلام پر ختم کرتا ہوں جس کو امام تاریخ ابن سعد نے اپنی کتاب الطبقات میں ذکر کیا ہے (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۱۵) باسناد صحیح مسروق سے روایت ہے مسروق (کوفہ کے کبار تابعین میں سے ہیں، مخضرم ہیں یعنی عہد نبوت کو پا چکے ہیں) فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ''نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) کے صحابۂ کرام کی مثال تالابوں

اور حوضوں جیسی ہے یعنی چھوٹا اور بڑا کوئی تالاب ایک آدمی کی سیرابی کے لئے کافی ہوتا ہے کوئی دو کے لئے کوئی دس کے لئے کوئی سو کے لئے اور بعض ایسے تالاب ہیں اگر روئے زمین والے سب پینے کے لئے آئیں تو سب سیراب ہو کر جائیں حضرت عبداللہ بن مقصود رضی اللہ عنہ کی مثال اسی تالاب کی ہے"

راقم الحروف کہتا ہے کہ علماء امت کی مثال بھی یہی ہے اور حضرت امام العصر شاہ صاحب کی مثال عبداللہ بن مسعود کی ہے ان کا وجود پوری امت کی سیرابی کے لئے کافی تھا اب ان تصانیف کی فہرست پیش کرتا ہوں جو حضرت اپنے قلم حقیقت رقم سے تالیف فرما چکے ہیں۔

امام العصر کی تصانیف:

(۱)...... عقيدة الاسلام فى حيوة عيسىٰ عليه السلام:

یہ کتاب ۲۲۰ صفحات پر مشتمل ہے عقیدہ حیات مسیح علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم کی کیا ہدایت ہیں، اس کی تفصیل ہے اس میں احادیث کا استقصاء واستیفاء نہیں کیا گیا ہے بقدر ضرورت ضمنا احادیث کا ذکر ہے اس لئے اس کا دوسرا نام ہے "حيوة المسيح بمتن القرآن والحديث الصحيح"، ضمنی مسائل کی تحقیقات کئی جگہ آگئی ہیں۔

عقیدۂ حدوث عالم عقیدہ ختم نبوت کنایہ حقیقت ہے یا مجاز؟ ذوالقرنین ویاجوج وماجوج کی تحقیق سد ذی القرنین کی تعیین وغیرہ وغیرہ۔

حضرت شیخ عثمانی مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ یہ کتاب حضرت شاہ صاحب کی سب کتابوں میں واضح مفصل اور شگفتہ ہے۔

(۲)......"تحية الاسلام فى حيوة عيسى عليه السلام"

یہ کتاب ۱۵۰ صفحات کی ہے۔ عقیدہ الاسلام کی تعلیقات اور اس پر اضافات ہیں ادب وبلاغت کی عجیب وغریب ضمن تحقیقات آگئی ہیں۔

(۳)......"التصريح بماتواتر فى نزول المسيح"

نزول مسیح علیہ السلام کے متعلق احادیث وآثار صحابہ کو اس میں بہت تفتیش ودیدہ ریزی سے جمع کیا گیا ہے جن کی تعداد تقریبا سو تک پہنچ جاتی ہے۔ مولینا مفتی محمد شفیع صاحب کا اس پر ایک نفیس مقدمہ بھی ہے۔

(۴)......"اكفار الملحدين فى ضروريات الدين"

۱۲۸ صفحات کا ایک عجیب وغریب رسالہ ہے، جس میں کفر وایمان کی اصل حقیقت پر روشنی ڈالی گئی اور اصولی طور پر بحث کی گئی ہے کہ مدار ایمان کیا کیا امور ہیں اور کن عقائد واعمال کے انکار سے کفر لازم آتا ہے اور کس قسم کے عقائد میں تاویل کرنا بھی موجب کفر ہے۔

اس موضوع پر سب سے پہلے امام غزالیؒ نے قلم اٹھایا تھا ''فیصل التفرقة بین الاسلام والزندقه'' ان کا رسالہ مصر و ہندوستان میں عرصہ ہوا کہ شائع ہو چکا ہے اس رسالے کی عمدہ تحقیقات حضرت شیخ نے چند سطروں میں نقل فرمائی ہیں عصر حاضر میں یہ ایک اہم ترین دینی خدمت تھی وہ حضرت نے پوری فرما دی اس پر سارے علماء دیوبند کی رائیں اس لئے لکھوا دی ہیں تا کہ اہل حق جماعت میں اس اہم ترین مسئلہ میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔

(۵)...... ''خاتم النبیین''

یہ عقیدہ ختم نبوت میں عجیب رسالہ ہے جو ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے فارسی زبان میں لیکن دقیق حضرت کا خاص اسلوب علمی کمالات اور وہبی کمالات کے نمونے پورے طور پر جلوہ آراء ہیں۔

حضرت مولینا سید سلیمان ندوی مرحوم نے بھی ایک دفعہ ایک مکتوب میں تحریر فرمایا تھا کہ بہت دقیق ہے عام لوگ نہیں سمجھ سکتے۔

(۶)...... ''فصل الخطاب فی مسئلة ام الکتاب''

مسئلہ فاتحہ خلف الامام جو عہد صحابہؓ سے لیکر آج تک معرکۃ الآراء موضوع رہا ہے اس پر ۱۰۹ صفحات کا محققانہ رسالہ ہے۔ حدیث عبادہ بروایت محمد ابن اسحاق کی عجیب وغریب تحقیق کی گئی بڑی تدقیق کے ساتھ اس اہم موضوع کا حق ادا کر دیا گیا ہے۔ لفظ ''فصاعدا'' کی تحقیق میں ۱۲، ۱۳ صفحات پر مشتمل دقیق ترین مضمون آگیا ہے۔ یہ مضمون چونکہ عام دسترس سے بالکل باہر تھا راقم الحروف نے اپنی کتاب معارف السنن شرح ترمذی (مخطوط) میں اس کی جدید اسلوب عصری سے اس کی تحلیل وتشریح کی ہے اور شگفتہ عربی میں اس کی تسہیل کی کوشش کی ہے۔

حضرت مولینا شبیر احمد صاحب عثمانی مرحوم کو ڈابھیل میں جب یہ مضمون سنایا تو نہایت محظوظ ہوئے اور بے ساختہ فرمایا کہ حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ اس مشکل ترین دقیق وغامض مضمون کی ایسی افصاح کی کہ شائد مقدور میں اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے،

(۷)...... ''خاتمة الخطاب فی فاتحة الکتاب''

مسئلہ فاتحہ خلف الامام پر فارسی زبان میں لطیف رسالہ ہے۔ بلا مراجعت کتاب دو روز میں

محرم ۱۳۲۰ھ میں یہ تالیف فرما چکے ہیں مسئلہ پر جدید انداز میں استدلال ہے۔
حضرت مولینا شیخ الہند رحمۃ اللہ کی اس تقریظ بھی ہے حضرت شیخ نے دقت نظر کی خوب داد دی ہے۔

(۸)......''نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین''

۱۴۵ صفحات پر مشتمل ہے مسئلہ خلافیہ نماز میں رکوع سے پہلے اور بعد میں ہاتھوں کو اٹھانے کے موضوع پر نہایت عجیب انداز میں تحقیق فرمائی ہے اور نہایت انصاف سے محققانہ انداز میں یہ ثابت فرمایا ہے کہ مسئلہ میں اختلاف عہد صحابہ سے ہے اور اس میں اگر اختلاف ہے وہی ہے کہ آیا رفع یدین کرنا بہتر ہے یا نہ کرنا بہتر ہے جائز و ناجائز کا اختلاف نہیں ضمنی طور پر بہت نفیس مباحث آگئے ہیں۔

(۹)......''بسط الیدین لنیل الفرقدین''

سابق الذکر موضوع پر ۶۴ صفحہ کا رسالہ ہے یہ رسالہ سابق نیل الفرقدین کا تکملہ ہے اس موضوع پر قدماء محدثین سے لیکر متاخرین اور عصر حاضر تک بہت کچھ خامہ فرسائی ہو چکی ہے۔ اس پامال موضوع پر ایسے محققانہ اسلوب میں جدید استدلالات اور دقیق استنباطات پیش کرنا یہ حضرت شاہ صاحب ہی کا حصہ ہے۔ الشیخ الامام محمد زاہد الکوثری اپنی کتاب تانیب الخطیب فیما ساقہ فی ترجمۃ ابی حنیفہ من الاکاذیب (۸۴) میں رقمطراز ہیں۔
رفع الیدین کے موضوع پر جانبین سے مخصوص کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن اس موضوع پر بہترین کتابیں علامہ برو بحر مولینا محمد انور شاہ صاحب کشمیری کی دو کتابیں ہیں نیل الفرقدین و بسط الیدین جن میں سارا لب لباب آگیا ہے اور یہ شافی و کافی ہیں (ترجمہ) درحقیقت صحیح قدر دانی ایسے محققین ہی کر سکتے ہیں۔

(۱۰)......''کشف السر عن صلوۃ الوتر''

مسئلہ وتر کے بارے میں امت میں جو اختلاف چلے آئے ہیں۔ کل خلافیات سولہ سترہ تک پہنچ جاتے ہیں ان میں جو مشکل ترین وجوہ ہیں ان کی ایسی تحقیق و فیصلہ کن تدقیق فرمائی ہے کہ کسی مصنف مزاج کو مجال انکار باقی نہیں رہتا۔ رسالہ ۹۸ صفحوں میں تمام ہوا ہے، دوسرے ایڈیشن میں بمقدار ایک ثلث تعلیقات کا اضافہ فرمایا ہے۔ مسئلہ آمین بالجہر وضع الیدین علی الصدور وغیرہ مسائل کی تشفی کن تحقیق فرمائی گئی ہے شروع میں خطبہ کے بعد ایک فصیح و بلیغ عربی کا قصیدہ ہے جو نہایت ہی مؤثر اور رقت انگیز ہے ہر حیثیت سے قابل دید ہے۔

(۱۱)......''ضرب الخاتم علی حدوث العالم''

حدوث عالم علم کلام و فلسفہ کا معرکۃ الآراء موضوع ہے اس پر متکلمین و فلاسفۂ اسلام نے سیر

حاصل بحثیں کی ہیں۔ مستقل رسائل کا موضوع بحث رہا ہے شیخ جلال الدین دوانی نے بھی اس پر ایک رسالہ الزوراء کے نام سے تصنیف کیا ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ نے اس سنگلاخ وادی میں قدم رکھا ہے اور الہیات وطبعیات اور قدیم وجدید فلسفہ کی رو سے اتنی کثرت سے دلائل وبراہین قائم کئے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے اور حدوث عالم کا مسئلہ نہ صرف یقینی بلکہ بدیہی بن جاتا ہے لیکن افسوس کہ حضرت نے ان براہین دلائل اور شواہد کو چار سو شعر میں منظوم پیش کیا ہے ظاہر ہے کہ شعر کا دامن تفصیلات سے خالی رہتا ہے لیکن اس کے ایضاح وحل کے لئے ہزاروں حوالے کتب متعلقہ کے دیدئے گئے جن میں صدر شیرازی کی اسفار اربعہ فرید وجدی وبستانی کے دائرہ المعارف خصوصیت رکھتی ہیں۔ راقم الحروف نے حضرت کے حکم سے متعلقہ حوالہ جات تقریباً ایک سو صفحات میں بڑی عرق ریزی سے جمع کئے تھے جس سے حضرت بے حد مسرور تھے اور میری اس ناچیز خدمت کو ایک دفعہ مولینا حبیب الرحمٰن خان شیروانی کے سامنے بہت سراہا تھا فرماتے تھے کہ اصل موضوع اثبات باری تھا لیکن عنوان میں ایک قسم کی شناعت تھی اس لئے حدوث عالم کا عنوان تجویز کیا اور آخر میں دونوں کا مفاد ایک نکلتا ہے۔

(۱۲)...... ''مرقات الطارم لحدوث العالم''

سابق الذکر موضوع پر ۶۲ صفحات میں رسالہ ہے۔ رسالہ کیا ہے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ اس رسالہ میں ادلہ وبراہین کے استقصاء کا ارادہ نہیں فرمایا بلکہ یہ ''ضرب الخاتم'' کے لئے مقدمات تشریح اور تفسیر کا کام دیتا ہے۔ نظائر اور شواہد اس موضوع پر اتنے پیش کئے ہیں کہ عقل وبرہان سے پہلے ذوق ووجدان فیصلہ کر لیتا ہے۔ ترکی کے سابق شیخ الاسلام مصطفےٰ صبری جو قاہری میں جلاوطنی کے بعد مقیم تھے اور ردّ مادیین ودہریین میں نہایت ہی متخصص جلیل القدر عالم تھے۔ ترکی وعربی میں اس موضوع پر متعدد کتابیں تالیف فرما چکے ہیں۔

۱۳۵۷ھ بمطابق ۱۹۳۸ء میں یہ رسالہ ان کو راقم الحروف نے دیا تھا مطالعہ فرمانے کے بعد اتنے متاثر ہوئے اور فرمایا کہ میں نہیں جانتا تھا کہ فلسفہ وکلام کے دقائق کا اس انداز سے سمجھنے والا اب بھی کوئی دنیا میں زندہ ہے اور پھر فرمایا۔

جتنا کچھ آج تک اس موضوع پر لکھا جا چکا ہے اس رسالہ کو اس سب پر ترجیح دیتا ہوں اور اس اسفار اربعہ (ان کے سامنے اس وقت تھی) پر اس رسالہ کو ترجیح دیتا ہوں۔

پھر اس وقت ''القول الفیصل'' کے نام سے رد دہریین میں ایک مبسوط کتاب تالیف فرما رہے تھے اس میں اس رسالہ سے بہت نقول لئے اور اس کتاب میں اس رسالہ کی بڑی تعریف کی۔

ایک حصہ اس کا طبع ہو چکا ہے نہ معلوم یہ عبارت اس حصہ میں آگئی ہے یا نہیں ضمنا اس رسالہ میں کلام و تصوف الہیات وطبعیات کے بہت سے حقائق کا فیصلہ فرمایا گیا ہے۔

(۱۳)...... ''ازالۃ الرین فی الدب عن قرۃ العینین''

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مشہور کتاب قرۃ العین فی تفضیل الشیخین کا حیدر آباد دکن میں کسی شیعی مزاج عالم نے رد لکھا تھا حضرت امام العصر نے شاہ دہلوی کی تائید میں اس کی تردید لکھی۔ نہایت عمدہ کتاب ہے ۱۹۶ صفحات میں پھیل گئی ہے۔ اس میں قال المولی المولف کہہ کر شاہ دہلویؒ کی عبارت نقل فرماتے ہیں [1]

اس کتاب کا ایک نسخہ مجھے کشمیر میں ملا تھا۔ ابتداء سے ۸ صفحے غائب ہیں اس لئے نام مجھے نہ معلوم ہو سکا اور سوء اتفاق سے حضرت شیخ سے پوچھنے کی نوبت نہ آئی ازالۃ الرین میرا تجویز شدہ نام برائے نام ہے۔

(۱۴)...... ''سہم الغیب فی کبد اھل الریب''

تاریخی نام: **قسی سہم الغیب**

ہندوستان کی سرزمین میں جہاں بدقسمتی سے بہت سے بدعات اور عقائد شرکیہ بعض سادہ لوح مسلمانوں میں رائج ہو گئے ہیں۔

وہاں ایک ان میں سے علم غیب کا عقیدہ ہے اور سید احمد رضا خان صاحب بریلوی اور ان کے اتباع نے اس کو عملی رنگ میں پیش کیا اور ایک عرصہ تک ہندوستان میں یہ موضوع بحث رہا۔ ایک بریلوی شخص نے اس میں ایک رسالہ لکھا اور اہل حق کے مسلک کے خلاف اپنے نامۂ عمل اور نامہ قرطاس کو سیاہ کیا۔ اور اپنا نام عبدالحمید دہلوی ظاہر کیا۔ حضرت شیخ کا قیام اس زمانہ میں دہلی میں تھا آپ نے جواب ترکی بہ ترکی عبدالحمید بریلوی کے نام منسوب کر کے اس کا جواب شائع فرمایا رسالہ کے آخر میں حضرت مولینا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولینا شیخ الہند محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب میں عربی میں ایک قصیدہ ہے رسالہ کی زبان حضرت شیخ کے عام تصنیفی مذاق کے خلاف اردو ہے۔

یہ چودہ تصانیف تو امام العصر شاہ صاحبؒ کی وہ ہیں کہ اپنے قلم سے تالیف فرما چکے ہیں۔

امام العصر حضرت شاہ صاحب کی دوسری قسم کی تصنیفات:...... دوسری قسم کی وہ تصنیفات ہیں کہ آپ کی یادداشتوں سے مرتب کی گئی ہیں ان کتابوں کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے۔

---

[1] ...... قال المعترض سے تردید کرنیوالے کی عبارت اور اقوال سے اس کی تردید فرماتے ہیں۔ منہ

(۱)......''مشکلات القرآن''

قرآن کریم کی جن آیات کریمہ کو مشکل خیال فرمایا تھا خواہ وہ اشکال تاریخی اعتبار سے ہو یا کلامی حیثیت سے، سائنس کی رو سے ہو یا کسی عقلی پہلو سے یا علم عربیت وبلاغت کی جہت سے ہو ان پر یاداشت مرتب فرمائی تھی۔ اگر کہیں اس پر عمدہ بحث کی گئی ہے۔ اس کو نقل فرمایا حوالہ دیا اور نہیں تو خود غور وفکر کے بعد جو حل سانح ہوا تحریر میں لایا گیا۔ یہ یادداشت بہ شکل مسوادات مختلف اوراق میں موجود تھی مجلس ڈابھیل نے مرتب کر کے اسے شائع کیا اور راقم الحروف نے مجلس عالمی کی خواہش پر ''یتیمۃ البیان'' کے نام سے ۸۴ صفحہ کا اس کا مبسوط مقدمہ لکھا ہے۔ اصل کتاب ۴۸۷ صفحات پر ختم ہوئی۔ قرآنی علوم اور قرآنی معارف کا نہایت بیش قیمت گنجینہ ہے۔ اگر جدید اسلوب سے اس کو پھیلایا گیا تو ایک ہزار صفحات میں کہیں جا کر کتاب ختم ہوگی۔

بعد میں معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے متعلق کچھ اور مسوادات بھی نکل آئے تھے جن کی زیور طبع سے آراستہ ہونے کی نوبت ابھی نہیں آئی۔

(۲)......''خزینۃ الاسوار''

یہ ایک رسالہ ہے جس میں کچھ اوراد وادعیہ کچھ مجربات واذکار وغیرہ جمع کئے گئے ہیں یہ سب علامہ میری کی کتاب ''حیوۃ الحیوان'' کے اقتباسات ہیں۔ کہیں کہیں حضرت شاہ صاحب کی طرف سے اضافات بھی ہیں یہ رسالہ حضرت کے ذیلی مسوادات جو کشمیر میں تھے۔ ان میں دستیاب ہوا تھا مجلس علمی ڈابھیل نے اس نام سے شائع کیا۔

(۳)......''فیض الباری بشرح صحیح البخاری''

یہ حضرت شاہ صاحب کے درس صحیح بخاری کی املائی شرح ہے جس کو حضرت مولینا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدینہ نے کئی سال کی محنت وعرق ریزی کے بعد فصیح وبلیغ عربی زبان میں مرتب کیا ہے۔ یہ حضرت امام العصر کے علوم وکمالات کی سچی تصویر پیش کرتی ہے جہاں حافظ شیخ الاسلام بدرالدین عینی اور قاضی القضاۃ حافظ ابن حجر عسقلانی جیسے بلند پایہ محقق وشارحین عاجز آگئے ہیں وہاں شیخ کے خصائص وکمالات جلوہ آرا نظر آئیں گے۔ زیادہ تر اعتناء ان ہی معارف حدیث کا کیا گیا جہاں شارحین ساکت نظر آتے ہیں حضرت شیخ کے آخری عمر کے مجرب علوم واذواق خصوصی احساسات وعلمی خصوصیات، دقت نظر وتحقیقی معیار کے نمونے اہل علم ویاران نکتہ دان کے لئے صلائے عام دے رہے ہیں۔ یہ چار ضخیم جلد کا بحر بیکراں مصر میں آب وتاب سے شائع ہوا ہے۔ قرآن وحدیث فلسفہ وکلام اور معانی وبلاغت وغیرہ کے نہایت بیش بہا ابحاث سے مالا مال ہے۔ (

اس پر راقم الحروف اور حضرت جامع ومرتب کے قلم سے دو مبسوط مقدمے ہیں۔ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے) عام عبارت نہایت شگفتہ وسلیس ہے بعض بعض مقامات میں خاص ادبی لطافت ہے۔

(۴)......"العرف الشذی بشرح جامع الترمذی"

یہ حضرت شاہ صاحب کی درس جامع ترمذی کی املائی شرح ہے جس کو جناب مولینا محمد چراغ صاحب ساکن ضلع گجرات نے بوقت درس قلم بند کیا ہے اور زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔ اور اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہوا ہے۔ جامع ترمذی کے مشکلات احادیث احکام پر محققانہ کلام ہر موضوع پر عمدہ ترین کبار امت کے نقول اور حضرت کی خصوصی تحقیقات کا ذخیرہ ہے طلبہ حدیث اور اساتذہ حدیث پر عموماً اور جامع ترمذی کے پڑھانے والوں پر خصوصاً اس کتاب کا بڑا احسان ہے۔

(۵)......"انوار المحمود فی شرح سنن ابی داؤد"

یہ سنن ابی داؤد کے درس کی املائی تقریر وشرح ہے جس کو مولینا محمد صدیق صاحب نجیب آبادی مرحوم نے جمع کر کے شائع کیا ہے۔ کل دو جلدوں میں ہے، مرتب وجامع نے بہت سی کتابوں کی اصل نقول کو مراجعت کر کے لفظ بلفظ درج کر دیا ہے۔ کتاب کے تسمیہ میں حضرت شاہ صاحبؒ اور ان کے شیخ حضرت شیخ الہند کے نام کی تلمیح کی گئی ہے۔

(۶)......"صحیح مسلم کی املائی شرح"

سنا ہے کہ ہمارے محترم دوست فاضل گرامی جناب مولینا مناظر احسن صاحب گیلانی نے صحیح مسلم کے درس کی تقریر قلم بند فرمائی تھی یہ اب تک نہ طبع ہوئی نہ راقم الحروف کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

(۷)......"حاشیہ سنن ابی ماجہ"

جناب محترم مولینا سید محمد ادریس صاحب سکروڈوی سے سنا تھا کہ آپ نے سنن ابن ماجہ پر کتاب کے حواشی وہوامش پر تعلیقات اپنے قلم سے لکھی تھیں۔ راقم الحروف کو اس کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ یوں تو حضرت نے جن کتابوں پر تعلیقات لکھی ہیں اگر استقصاء کیا جائے تو متعدد کتابیں نکل آئیں گی۔

الاشباہ والنظائر جو ابن نجیم کی فقہ میں مشہور کتاب ہے اس پر تعلیقات حضرت کے قلم سے خود میں نے کشمیر میں دیکھے ہیں۔ یہ کل اکیس کتابیں ہوئیں جن سے حضرت امام العصر کے کمالات کے کچھ پہلو نمایاں ہو سکتے ہیں۔ کتاب کی پوری حقیقت اسوقت منکشف ہوتی کہ کتاب کے مضامین یا خصوصیات کا واضح تعارف کراتا اور جن مشکل ابحاث میں حضرت کے کمالات نظر آرہے ہیں ان کی تفصیلات سامنے آتیں لیکن ظاہر ہے کہ یہ کسی مقالے کیلئے موزون نہیں تفصیلی

تبصرہ اور علوم و معارف کے نمونے پیش کرنے کے لئے ایک مستقل تالیف کی ضرورت ہے۔

راقم الحروف کی کتاب نفحۃ العنبر جو حضرت کی حیات طیبہ کے چند صفحے ہیں اس میں کچھ تفصیلات ناظرین کو ہاتھ آئیں گے۔ تالیفات کے متعلق جو کچھ وہاں لکھا ہے اگر اس کی تشریح ہی کی جائے تو اس مقالہ سے کہیں زیادہ ہوگا۔ اس وقت بہت عجلت وارتجال میں چند سطریں لکھنے کی توفیق ہوئی۔ حضرت امام العصر کے کمالات کا کوئی گوشہ بھی لیا جائے تو تفصیل کے لئے داستان کی ضرورت ہے اور جی چاہتا ہے کہ قلم اپنی جولانیاں دکھلاتا رہے۔

مدحتك جهدي بالذي انت اهله

فقصر عما صالح فيك من جهدي

میں نے چاہا کہ جس تعریف کے آپ مستحق ہیں اتنی تعریف کرسکوں لیکن میری کوشش ناکام رہی۔

فما كل ما فيه من الخير قلته

ولا كل ما فيه يقول الذي بعدي

جو کمالات ان میں ہیں نہ میں کہہ سکا اور نہ میرے بعد آنے والا کہہ سکے گا۔ (حیات انور)

______XXXX______

نوٹ :...... مندرجہ ذیل تصنیفات کے علاوہ بھی چند مزید کتابیں ہیں جن کا مختصر تذکرہ ذیل ہے۔

ا۔ "معارف السنن"

کے نام سے سنن ترمذی کے کئی جز مجلس علمی کراچی سے شائع ہوئے ہیں۔ اس کتاب کے فاضل مولف مرتب حضرت شاہ صاحب کے شاگرد رشید مولینا محمد یوسف بنوری ہیں۔

۲۔ "انوار الباری شرح اردو صحیح بخاری"

از مولینا احمد رضا صاحب بجنوری تلمیذ حضرت شاہ صاحبؒ یہ اردو میں بخاری شریف کی مشہور شرح ہے جو مجموعی طور شاہ صاحب کے علوم کی آئینہ دار ہے۔

۳۔ "لتحاف لمذهب الاحناف"

مرتبہ مولینا محمد بن موسیٰ میاں سملکی تلمیذ (حضرت شاہ صاحبؒ) ۲۶۸ صفحات پر مشتمل اس نسخہ کو مولانا موصوف نے ۱۹۵۹ء میں لندن میں آفسٹ پر شائع کیا ہے۔



۴۔''النور الضائض علی نظم الفرائض''

فارسی زبان میں ۱۹۲اشعار پر مشتمل ایک نظم حضرت شاہ صاحبؒ نے مولینا فخرالدین احمد کو بطور یادگار عنایت فرمائی تھی جسے موصوف نے کچھ اضافوں کے ساتھ طبع کرادیا۔ یہ نظم علم میراث پر ہے۔

۵۔''خلاصہ تقریر''

یہ رسالہ اردو زبان میں ہے لاہور سے شائع ہوا ہے یہ حضرت شاہ صاحب کے ان خطبات کا خلاصہ ہے جو آپ نے وفات سے کئی سال پہلے سرینگر میں ارشاد فرمائے ہیں۔

۶۔''دعوت حفظ ایمان''

دو، تردید قادیانیت میں، یہ چند ورقی ٹریکٹ اردو زبان میں ہیں (کوندو)



اے کہ تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم

از حضرت مولیناپروفیسر **سعید احمد صاحب اکبر آبادی** مدظلہ العالی
(ایم اے فاضل دیوبند)

سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ و صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ۔

مولیناسعید احمد صاحب اکبرآبادی دامت فیوضہم برصغیر ہندو پاک کے ممتاز ومقتدر علماء میں سے ہیں آپ حضرت شاہ صاحبؒ کے قابل فخر شاگرد ہیں اور اکثر فرماتے ہیں کہ مجھے ہر قدم پر یہ محسوس ہوا ہے کہ میرا وجود معنوی حضرت الاستاذ کی ہی غیر معمولی شفقت اور حسن تربیت کا مرہون کرم ہے حضرت موصوف پہلے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں استاد اور پھر مدرسہ عالیہ کلکتہ میں کئی سال تک پرنسپل رہے۔ ۱۹۵۹ء میں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں شعبہ دینیات کے سربراہ (DEANFACULTY OF THEOLOGY) مقرر ہوئے۔
اپنے شفیق استاد اور مربی حضرت شاہ صاحبؒ کی ذات گرامی کے ساتھ انہیں کتنی عقیدت ہے اس کا اندازہ راقم الحروف کے نام ان کے مندرجہ ذیل مکتوب گرامی سے لگایا جاسکتا ہے۔

نئی دہلی
۲۴ اگست ۱۹۷۵ء

محب محترم ومکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا محبت نامہ آیا تھا مگر میں کلکتہ چلا گیا تھا اس لئے افسوس ہے جواب میں تاخیر ہوئی معذرت خواہ ہوں آپ اندازہ نہیں کرسکتے ہیں کہ مجھ کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کس درجہ گہرا تعلق تھا اور اس طرح حضرت مجھ پر کس درجہ شفیق اور مہربان تھے۔ میں جو کچھ بھی ہوں اور میں نے جو کچھ پایا ہے وہ سب حضرتؒ کے فیض وصحبت کا عطیہ ہے۔ اس تعلق کی وجہ سے مجھے کشمیر، کشمیر کے لوگ اور ہر وہ چیز جس کا حضرت شاہ صاحبؒ سے تعلق ہے دل سے عزیز ہے۔ اس بناپر میں آپ کو بھی عزیز رکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش وخرم اور تندرست رکھے

آمین۔ برادرم مکرم مولینا مسعودی صاحب کو میرا بہت بہت سلام عرض کیجئے اور مزاج پرسی بھی۔

مخلص: سعید احمد اکبرآبادی

مولینا اکبرآبادی صاحب کثیر التصانیف ہیں ان کی چند مشہور اور معرکۃ الآراء کتابوں کے نام یہ ہیں۔
فہم القرآن، وحی الٰہی، مولینا عبید اللہ سندھی اور ان کے ناقد، مسلمانوں کا عروج وزوال اور سیرت ابوبکر صدیق۔
مولینا موصوف آج کل ندوۃ المصنفین دہلی کے مشہور علمی اور تحقیقی ماہنامہ رسالہ برھان کے ایڈیٹر اور انسٹیٹیوٹ آف ہسٹری آف میڈیسن اینڈ میڈیکل ریسرچ (نئی دہلی) سے وابستہ ہیں

اللہ تعالیٰ انہیں تادیر سلامت رکھے (آمین)

کوندو عفی اللہ عنہ

حضرت الاستاذ اپنی ذات سے چند درجہ علمی کمالات وفضائل کے باعث ایک انجمن اور صحیح معنی میں اس شعر کے مصداق تھے۔

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

خود میرا اپنا حال یہ تھا کہ علماء سلف کے شوق علم وسعت مطالعہ قوت حفظ وذہانت غیر معمولی وسعت علم وعمیق نظر وغیرہ اوران کے علمی وذی کمالات سے متعلق ایک دو نہیں سینکڑوں حیرت انگیز واقعات پڑھے تھے۔ میں انکو پڑھتا تھا اور دل میں خیال کرتا تھا کہ مورخین نے اپنی عام عادت کے مطابق رائی کو پہاڑ بنا کر پیش کر دیا ہے۔ ورنہ ایک انسان میں بیک وقت اتنے کمالات کیونکر جمع ہو سکتے ہیں مدتوں دماغ پر یہی خیال مسلط رہا لیکن جب حضرت شاہ صاحب کو بہت قریب سے دیکھا اور حضرت موصوف کی صحبت میں بیٹھ کر سمندر سے کچھ قطرے حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تو اب معاوہ پہلا خیال بدلا اور یقین ہو گیا کہ جب عالم اسلامی کے انتہائی دور زوال میں بھی دیوبند نامی ایک قصبہ کے افق سے ایک ایسی شخصیت بلند ہو سکتی ہے جو حفظ حدیث میں حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی وقسطلانی۔ کتب قدیمہ کے علم وتبحر میں حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم علم معانی وبیان میں سعد الدین تفتازانی اور فخر خوارزم جار اللہ زمخشری منطق اور فلسفہ میں ملا محب اللہ بہاری اور صدر الدین شیرازی، عربی میں جاحظ اور بدیع الزمان ہمدانی کا اور فارسی شعر وسخن

میں خاقانی وانوری کا ہم پایہ اور حریف وہمسر ہو تو پھر یہ کیونکر مستبعد اور عقلا محال ہوسکتا ہے کہ اسلام کے اور مسلمانوں کے دور شباب وترقی میں ایسے علماء اعلام پیدا ہوئے ہوں جن کی نظیر مادر گیتی کے بطن سے آج تک پیدا نہیں ہوئی۔ گویا حضرت شاہ صاحب کو دیکھ کر اپنے علماء سلف کی عظمت کا صحیح احساس پیدا ہوا اور پہلی مرتبہ یہ محسوس ہوا کہ اتنے ائمہ سلف کی نسبت جو واقعات تاریخ کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں وہ مبالغہ پرداری نہیں بلکہ واقعات کا اصل اور بے کم وکاست بیان ہے۔

جب تک نہ دیکھا تھا قد یار کا عالم
میں معتقد فتنۂ محشر نہ ہوا تھا

اس بناء پر حضرت شاہ صاحب کا حق کسی درجہ میں اسی وقت ادا ہوسکتا ہے جب کہ تن تنہا کوئی ایک شخص نہیں بلکہ ایک مجلس کی شکل میں مختلف علوم وفنون کے ماہر چند علماء ایک جگہ یکسو ہو کر بیٹھ جائیں اور وہ اپنے اپنے ذوق واستعداد کے مطابق حضرت شاہ صاحب کی تصنیفات وتالیفات اور رسائل ومقالات کا گہری نظر سے مطالعہ کر کے یہ معلوم کریں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا کس علم وفن میں صحیح مرتبہ ومقام کیا ہے اور علم وفن کے دوسرے ائمہ کے بالمقابل حضرت مرحوم کے امتیازات ومختصات کیا ہیں؟ حضرت شاہ صاحب کا اصل میں جو ان کے لئے بقائے دوام اور حیات جاوید کا ضامن ہے وہ ہر علم وفن میں ان کا یہی امتیاز واختصاص ہے اس بناء پر حضرت مرحوم کی کوئی سوانح عمری اس وقت تک مکمل ہی نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس میں انہیں علمی امتیازات ومختصات پر کماحقہ روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔

حضرت الاستاد کا یہی علمی جاہ وجلال تھا جس کے باعث بڑے بڑے فضلاء عصر جو مسلک ومشرب کے لحاظ سے حضرت الاستاذ سے کھلا ہوا اختلاف رکھتے تھے حضرت سے جب کبھی دوچار ہوتے تھے تو ان کے لئے علم وفضل کے اس مسند نشین یگانہ کے سامنے سر اطاعت وحلقہ بگوشی خم کرنے کے سوا چارہ نہ رہتا تھا۔ علامہ سید رشید المصری قاہری کے نامی گرامی علمی ودینی ماہنامہ المنار کے ایڈیٹر تفسیر المنار اور بیسیوں بلند پایہ علمی کتابوں کے نامور مصنف مفتی محمد عبدہ اور سید جمال الدین افغانی کے مخصوص صحبت یافتہ وجانشین، خود عرب اور عربی کے بلند پایہ ادیب وانشاء پرداز اور خطیب ومقرر تھے۔ ان تمام اوصاف وکمالات کے باوجود عالم اسلام کی جب اس نامور شخصیت نے دار العلوم دیوبند کی مسجد میں حضرت الاستاد کی تقریر عربی زبان میں سنی جو مسلسل ایک گھنٹہ جاری رہی تھی اور جس کا اصل موضوع حدیث اور علمائے دیوبند تھا۔ تو یہ مصری عالم سرتاپا حیرت بنا ہوا تھا اور آخر اسے اعتراف کرنا پڑا کہ اگر ہندوستان کے سفر میں اسے مولینا محمد انور شاہ

کی زیارت وملاقات کا اور موصوف کی یہ تقریر سننے کا موقع نہ ملتا تو وہ سمجھتا کہ وہ ہندوستان کے سفر سے تہی داماں آیا ہے۔

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کو کون نہیں جانتا ایک نامور فلسفی شاعر ہونے کے علاوہ فلسفہ کے دقیق النظر عالم تھے۔ نیز فلسفۂ یونانی اور اسلامی کے ساتھ ساتھ عہد حاضر کا فلسفۂ مغرب بھی جانتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کا اسلامیات کا مطالعہ بھی وسیع تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے برملا اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے اپنی انگریزی زبانوں کے چھ لیکچروں ❶ کی تیاری میں حضرت الاستاذ سے کافی مدد لی ہے۔ یہاں شاید اس واقعہ کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ حضرت الاستاذ کا ایک منظوم رسالہ حدوث عالم کی بحث پر ہے۔ یہ رسالہ تو حجم میں بہت مختصر ہی ہے لیکن سچ یہ ہے کہ اس مسئلہ (حدوث عالم) پر سارے قدیم وجدید فلسفہ کا عطر اور اس پر تنقید ہے اور اس بناء پر جب تک کوئی شخص فلسفہ کا اچھا اور مبصر عالم نہ ہو وہ اس رسالہ سے پورے طور پر نفع حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ رسالہ چھپ کر آیا تو اس کا ایک نسخہ حضرت الاستاذ نے ڈاکٹر صاحب مرحوم کے پاس بھی تحفۃً ارسال فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب جس ذوق اور جس استعداد کے بزرگ تھے اس کے اعتبار سے ان کے لئے کوئی تحفہ اس چند ورقی رسالہ سے زیادہ قیمتی ہو نہیں سکتا تھا۔ بڑے خوش ہوئے اور پورا رسالہ بڑی توجہ اور غور وفکر کے ساتھ پڑھا۔ میں اس زمانہ میں بسلسلہ طالب علمی لاہور میں مقیم تھا اور گاہے گاہے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی علمی وادبی مجلس سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو معلوم تھا کہ مجھ کو حضرت شاہ صاحبؒ کے ادنی درجہ کے تلامذہ میں سے ہی ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے بلکہ اس یادگار علم وفضل میں شخصی تقرب واختصاص کا مرتبہ بھی میسر ہے اس بناء پر میرے ساتھ کرم وشفقتِ بزرگانہ کا معاملہ کرتے تھے اور جب کبھی حاضر ہوتا گھنٹوں بڑی بے تکلفی اور سادگی کے ساتھ مختلف اسلامی مسائل پر گفتگو فرماتے تھے، اسی قسم کی ایک صحبت میں ایک مرتبہ فرمایا کہ میں تو مولینا انور شاہ کا رسالہ پڑھ کر دنگ رہ گیا ہوں کہ رات دن قال اللہ اور قال الرسول سے واسطہ رکھنے کے باوجود فلسفہ میں بھی ان کو اس درجہ درک وبصیرت اور اس کے مسائل پر اس قدر گہری نگاہ ہے کہ حدوث عالم پر اس رسالہ میں انہوں نے جو کچھ لکھ دیا ہے حق یہ ہے کہ آج یورپ کا بڑے سے بڑا فلسفی بھی اس مسئلہ پر اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے وہ رسالہ میرے حوالہ کیا اور فرمایا۔ اس میں چار شعر ایسے ہیں جن کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا میں

---

❶ یہ لیکچر "THE RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THROUGHT IN ISLAM" کے نام سے چھپے ہوئے ہیں اور بہت مشہور ہیں۔

نے ان پر نشان لگا دیا ہے آپ دیوبند جائیں تو یہ نسخہ ساتھ لے جائیں اور شاہ صاحبؒ سے ان اشعار کا مطلب دریافت کر کے آئیں۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کے ارشاد کی تعمیل کی۔ دیوبند آ کر وہ رسالہ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں پیش کر کے ڈاکٹر صاحب کا پیغام پہنچایا لیکن حضرت الاستاذ نے مجھ کو ان اشعار کا مطلب سمجھانے کے بجائے یہی مناسب خیال فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب کو فارسی میں ایک طویل خط لکھیں اور اسی میں ان اشعار کا مطلب بھی تحریر فرما دیں، یہ خط میں ہی دستی لے کر لاہور آیا اور ڈاکٹر صاحب کو پہنچایا۔

یہ حکیم الامت جس نے خود اپنے متعلق کہا تھا۔

اس کشمکش میں گذریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

اس کے دل میں حضرت الاستاذ کی کس درجہ عظمت تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دار العلوم دیوبند میں اختلاف کے باعث جب حضرت الاستاذ نے اپنے عہدہ صدر الاساتذہ سے استعفیٰ دیا اور یہ خبر اخبارات میں چھپی تو اس کے چند روز بعد میں ایک دن ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمانے لگے کہ ”آپ کا یا دوسرے مسلمانوں کا جو بھی تاثر ہو میں بہرحال شاہ صاحب کے استعفٰی کی خبر سن کر بہت خوش ہوا ہوں“۔ میں نے بڑے تعجب سے عرض کیا۔ کیا آپ کو دار العلوم دیوبند کے نقصانات کا کچھ ملال نہیں ہے۔ فرمایا کیوں نہیں؟ مگر دار العلوم کو تو صدر المدرسین اور بھی مل جائیں گے اور یہ جگہ خالی نہ رہے گی لیکن اسلام کے لئے اب جو کام میں شاہ صاحب سے لینا چاہتی ہوں اس کو سوائے شاہ صاحب کے کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا۔

اس کے بعد انہوں نے اس اجمال کی تفصیل یہ بیان کی کہ آج اسلام کی سب سے بڑی ضرورت فقہ کی جدید تدوین ہے۔ جس میں زندگی کے ان سینکڑوں ہزاروں مسائل کا صحیح اسلامی حل پیش کیا گیا ہو جن کو دنیا کے موجودہ قومی اور بین الاقوامی، سیاسی، معاشی اور سماجی احوال وظروف نے پیدا کر دیا ہے، مجھ کو پورا یقین ہے کہ اس کام کو میں اور شاہ صاحب دونوں مل کر ہی کر سکتے ہیں۔ ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی شخص اس وقت عالم اسلام میں ایسا نظر نہیں آتا ہے جو اس عظیم الشان ذمہ داری کا حامل ہو سکے پھر فرمایا: یہ مسائل کیا ہیں اور ان کا سرچشمہ کہاں ہے؟ میں ایک عرصہ سے ان کا بڑے غور سے مطالعہ کر رہا ہوں۔ یہ سب مسائل میں شاہ صاحب کے سامنے پیش کروں گا اور ان کا صحیح اسلامی حل کیا ہے؟ یہ شاہ صاحب بتائیں گے اس طرح ہم دونوں کے اشتراک وتعاون سے فقہ جدید کی تدوین عمل میں آجائیگی۔ چنانچہ باخبر اصحاب کو معلوم ہے کہ اسی جذبہ کے تحت ڈاکٹر صاحب مرحوم نے بڑی

کوشش کی کہ کسی طرح شاہ صاحب دیوبند کی خدمت سے سبکدوش ہونے کے بعد لاہور تشریف لے آئیں اور وہیں مقیم ہو جائیں لیکن افسوس کہ حالات کچھ اس قسم کے تھے کہ ایسا نہ ہو سکا اور حضرت شاہ صاحبؒ لاہور کے بجائے ڈابھیل تشریف لے گئے جس کا ڈاکٹر صاحب کو بڑا املال اور صدمہ ہوا۔

باخبر حضرات جانتے ہیں کہ پنجاب کے خصوصاً اور ہندوستان کے عموماً انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ میں قادیانی فتنہ کی شرانگیزی و اسلامی کشی کا جو احساس پایا جاتا ہے اس میں بڑا دخل ڈاکٹر اقبال مرحوم کے اس لیکچر کا ہے جو ختم نبوت پر ہے اور ساتھ ہی اس مقالہ کا ہے جو انگریزی میں قادیانی تحریک کے خلاف شائع ہوا تھا لیکن یہ شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہو کہ ان دونوں تحریروں کا اصل باعث حضرت الاستاذ مولینا محمد انور شاہؒ ہی تھے۔

ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحب انجمن خدام الدین کے کسی سالانہ اجتماع میں شرکت کی غرض سے لاہور تشریف لے گئے تو ڈاکٹر صاحب ملاقات کے لئے حضرت موصوف کی قیام گاہ پر آئے اور پھر ایک دن اپنے ہاں رات کے کھانے پر مدعو کیا دعوت کا صرف ایک بہانہ تھا ورنہ اصل مقصد علمی استفادہ تھا چنانچہ کھانے سے فراغت کے بعد ڈاکٹر صاحبؒ نے ختم نبوت اور قتل مرتد کا مسئلہ چھیڑ دیا جس پر کامل دو ڈھائی گھنٹہ تک گفتگو رہی ڈاکٹر صاحب کی عادت یہ تھی کہ جب وہ کسی اسلامی مسئلہ پر کسی بڑے عالم سے گفتگو کرتے تھے تو بالکل ایک طالب علمانہ انداز سے کرتے تھے مسئلہ کے ایک ایک پہلو کو سامنے لاتے اور اس پر اپنے شکوک و شبہات بے تکلفانہ بیان کرتے تھے چنانچہ اب اس وقت بھی انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ڈاکٹر صاحبؒ کے بیان کردہ شکوک و شبہات اور ایرادات و اعتراضات کو بڑے صبر و سکون کے ساتھ سنا اور اس کے بعد ایک ایسی جامع اور مدلل تقریر کی کہ ڈاکٹر صاحب کو ان دو مسئلوں پر اطمینان کلی ہو گیا اور جو کچھ خلش ان کے دل میں تھی وہ جاتی رہی اور اس کے بعد ہی انہوں نے ختم نبوت پر وہ لیکچر تیار کیا کہ جو ان کے چھ لیکچروں کے مجموعہ میں شامل ہے اور قادیان تحریک پر وہ ہنگامہ آفرین مقالہ پر قلم فرمایا جس نے انگریزی اخبارات میں شائع ہو کر پنجاب کی فضا میں تلاطم برپا کر دیا تھا۔

بہر حال یہ دو تین واقعات صرف اس غرض سے لکھے گئے ہیں کہ جن لوگوں کو براہ راست یا تصنیفات و تالیفات کے ذریعہ حضرت الاستاذ کے بحر ناپیدا کنار علم سے جرعہ نوشی کا موقع نہیں ملا وہ ایک جوہر گرانمایہ کی قدر و قیمت کا اندازہ تو اس سے کر سکیں کہ دنیا کے جوہریوں کی رائے اس کے متعلق کیا تھی؟

شکل وصورت:...... قدرت نے حضرت الاستاذ کو جس طرح اقلیم علم کی تاجداری عطا فرمائی تھی اس طرح جسمانی ہیئت ڈیل ڈول، قد و قامت اور شکل و صورت میں بھی ایک خاص امتیاز عطا

فرمایا تھا۔ مجھ کو ہندوستان، مصر و حجاز اور دوسرے ممالک عربیہ کے بڑے بڑے علماء و مشائخ کو دیکھنے کا موقع ملا ہے لیکن جو وجاہت، جو وقار و متانت، جو دل کشی، اور جو جاذبیت میں نے حضرت الاستاذ میں پائی وہ کہیں کسی اور جگہ نظر نہیں آئی۔ ہزار علماء میں بھی بیٹھتے تو سب سے ہی الگ اور سب سے ہی نمایاں رہتے۔ دیکھنے والوں کی نگاہ ادھر ادھر گھومنے کی بعد وہیں پر جا کر ٹھہرتی اور پھر جمتی تو اس طرح کہ وہاں سے پلٹنے کا نام نہ لیتی۔ کشمیری الاصل تھے اس لئے خوب کھلا ہوا سپید رنگ کشیدہ دراز اقامت، چوڑا چکلا سینہ، دوہرا اور گزار جسم، بڑی بڑی مگر رسیلی اور شرجیلی آنکھیں کشادہ و فراخ پیشانی، طویل مگر ستواں بنی، بڑے بڑے کان پر گوشت اور فربہ چہرہ ابریشم اور حریر کی مانند نرم و سبک جلد، چلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ علم کا ایک کوہ گراں سبک گامی کر رہا ہے۔ بیٹھتے تھے تو محسوس ہوتا تھا کہ علم و فضل کا ایک آفتاب نظام شمس سے وابستہ ستاروں کو اپنے ارد گرد لے کر بیٹھ گیا ہے وہ سر پر کبھی سفید اور کبھی سبز عمامہ اور قامت بالا پر سبز قبا استعمال کرتے تھے۔ دیکھنے والے ڈر ڈر کے دیکھتے تھے کہ کہیں نظر نہ لگ جائے کیونکہ فرمان نبوی ہے ''العین حق''

غرض کوئی ایک ادا ہو تو اس کا ذکر کیجئے، کوئی ایک خوبی ہو تو اس کو بیان کیا جائے جہاں عالم یہ ہو کہ

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم　　کرشمہ دامن دل میکشد کر جا اینجاست

وہاں خاموشی کو ہی ترجمانیٔ دل کا منصب تفویض کر دینے کے سوا اور کیا چارہ ہے۔

لطافت طبع:...... اسی حسن و جمال ظاہری و باطنی کے باعث طبیعت میں لطافت بھی بہت زیادہ تھی۔ بہت صاف اور اجلے کپڑے پہنتے تھے۔ غذا میں بھی روٹی گوشت وغیرہ جیسی چیزیں رغبت سے نہیں کھاتے تھے۔ البتہ تازہ پھلوں اور طیور کے عاشق تھے ایک مرتبہ فرمایا کہ بیس سال میری زندگی میں ایسے گزرے ہیں کہ میں نے پرندوں کے علاوہ کوئی اور دوسرا گوشت کھایا ہی نہیں۔

۱۹۲۸ء میں حضرت الاستاذ اپنی جماعت کے ساتھ جس میں حضرت الاستاذ مولینا شبیر احمد عثمانیؒ ،مولینا سید سراج احمد صاحب رشیدی، مولینا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولینا بدر عالم، مولینا عتیق الرحمٰن عثمانی اور مولینا محمد ادریس صاحب سکروڈوی شامل تھے۔ راقم الحروف کی شادی میں شرکت فرمانے کے لئے آگرہ تشریف لائے (چنانچہ اس خاکسار کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ نکاح حضرت الاستاذ ہی نے پڑھا ہے) تو اگرچہ قبلہ والد صاحب مرحوم نے اس جماعت مقدسہ کی ضیافت کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کے باورچی کا الگ انتظام کر دیا تھا جو دونوں وقت عمدہ قسم کے کھانے تیار کرتا تھا۔ لیکن آگرہ کے نواح میں ایک مقام ہے متو یہاں کے خربوزے مشہور ہیں، اتفاق سے یہ موسم انہیں خربوزوں کی فصل کا تھا۔ حضرت شاہ صاحب نے پہلی مرتبہ ایک خربوزہ کھایا تو بے حد پسند آیا اور

والد صاحب سے فرمایا بس ڈاکٹر صاحب! اگر آپ میری خاطر تواضع کرنا چاہتے ہے تو سن لیجئے۔ مجھ کو آپ کی بریانی، قورمہ اور کوفتوں وغیرہ سے غرض نہیں۔ آپ میرے لئے تو یہ انتظام کیجئے کہ مئو کے خربوزوں کا ایک ٹوکرہ ہر وقت بھرا ہوا میرے پاس رکھا رہے اور ساتھ ہی ایک چھری، دو پلیٹیں اور ایک طشت اور ایک بالٹی یہ چیزیں بھی رکھ دیں تاکہ میں جس وقت جس قدر بھی کھانا چاہوں کھا سکوں! قبلہ والد صاحب نے ارشاد کی تعمیل کی اور پھر تو حضرت الاستاذ کا حال یہ تھا کہ کھانا برائے نام کھاتے تھے اور شکم سیری خربوزوں سے کرتے تھے بھنے ہوئے مرغ کے بھی بڑے قدرداں تھے۔

اخلاق:..... علم وفضل میں جو سربلند اور سرفرازی اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی تھی اسی تناسب سے اخلاق بھی نہایت بلند اور پاکیزہ تھے۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کوئی سائل حضرت الاستاذ کے پاس آیا ہو اور وہ نامراد گیا ہو۔ جیب میں اس وقت جو کچھ ہوتا روپیہ ہو یا اٹھنی سائل کے حوالہ کر دیتے۔ ایسی بات کہنے سے احتراز فرماتے تھے جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔ ایک مرتبہ امرتسر تشریف لے گئے وہاں کے ایک نامی گرامی بیرسٹر صاحب بھی بر بنائے عقیدت خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ بیرسٹر صاحب ڈاڑھی مونچھ صاف رکھتے تھے اس لئے حضرت الاستاذ کے سامنے بیٹھتے ہوئے شرمندگی محسوس کر رہے تھے۔ اور بھنچے بھنچے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت الاستاذ نے ان کی یہ دلی کیفیت بھانپ لی اور فرمایا۔ بیرسٹر صاحب آپ کیوں خواہ مخواہ شرمندہ ہو رہے ہیں۔ ہم دونوں کا فعل اگرچہ مختلف ہے لیکن غرض وغایت دونوں کی ایک ہی ہے یعنی دنیا کمانا میں اگر مولوی ہو کر داڑھی نہ رکھوں تو مجھے کوئی روٹی نہ دے۔ اسی طرح اگر آپ بیرسٹر ہو کر داڑھی صاف نہ کرائیں تو ہر شخص کہے گا کہ ان کو بیرسٹر کبھی نہ بنایا ہے؟ یہ تو ملاجی ہیں تو پھر آپ کو بھی بیرسٹری کے نام کی روٹی نہ ملے۔ بس جب ہم دونوں کی غرض ایک ہی ہے تو محض اختلاف فعل پر آپ کیوں شرمندہ ہوں۔

مزاح:..... مزاح لطافت طبع کی نشانی ہوتی ہے حضرت شاہ صاحب بھی گاہے گاہے، بہت لطیف قسم کے مزاح فرماتے تھے۔

ایک واقعہ لکھتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت الاستاذ کو مزاح کے ساتھ ساتھ چھوٹوں کی دلجوئی اور ان کی دل دہی کا کس قدر خیال رہتا تھا۔ اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت الاستاذ میری شادی میں شریک ہوئے اور حضرت نے ہی میرا نکاح پڑھا تھا۔ یہ مہینہ مئی کا تھا جو آگرہ کے لئے بہت ہی شدید اور انتہائی سخت موسم ہے۔ بارات کو اعتماد پور جو آگرہ سے تین چار اسٹیشنوں کے فاصلہ پر ہے وہاں جانا تھا۔ ریل کے اوقات کی مجبوری کی وجہ سے دوپہر کو تقریباً دو ڈھائی بجے کے قریب ہم لوگ آگرہ سے روانہ ہوئے اور ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد عتماد پور کے اسٹیشن پر پہنچ گئے گو منزل ابھی دو میل

دور تھی اسٹیشن سے قیام گاہ تک جانے کے لئے اس نواح کی مخصوص اور سخت تکلیف دہ سواری یعنی یکہ میں بیٹھنا تھا پھراس پر ستم یہ کہ راستہ نہایت ناہموار جگہ جگہ گڑھے اور نشیب وفراز وہ کہ الامان! گرمی اپنے شباب پر نتیجہ یہ ہوا کہ یہ قافلہ یکوں پر سوار ہو کر اسٹیشن سے شہر کی جانب روانہ ہوا تو راستہ کی ناہمواری اور گڑھوں کی فراوانی کے باعث برا حال ہو گیا۔ حضرت شاہ صاحب ٹھہرے اس نہایت ہی لطیف اور نازک مزاج بزرگ نے تھوڑی دیر چلنے کے بعد ہی یکہ رکوایا اور باپیادہ ہو گئے چلچلاتی دھوپ پڑ رہی اور لو چل رہی ہے، چاروں طرف سے مٹی کے تودے ہیں کہ فضاء میں گشت لگاتے پھر رہے ہیں اور اسی عالم میں حضرت شاہ صاحب نے منہ اور کانوں کو رمال لپیٹے ہوئے حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھتے ہوئے قدم بڑھائے۔ اعتماد پور کی آبادی کی طرف چلے جارہے ہیں آخر خدا خدا کر کے مقام آیا۔ ایک بڑے مکان میں انتظام تھا وہاں ہم لوگوں کو پہنچا دیا گیا۔ یہاں لوگ پہلے سے موجود تھے کوئی پنکھا لے کر دوڑا اور کوئی پانی سے بھرا لوٹا لے کر آیا کہ سخت گرمی میں چل کر آئے ہیں ذرا منہ ہاتھ دھو کر ٹھنڈے ہو لیجئے۔ حضرت شاہ صاحب کو صدر مجلس میں ایک قالین پر بٹھا دیا گیا اور دو تین آدمی بڑے بڑے پنکھے لے کر جھلنے کھڑے ہو گئے جب پسینہ خشک ہو گیا اور دم میں دم آ گیا تو دودھ کے شربت کا ایک بھرا ہوا گلاس میں خود لے کر حضرت الاستاذ کی خدمت میں حاضر ہوا میں آنے کو تو آ گیا ورنہ حق یہ ہے کہ شرم کے مارے نگاہ نہیں اٹھتی تھی کہ میری وجہ سے مولینا شبیر احمد صاحب اور دوسرے حضرات کو عموماً اور حضرت الاستاذ کو خصوصاً کس قدر شدید تکلیف پہنچی ہے۔ اس قسم کے خیالات اور احساس ندامت وشرمندگی تھا۔ جن سے میں اس وقت دو چار ہو رہا تھی۔ اسی عالم میں دودھ کے شربت کا گلاس حضرت الاستاذ کی طرف بڑھایا۔ حضرت میرے چہرے بشرے سے سمجھ گئے۔ گلاس میرے ہاتھ سے لے لیا اور خوش مزاجی کے ساتھ فرمایا۔

الا یا ایھا الساقی ادر کاساو ناولھا

پھر ایک دو گھونٹ لینے کے بعد میری طرف دیکھ کر زرا تبسم سے فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اور مولوی صاحب کہ عشق آساں نمود اول ولے اُفتاد مُشکلہا

اللہ اکبر! کیا اخلاق تھے، ایک عبد حقیر و بے مایہ کی کیسی دلجوئی ودلدہی تھی؟ ایک بندہ گنہگار ہیچ و پر کیسی بزرگانہ شفقت کہ مسکراتے ہوئے متوجہ کر کے ایک خاص انداز سے حضرت حافظ شیرازی کا یہ مصرعہ دوم پڑھنا تھا کہ میری ساری ندامت وشرمندگی اسی وقت کافور ہو گئی اور پھر حضرت شاہ صاحب نے اپنی کسی بات سے یہ قطعاً محسوس نہیں ہونے دیا کہ سفر کی شدید صعوبتوں کی وجہ سے حضرت کے دل پر ناگواری کا کوئی بھی اثر ہے۔

خودداری:......عام اخلاق وفضائل کے ساتھ حضرت میں خودداری بھی انتہا درجہ کی تھی برار کے قضیہ کے سلسلہ میں نظام حیدر آباد دہلی میں آئے ہوئے تھے کہ نظام کی خواہش پر حضرت شاہ صاحب بھی دیوبند سے دہلی تشریف لائے اور ایک وقت مقررہ پر نظام کی قیام گاہ پر پہنچے خبر ہوتے ہی نظام نے اندر بلالیا لیکن حضرت شاہ صاحب پہنچے تو عام آداب وشرائط کا لحاظ اور نہ کسی شاہی دستور وآئین کی پابندی روبرو ہوتے ہی شاہ صاحب نے پیش قدمی کی اور خالص اسلامی طریقہ پر السلام علیکم کہا۔ نظام پیشوائی کے لئے آگے بڑھے اور وعلیکم السلام کہہ کر شاہ صاحب کا ہاتھ پکڑ کر ایک کرسی پر لے جا کر بٹھا دیا۔ اس کے بعد جو گفتگو ہوئی وہ زیادہ تر دائرۃ المعارف کے کام سے ہی متعلق تھی۔ حضرت شاہ صاحب نے حدیث کی چند اہم کتابوں اور ان کے قلمی نسخوں کا ذکر کر کے فرمایا کہ اگر آپ ان کو بھی حاصل کر کے دائرۃ المعارف کی طرف سے شائع کر دیں تو بے شبہ علم حدیث کی اور اس کے واسطہ سے اسلام کی یہ بڑی عظیم الشان خدمت ہوگی۔ اس زمانہ میں دیوبند سے ایک ہفتہ وار اخبار مہاجر نکلتا تھا جو دار العلوم دیوبند کی اصلاح طلب جماعت کی ترجمانی کرتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر نے اس ملاقات کی خبر چھاپنے کا ارادہ کیا تو ایڈیٹر نے بارگاہ خسروی میں حضرت کشمیری کی باریابی یا اسی مفہوم کی کوئی اور عبارت بطور عنوان خبر لکھی۔ اتفاق سے اخبار ابھی چھپا نہیں تھا کہ حضرت شاہ صاحب کو اس عنوان کی اطلاع ہوگئی تو حد درجہ برہم اور خفا ہوئے اور فرمایا کہ میں ہر چند ایک مرد بے مایہ وبے بضاعت ہوں لیکن اتنا منکسر المزاج بھی نہیں کہ یہ عنوان گوارہ کرلوں۔ کیسی بارگاہ خسروی اور کیسی اس میں باریابی صاف لکھتے تھے نظام اور انور شاہ کی ملاقات۔

ایک مرتبہ حیدر آباد کے مولوی نواب فیض الدین صاحب ایڈوکیٹ نے حضرت شاہ صاحبؒ کو اپنی لڑکی کی شادی میں بلایا۔ چونکہ نواب صاحب اور ان کے خاندان کو علماء دیوبند کے ساتھ قدیم رابطہ اور قلبی علاقہ تھا اس لئے شاہ صاحب حیدر آباد تشریف لے گئے۔ دوران قیام میں بعض لوگوں نے چاہا کہ حضرت شاہ صاحب اور نظام کی ملاقات ہو جائے۔ حضرت کو اس کی اطلاع ہوگئی تو فرمایا۔ مجھ کو ملنے میں عذر نہیں ہے لیکن اس سفر میں میں نہیں ملوں گا۔ کیونکہ اس سفر کا مقصد نواب صاحب کی بچی کی تقریب میں شرکت تھا اور بس میں اس مقصد کو خالص رکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ہر چند لوگوں نے کوشش کی اور ادھر نظام کا بھی ایما تھا مگر شاہ صاحب کسی طرح رضامند نہیں ہوئے۔

اسی قیام حیدر آباد کے زمانہ کا واقعہ ہے جو مجھ کو میرے ماموں قاضی ظہور الحسن صاحب ناظم سیوہاروی نے سنایا تھا موصوف اس زمانہ میں مستقلاً نواب فیض الدین صاحب کے مکان میں ہی رہتے تھے۔ ماموں کہتے تھے کہ شاہ صاحب کے قیام کے دنوں میں ایک روز سر اکبر حیدری کا

ٹیلیفون آیا کہ میں مولانا انور شاہ صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ شاہ صاحب کو یہ پیغام پہنچایا گیا تو فرمایا میں تو یہیں ہوں ابھی کہیں جانا نہیں۔ حیدری صاحب آنا چاہتے ہیں تو آجائیں۔ حیدری صاحب کو یہ پیغام پہونچا تو انہوں نے پھر ٹیلیفون پر کہا کہ بہت اچھا میں حاضر ہوتا ہوں لیکن ایک شرط ہے وہ یہ کہ میرے پہنچنے پر شاہ صاحب کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوں تو ان کو اٹھا دیا جائے میں تنہائی میں شاہ صاحب سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت الاستاذ کو حیدری صاحب کا یہ پیغام پہنچایا گیا تو فوراً ارشاد فرمایا کہ یہ ناممکن ہے کہ میں حیدری صاحب سے باتیں کرنے کے لئے حاضرین مجلس کو چھوڑ کر الگ جا بیٹھوں یا ان لوگوں سے میں کہوں کہ چلے جائیں۔

اسلامی غیرت وحمیت: ...... حضرت شاہ صاحبؒ طبعاً بڑے حلیم اور بردبار تھے لیکن اسلامی اور دینی معاملات میں وہ کس طرح تہاون تساہل یا غفلت شعاری کو گوارہ نہیں کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ ڈابھیل سے دیوبند تشریف لے جا رہے تھے میں اس زمانہ میں مدرسۂ فتحپوری دہلی میں مدرس تھا حضرت کو دہلی اسٹیشن پر دیوبند کے لئے گاڑی بدلنی پڑتی تھی اور کئی گھنٹہ وہاں قیام کرنا پڑتا تھا اس فرصت کو غنیمت جان کو میں چند احباب کے ساتھ اسٹیشن پہنچ گیا اور جب تک دیوبند والی گاڑی چھوٹ نہیں گئی اسٹیشن پر حضرت الاستاذ کے ساتھ ہی رہا۔ اس موقع پر دوران گفتگو میں حضرت الاستاذ کو معلوم ہوا کہ ابھی حال ہی میں دہلی میں قادیانیوں کا ایک جلسہ تین دن تک ہوتا رہا جس میں ہر قسم کی تقریریں کی گئیں۔ لیکن علماء اسلام میں سے کسی شخص نے قادیانیوں کے جلسہ میں پہنچ کر اس کو مناظرہ کی دعوت نہیں دی۔ قادیانی فتنہ کا استیصال حضرت شاہ صاحب کے دل کو لگا ہوا تھا یہ سن کر انہیں بے حد صدمہ ہوا اور خصوصاً اس بنا پر کہ دہلی میں دیوبند کے پڑھے ہوئے بیسیوں علماء موجود ہیں لیکن اس کے باوجود قادیانی تین دن تک اطمینان سے اپنا جلسہ کر گئے اور کسی عالم دین کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ تقریراً یا تحریراً مسلمانوں کو اس فتنہ کی ہلاکت انگیزی سے باخبر کر دیتا، اس مجمع میں غالباً میں ہی ایسا شخص تھا جو حضرت الاستاذ کی توجہات عالیہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ مجھ سے خطاب کرتے ہوئے فرمانے لگے۔ مولوی صاحب کسی شریف آدمی کی توہین گالی سننے سے ہی نہیں ہوتی بلکہ اگر وہ کوئی اپنے مرتبہ سے گرا ہوا کام کرے تو اس سے بھی اس کی توہین ایسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ گالی وغیرہ سے۔

اس پر ایک واقعہ سنایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک متمول اور باعزت شخص نے زبرقان نامی ایک شاعر کے خلاف شکایت کی کہ اس نے ایک شعر میں اس کی بڑی شدید ہجو کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شاعر سے جواب طلب کیا تو اس نے کہا امیر المومنین میں نے تو اس کی مدح کی ہے نہ کہ مذمت چنانچہ دیکھئے میں کہتا ہوں۔

دع المکارم لا ترحل لبغیتھا　　　　اقعد فانك انت الطاعم الکاسی

ترجمہ: تو چھوڑ بزرگیوں اور بڑی طاقتوں کو مت سفر کر ان کی طلب میں تو بیٹھا بھی رہ (اپنے گھر کے اندر) کیونکہ تو کھانے والا بھی ہے اور پہننے والا بھی ماشاءاللہ خوب کھاتا پیتا آدمی ہے۔

حضرت عمرؓ نے یہ شعر سنا تو فرمایا استغاثہ بالکل صحیح ہے درحقیقت ایک شریف انسان کی توہین اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ حصول مکارم کو غریبوں کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے۔

بہر حال یہ چند سطریں صرف اس مجلس میں شرکت کی غرض سے لکھی ہیں ورنہ میں خود اچھی طرح جانتا ہوں کہ ان سے حضرت الاستاذ کا حق کیا ادا ہو سکتا ہے۔

اللہ اکبر کیسے مبارک تھے وہ لمحات زندگی جو اس علم وعمل کے ایک زندہ پیکر کی معیت اور محبت میں بسر ہوئے اور کیسی لطف آفرین اور روح پرور ساعتیں تھیں وہ جو اس شجرہ فلاح وتقوی کے زیر سایہ گزریں۔ فرحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ ونور برھانہ۔

(منقول از حیات انور)



حضرت الاستاذ علامہ کشمیری کے تجدیدی کارنامے

از حضرت مولینا سید **احمد رضا صاحب بجنوری** مدظلہ العالی

مؤلف: انوار الباری شرح صحیح البخاری

مولینا سید احمد رضا صاحب بجنوری دامت فیوضہم حضرت شاہ صاحب نور اللہ ضریحہ کے نہ صرف باصلاحیت شاگرد ہیں بلکہ انہیں حضرت شاہ صاحبؒ کے خویش ہونے کا فخر بھی حاصل ہے حضرت شاہ صاحب کی چھوٹی صاحبزادی کا عقد نکاح ۱۹۴۷ء میں ان کے ساتھ ہوا۔ نکاح حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے پڑھایا۔

مولینا سید احمد صاحب کئی سال تک دارالعلوم دیوبند میں حضرت شاہ صاحبؒ کے درس سے مستفید ہوئے اور جب حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی خدمات جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کیلئے وقف کیں تو مولینا رضا صاحب بھی وہاں حضرت کے درس میں شامل ہو گئے۔ اس طرح سے انہیں حضرت شاہ صاحب کے آخری دو سال کے درس بخاری شریف میں شرکت واستفادہ کی نعمت غیر مترقبہ مل گئی۔

مولینا بجنوری مدظلہ کئی سال تک روزنامہ الجمعیۃ دہلی میں کام کر چکے ہیں بعد ازاں دارالعلوم دیوبند میں شعبہ نشر واشاعت سے متعلق رہے۔ آج کل بجنور یوپی میں مکتبہ ناشر العلوم سے وابستہ ہیں۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ مولینا موصوف بزمانہ قیام ڈابھیل حضرت شاہ صاحب کی تقاریر درس بخاری شریف قلم بند کر چکے تھے۔ اور اب کئی سال سے انوار الباری شرح اردو صحیح بخاری کے نام سے بخاری شریف کی شرح تحریر فرما کر بالاقساط شائع کر رہے ہیں، ان کے بیان کے مطابق شرح بخاری شریف کا یہ مجموعہ تقریباً چالیس حصوں پر مشتمل ہوگا۔ اس وقت اس کی پندرہ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کے ملفوظات گرامی پر مشتمل ایک کتاب نطق انور بھی شائع کی ہے۔

بہرکیف علوم انوری کو دوسروں تک پہنچانے میں قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔
جزاہ اللہ خیرا (کوندہ)

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کے حالات وعلمی کمالات مختصر انوار الباری حصہ دوم اور نطق انور جلد اول میں بیان کر چکا ہوں اور مجھ سے زیادہ بہتر ومفصل حالات رفیق محترم علامہ بنوری دام

فضلاہم نے مجلۃ العصر میں لکھے ہیں۔ یہاں ان کے صرف چند اہم کارناموں کا تذکرہ کروں گا والتوفیق من اللہ۔

۱)......حضرتؒ کے زمانے میں قادیانی متنبی کا فتنہ سب سے زیادہ ابتلاء عوام وخواص کا سبب بنا تھا جو برطانوی اقتدار کی سرپرستی میں پلا بڑھا تھا۔ اور اس جھوٹے دعوے کے ثبوت میں بظاہر دلائل و براہین بھی اتنے مضبوط و مستحکم قائم کیے گئے تھے کہ اچھے علماء وقت بھی ان کے مقابلہ سے کتراتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ ہی کی وہ واحد ذات تھی جو سارے علمی وعملی کمالات کے بحر بیکراں تھی اور آپ نے میدان مقابلہ میں اتر کر تمام علماء حق کو جوابات و دلائل سے مسلح کر کے اس فتنہ کی سرکوبی کرائی۔ حضرتؒ نے اس سلسلہ میں متعدد تالیفات بھی کیں، جن میں علوم نبوت، ختم نبوت اور حیات و نزول مسیح علیہ السلام پر سیر حاصل ابحاث سپرد قلم فرمائیں۔ یہ تالیفات حضرتؒ کے علمی تعارف کا بہت بڑا ذخیرہ بھی ہیں جن سے علماء ہمیشہ مستفید ہوتے رہیں گے۔

نطق انور میں حضرت کے اس تجدیدی کارنامہ کا تذکرہ و تعارف زیادہ تفصیل سے آچکا ہے اس لئے اس مختصر تحریر میں صرف اشارہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

۲)......تاریخ اسلام میں ہے کہ قاہرہ میں جس شان کے ساتھ بخاری شریف کا درس ہوتا تھا، اسی شان سے علامہ عینیؒ نے امام طحاویؒ کی کتاب معانی الآثار کا درس دیا تھا، جس میں فقہ حنفی کی برتری محدثانہ طور سے پیش کرتے تھے اور آپ نے اس کتاب کی دو ضخیم شرح بھی لکھی تھیں۔ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کی بڑی تمنا تھی کہ یہ کتاب دارالعلوم دیوبند وغیرہ میں بھی اس شان کے ساتھ پڑھائی جائے، مگر ایسا نہ ہو سکا، تاہم آپ کا درس بخاری شریف و ترمذی شریف ایسی محدثانہ ومحققانہ شان کے ساتھ ہوتا تھا یہ تمنا بڑی حد تک پوری ہو جاتی تھی۔

۱۹۱۲ء میں ندوۃ العلماء لکھنو کا ایک عظیم الشان اجلاس علامہ رشید رضا مصری کی صدارت میں ہوا تھا تو اس وقت علامہ موصوف دارالعلوم دیوبند بھی پہنچے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ شیخ الحدیث تھے اور دارالعلوم کی طرف سے علامہ کی ترحیب قدوم کے لئے جلسہ منعقد ہوا تھا۔ علامہ نے جلسہ سے کچھ قبل کسی استاذ دارالعلوم سے سوال کیا کہ یہاں درس حدیث کس نوعیت کا ہوتا ہے؟ جواب ملا کہ حدیث کی شرح و تحقیق کے بعد فقہی بحث میں حنفی فقہ کی برتری واضح کی جاتی ہے علامہ نے بے ساختہ فرمایا، کیا حدیث حنفی ہو گئی ہے؟ اس گفتگو کا علم حضرت شاہ صاحب کو ہو گیا تو آپ نے اپنی نہایت فصیح و بلیغ عربی تقریر میں درس حدیث دارالعلوم دیوبند کی نوعیت ہی واضح فرمائی اور ان سب

وجوہ و دلائل پر روشنی ڈالی جن کے تحت محدثانہ لحاظ سے فقہ حنفی کی برتری ثابت کی جاتی ہے۔ ❶

اسی زمانہ کے القاسم دیوبند اور المنار مصر میں اس جلسہ کے حالات و تقاریر شائع ہوئی تھیں۔ علامہ نے دارالعلوم کے معائنہ اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر سے جو گہرے تاثرات اخذ کئے تھے وہ لائق مطالعہ ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کے درس حدیث میں تیرہ سو سال کے اکابر محدثین کے علوم و کمالات اور ابحاث و افادات سے واقف کرایا جاتا تھا۔ نزاعی مسائل میں ہر حدیث کے رجال و طرق او راسانید و متون پر بحث ہوتی تھی، پھر فیصلہ سنایا جاتا تھا۔

حضرت یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ چالیس سال کے مطالعہ و درس حدیث کے بعد میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ فقہ حنفی ہی اوفق بالحدیث ہے۔ بجز چند معدود مسائل کے کہ ان میں کچھ کمزوری پاتا ہوں۔

یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ فقہ لب الدین ہے کہ قرآن مجید حدیث و آثار صحابہ و تابعین کا عطر کشید ہو کر فقہ میں آگیا ہے اور یہی صحیح ترتیب ہے کہ قرآن و حدیث سے فقہ کی طرف آنا چاہئے اور جو لوگ اپنے ذہن میں ایک مسئلہ طے کر کے پھر اسی کو حدیث و قرآن سے ثابت کرنے کی سعی کرتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں کیونکہ وہ فقہ سے قرآن حدیث کی طرف چلنا چاہتے ہیں۔

درس حدیث کی اسی شان کو ہم حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک تجدیدی کارنامہ سمجھتے ہیں اور اس بارے میں آپ کا اتباع جید علماء نے کیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اب رفتہ رفتہ درس کی یہ شان تحقیق روبہ انحطاط ہے۔ اس دور کے بیشتر مدارس میں درس بخاری شریف ہونے لگا ہے جن میں اس کا حق ادا نہیں ہوتا، راقم الحروف نے مقدمہ انوار الباری میں لکھا تھا کہ صحیح بخاری شریف سے قبل تقریباً ایک سو کتب حدیث مدون ہو چکی ہیں۔ جن میں احادیث کے ساتھ صحابہ و تابعین کے آثار بھی تھے۔ مثلاً مسانید امام اعظمؒ، موطا امام مالک، مرویات عبداللہ بن مبارکؒ، مسند امام جعفر صادقؒ، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، سنن دارمی، مسند امام شافعی و مسند امام احمد وغیرہ، ان سب کتب حدیث و آثار کی روشنی میں ائمہ اربعہ مجتہدین کی فقہ مرتب ہو چکی تھیں کہ ان کے بعد امام بخاریؒ نے اپنی الگ فقہ کے مطابق احادیث مجردہ جمع کیں۔ آثار صحابہ و تابعین کی سابق

---

❶ ...... حضرت امام اعظمؒ کے تلمیذ خصوصی اور سیدنا امام بخاریؒ کے استاذ حدیث امام عبداللہ بن مبارکؒ نے (جن کی نہایت مدح امام بخاری نے کی ہے اور یہ بھی لکھا کہ لوگوں نے اس جلیل القدر اعلم اہل زمانہ کو چھوڑ کر جاہلوں کی تقلید کر لی اور اشارہ امام اعظمؒ کی طرف کیا) ارشاد فرمایا کہ لوگ یوں کیوں کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ فقہ حنفی کا ہے انکو تو یہ کہنا چاہئے کہ در حقیقت حدیث کی شرح اسی مسئلہ پر منطبق ہوتی ہے (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ انوار الباری)

حیثیت کو ختم کیا جس کے اتباع میں ہر دور کے اہل حدیث نے اپنی نئی اور الگ فقہ بنائی اور اس طرح بیسیوں فقہ معرض وجود میں آگئے۔

محدث داؤد ظاہری اور ابن حزم ظاہری نے تو مستقل طور سے ظاہریت کی بنیاد قائم کردی جس کے ذریعہ فقہ مذاہب اربعہ کو صفحۂ ہستی سے معدوم کرنے کے لئے ہر قسم کے حربے استعمال کرلئے گئے تاہم ان کو نمایاں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

۳)...... ابن حزم ظاہری متوفی ۴۵۶ھ کے بعد حافظ ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ کا دور آیا یہ ظاہریت میں ابن حزم سے بھی بڑھ گئے اگرچہ دعوے حنبلی فقہ کے اتباع کا بھی ساتھ رہا۔ روایتی لحاظ سے دونوں اپنے اپنے وقت کے بڑے محدث تھے اگرچہ اپنے موافق احادیث کو اصل مرتبہ سے اوپر چڑھانے اور مخالف احادیث کو گرانے کی اور صحیح حدیثوں کو موضوع و باطل قرار دینے کی عادت دونوں میں رہی۔ ایسے ہی بہت سے اوصاف وعادات میں دونوں باہم مشابہ تھے، لیکن درایتی اعتبار سے دونوں کے بارے میں اکابر امت نے علمہ اکثر من عقلہ کا فیصلہ صادر کیا ہے اور بقول بعض اکابر چونکہ حافظ ابن تیمیہؒ بہت ہی جری اور بے باک بھی تھے اس لئے جمہور سلف وخلف کے خلاف اتنا کچھ لکھ گئے جن کی جرأت اس سے قبل وبعد کسی نے نہیں کی تھی۔

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ درس حدیث اور مجالس علم میں حافظ ابن تیمیہؒ کے علم وفضل جلالت قدر و وسعت معلومات کی مدح کے ساتھ ان کے اصولی وفروعی مسائل میں تفردات پر سخت گرفت بھی فرمایا کرتے تھے اور جس اعتناء کے ساتھ متقدمین کے اختلاف پر بولتے تھے، حافظ ابن تیمیہؒ کے خلاف جمہور مختارات پر بھی کڑی نقد وبحث کیا کرتے تھے کسی حدیث کو اگر انہوں نے اپنی درایت کے ذریعہ گرانے کی سعی کی تو اس پر ناگواری کے لہجہ میں یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ کیا حافظ ابن تیمیہؒ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ خدا کا دین یا پیغمبر کی حدیث ان کی عقل کے موافق اترنی چاہئے تھی، اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حافظ ابن تیمیہ صرف اپنی کہتے ہیں، دوسروں کی نہیں سنتے، عقائد کے اختلاف میں حافظ ابن تیمیہ کے استواء علی العرش کو بمعنے استقرار وتمکن مراد لینے اور نزول باری کو انتقال مکانی پر محمول کرنے کا ذکر کرکے فرمایا کرتے تھے کہ ایسے مسائل لے کر اگر وہ آئیں گے تو اپنے دارالحدیث میں انہیں گھسنے بھی نہیں دوں گا۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حافظ ابن تیمیہ سے پہلے تقریباً چالیس اکابر محققین متکلمین اسلام نے قرآن وسنت کی روشنی میں عقائد اسلام کے بارے میں جو فیصلے کئے تھے ان میں سے بہت

سوں کو حافظ ابن تیمیہؒ نے توڑ پھوڑ کر الٹ پلٹ ❶ کر دیا تھا اور اس لئے بقول حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اس وقت کے تقریباً تمام ہی علماء امت نے انکی مخالفت کر کے قید و بند کا مستحق ٹھہرایا تھا اور حافظ ابن قیمؒ نے ان کی طرف سے جو تاویلات کر کے جواب دہی کی اس کو علمائے امت نے در خود اعتناء بھی نہیں سمجھا۔ اس کی مزید وضاحت کے لئے احقر نے اسی اکابر امت کی وہ تنقیدات یکجا کر دی ہیں جواب تک حافظ ابن تیمیہؒ پر کی گئی ہیں اور کچھ ضروری حصے انوار الباری قسط ۱۱ میں سفر زیارت نبویہ اور توسل نبوی کے جواز کی بحث میں بھی درج ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔

یہاں مختصراً یہی عرض کرنا ہے کہ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ بھی ایک تجدیدی کارنامہ تھا کہ وہ اپنے درس حدیث میں جہاں قدیم ابحاث پر سیر حاصل بحث اور بطور حرف آخر فیصلہ کن کلام فرماتے تھے اسی شان اعتناء کے ساتھ حافظ ابن تیمیہؒ کے اصولی و فروعی تفردات پر بھی مفصل کلام فرمایا کرتے تھے اور اگر جدید سلفیت اور تیمیت کے مقابلہ میں جوابی مواد کی طرف توجہ نہ کی گئی تو بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ ہم لوگ جمہور امت کے عقائد و مسائل سے دور ہو جائیں گے اور شائد اسی فتنہ کا احساس کر کے حافظ ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری نے متبعین ابن تیمیہ کو تیمیین کا لقب دیا تھا واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴)...... حضرت شاہ صاحبؒ اپنے تلامذہ کو بہت ہی تاکید فرمایا کرتے تھے کہ اپنے وطن جا کر تفسیر قرآن مجید کا درس دیں تا کہ عوام و خواص اور خاص کر تو تعلیم یافتہ حضرات علماء سے وابستہ ہوں اور ان میں دینی شعور و احساس اجاگر ہو اور وہ اسلامی تعلیمات سے واقف ہو کر علماء کے دوش بدوش ملکی و مذہبی خدمات انجام دیں، چنانچہ حضرتؒ کے تلامذہ نے خاص طور سے صوبہ سرحد، پنجاب و سندھ میں درس قرآن مجید کی طرف پوری توجہ دی جس کے نہایت عمدہ اثرات رونما ہوئے۔

حضرتؒ کے تجدیدی کارناموں کی فہرست طویل ہے۔ اور اس مختصر مضمون میں زیادہ کی گنجائش نہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے تھوڑا سا لکھ دیا ہے۔

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

❶ ...... ان میں سے امام طحاوی متوفی ۳۲۰ھ، علامہ اشعری متوفی ۳۳۰ھ محقق ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ، علامہ لالکائی متوفی ۴۱۸ھ، علامہ بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، علامہ ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ، امام الحرمین متوفی ۴۷۸ھ، امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ، ابن جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ، امام رازی متوفی ۶۰۶ھ، وغیرہ ہم نے ہر عقیدہ پر سیر حاصل کلام کیا ہے مگر حافظ ابن تیمیہؒ نے سب کے خلاف اپنا عقیدہ اختراع کیا۔ مثلاً امام الحرمین کی مخالفت اپنے فتاویٰ میں جگہ جگہ کی ہے۔ امام غزالی نے خدائے تعالیٰ کو مکان و جہت سے منزہ ثابت کیا تھا تو ان کو اشد کفراً من الیہود قرار دیا۔ امام رازی کی کتاب اساس التقدیس کے رد میں التاسیس لکھی اور کواکب دراری منہاج السنہ و کتاب العرش میں باری تعالیٰ کیلئے بذاتہ فوقیت حسیہ ثابت کی اور ان عقائد میں محدث ابن خزیمہ کا اتباع کیا جن کو تمام علماء نے علم کلام سے عاری قرار دیا ہے۔ مختصر یہ کہ حافظ ابن تیمیہ نے بہت سے عقائد ان اساتذہ حنابلہ سے حاصل کئے جن کا مکمل و مدلل رد خود علامہ ابن جوزی حنبلی لکھ چکے تھے اور وہ رد دفع شبہ التشبیہ والرد علی المجسمہ ممن ینتحل مذھب الامام احمدؒ کے نام سے شائع شدہ ہے (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انوار الباری شرح صحیح البخاری جلد ۱۱)

امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ

از حضرت مولینا **عبدالحلیم چشتی** دامت برکاتہم
(فاضل دیوبند۔ ایم۔ اے۔ کراچی پاکستان)

عنوان بالا کے تحت محدث کشمیری علامہ انور شاہ رحمۃ اللہ کی زندگی اور علمی کارناموں پر ایک محققانہ اور فاضلانہ تنقیدی مقالہ برصغیر کے مشہور و معروف علمی رسالہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں ۱۹۶۷ھ کے تین مسلسل شماروں (ستمبر اکتوبر اور نومبر) میں شائع ہوا ہے۔

مقالہ نہایت طویل ہے لیکن تحقیق اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے، فاضل مقالہ نگار حضرت مولینا عبدالحلیم چشتی زید مجدہ نے علامہ کشمیری کی علمی زندگی کے بعض ایسے گوشوں پر روشنی ڈالی ہے جن پر اس سے پہلے کسی نے بحث نہیں کی ہے چنانچہ مقالہ کے آغاز ہی میں خود بھی تحریر فرماتے ہیں۔

ہم نے اس مختصر مقالہ میں علامہ انور شاہؒ کے سوانح کے حصہ سے زیادہ تعرض نہیں کیا یہ کام ان کے سعادت مند فرزندوں کے کرنے کا ہے اور انہیں اپنی پہلی فرصت میں موصوف کی ایک جامع سوانح حیات مرتب کرنا چاہئے۔ اسی طرح ہم نے ان امور سے بھی زیادہ بحث نہیں کی ہے جن سے ان کے تلامذہ نے اعتناء کیا ہے، اس مختصر مقالہ میں ہم نے علامہ انور شاہ کی علمی زندگی کی بعض ایسے پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جن پر اس سے پہلے اس نوع پر بحث نہیں ہو سکی ہے۔

بہر حال جہاں تک مقالہ کا تعلق ہے، قابلِ مطالعہ ہے اہل علم ہی اس سے حظ حاصل کر سکتے ہیں مقالہ کے آغاز میں سات آٹھ صفحات پر فاضل مقالہ نگار نے حضرت فخر المحدثین علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی زندگی کے حالات (مثلاً نام، ولادت، سلسلہ نسب، تعلیم و تربیت، سفر حجاز اور واپسی کے بعد مدرسہ فیض عام کا قیام دار العلوم دیوبند میں تدریس کی ابتداء ازدواجی زندگی کا آغاز اور غیر معمولی قوت حافظہ وغیرہ باتیں) مختصر تحریر فرماتے ہیں چونکہ زیر مطالعہ کتاب کے ابتدائی صفحات میں ہم نے حضرت امام العصرؒ کے حالات زندگی مفصل طور پر قلمبند کئے ہیں اس لئے مقالہ کے اس حصے کو دہرانا بارِ طبع ہوگا۔ کوندو

وسعت معلومات و کثرت مطالعہ:...... تحصیل علوم سے فراغت کے بعد آغاز عمر ہی میں علامہ انور شاہؒ کا دائرہ معلومات اس قدر وسعت اختیار کر چکا تھا کہ اس عہد کے نامور علماء جن کی

وسعت معلومات اور کثرت مطالعہ پر اس کی تالیفات شاہد عدل ہیں اپنی تحقیقات علامہ موصوف کے حضور پیش کرتے اور موصوف ان پر بیش بہا علمی فوائد کا اضافہ فرماتے تھے۔ چنانچہ اس عہد کے نامور محدث شوق نیموی نے ۱۳۱۳ھ میں جب آثار السنن کی کتاب الصلوٰۃ مکمل کرلی تو اس زمانہ کے جن ارباب نظر اور اکابر اہل علم کو یہ کتاب بھیجی گئی ان میں ایک صغیر السن محدث علامہ محمد انور شاہ بھی تھے لیکن ہندوستان جیسے وسیع وعریض ملک میں اس پر بیش بہا اضافہ کی سعادت جس کے حصہ میں آئی وہ صرف علامہ انور شاہ کی ذات ستودہ صفات تھی۔

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات اور اضافہ معلومات کا دائرہ محدث نیموی کے مذاق تک محدود رہا ہے۔ موصوف نے عنوان احادیث، اسناد رجال اور جرح وتعدیل سے متعلق وہی تحقیقات پیش کی ہیں جو محدث نیموی کے مذاق کے مطابق تھیں۔ فقہ حدیث کی بحثیں حقائق، معارف، اسرار بلاغت اور توجیہات حدیث سے بہت ہی کم اعتناء کیا پھر بھی یہ اضافہ اصل سے دوگنا تگنا ہو گیا ہے۔ ❶

اور اس افادہ علمی کی وجہ سے موصوف نے نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین (ص ۵۶) میں یہ لکھا ہے "کنت مر افقافیہ" میں آثار السنن کی ترتیب وتدوین میں ان کا رفیق کار تھا، چنانچہ محدث نیموی کے فرزند کا بیان ہے۔

نو قانی کہتا ہے ناظرین با تمکین معلوم فرمائیں کہ مولینا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تیرہ سو بارہ ہجری میں فارغ التحصیل ہوئے ہیں جیسا کہ ان ہی کی شرح فیض الباری علی صحیح البخاری میں لکھا ہوا ہے اور علامہ نیموی نے آثار السنن تیرہ سو چھ ہجری سے کچھ قبل ہی لکھنا شروع کیا اور تیرہ سو تیرہ ہجری میں آخر ابواب الصلوٰۃ تک تمام کر دیا۔ علامہ نیموی کا اوشحۃ الجید، حبل المتین، رد السکین، تبیان تحقیق المعلی وغیرہ تالیف کرنا اور ان کا معجم طبرانی وغیرہ کا نشان بتانا کہ فلاں فلاں کتب خانہ میں ہے اور معرفۃ السنن بیہقی میرے کتب خانہ میں ہے یہ سب مولینا انور شاہ کشمیری کی طالبعلمی کے زمانہ میں تھا۔ جبکہ وہ فارغ التحصیل بھی نہیں ہوئے تھے لہٰذا مولینا انور شاہ نے جو "لاتحا الفرقدین" میں لکھا ہے کہ انی کنت مر افقافیہ اس سے مراد بعد اتمام آثار السنن قبل الطباعت ہے، مولینا شوق نیموی اپنی تحقیقات عجیبہ وفوائد غریبہ نادرہ جدیدہ دکھانے اور معلوم کرانے کے لئے

---

❶ ....علامہ موصوف کے اس بیش بہا اضافہ کا نام الاتحاف لاحناف ہے مجلس علمی ڈابھیل جس کا قیام ہی علامہ انور شاہ کے علوم کی نشر واشاعت ہے اس نے شاہ صاحب کے اس نادرہ روزگار شاہکار کے اصل نسخہ کا محدود تعداد میں فوٹو کرا کر اس کو محفوظ کر لیا ہے۔

تسویدات آثار السنن قبل الطباعت بذریعہ ڈاک بھیجتے ہونگے جس طرح کہ اور بعض علماء کے پاس آثار السنن کو بھیجا ہے، مولینا انور شاہ کشمیری کی مولینا نیموی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی، ان کے شاگرد حکیم مولوی محمد عیسٰی مرحوم ساکن موضع جانا ضلع پٹنہ نے بندہ سے بیان کیا تھا کہ مولینا انور شاہ مدرسہ امینیہ دہلی میں کہتے تھے کہ ہم لوگ مولینا شوق نیموی سے جو تمہارے جوار کے ہیں ملاقات کریں گے مگر چونکہ ۱۳۲۲ھ میں بروز جمعہ ۱۷ رمضان شریف مولینا نیموی کا وصال ہو گیا اسی سبب ملاقات نہ ہوسکی۔ خلاصہ یہ کہ آثار السنن جس کی آخر کتاب الصلوۃ ۱۳۱۳ھ میں تمام ہوگئی اور مولینا انور شاہ ۱۳۱۲ھ میں کتب درسیہ مرجہ سے فارغ ہوئے ۱۳۱۲ھ کے بعد شوق نیموی ان کو بھی اپنی تحقیقات کہ جن سے کتب محدثین خالی ہیں، دکھانے کے لئے اجزاء آثار السنن بذریعہ ڈاک بھیجے ہوں گے اور علامہ کشمیری کچھ رائے دیتے ہوں گے واللہ اعلم۔ اس اعتبار سے من نوع مرافقت کی جاسکتی ہے جو کہ بعد اصل تالیف واتمام ہے نہ کہ وقت تالیف ہے، کیونکہ اس وقت تو مولینا انور شاہ محض طالبعلم تھے۔ ❶ (القول الحسن فی الرد علی انکار المدن وفی تائید آثار السنن از ابن نیموی ج ۱ ص ۱۹)

تبحر علمی:...... ضبط واتقان ذکاوت وذہانت، فہم وفراست، دقت نظیر جدت فکر، وسعت مطالعہ، کثرت معلومات، استحضار علوم اور تبحر میں اپنی نظر آپ ہی تھے صرف ونحو، معانی وبیان شعر وادب، منطق وفلسفہ لغت فقہ، اصول فقہ، کلام، تصوف، تاریخ، رجال، طبقات، تفسیر، حدیث اور اصول حدیث، غرض ہر فن میں مجتہدانہ بصیرت رکھتے تھے اور عربی وفارسی نظم ونثر پر یکساں قادر تھے۔ انکی جامعیت اور ہر فن میں ناقدانہ مہارت کی وجہ سے حکیم الامت مولینا اشرف علی تھانوی موصوف کو علوم میں ان کے اساتذہ سے بھی فائق سمجھتے تھے وہ فرماتے تھے۔

> "مولینا انور شاہ صاحب بہت بڑے متبحر عالم تھے یہاں تک کہ ہے تو گستاخی لیکن سچی بات کو کیوں چھپاؤں میرا یہ خیال ہے کہ وہ اپنے اکثر اساتذہ سے بھی علوم میں بڑھ گئے تھے" ❷

حفظ حدیث:...... علامہ انور شاہ بلاشبہ حفاظ حدیث میں تھے حفظ حدیث کی حقیقت سمجھنے کے لئے یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ محدثین کی اصطلاح میں حفظ حدیث سے مراد استحضار اور

---

❶ ...... شاہ صاحب کو اپنے زمانہ طالب علمی ہی میں ہندوستان کے ایک نامور وسیع النظر محدث کے اہم علمی کارنامہ پر اضافہ کی سعادت اگر حاصل ہوگئی تھی تو یہ شاہ صاحب کی وسعت نظر کی اور بھی زیادہ قوی دلیل ہے۔

❷ ...... ملاحظہ ہو الاضافات الیومیہ من الافادات القومیہ (ملفوظات حکیم الامت مولینا اشرف علی تھانوی) اشرف المطابق تھانہ بھون ۱۳۹۱ھ ج ۷، ص ۱۱۱

مذکرہ نہیں ہے یعنی احادیث کا نوک زبان پر ہونا، بلکہ معرفت یعنی ملکۂ فن مراد ہے اور حقیقت میں یہی معیار حفظ ہے اور متاخرین ائمہ جن کے یہاں اسی کا اعتبار ہے، اسی معیار پر متاخرین حفاظ میں سے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنے اکابر شیوخ کو جانچا اور پرکھا ہے۔ موصوف انباء الغمر فی ابناء العمر میں حافظ زین الدین عبدالرحیم عراقی المتوفی ۸۰۶ھ اور ان کے تلمیذ رشید حافظ نور الدین علی ہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ میں موازنہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

لم نر فی هذا الفن اتقن منه وعليه تخرج غالب اهل عصره ومن اخصهم به صهرهٗ شيخنا نور الدين الهيثمی وهو الذی دبه وعلمه كيفية التخريج والتصنيف وهو الذی يعمد له خطب كتبه وينسبهاله وصاله الهيثمی لشدة محارسة اكثر استحضار المتون من شيخه حتى يظن من لا خبرة له انه احفظ منه وليس كذالك لان الحفظ المعرفة۔ ❶

ہم نے فن حدیث میں حافظ عراقی سے زیادہ متقن و پختہ نہیں دیکھا، اس زمانہ کے اکثر اہل علم نے ان ہی سے کسب کمال کیا ہے اور ان کے داماد ہمارے شیخ نور الدین ہیثمی ہیں شیخ عراقیؒ نے انہیں پڑھایا۔ تصنیف اور تخریج احادیث کا ڈھنگ بتایا تھا وہ انکی کتابوں پر دیباچے لکھتے اور ان کی نسبت بھی حافظ ہیثمی کی طرف کرتے تھے ہیثمی کو مزاولت اور کثرت مشق کی وجہ سے احادیث کے متون اپنے شیخ عراقی سے زیادہ یاد ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ جس کو حقیقت حال کی خبر نہ تھی وہ یہ خیال کرتا تھا کہ شیخ ہیثمی حافظ عراقی سے بڑے حافظ تھے حالانکہ واقعہ ایسا نہ تھا کیونکہ حفظ ملکۂ فن سے عبارت ہے۔

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حفظ حدیث کے لئے حافظہ میں ملکۂ فن کا پایا جانا کافی ہے استحضار و تذکر شرط نہیں ہے چنانچہ شیخ ہیثمی صاحب مجمع الزوائد اور شیخ زین الدین عراقی صاحب الالفیہ کے بارے میں حافظ ابن حجر کا یہ لکھنا کہ ہیثمی فی الفور حدیث کی تخریج کرتے اور بتا دیتے تھے اس بنا پر پڑھے لکھے لوگ ان کو بڑا حافظ سمجھتے تھے حالانکہ نور الدین ہیثمی نے شیخ عراقی ہی سے سب کچھ سیکھا تھا اور شیخ عراقی کو فن کا ملکہ تھا، گو فی الفور حدیثوں کی تخریج سے قاصر تھے۔ یہ بات علامہ انور شاہ کو بھی حاصل تھی اس لئے ہم نے ان کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے ان کو متون احادیث پر

---

❶ ......ملاحظہ ہو انباء الغمر بحوالہ درس الطہارس و معجم المعاجم والمشیخات والصلات از حافظ عبدالحی الکتانی المتوفی ۱۳۸۳ھ طبع فارس ۱۳۴۶ھ ص ص ۱۹۷، ۱۹۸ و شذرات الذہب فی اخبار من ذہب از زین الحماد حنبلی مکتبہ القدوسی مصر ۱۳۵۱ھ ج ۷، ص ۳۸۳ ذیل طبقات الحفاظ للذہبی از حافظ جلال الدین سیوطی طبع دمشق ص ۳۷۲ و البدر الطالع محاسن بعد القرن السابع القاضی محمد شوکانی طبع قاہرہ ۱۳۴۸ھ ج ص

نہایت غائر نظر تھی اور وہ علل واسانید سے واقف تھے مراتب رجال کا انہیں علم تھا وہ صحیح وسلیم کو سمجھتے تھے اور فن جرح وتعدیل کے ماہر تھے راویوں کے تشابہ رفع کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور ان فنون میں ان کو بڑا اتفاق اور رسوخ حاصل تھا ان کے رسائل اور امالی آج بھی اس امر پر شاہد عدل ہیں۔

فقہ وخلافیات کا حفظ:...... علامہ انور شاہ حدیث ہی کے حافظ نہ تھے، بلکہ فقہ اور خلافیات کے بھی حافظ تھے تذکرہ کی کتابوں میں بعض ارباب کمال فقہاء کے متعلق یہ فقرہ لکھا ہوا ملتا ہے۔

''کان حافظا للفقه والخلاف'' یا ''کان حافظا للمذاهب'' کہ وہ فقہ اور خلافیات کے حافظ تھے۔ مذاہب ائمہ ان کو یاد تھے۔ یہ بات علامہ انور شاہ کو بھی حاصل تھی، ان کو اصول وکلیات ہی نہیں جزئیات مسائل پر بھی عبور حاصل تھا اور اختلافی مسائل میں ہر ایک امام کا مسلک بھی برزبان تھا، ہر مسئلہ میں ائمہ اور مشائخ کے مختلف اقوال بھی از بر تھے۔ ائمہ اربعہ کے اختلافات کے منشا اور مبنی پر بھی ان کی نظر پوری طرح تھی فقہ پر ان کی نظر کیسی غائر تھی اور ائمہ کے اقوال جیسے انہیں کیسے متحضر تھے اس کا اندازہ موصوف کے حسب ذیل بیان سے کیا جاسکتا ہے:

ليس عندى فن أصعب من الفقه حتى انى فى الفنون كلها ذورأى وتجربه أحكم بما اريد وانتخب من اقوالهم ما اريد وافترع (الفرع) الآراء من عندى لا أحتاج إلى تقليد أحد ولكنى فى الفقه مقلد بحت ليس رأى سوى الروايه ولذا قد يصعب على الافتاء فان الناس لا يكون عندهم الا قول واحد ويكون عندى فيه اقوال عن الأمام او عن المشائخ والتصحيح قد يختلف ولست من اصحاب الترجيح وحينئذ افتى بما يقرب بمذاهب الائمه وآثار السلف والسنة[1]

میرے نزدیک فقہ سے مشکل ترین فن کوئی نہیں جملہ فنون میں میری ایک رائے اور تجربہ ہے کہ جس کی وجہ سے میں فیصلہ کرتا ہوں اور ائمہ فن کے اقوال میں سے جن کے قول کو چاہتا ہوں انتخاب کرتا ہوں، میں اپنی طرف سے ان کے راویوں پر تفریع کرتا ہوں اور کسی کی تقلید کا محتاج نہیں ہوں لیکن فقہ میں مقلد محض ہوں، بجز روایت امام کے کوئی رائے نہیں رکھتا اسی وجہ سے فتوی دینے میں مجھے بڑی دشواری پیش آتی ہے کیونکہ لوگوں کے سامنے ایک قول کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور میرے پیش نظر امام یا مشائخ کے متعدد قول ہوتے ہیں پھر بھی تصحیح میں بھی اختلاف ہوتا ہے اور میں اصحاب ترجیح میں سے نہیں ہوں، میں ایسے وقت میں مذاہب ائمہ اور آثار سلف اور سنت سے قریب تر جو قول ہوتا ہے اس پر فتوی دیتا ہوں۔

[1] ...... ملاحظہ ہو فیض الباری ج ۴ص ۱۹۷

طبقات فقہاء پر نظر:...... طبقات فقہاء پر بھی ان کی نظر غیر معمولی وسیع تھی اور اس فن میں بصیرت کا یہ حال تھا کہ کبار فقہاء کے متعلق ان کی اپنی خاص آراء تھیں کہ کون کس درجہ کا فقیہ ہے اور نقل میں اس کی کیا حیثیت ہے کون فقیہ النفس ہے اور کون نہیں؟ چنانچہ امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ کے متعلق فرماتے ہیں:

امام طحاوی مذہب امام اعظمؒ کے سب سے زیادہ عالم نہیں بلکہ دیگر مذاہب ائمہ کے بھی سب سے زیادہ واقف تھے وہ امام شافعیؒ کے بیک واسطہ شاگرد تھے اور امام مالکؒ سے بدو واسطہ تلمذ رکھتے تھے اور امام اعظم ابو حنیفہؒ سے ان کو بہ واسطہ تلمذ کا فخر حاصل ہے، کتاب شرح معانی الآثار کے باب الحج میں موصوف نے تصریح کی ہے کہ امام احمدؒ سے بھی ان کو بیک واسطہ اجازت حاصل ہے طحاوی مجتہد و مجدد ہیں جیسا کہ ابن الاثیر جزری نے لکھا ہے کہ وہ مجدد تھے۔

میں کہتا ہوں کہ شرح حدیث ان کا تجدیدی کارنامہ ہے۔ وہ شرح حدیث میں مجمل حدیث کو بتاتے ہیں، حدیث کے غوامض و دقائق بیان کرتے ہیں۔ بحث و تحقیق کرتے ہیں اعتراضات کے جوابات دیتے ہیں اور وہ اس انوکھے طریقہ کے امام ہیں کیونکہ متقدمین صرف احادیث کو بطور سنن و متن روایت کرنے پر اکتفا کرتے تھے [1]۔

اور فیض الباری میں ہے کہ مالکیہ نے ان کی تصانیف سے حنفیہ کی بنسبت زیادہ اعتناء کیا ہے۔ [2]

علامہ موصوف ملک العلماء ابو بکر بن مسعود کاشانی المتوفی ۵۸۷ھ کی کتاب البدائع والصنائع فی ترتیب الشرائع کی بہت تعریف کرتے تھے اور اس کے متعلق فرماتے تھے۔

عراقی فقہاء حنفیہ کی تالیفات میں خراسانی فقہاء حنفیہ کی تصانیف کی بنسبت زیادہ رسوخ واتقان پایا جاتا ہے لیکن کتاب البدائع باوجودیکہ اس کا مولف ملک العلماء ابو بکر کاشانی خراسانی ہے مگر اس کی یہ کتاب اتقان و مثبت میں فقہاء میں سے فقہائے عراق کی مثل ہے بلکہ حسن ترتیب میں ہمارے فقہاء حنفیہ رحمہ اللہ کی تمام کتابوں سے فائق ہے، یہ نہایت نادر المثال کتاب ہے، اگر کوئی عالم درف نگاہی اور رقت نظر سے اس کا مطالعہ کرے تو وہ فقیہ النفس بن جائے یہ کتاب مدرس اور مولف کے لئے مغنی کی بنسبت زیادہ مفید ہے۔ [3]

مؤلف کے بارے میں ایسا بصیرت افروز تبصرہ فقہاء میں سے کسی اور فقیہ سے منقول نہیں اسی

---

[1] ...... ملاحظہ ہو العرف الشذی علی جامع الترمذی مکتبہ رحیمیہ سہارنپور ص ۲۶ و معارف السنن از مولینا محمد یوسف بنوری طبع کراچی ۱۳۸۳ھ ج اص ۱۴ا نیز فیض الباری ج ۲ ص ۲۵۱ و جلد اص ۲۷۳۔ [2] ...... فیض الباری ج ۳ ص ۶۹۔ [3] ملاحظہ ہو نفحۃ العنبر من ھدی شیخ الانور مولینا محمد یوسف بنوری ص ۸۵۔

طرح علامہ موصوف کی فقیہ زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم حنفی المتوفی ۹۷۰ھ، محمد امین بن عمر عابدین دمشقی حنفی المتوفی ۱۲۵۲ھ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ اور مولینا رشید احمد گنگوہی کے متعلق جورائے ہے وہ بھی پڑھنے کے لائق ہے فرماتے ہیں:

ان ابن نجیم افقه عندی من الشامی لما اری فیه ان امارات التفقه تلوح و الشامی معاصره للشاه عبدالعزیز الدهلوی رحمه الله تعالیٰ وهو افقه ایضا عندی من الشامی رحمه الله تعالیٰ و کذا شیخ مشائخنا رشید احمد کنکوهی قدس سره افقه عندی من الشامی[1]

میرے نزدیک بلاشبہ ابن نجیم، علامہ شامی سے زیادہ فقیہ ہیں، کیونکہ مجھے ان میں تفقہ کے آثار بہت روشن نظر آتے ہیں۔ فقیہ شامی شاہ عبدالعزیز دہلوی کے معاصر ہیں اور میرے خیال میں شاہ صاحب شامی سے زیادہ فقیہ ہیں اور اسی طرح ہمارے شیخ الشیوخ رشید احمد گنگوہی قدس سرہ میرے نزدیک شامی سے بڑھ کر فقیہ ہیں۔

بعض مشاہیر ائمہ فن کے متعلق رائے:...... اسی طرح دیگر ائمہ فن اور اکابر علماء کے متعلق بھی ان کی خاص رائیں ہیں۔ چنانچہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی المتوفی ۶۳۰ھ، حافظ ابن تیمیہ المتوفی ۷۶۸ھ شیخ تقی الدین بن دقیق العید المتوفی ۷۰۲ھ، حافظ ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ، جمال الدین یلعی المتوفی ۷۶۲ھ اور حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ کے متعلق علامہ موصوف فرماتے ہیں۔

''میرے نزدیک شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ اس امت کی عظیم ترین شخصیتوں سے ہیں وہ حقائق کی تہہ تک پہنچتے ہیں اور اس فن میں وہ سب سے آگے ہیں اور اپنا نظیر نہیں رکھتے ہیں، حافظ ابن تیمیہ بلاشبہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک بحر بیکراں ہے لیکن چند اصولی اور فروعی مسائل میں وہ جمہور امت سے منفرد ہیں، حالانکہ حق پر جمہور علماء ہیں، ابن تیمیہ کشف و کرامات کے بھی منکر ہیں البتہ مصداق کشف کے قائل ہیں اور وہ اس کو فراست مومن سے تعبیر کرتے ہیں...... ان کی طبیعت میں تیزی بہت ہے، وہ اپنی تحقیق کو وحی آسمانی سمجھتے ہیں، اگرچہ وہ حقیقت کے خلاف کیوں نہ ہوں اور مخالف کی وہ پروانہیں کرتے ہیں، اگرچہ وہ حق پر ہی کیوں نہ ہوں، یہ اہل علم کے وہ طبقات و مراتب ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا فرمایا ہے۔ ان میں سے بعض میں بڑا اعتدال ہے اور وہ نہایت انصاف پسند ہیں: یہ شیخ تقی الدین ابن دقیق العید، ابن

---

[1] ...... ملاحظہ ہو فیض الباری علی الصحیح البخاری مطبع حجازی قاہرہ ج ۲ ص ۲۴۳ ج ص ۱۲۰۔

عبد البر اور ذہبی، بعض میں اعتدال نہیں ہوتا، ان کی طبیعت میں شدت اور حدت ہوتی ہے جیسے ابن تیمیہ ہیں بعض میں شدت تعصب کے ساتھ بیدار مغزی بلا کی ہوتی ہے جیسے حافظ ابن حجر عسقلانی ہیں[1]۔"

مصطلحات فن پر اضافے:......علامہ انور شاہ نے مصطلحات فن پر بھی اضافے کئے ہیں اصول فقہ ایک نہایت دقیق اور مشکل فن ہے اور ہمیشہ سے دقیقہ سنج اور دقیق النظر جو علماء کی بحث ونظر کی آماجگاہ بنا رہا ہے۔ اس اہم فن کے بعض مصطلاحات پر علامہ موصوف کو اضافہ کا فخر حاصل ہے۔

ائمہ فن نے متواتر کی تعریف کی ہے اور تواتر اسناد کو بیان کیا ہے لیکن نہ اس کے اقسام سے پورا اعتناء کیا اور نہ انہیں منضبط کیا اور نہ اس کے اقسام کو جداگانہ ناموں سے ممتاز و متعین کیا۔ تواتر کی بحث کلام اور اصول دونوں جگہ ہے۔ لیکن اصولیین اور متکلمین دونوں ہی اس باب میں خاموش ہیں۔ اسلامی دنیا میں علامہ انور شاہ نے پہلی مرتبہ تواتر کے اقسام سے اعتناء کیا اور اس کو اقسام اربعہ میں منحصر کیا۔ اس کی ہر قسم کو ایک ایک خاص اور مستقل ناموں سے نامزد کیا۔ تواتر کے وہ اقسام اربعہ حسب ذیل ہیں:

(۱)...... تواتر الاسناد۔ (۲)...... تواتر الطبقہ۔ (۳)...... تواتر العمل والتوارث۔

(۴)...... تواتر القدر المشترک۔

ان اقسام اربعہ کا تذکرہ علامہ موصوف نے اپنے رسالہ نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین (ص ۲۲) میں اور علامہ شبیر احمد عثمانی نے (مقدمہ) فتح الملہم بشرح صحیح مسلم (ص ۵) میں ان کی خوب وضاحت کی ہے اور اردو میں اس کی تشریح فیصلہ مقدمہ بہاولپور طبع لاہور ۱۹۳۵ء میں بھی مذکور ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی نے اس تقسیم کی داد ان الفاظ میں دی ہے:

وھذہ الاقسام الاربعۃ للتواتر وان کانت جزئیا منتشرۃ فی کتبھم لکنھم لم یکونوا یذکرونھا عند التقسیم واول من ربع القسمۃ وسمی کل قسم باسمہ فیما نعلم الشیخ العلامۃ الانور اطال اللہ بقاءہ وھو تقسیم حسن[2]۔

یہ تواتر کی چار قسمیں ہیں اگر چہ اس کی جزئیات اصولیین کی کتابوں میں منتشر طور پر پائی جاتی ہیں لیکن وہ تقسیم کے موقع پر ان کا تذکرہ نہیں کرتے تھے سب سے پہلے جس اصولی نے تواتر کو چار قسموں میں منقسم کیا اور ہر ایک قسم کو ایک مخصوص نام سے ممتاز و متعین کیا وہ ہمارے علم

---

[1]......ملاحظہ ہو فیض الباری صحیح البخاری مطبعہ حجازی، قاہری ج ۲ ص ۱۹۳۔ [2]......ملاحظہ ہو (مقدمہ) فتح الملہم شرح صحیح مسلم مدینہ برقی پریس بجنور ۱۳۵۲ھ ص ۵۔

میں شیخ علامہ انور شاہ اطال اللہ بقاءہ ہیں اور یہ تقسیم بہت خوب ہے۔

علامہ انور شاہ کی اس تقسیم کی خوبی ندرت اور جامعیت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ ماہرین فن نے مصطلحات فنون پر مستقل اور جداگانہ کتابیں لکھی ہیں اور درسی کتابوں کے حواشی سے بھی مفید مفید باتیں سمیٹ لی ہیں اور گونا گوں معلومات جمع کرنے میں خودداد تحقیق دی ہے ان کے یہاں بھی تواتر کے اقسام تواتر لفظی ومعنوی سے زیادہ نہیں ہیں (1)۔

اسی طرح علامہ موصوف نے حدیث صحیح کی بھی ایک جداگانہ تقسیم کی ہے اور اس کو بھی اقسام اربعہ میں منقسم کیا ہے (2)۔

اسی طرح طبقات کتب حدیث میں بھی علامہ موصوف کی رائے جمہور علماء سے کچھ مختلف ہی ہے (3)۔

اہل کمال معاصرین کا خراج عقیدت:...... حقیقت یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے بعد ہندوستان کی سرزمین پر ایسا متقن، وسیع النظر محقق اور جامع عالم پیدا نہیں ہوا اور ہندوستان و پاکستان کے متاخرین محدثین میں ملا محمد عابد سندی المتوفی ۱۲۵۷ھ کے بعد علامہ انور شاہ کے سوا کوئی حافظ حدیث نہیں گزرا ہے۔

علامہ موصوف بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے تھے اور اس دور میں اللہ تعالیٰ کی زبردست حجت اور برہان تھے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم صحیح مسلم میں ایک موقع پر علامہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

سألت الشيخ العلامة النقى التقى الذى لم ترالعيون مثله ولم يرهو مثل نفسه ولو كان فى سالف الزمان لكان له شان فى طبقة اهل العلم عظيم وهو سيدنا ومولينا الانور الكشميرى ثم الديوبندى اطال الله بقاءه عن تفسير اوائل سورة النجم وتحقيق روية النبى صلى الله عليه وسلم ربه فقرر الشيخ تقريرا حسنا بليغا جامعا لاشتات الروايات واطواف الكلام منبها على اغوار القرآن فالتمست منه ان يقيده بالكتابة لتعم الفائدة فاستجاب للملتمس وعلى الله اجره مع وجود الشواغل الكثيرة. (4)

میں نے خدا ترس، پاک طینت شیخ العلامہ انور شاہ جن کا مثل ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھا اور نہ خود انہوں نے اپنا مثل دیکھا ہے۔ اگر وہ گزشتہ زمانے میں ہوتے تو اہل علم کے طبقہ میں

---

(1)...... ملاحظہ ہو کتاب التعریفات از سید شریف علی جرجانی المتوفی ۸۱۶ھ طبع مصر ۱۳۵۷ھ ص ۱۷۵۔ (2)...... ملاحظہ ہو (مقدمہ) فیض الباری ج ۱ ص ۵۸۔ (3)...... ایضاح ۱ ص ۵۷۔ (4)...... ملاحظہ ہو فتح الملہم شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۵

ان کا بڑا مرتبہ ہوتا، وہ ہمارے سردار مولینا انور شاہ کشمیری ثم دیوبندی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں تادیر قائم رکھے۔ میں نے ان سے سورۃ النجم کی ابتدائی آیتوں کی تفسیر اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار الٰہی کی تحقیق کے متعلق درخواست کی تھی، جس کو انہوں نے شرف قبولیت بخشا اور نہایت نفیس اور فصیح و بلیغ تقریر کی جس میں متفرق روایات اور بحث کے تمام گوشوں کو سمیٹ لیا ہے اور قرآن مجید کی گہرائیوں پر تنبیہ فرمائی ہے پھر میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ اس کو قلمبند فرمائیں تا کہ اس سے فائدہ عام ہو جائے۔ انہوں نے گوناگوں مشغلوں کے باوجود میری یہ بات بھی مان لی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجر دے۔

مفسر عثمانیؒ آیت شریفہ **قل یآاھل الکتاب تعالوا الی کلمہ سوآء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرك بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابًا من دون اللہ** کی تفسیر میں حیات مسیح علیہ السلام کے موضوع پر علامہ کے رسالہ کا تعارف کراتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اس موضوع (حیات مسیح السلام) پر مستقل رسالے اور کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ مگر میں اہل علم کو توجہ دلاتا ہوں کہ ہمارے مخدوم علامہ فقید النظیر حضرت مولینا محمد انور شاہ کشمیری اطال اللہ بقاءٗ نے رسالہ "عقیدہ الاسلام" میں جو علمی لعل و جواہر ودیعت کئے ہیں، ان سے متمتع ہونے کی ہمت کریں، میری نظر میں ایسی جامع کتاب اس موضوع پر نہیں لکھی گئی"

اور آیت شریف **قل الروح من امر ربی** الآیہ کی تفسیر میں روح پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس (بحث) میں میرے نزدیک قول فیصل وہی ہے جو بقیہ السلف بحر العلوم انور شاہ صاحب اطال اللہ بقایہٗ نے فرمایا"

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فیض الباری علی صحیح البخاری پر جو تقریر لکھی ہے اس میں تحریر فرماتے ہیں:

قال الشیخ تاج الدین السبکی فی القفال المروزی کان اماما کبیرا وبحرا عمیقا غواصا علی المعانی الدقیقۃ، نقی القریحۃ ثاقب الذھن عظیم المحل کبیر الشان دقیق النظر عدیم النظیر (فی زمانہ) وحکی قول ابن السمعانی فیہ! کان وحید زمانہ فقھا وحفظا ورعا. ھذہ کلمات کنت رایتھا فی حق ذاك الامام وصادفتھا تصدق فی نابغۃ الھند الشھیر وعالمھا بحر العلوم مولینا السید محمد انور شاہ الکشمیری ثم الدیوبندی رحمہ اللہ سواء بسواء من غیر شطط والحراء فکان اماما کبیرا وبحرا عمیقا غواصا علی

المعانی الدقيقة الى آخرما قال لم اكن فی عدد اصحابه وتلامذته غيرانی وفقت للاستفادة من صحبته ومجالسه ومذاکرته فی المشکلات والغوامض برهة غير قصيرة ومن طالع كتابی فتح الملهم علی شرح صحيح مسلم تبين له ذالك ❶

شیخ تاج الدین سبکیؒ نے قفال مروزی کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ بلند پایا امام اور علم کے گہرے سمندر، دقیق معانی کے غوطہ زن پاکیزہ طبع، روشن دماغ، باعظمت بلند مرتبت، دقیق النظر اور یگانہ عصر عالم تھے اور ان کے متعلق ابن السمعانی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ فقہ حفظ حدیث اور ورع وتقویٰ میں یکتائے روزگا تھے یہ کلمات میں نے اس امام موصوف کے بارے میں پڑھے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی کلمات ہندوستان کے مشہور و معروف عالم بحر العلوم محمد انور شاہ کشمیری ثم دیوبندی رحمۃ اللہ پر بھی پورے پورے صادق آتے ہیں اور اس میں ذرا مبالغہ نہیں ہے، کیونکہ یہ بھی بلند پایہ امام علم کے گہرے سمندر تھے انہیں دقیق معانی تک رسائی حاصل تھی...... میں نے نہ ان کے تلامذہ میں سے ہوں اور نہ میرا ان کے ہم سبقوں میں شمار ہے بس مجھے ان کی صحبتوں اور مجلسوں میں ان کے ساتھ مشکلات فن اور دقیق مسائل میں مذاکرہ سے ایک زمانہ دراز تک استفادہ کا موقع ملتا رہا ہے جو کوئی میری کتاب فتح الملہم شرح صحیح مسلم کا مطالعہ کرے گا اس پر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی۔

مورخ ہند مولینا سید سلیمان ندوی نے علامہ موصوف کی جن الفاظ میں تصویر کھینچی ہے وہ بھی ہدیہ ناظرین ہے فرماتے ہیں:

”مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے، ان کی مثال اس سمندر کی سی تھی جس کی اوپر کی سطح ساکن لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قیمت خزانوں سے معمور ہوتی ہے، اور وسعت نظر، قوت حافظہ اور کثرت حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے، علوم حدیث کے حافظ اور نکتہ شناس، علوم ادب میں بلند پایہ، معقولات میں ماہر، شعر و سخن سے بہرہ مند اور زہد وتقویٰ میں کامل تھے، اللہ تعالیٰ اپنی نوازشوں کی جنت میں ان کا مقام اعلیٰ کرے کہ مرتے دم تک علم ومعرفت کے اس شہید نے قال اللہ وقال الرسول کا نعرہ بلند رکھا...... حضرت مرحوم سے ملاقاتوں میں علمی استفادہ کے مواقع ملتے رہے، ہر سوال کے وقت ان کی خندہ پیشانی سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ سوال سے خوش ہوتے اہل کمال کی یہ بڑی پہچان ہے، جب اہل کمال سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ شبہ کے اصل

❶...... مقدمہ فیض الباری ۴۸

منشاء کو سمجھ جاتا ہے اور جواب دے کر خوش ہوتا ہے۔ مرحوم معلومات کے دریا حافظہ کے بادشاہ اور وسعت علمی کی نادر مثال تھی۔ ان کو زندہ کتب خانہ کہنا بجا ہے۔ شاید ہی کوئی کتاب مطبوعہ ہو یا قلمی ان کے مطالعہ سے بچی ہو۔'' ❶

علامہ انور شاہ کی جلالت علمی اور رفعت شان کا اندازہ اس امر سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ حکیم الامت مولینا اشرف علی صاحب تھانویؒ جیسا عالم ربانی کسی موقعہ پر کسی علمی مسئلہ کی وضاحت کی کہیں علامہ انور شاہ سے داد تحقیق مل جاتی تو ان کو بڑی مسرت ہوتی تھی ایک موقعہ حکیم الامت مولینا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے موصوف کی حق پسندی اور کمال علمی و عملی کی داد تحقیق یوں دی ہے، فرماتے ہیں:

''مولینا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریکات حاضرہ میں بہت سرگرم تھے اور میں بالکل علیحدہ تھا۔ لیکن باوجود اس اختلاف مشرب کے میرے رسالہ ترجیح الراجح سے بہت متاثر تھے اور کہتے تھے کہ صدیوں کے بعد یہ بات نظر آئی کہ اپنی لغزشوں سے رجوع کر کے اس کو شائع کیا جاوے۔ یہی ایک بات حق پسندی اور کمال علمی و عملی کے لئے کافی ثبوت ہے۔ جس کی اس وقت میں کہیں نظیر نہیں ❷۔

انسان کا چہرہ اس کے خیالات اور علوم کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ علامہ انور شاہ کا چہرہ اس حقیقت کا پورا پورا مصداق تھا، چہرہ انور پر ایسا نور تھا کہ مسلمان ہی نہیں کافر بھی اگر نظر اٹھا کر دیکھ لیتا تو پکار اٹھتا تھا کہ یہ چہرہ تو کسی بہت ہی بڑے عالم کا ہے۔ حکیم الامت مولینا اشرف علی تھانوی کا بیان ہے:۔

''مولینا (انور شاہ) کسی جلسۂ مناظرہ (بھاگل پور) میں شریک تھے، جس میں اور بڑے بڑے علماء موجود تھے۔ اس جلسہ کا صدر ایک ہندو کو بنایا گیا تھا جو بہت معمر اور تجربہ کار شخص تھا، وہ جس وقت جلسہ میں آیا اس نے سب علماء کو دیکھ کر مولینا کے متعلق کہا کہ ان سب میں یہ بڑے عالم معلوم ہوتے ہیں۔ واقعی غضب کا قیافہ شناس شخص تھا کہ محض صورت دیکھ کر پہچان گیا کہ یہ سب سے بڑے عالم ہیں حالانکہ اس وقت تک کسی کی تقریر بھی نہیں سنی تھی ❸۔

علامہ انور شاہ ورع تقوی کے صفات سے آراستہ اور محاسن اعمال اور مکارم اخلاق کے پیکر تھے، حق گوئی اور اتباع سنت کے بڑے دلدادہ تھے، اس کے آثار ان کے چہرے بشرے پر نمایاں

---

❶ ...... ملاحظہ ہو یادرفتگان مطبوعہ کراچی ص ۱۶۹، ۱۷۰۔ ❷ ...... ملاحظہ ہو الاضافات الیومیہ من الافادات القومیہ ج ۷ ص ۲۲۷۔ ❸ ...... ملاحظہ ہو الاضافات الیومیہ ج ۷ ص ۱۲

تھے۔ ان کی ذہانت حقیقت میں نور علی نور تھی۔

اردو کتابوں کے مطالعہ کا شوق:......علامہ انور شاہ نے درس وتدریس اور وعظ وتقریر میں طلبہ اور عوام کی سہولت کی وجہ سے اردو زبان کو اظہار خیال کا ذریعہ بنادیا لیکن اردو زبان میں حقائق وعلوم چونکہ منتقل نہیں ہوئے تھے اس لئے موصوف نے اردو میں لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا اور نہ اس میں تصنیف وتالیف کو پسند کیا، مگر جب اہل حق نے اردو زبان میں تصنیف وتالیف کرکے علوم کو عام کرنا شروع کیا تو موصوف نے بھی اردو کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا، اس کا اندازہ حکیم الامت مولینا اشرف علی تھانویؒ کے حسب ذیل بیان سے کیا جاسکتا ہے، فرماتے ہیں:

> مولینا انور شاہ صاحبؒ نے ایک صاحب سے فرمایا کہ ''میں سمجھتا ہوں کہ اردو کی کتابوں میں علوم نہیں ہیں، اس لئے میں کسی اردو تصنیف کو دیکھنا بیکار سمجھتا ہوں لیکن جب سے تفسیر بیان القرآن دیکھنے کا اتفاق ہوا یہ معلوم ہوا کہ اردو کی تصانیف میں بھی اب علوم موجود ہیں اور اس وقت سے مجھے اردو کی کتابیں پڑھنے کا شوق پیدا ہوگیا اور جو بے وقعتی اردو کی کتابوں کی میرے خیال میں پہلے تھی وہ جاتی رہی'' ❶

دار العلوم دیو بند میں درس حدیث کی اہم خصوصیت:......دار العلوم دیو بند میں درس حدیث کی اہم خصوصیت اور امتیازی شان طلبہ میں حدیث فہمی کا صحیح مذاق اور فقہ حدیث کا ملکہ راسخہ پیدا کرنا تھا۔ فقہ حدیث نہایت غامض علم ہے۔ اس لئے محدثین اور فقہاء کے مقابلہ میں فقہاء محدثین کی تعداد نہایت قلیل ہے، اس فن کے ماہرین انگلیوں میں گنے جاسکتے ہیں۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے عجالہ نافعہ میں مشہور ترین ائمہ فن کو نام بنام گنایا ہے۔ دار العلوم دیو بند کے قیام کی اصل غایت اسی علم کی نشر واشاعت ہے اس فن میں اکابرین دیو بند کا طریقہ انیقہ نہایت معتدل ہے درس حدیث میں علامہ انور شاہ کے تجدیدی کارناموں پر روشنی ڈالنے سے پہلے اکابر دیو بند کے طریقہ انیقہ کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس کی وضاحت کے لئے علامہ انور شاہ کی وہ تاریخی تقریر جو موصوف نے ۱۳۳۰ھ میں عالم اسلام کے نہایت نامور فاضل اور وسیع النظر محدث علامہ سید رشید رضا المتوفی ۱۳۵۴ھ کی دار العلوم دیو بند میں آمد کے موقعہ پر کی تھی، کافی ہے اس اہم تاریخی تقریر کا موضوع فقہ حدیث اور اکابر دیو بند کا طریقہ انیقہ ہے، علامہ موصوف کی یہ تقریر عربی میں ہے لیکن طویل ہے اس لئے اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے ❷۔

''مدرسۂ دیو بند کی غایت وغرض درس حدیث اور فقہ حدیث ہے...... ہمارے اکابر کا

---

❶......الافاضات الیومیہ ج ۷، ص ۱۱۱۔ ❷......متن عربی کے لئے ملاحظہ ہو ۵۵۶۔

حدیث اور فقہ میں ایسا معتدل و بہتر طریقہ ہے جس میں افراط وتفریط نہیں ہے میری مراد اس سے یہ ہے کہ ائمہ اربعہ، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ اکثر و بیشتر اصول اربعہ کی پابندی کرتے ہیں اور وہ اس طرح سے کہ امام مالک اہل مدینہ کے علم کی اقتداء کرتے ہیں بلکہ کبھی وہ حدیث مرفوع پر بھی اس کو ترجیح دیتے ہیں۔ امام شافعی ہر باب میں اصح حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ امام احمدؒ، اصح، صحیح، حسن اور ضعیف حدیث سے بھی جس کا ضعف کمتر درجہ کا ہو استدلال کرتے ہیں۔ اور وہ ان دونوں طریقے (اصح صحیح وضعیف) کو درست سمجھتے ہیں، موصوف نے اپنی مسند میں اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے اور ابوحنیفہؒ ان قسموں کی تمام حدیثوں کو قابل عمل سمجھتے ہیں اور اختلاف کی صورت میں ان کو ایک محل پر جمع کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے حنفیہ کے یہاں تاویلات زیادہ ہیں اور شوافع کے یہاں راویوں پر جرح زیادہ ہے۔ امام شافعیؒ پہلے امام ہیں جو بلا مؤید وعاصد اور شاہد حدیث مرسل کو قابل حجت نہیں سمجھتے ہیں۔ فن حدیث کے نکتہ شناس امام بخاریؒ نے امام مالکؒ وشافعی کے اصول کو اپنایا اور اپنا خضر راہ بنایا۔ چنانچہ وہ صحیح بخاری میں اصح مافی الباب کو لاتے ہیں اور عمل سلف کی موافقت کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں اسی وجہ سے وہ اپنی کتاب میں کوئی ایسی حدیث کا ذکر نہیں کرتے جو دوسری حدیث کے معارض ومخالف ہو۔ انہوں نے صلوۃ کسوف کے بیان میں دو رکوع والی حدیث پر اکتفا کیا اور اپنے اصول اور قواعد کی پابندی کی تین چار اور پانچ رکوع والی حدیثوں کو نظر انداز کر دیا۔

امام مسلمؒ نے راویوں کی ثقاہت پر اعتماد کیا۔ چنانچہ انہوں نے باب الکسوف میں تین چار رکوع والی حدیثوں کو ہی نہیں بلکہ پانچ رکوع والی حدیث کو بھی جو امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے (کوئی مرفوع حدیث نہیں) صحیح مسلم میں درج کیا ہے امام بخاریؒ نے تحقیق وتنقیح کی ہے اور امام مسلم نے اصول وقواعد کی رعایت کی ہے۔ ایسی اختلافی صورتوں میں ہمارے مشائخ توسط واعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں، تشدد اور تساہل سے گریز کرتے ہیں اور متعارض حدیثوں کی ایسی توجیہ کرتے ہیں کہ جو غور سے سنتا ہے قبول کرتا ہے، نمبر ۳ کی مثال حدیث قلتین ہے اس کو یزید بن زائع کامل بن طلحہ ابراہیم الحجاج، ہدبہ بن خالد، وکیع اور یحیٰ بن حسان نے اذا بلغ الماء قلتین اوثلاثا جب پانی دو تین قلہ (بڑا مٹکا جس میں ڈھائی مشک پانی آتا ہے) ہو وہ ناپاک نہیں ہوتا لفظ تنویع (او) کے ساتھ روایت کیا ہے تو یہ تخمین واندازہ کے لئے ہے کہ جب دو تین قلہ پانی

ہوگا تو ایک طرف سے دوسری طرف نجاست کا اثر نہ ہوگا اور امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا یہی اصل مذہب ہے چنانچہ شیخ ابن ہمامؒ اور شیخ ابن نجیمؒ نے اس امر کی تصریح کی ہے، حدیث قلتین کے محل کے تعین سے جو حدیثیں اس کے معارض تھیں وہ اپنے حال پر باقی رہیں اور معارضہ سے بچ گئیں۔ جیسے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت والی حدیث اور برتن میں کتے کے منہ ڈالنے والی حدیث اپنے اپنے محل میں قابل عمل ہیں۔ اور اس کی مثال دے کر امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے والی حدیثیں ہیں۔ حنیفہ نے نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے پر قرآنی آیت واذ قرأ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور حدیث رسول واذ اقری القران فانصتوا جب امام پڑھے تو تم چپ رہو اور حدیث من کان لہ امام فقرأۃ الامام قراۃ لہ (جس کا امام ہو تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے) سے استدلال کیا اور انہوں نے لا تقرأوا الا بام القرآن) سورۃ فاتحہ کے بغیر اور کچھ نہ پڑھا کرو) والی حدیث کی تاویل کی کیونکہ جس نے سورۃ فاتحہ نماز میں نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی۔ اور یہ اس لئے کیا کہ آیت شریفہ کے شان نزول میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔ لہذا لفظ کے عموم کا اعتبار ہوگا (نہ خصوص مورد کا) نیز امام بیہقی نے کتاب القرأت میں امام احمد سے نقل کیا ہے کہ علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ آیت نماز میں قرأت کے بارے میں اتری ہے اور حدیث واذ قرأ فانصتوا جب امام پڑھے تو تم چپ رہو صحیح حدیث ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے شاگرد ابو بکر بن الاثرم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ پھر امام مسلم نے باب التشہد میں حدیث کے ہر دو طریق ابو موسیٰ اشعری و ابو ہریرہ کی تصحیح کی ہے اور بعد ازاں ابن خزیمہ، حافظ ابو جعفر، جریر طبری، حافظ ابو عمر بن عبد البر، حافظ ابن حزم اندلسی ظاہری، حافظ زکی الدین عبد العظیم منذری اور خاتم الحفاظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اس حدیث کی تصحیح کی ہے یہ تو اسناد کے اعتبار سے اس حدیث کا پایہ ہے اور باعتبار تعامل سلف وائمہ تو اس پر صحابہ کرام کی بڑی جماعت امام مالک احمد ابو حنیفہ کا عمل ہے۔ اور ایسی حدیث جس کے راوی ثقہ ہوں پھر سلف کا عمل بھی اس کا موید ہو تو وہ حدیث صحیح ہے، وہ نہ کسی جرح سے متاثر ہوتی ہے اور نہ کسی قدح سے اثر پذیر۔

اور حدیث مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ کو شیخ ابن الہمام نے مسند ابن منیع سے نقل کیا ہے اور اس کی تصحیح بھی کی ہے کیونکہ اس کی سند بخاری و مسلم کی شرط پر ہے اور اب تک اس میں کسی علت کا سراغ نہیں لگ سکا، اس کی سند یہ ہے۔

اخبرنا اسحق بن یوسف الازرق قال حدثنا سفیان وشریك عن موسیٰ ابن ابی عائشة عن عبد الله بن شداد عن جابر بن عبدالله

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الحديث.

اور پھر ترمذی کی ایک موقوف اور حدیث کی دیگر کتب میں ایک مرسل حدیث اس موید اور معاضد ہے اب تو وہ بلاشبہ صحیح ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ مولینا رشید احمدؒ نے حدیث عبادہؓ کی جو محمد بن اسحاق کے طریق سے مروی اور اس کے سیاق لعلكم تقرأون خلف امامكم قالو نعم يا رسول الله نهذه هذا قال لا تفعلوا الا... الحدیث۔

شاید تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو، لوگوں نے عرض کیا جی ہاں یارسول اللہ ہم جلدی جلدی پڑھ لیتے ہیں تو آپ نے فرمایا سورۃ فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھا کرو، کی توجیہہ میں فرمایا ہے یہ اباحت اور جواز کی دلیل تو ہوسکتی ہے، وجوب کی دلیل نہیں، کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر پڑھتے تھے، اسی بناء پر آپ نے ان سے دریافت فرمایا تھا کہ شاید تم میرے پیچھے پڑھتے ہو، انہوں نے جواب دیا جی ہاں۔ تو آپ نے فرمایا بس سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو، کیونکہ قرآن کی تمام سورتوں میں سورۃ فاتحہ کا نماز کے لئے پڑھنا متعین ہوچکا ہے کہ امام اور منفرد کی نماز اس کے پڑھے بغیر نہیں ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے جواز کی علت یہ بتائی ہے کہ وہ قرآن کی تمام سورتوں میں نماز کے لئے متعین ہوچکی ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ امام اور منفرد کے حق میں اس سورۃ کے پڑھے بغیر نماز کا نہ ہونا ظاہر ہے اور مقتدی کے حق میں اس کا اثر کم سے کم اباحت ہوا۔ حنیفہ کا اس کے واجب ہونے پر اتفاق ہے۔ البتہ اس کی اباحت وکراہت کا مسئلہ احناف میں مختلف فیہ ہے۔

اور ہمارے مشائخ نے مسئلہ رفع الیدین اور آمین بالجہر کے مسئلہ میں فرمایا ہے کہ نماز میں رفع یدین کرنا اور باآواز بلند آمین کہنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے ثابت ہے اور اس طرح رفع یدین اور اخفائے آمین بھی صحیح سند سے ثابت ہے۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ سے ترک رفع یدین اور اسی طرح اخفائے آمین صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اور سلف صالحین سے ثابت ہے۔ تو ایسی صورت میں ان دونوں باتوں کو سنت ہونا چاہئے۔ اب بحث صرف ترجیح میں رہ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آغاز وانجام میں راہ راست کی توفیق دینے والا ہے [1]۔

---

[1] فتاویٰ شامیہ جلد اول مرتبہ محمد داؤد راز ص ۳۷۴، میں اخبار اہلحدیث امرتسر مورخہ ۱۱ رمضان ۱۳۶۹ھ کے حوالے سے درج ہے، مرحوم (یعنی) علامہ انور کشمیری بھی رفع الیدین کے منسوخ کے قائل نہیں ہیں بلکہ اپنے شاگردوں کو فرمایا کرتے تھے کہ گاہے بگاہے اس پر عمل کرلینا چاہئے تاکہ قیامت میں یہ سوال نہ ہو کہ اس سنت کو کیوں چھوڑا۔ اس کے گواہ مولوی عبدالکبیر صاحب کشمیری حال امرتسر ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ مولوی عبدالکبیر صاحب حضرت شاہ صاحبؒ کے تلامذہ میں سے تھے ۱۹۷۶ء میں وفات پاگئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس نصیب کرے۔ مقامی طور بھی چند برگزیدہ حضرات نے ان سے وفات سے پہلے کئی بار اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے مندرجہ صدر بیان کی تائید فرمائی۔ کوندہ

پھر مولینا محمد قاسم نانوتوی کی تلمذ سے ہمارے شیخ عدل حجۃ مسند وقت مولینا محمود الحسن نے علوم کی تکمیل کی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے فیوض سے مستفید فرمائے۔ وہی اس وقت مدرسہ کے صدر مدرس ہیں۔ اس ملک میں ان ہی کی اسناد پر مدار ہے۔ موصوف اپنے مشائخ کے طریق حق پر قائم ہیں حق تعالیٰ نے ان کو روایات متعارضہ میں مطابقت پیدا کرنے اور تعارض کو رفع کرنے اور مشکلات حدیث کو حل کرنے کا ملکہ خاص عطا فرمایا ہے۔ بطور مثال ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔ انہوں نے مجھ سے ایک مرتبہ فرمایا کہ کسوف کی نماز میں جو تعدد رکوع احادیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہ آپ کے ساتھ خاص ہے۔ کسی خاص وجہ سے آپ نے ایسا کیا ہے۔ لیکن امت کو آپ نے ایک ہی رکوع کی ہدایت کی ہے، چنانچہ فرمایا ہے صلوا کاحدث صلوۃ صلیتموھا من المکتوبۃ جو فرض نماز کہ تم عنقریب پڑھ چکے ہو اس جیسی نماز پڑھو یعنی صبح کی۔ ایسے ہی کسوف کی نماز پڑھا، میں نے عرض کیا کہ سادات شافعیہ تو اس تشبیہ کو تعدد رکوع پر محمول کرتے ہیں وحدت رکوع پر نہیں فرمایا یہ تو بدیہی کو نظری بناتا ہے۔ کیونکہ حضور اکرم نے جب سب کی آنکھوں کے سامنے مجمع عام میں کسوف کی نماز متعدد رکوع سے پڑھی اور امت کے لئے تعدد رکوع ہی کو مشروع کرنا تھا تو پھر آپ سے جو صحابہ نے مشاہدہ کیا تھا اس کا حوالہ کیوں چھوڑ دیا اور صبح کی نماز میں تشبیہ کی طرف میلان فرمایا یہ محض اس لئے کہ آپ نے متعدد رکوع کسی اور عارض کی وجہ سے کئے تھے اور آپ نے امت کو نماز کے مشہور و معروف طریقہ کی طرف ہدایت فرمائی [1]۔

اس تقریر سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ بزرگان دیوبند نے جس طرح دو حدیث سے خصوصی اعتناء کیا اسی طرح اس فن کے مشکلات کے حل کرنے پر بھی خاص توجہ دی ہے۔ علامہ انور شاہ نے یہ کام بہمہ وجوہ پایہ تکمیل کو پہنچایا۔

درس حدیث میں تجدیدی کارنامہ:...... علامہ موصوف درس میں کتاب ہی نہیں پڑھاتے بلکہ علوم کا درس دیتے تھے، جس سے طلبہ کے ذہن میں جلاء نظر میں وسعت اور معلومات میں بیش بہا اضافہ ہوتا تھا اور انہیں اپنی پڑھی ہوئی چیزوں سے کام لینے کا ڈھنگ آتا تھا اور اس حیثیت سے طلبہ کے لئے یہ درس بڑی افادیت کا حامل تھا اور ان کے معراج کمال کے لئے یہ بھی کچھ کم نہ تھا لیکن درس حدیث میں علاوہ موصوف کا تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے حدیث کی شرح میں ہر فن کا اجراء کیا اور جس طرح علامہ شرف الدین طیبی شافعی المتوفی ۷۴۳ھ نے احادیث کی شرح میں فقہ حدیث کے فن کو برتا اور فن بلاغت کے اسرار و معارف اور لغت و کلام کے نکات کو سمجھایا اور ان فنون

---

[1] ...... ملاحظہ ہو القاسم ج ۲ شمارہ نمبر ۳۲۰ اھ دیوبند ص ۲۹، ۳۲

کو شرح حدیث میں جاری کر کے دکھایا ہے۔ اسی طرح علامہ انور شاہ نے درس حدیث میں تمام متداول علوم وفنون کو حدیث کی شرح میں برتا اور ان کے اجزاء کا طریقہ اور سلیقہ سکھایا ہے اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مغز حدیث تک رسائی کے لئے جملہ علوم میں دستگاہ ضروری ہے۔

اس درس کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ علامہ نے اس میں مشکلات علوم کو حل کیا ہے اور فن کی دقیق باتوں کو سمجھایا ہے، ہندوستان اور پاکستان میں بھی ایسے بہت سے جید علماء گزرے ہیں جن کے حواشی وشروح نے مشکل سے مشکل کتاب کو پانی کر دیا ہے اور ان سے استفادہ آج آسان ہو گیا ہے لیکن ایسے علماء جنہوں نے کسی خاص فن کے مشکلات کو حل کیا ہے خال خال ہی ہیں، صرف علامہ انور شاہ کے متعلق یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اسلامی علوم کے مشکلات کو موصوف ہی نے سب سے زیادہ حل کیا ہے، ان وجوہ سے ان کے درس کی تقریروں (امالی) میں جو تنوع پایا جاتا ہے وہ امالی کی علمی دنیا میں اور کہیں نہیں ملتا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، لغت ادب اور نحو کی متعدد امالی زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں اور یہ سب ائمہ جن کی امالی ہیں اور بعض امالی تو ایسے ائمہ فن کی ہیں جن کو ہفت علوم میں اجتہاد کا دعویٰ ہے مگر ان میں سے کسی میں اس نوع کا تنوع اور ہمہ گیری نہیں ہے۔ فقہ کی امالی میں فقہی مسائل ہی سے بحث ہے دور لغت کی امالی کا دائرہ شعروادب تک محدود ہے نحو کی امالی کا تعلق نحوی مسائل سے ہے علامہ انور شاہ کی امالی میں ہر فن سے اعتناء ہے اور اس کے مشکلات کو حل کیا گیا ہے اس لئے اس میں تنوع پایا جاتا ہے اور موصوف کو اگر چہ نہایت محنتی اور ذکی تلامذہ ملے جنہوں نے اپنی استعداد کے مطابق ان کے درس کی تقریروں کو بڑی محنت اور جانفشانی سے قلمبند کیا اور ان کے علوم سے علمی دنیا کو متعارف کرایا، جو ان کا ناقابل فراموش علمی احسان ہے۔

ضبط امالی کے صفات اربعہ: ...... لیکن یہ حقیقت ہے کہ علامہ موصوف کے علوم کو قید تحریر میں لانے کے لئے محض ذکاوت ومحنت ہی کافی نہ تھی بلکہ علوم وفنون میں تبحر اور وسعت نظر بھی درکار تھی جو ان صفات اربعہ سے آراستہ ہوتا وہی ان کے درس سے پورا پورا استفادہ کرسکتا اور ان کی درس کی تقریروں کو اچھی طرح قید تحریر میں لاسکتا تھا۔ اس موقعہ پر علامہ انور شاہ کے درس کے متعلق بے ساختہ وہ فقرہ زبان قلم پر جاری ہو جاتا ہے، ...... جو علامہ محقق کمال الدین ابن ہمام المتوفی ۸۶۱ھ نے علامہ الدھر شیخ محمد بن محمد المشد الی، المتوفی ۸۶۴ھ کے درس کے متعلق کہا تھا کہ:۔

هذا الرجل لا ينتفع بكلامه ولا ينبغي ان يخضر درسه الا حذاق العلماء (1)

---

(1) ...... ملاحظہ ہو البدر الطالع محاسن من بعد القرن السابع از قاضی محمد شوکانی طبع قاہرہ ج ۲ ص ۲۴۸،

اس مردِ کامل کی باتوں سے ماہرِ فن علماء ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور انہی کو اس کے درس میں حاضر ہونا سزاوار اور لائق بھی ہے۔

علامہ انور شاہ کے تلامذہ کو علوم میں وہ حذاقت و مہارت حاصل نہ تھی جس سے وہ امامِ عصر کی درسی تقریروں کو اچھی طرح سمجھ سکتے اور قیدِ تحریر میں لا سکتے، دورانِ مطالعہ میں امامِ عصر کی امالی میں کہیں کہیں جو بعض موٹی موٹی غلطیاں نظر آجاتی ہیں وہ اسی کا نتیجہ ہیں کہ اس اہم کام سے عہدہ برآ ہونا اس کے تلامذہ کے بس کا کام نہ تھا۔ مجھے اس کا اندازہ مولینا سید مناظر احسن گیلانی کی امالی صحیح مسلم کے دیکھنے سے ہوا جو انہوں نے مسلم شریف کے سبق میں علامہ موصوف سے سن کر قلم بند کی تھیں۔ حالانکہ مولینا مناظر احسن گیلانی نے علوم کی تحصیل اس دور کے اربابِ کمال سے کی تھی اور فقہ، منطق، فلسفہ، اصول اور کلام وغیرہ کی چوٹی کی کتابیں ان اساتذہ سے پڑھی تھیں جن کے درس کی ہندوستان میں بڑی دھوم تھی لیکن انہوں نے جیسی کچھ درسی تقریریں سمجھی اور لکھی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے محنتی اور ذکی طالبعلم بھی امامِ عصر کی پوری باتیں سمجھ نہیں پائے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عجز کا اعتراف امالی صحیح مسلم ❶۔ میں کیا ہے۔ اور جس مقام پر جو بات سمجھ میں نہیں آئی ہے وہاں نقطے ڈال دیے ہیں، علامہ موصوف کے علوم کی عظمت ان کے دل و دماغ میں ایسی بیٹھی ہوئی تھی کہ یہ امالی ان کو جان سے زیادہ عزیز تھی، اس کے گم ہوجانے کا ان کو ساری عمر افسوس رہا اور وہ اس کی گمشدگی پر بڑی حیرت سے یہ شعر جس کو مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں بکثرت نقل کرتے ہیں، پڑھتے تھے

آنچہ از من گمشدہ گر از سلیمان گم شدے
ہم سلیمان ہم پری ہم اہرمن بگریستے

علامہ انور شاہ کے تلامذہ کا ان کے علوم کو کماحقہ مدون نہ کر سکنے پر بھی امام شافعیؒ کا وہ قول یاد آتا ہے جو انہوں نے امام مالکؒ کے معاصر امام لیثؒ بن سعد المتوفی ۱۷۵ھ کے متعلق فرمایا تھا، امام شافعیؒ کا قول یہ ہے:

اللیث افقه من مالك الا ان اصحابه ضیعه.

امام لیثؒ امام مالک سے زیادہ فقیہ تھے لیکن امام لیث کے شاگردوں نے ان کو ضائع کر دیا۔

---

❶..... امالی صحیح مسلم کا یہ مجموعہ کسی طرح علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ہاتھ آگیا تھا موصوف نے فتح الملہم بشرح صحیح مسلم میں اس سے استفادہ کیا ہے اور امالی کا حوالہ بھی دیا ہے (فتح الملہم، ج ۲ ص ۲۲۳) لیکن نہ معلوم کیوں جامع امالی مولینا مناظر احسن گیلانی کا نام لینے سے گریز کیا۔ ہمیں مولینا محمد یوسف صاحب بنوریؒ زید مجدہم کے توسط سے یہ مجموعہ علامہ عثمانی کے چھوٹے بھائی فضل احمد عثمانی سے دیکھنے کے لئے ملا تھا۔ گو یہ مجموعہ زیادہ ضخیم نہیں مگر علامہ انور شاہ کے علوم کا آئینہ دار اور بہت سے علمی فوائد کا حامل ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تشریح یہ کی ہے:

يعني لم يدونوا فقهه كما دونوا فقه مالك وغيره وان كان بعضهم قد جمع منها شيئا ❶

امام شافعی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ امام لیث کے شاگردوں نے ان کی فقہ کو مدون نہیں کیا جس طرح امام مالک وغیرہ کی فقہ کو شاگردوں نے مدون کیا ہے گو بعض تلامذہ نے ان کے کچھ مسائل فقہیہ کو جمع کیا (لیکن وہ قابل ذکر کارنامہ نہیں ہے)

یہی صورت علامہ انور شاہ کے ساتھ پیش آئی، ان کے شاگردوں نے ان کے علوم کو مدون نہ کر کے ان کو ضائع کر دیا، آج ان کی جو امالی ہم کو ملتی ہیں وہ ان کے علوم کا ایک کرشمہ ہیں اور یہ بھی وہ باتیں ہیں جو ان کے شاگردوں نے اپنی فہم و بصیرت کے مطابق لکھ لی ہیں اور علامہ نے بھی طلبہ کی استعداد کے پیش نظر بغیر طلب عام واقفیت کے لئے بیان کر دی تھیں۔ اگر سائل محقق ہوتا اور سوالات بھی علمی کرتا تو امالی کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا، جیسے حافظ ابن حجر عسقلانی کو حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی المتوفی ۹۰۲ھ ملے، کہ جب جی چاہا تقریر ضبط کرانے کے لئے خادم کو بھیج کر بلا لیا، یا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی طرح انہیں بھی کوئی محمد عاشق پھلتی مل گیا ہوتا، جو باصرار ان سے ان کے علوم کو مدون کراتا تو علمی دنیا ان کی امالی کو دیکھ کر دنگ رہ جاتی۔

علامہ انور شاہ کی امالی کو قید تحریر میں لانے کے لئے موزوں ترین شخصیت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تھی وہ بڑے ذہین طباع اور علوم معقول و منقول میں حاذق تھے، انہیں افہام و تفہیم کا بڑا اچھا سلیقہ زور بیان اور حسن ترتیب کا بھی ملکہ تھا۔ عربی تحریر و تقریر پر بھی پوری قدرت حاصل تھی علامہ انور شاہ کو بھی ان کے فہم و فراست پر پورا اعتماد تھا اور یہ بھی علامہ موصوف کی جامعیت ژرف نگاہی اور وسعت معلومات کے قائل اور قدر دان تھے، اس لئے فتح الملہم بشرح صحیح المسلم میں جگہ جگہ ائمہ فن اور کتاب علماء کے اقوال کے ساتھ علامہ انور شاہ کے اقوال کو بھی زیب قرطاس کیا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے صحیح مسلم کی شرح میں بڑی محنت کی اپنی پوری جوانی اس میں لگا دی تھی پھر بھی وہ پوری نہ ہو سکی قرآن مجید پر اردو میں حواشی اور تفسیر ان کا بڑا کارنامہ ہے جس کے لئے آئندہ نسلیں ان کی ممنون ہوں گی۔ لیکن ان کے مرتبہ کا کام یہ تھا کہ وہ حجۃ الاسلام مولینا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتابوں کے مضامین اپنی زبان میں بیان کر جاتے یا تو عوام و خواص دونوں ان سے استفادہ کر سکتے، یا علامہ انور شاہ کشمیری کی صحاح ستہ پر امالی (درسی تقریروں) کو قید تحریر میں لاتے تو یہ علمی

---

❶ ملاحظہ ہو الرحمۃ الغیثیہ بالترجمۃ اللیثیہ فی مناقب سیدنا الامام اللیث بن سعد از ابن حجر عسقلانی طبع میریہ بولاق مصر ۱۳۰۱ھ ص ۹

دنیا پر ان کا بہت بڑا احسان ہوتا اور ان کی بقا کے لئے اور کسی چیز کی ضرورت نہ ہوتی لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے یہ کام نہیں کیا ان کے مقابلہ میں حضرت انور شاہؒ نے اپنی فطری صلاحیتوں سے وہی کام لیا جو ان کے دل و دماغ کا اچھے سے اچھا مصرف ہو سکتا تھا، ان کی اس دماغی فوقیت کا راز یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوتوں سے وہ کام لیا جو ان کے ہم عصروں کی دسترس سے باہر تھا۔ علوم قرآن وحدیث، فقہ اصول، کلام اور فلسفہ سے متعلق اپنی تالیفات اور امالی میں جس قدر مواد یکجا کر دیا ہے، وہ علوم کا گویا نچوڑ ہے۔ تاہم علامہ انور شاہ کے بعض تلامذہ نے ان کے علوم کو جس قدر اور جس صورت میں بھی مرتب و مدون کر دیا ہے۔ وہ بھی اہل علم کے لئے بڑا کار آمد اور قیمتی سرمایہ ہے اور آج علامہ موصوف کے گوناگوں علوم میں تبحر کے معلوم کرنے کا واحد ذریعہ یہی امالی ہیں۔ گویا ایک ہوشمند عالم کو مختلف موضوع پر ان کے مختصر رسالوں کے مطالعہ سے ان کی جامعیت، جلالت شان اور ہر فن میں مجتہدانہ بصیرت کا بخوبی علم ہو جاتا ہے لیکن جو تنوع ان کی امالی میں ہے وہ تالیفات میں نہیں، کیونکہ ان کے موضوع خاص ہیں، جن کی بحث کے گوشے بھی مخصوص اور محدود ہوتے ہیں اس کے برعکس درس کے حدود نہایت وسیع ہیں اس میں بہت سے مسائل زیر بحث آجاتے ہیں۔

علامہ انور شاہ کی امالی اگرچہ پوری صحاح ستہ پر ہیں لیکن ''العرف الشذی علی جامع الترمذی'' فیض الباری علی صحیح البخاری اور معارف السنن جس میں علامہ موصوف نے مشکلات علوم کی توضیح و تشریح کی ہے۔ امالی علی صحیح مسلم، امالی علی سنن ابی داؤد اور امالی علی سنن ابن ماجہ زیادہ اہم ہیں اول الذکر تین کتابیں اپنی نوعیت کے اعتبار سے ہندوستان کی سرزمین پر پہلی اور آخری ہیں ہندو پاک میں علوم سے معمور ایسی مفید اور جامع کتابیں کبھی نہیں لکھی گئیں۔ میں جب ان امالی کو دیکھتا ہوں تو استاذ اور شاگردوں کو دعائیں دیتا ہوں۔

ان امالی میں علامہ انور شاہؒ نے اس زمانہ میں حنفی مذہب کو حدیث کی بنیاد پر جس طرح مستحکم کیا ہے وہ حقیقت میں ان کا بڑا کارنامہ ہے۔ اکثر مواقع پر علامہ موصوف کی دقت نظر اور علوم و فنون میں حذاقت ان کو متقدین کی صف میں بھی ممتاز نمایاں کر دیتی ہے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء پھر کمال یہ ہے کہ ان کی تنقید کے الفاظ میں ایسی احتیاط ہے کہ ادب کا پہلو کہیں ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔ اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ موصوف باایں ہمہ علم و فضل اخلاق و تقوی کے کیسے بلند مقام پر فائز تھے۔

اکابر دیوبند کے کمالات کے جانچنے کا معیار:...... اکابر دیوبند میں محقق عارف باللہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، امام سنت مولینا رشید احمد گنگوہی، حجۃ الاسلام مولینا محمد قاسم نانوتوی اور مولینا محمد یعقوب نانوتوی قدس اللہ اسرارہم کے علمی و عملی کمال کے جانچنے کا جو صحیح ترین معیار ہے

بحمد اللہ اس معیار پر علامہ انور شاہ کشمیری پورے اترتے ہیں یہ حقیقت پسندانہ معیار بھی حکیم الامت مولینا اشرف علی تھانویؒ نے بتا دیا ہے فرماتے ہیں۔

''لوگ کہتے ہیں کہ رازی اور غزالی پیدا ہونا بند ہو گئے، مگر بالکل غلط ہے، ہمارے حضرات رازی اور غزالی سے کم نہ تھے، علوم میں بھی کمال میں بھی، بات یہ ہے کہ حیات میں قدر نہیں ہوتی، مر جانے کے بعد رحمۃ اللہ علیہ اور پچاس برس گزر جانے کے بعد قدس سرہ ہو جاتے ہیں اور تماثل کے معلوم ہونے کا بڑا اچھا معیار ہے۔ ان کی تحقیقات کو بھی دیکھ لیا جائے اور ان حضرات کی بھی، اس سے معلوم ہو جائے گا❶۔

عارف تھانویؒ حسن العزیز میں فرماتے ہیں:

''ان حضرات کی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کرا دیا جائے اور بتلایا نہ جائے تو دیکھنے والے رازی غزالی کے زمانہ کی بتلا دیں گے❷''

جس کو اس امر میں تامل ہو وہ علامہ موصوف کی تصانیف کا موازنہ قدماء کی تصانیف سے کر کے دیکھ لے، حقیقت آشکارا ہو جائے گی مثلاً تکفیر کے موضوع پر جن ائمہ فن نے قلم اٹھایا ان میں حجۃ الاسلام امام غزالی، ابن حزم، ابن تیمیہ اور ابن قیم وغیرہ کا نام سرفہرست ہے لیکن جیسی جامعیت استیعاب مباحث اور تنقیح مناط علامہ انور شاہ کے رسالہ اکفار الملحدین فی ضروریات الدین (مجلس علمی ڈابھیل، سورت) میں ہے ان ائمہ کے یہاں نہیں، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارا دعویٰ کس حد تک صداقت پر مبنی ہے۔

علامہ موصوف نے اپنی خداداد فہم وفراست اور ذکاوت وبصیرت سے اپنے رسائل اور امالی میں مشکلات علوم کو جس طرح حل کیا ہے، ان کو بلحاظ جامعیت وتوسعت نظر عالمانہ تدقیق اور کمان فن بڑے بڑے اہل کمال ائمہ کی تحقیقات کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس کی توضیح سے یہ مضمون کتاب بن جائے گا اس سے ہم اس کی چند مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔

کتاب الایمان کی معرکۃ الاراء بحث الایمان یزید وینقص میں علامہ شبیر احمد عثانی نے فتح الملہم میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی المتوفی ۶۳۸ھ شیخ عبدالوہاب شعرانی المتوفی ۹۷۳ھ اور علامہ ابو محمد علی بن حزم المتوفی ۴۵۶ھ کا قول پیش کرنے کے بعد علامہ انور شاہ کا قول نقل کیا ہے❸۔

---

❶ ...... ملاحظہ ہو الاضافات الیومیہ من الافاضات القومیہ طبع کراچی ج ۲ ص ۲۹۹، ۳۰۰۔ ❷ ...... ملاحظہ ہو حسن العزیز ملفوظات حکیم الامت مولینا اشرف علی تھانوی شائع کردہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون بھارت ج ۲ ص ۲۸۴

❸ ...... ملاحظہ ہو فتح الملہم بشرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۵۹

اس مسئلہ پر کہ کفار بھی معاملات میں مخاطب ہیں، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم میں حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ اور علامہ بدالدین عینی کا کلام نقل کرنے کے بعد حافظ انور شاہ کا فیصلہ نقل کیا ہے ❶۔

نزول عیسیٰ کی بحث میں علامہ عثمانی نے فتح الملہم میں علامہ انور شاہ کی پر مغز بحث کو پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے اسی طرح معراج کے باب میں آیت شریف ولقد راٰہ نزلۃً اُخریٰ کی توضیح و تشریح اور آں حضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے دیدار الٰہی کی بحث میں علامہ عثمانی نے صرف علامہ انور شاہ کا کلام نقل کیا ہے اور کسی محقق کے کلام کو پیش کرنے کی حاجت نہیں سمجھی ہے۔

حدیث شریف نورانی اراہ کی تشریح میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم میں مشہور شارح بخاری شیخ ابو عبداللہ محمد بن علی مارزی مالکی المتوفی ۵۳۶ھ کا قول نقل کرنے کے بعد علامہ انور شاہ کا قول پیش کیا ہے، پھر یہ لکھا ہے ولا یخفی مافیہ من اللطافۃ

اسی طرح مسح ربع رأس (چوتھائی سر کے مسح کی فرضیت) کی بحث میں علامہ عثمانیؒ نے فقیہ ابو الولید محمد بن رشید مالکی المتوفی ۵۹۵ھ اور محقق کمال الدین ابن ہمام المتوفی ۸۶۱ھ وغیرہ کی بحث کے بعد علامہ انور شاہ کا نقطہ نظر پیش کیا ہے ❷۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے وضو میں سات مرتبہ پاؤں دھونے کے متعلق حافظ ابو زکریا محی الدین نووی المتوفی ۶۷۷ھ کا کلام نقل کرنے کے بعد علامہ عثمانیؒ نے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی توجیہہ پیش کی ہے اور علامہ انور شاہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا جو مستدل پیش کیا ہے وہ نقل کیا ہے، یہ مستدل ان دونوں حفاظ حدیث کی نظر میں نہیں ہے علامہ موصوف کی تحقیقات کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ حق تعالیٰ کا فیضان آج بھی اس امت پر ویسا ہی جاری وساری ہے جیسا کہ پہلے تھا، ملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ نے حدیث ان اللہ یبعث علی رأس کل مائۃ من یجدد لھا دینھا پر بحث کرتے ہوئے جو یہ لکھا ہے:۔

ان ھذا التجدید امر اضافی لان العلم کل السنہ فی التنزل کما ان الجھل کل عام فی الترقی وانما یحصل ترقی علماؤ زماننا بسبب تنزل العلم فی اواننا والا فلا مناسبۃ بین المقتدمین والمتاخرین علما وعملا وحلما وفضلاً وتحقیقا وتدقیقا❸.

---

❶ فتح الملہم بشرح صحیح مسلم ج ا ص ۱۷۸۔ ❷ ملاحظہ ہو فتح الملہم بشرح صحیح مسلم ج ا ۳۹۰

❸ ملاحظہ ہو مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح از علامہ علی قاری مطبوعہ میمنہ مصر ۱۳۰۹ھ ج ا ص ۲۴۸

یہ تجدید ایک امر اضافی ہے کیونکہ علم سال بسال گھٹتا جا تا رہا ہے اور جہل بڑھتا جا رہا ہے ہمارے دور کے علماء کی ترقی ہمارے علم کے تنزل کے سبب سے ہے ورنہ متقدمین اور متاخرین علماء میں علم وعمل، علم وفضل اور تحقیق وتدقیق کے اعتبار سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔

یہ کوئی حکم کلی نہیں ہے متاخرین علماء میں جو ارباب کمال اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ان میں علامہ انورشاہ بھی داخل ہیں۔ سچ ہے:

هنوز آں ابر رحمت درخشان است
خم وخم خانه مهر باونشان است
نقصان زقابل است وگرنه علی الدوام
فیض سعادتش همه کس رابرابراست

موصوف کی علامہ انورشاہ کے الفاظ سے شہرت کی وجہ:...... علامہ انورشاہ کشمیریؒ اکثر ایسی اونچی بات کہتے ہیں جس کو بغیر تمہید وترتیب مقدمات طلبہ کو سمجھانا مشکل ہوتا ہے، اس امر کا صحیح اندازہ ایک مدرس مزاج انسان ہی کر سکتا ہے۔ جس طرح علمی دنیا میں وقت نظر علوم عقلی میں مہارت اور جلالت علمی کی وجہ سے علی بن محمد جرجانی المتوفی ۸۱۶ھ کو علامہ سید شریف جرجانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اسی طرح محمد انورشاہ کو اہل علم کے طبقہ میں علامہ محمد انورشاہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

جن اہل علم نے اس خوان علم کے زلہ ربائی کی وہ آسمان علم کے درخشان ستارے بنے اور اصل عہد کے اکابر علماء میں ان کا شمار ہوا۔ ان میں جو وسعت نظر پیدا ہوئی وہ علامہ انورشاہ کے حلقۂ درس کا فیضان ہے، ایسے ہی نامور تلامذہ کو مولینا سید سلیمان ندویؒ نے دائرہ علم سے تعبیر کیا ہے، یادرفتگان میں لکھتے ہیں:

"بعض مشاہیر کے نام جو مجھے معلوم ہیں وہ یادگار کے طور پر سپرد قلم کرتا ہوں، مولینا مناظر احسن گیلانی، مولینا ابوالمآثر محمد حبیب الرحمٰن مئو، مولینا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، مولینا محمد ادریس صاحب کاندھلوی، مولینا محمد یوسف صاحب بنوری ان میں سے ہرایک بجائے خود دائرہ علم ہے [1]"

مشکل پسندی اور مختصر نگاری:...... حقیقت وصداقت، عقیدت ومحبت سے بلند ہے اس لئے علامہ انورشاہ کے ساتھ اس کا بھی اعتراف ہے کہ ان کی طبیعت میں مشکل پسندی اور مختصر نگاری تھی

[1] ...... ملاحظہ ہو یادرفتگان طبع کراچی ۱۹۵۵ء ص ۴۵۲

اس لئے ان کی تحریر وتقریر کو عوام کیا خواص کے لئے بھی سمجھنا مشکل ہے ان کی تقریر کے متعلق حکیم الامت مولینا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے فرماتے ہیں:

''وہاں (شملہ) کے بعض معززین تعلیم یافتہ صاحبوں نے مولینا انور شاہ صاحب سے جو کہ اس سفر میں تھے اعجاز القرآن پر بیان کرنے کی فرمائش کی چنانچہ بیان کیا گیا مضمون غامض تھا، وہ لوگ بھی نہیں سمجھے پھر ان پر اعتراض کیا گیا کہ ایسے بیان سے کیا نفع جو سمجھ میں ہی نہیں آیا۔ یہ بیان تو مدرسہ دیوبند میں بیٹھ کر کرنا تھا، اس کا جواب بھی وعظ میں میں نے ہی دیا کہ شاہ صاحب نے جو ایسا بیان کیا ہے وہ اضطرار نہیں کہ سہل بیان پر قادر نہیں بلکہ ایک مصلحت سے قصداً بیان کیا ہے اور مصلحت یہ ہے کہ آج کل مدعیان علم بہت زیادہ پیدا ہو گئے ہیں اور اجتہاد کا دروازہ کھل گیا ہے حتی کہ انگریزی پڑھ پڑھ کر قرآن وحدیث کا اردو ترجمہ دیکھ کر علوم میں دخل دینے لگے ہیں تو شاہ صاحبؒ نے دکھلا دیا کہ تم اہل علم کے کلام کو بھی نہیں سمجھ سکتے، چہ جائیکہ قرآن حدیث میں اجتہاد کر سکو''۔

بتلایئے اس بیان سے یہ نفع تھوڑا ہوا کہ تم کو اپنے جہل پر اطلاع ہو گئی۔ سب شرمندہ ہو گئے، مجھ کو جاہلوں کا علماء پر اعتراض کرنا بھی ناگوار ہوتا ہے۔ اس لئے بھی یہ جواب دیا گیا[1]۔

اسی مشکل پسندی اور مختصر نگاری کی بنا پر ان کے قلم سے جو دو چار رسالے نکل گئے ہیں ان کو بڑے سے بڑا محقق بار بار مطالعہ کئے بغیر پوری طرح نہیں سمجھ سکتا چنانچہ فاتحہ خلف الامام جیسے پامال موضوع پر جب قلم اٹھایا تو ایسا رسالہ لکھا کہ اہل علم کو اشتہار میں یہ لکھنا پڑا کہ بڑے بڑے علماء اس کو مشکل سے سمجھ سکتے ہیں۔ اس لئے معمولی استعداد کے لوگ اس کو طلب کرنے کی زحمت نہ کریں۔

یہ عجیب وغریب اشتہار مولینا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی نے کلیات شیخ الہندؒ کے سرورق کی پشت پر دیا تھا کہ:

فصل الخطاب، فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں محدثانہ تحقیقات اور عالمانہ مضامین کا فی الحقیقت بے مثل رسالہ جو اکابر محدثین کی تصنیفات کا سچا نمونہ ہے، دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس حضرت مولینا انور شاہ صاحب نے عربی زبان میں بکمال انصاف تحریر فرمایا ہے، بڑے بڑے علماء بھی مشکل سے سمجھ سکتے ہیں، کم استعداد مولوی طلب نہ فرماویں'' [2]

---

[1] ملاحظہ ہو الاضادات الیومیہ من الاضافات القومیہ ج ۶ ص ۱۶۶۔ [2] ملاحظہ ہو کلیات شیخ الہند مطبع قاسمی دیوبند ۱۳۲۰ھ

علامہ انور شاہؒ میں اگر تصنیف وتالیف کا اچھا سلیقہ ہوتا اور ان میں مشکل پسندی، ایجاز اور مختصر نگاری نہ ہوتی اور ان کو اپنے معاصر محدث ناقد شیخ محمد زاہد کوثریؒ کا پیرایۂ بیان اور ترتیب وتہذیب مل جاتی اور یہ کام ان کے ہاتھوں انجام پاتا، تو دنیا میں صحاح ستہ کے سمجھنے کے لئے کسی اور کتاب کی حاجت نہ رہ جاتی اور کسی کو اس پر قلم اٹھانے کی گنجائش باقی نہ رہتی۔ مگر ان سب بے نفسوں کو اخفائے حال میں اتنا اہتمام تھا کہ وہ چاہتے ہی نہ تھے کہ دنیا میں ان کو عالم کی حیثیت سے پہچانا جائے، بزرگوں کے جبر نے تدریس پر بھی آمادہ کیا ورنہ ان کو یہ بھی گوارہ نہ تھا۔



بحر العلوم......مولینا انور شاہ کشمیری

از فخر ملت اسلامیہ **حضرت اقدس مولینا سید ابو الحسن علی ندوی** دامت برکاتہم
(ناظم اعلی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو)

حضرت مولینا انور شاہ کشمیریؒ اس دور کے عظیم علماء ربانیین میں تھے قوت حفظ تبحر علمی اور سلف کے کارناموں کے بارے میں جن لوگوں کو شبہ تھا انہیں شاہ صاحب کو دیکھ کر ان روایات پر یقین کرنا پڑا۔ مجھے ان سے تلمذ کا شرف حاصل تو نہیں، لیکن ان کی صحبت میں بیٹھ کر اور ان کے تلامذہ سے مل کر اپنے کو بھی ان کے تلامذہ میں سمجھنے کا ایک احساس ہوتا تھا، لاہور اسٹیشن پر ایک بار دیوبند یا سرینگر جاتے ہوئے ایک ملاقات یاد ہے، میں مولینا احمد علی صاحب لاہوری کیساتھ (جن کو حضرت شاہ صاحب بڑی عقیدت تھی) اسٹیشن پر حاضر ہوا بھاگ دوڑ اور مسافروں کے ہنگامہ کے دوران بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی مجلس ایک پر شکوہ محفل مذاکرہ اور مجلس علمی میں تبدیل ہوگئی اور ایسا معلوم ہوا کہ گویا علم کے دفتر کھل گئے ہوں۔

۱۳۵۰ھ میں دار العلوم دیوبند میں میرا طویل قیام تھا، تب شاہ صاحب ڈابھیل سے تشریف لائے تھے میں پہلی مرتبہ اپنے بڑے بھائی اور مربی مولینا حکیم ڈاکٹر عبد العلی صاحب کا (جو ان کے عزیز شاگرد تھے) سلام پہنچانے دولت خانے پر حاضر ہوا۔ شاہ صاحب نے بڑی محبت سے جواب دیا اور خیریت دریافت کی اس کے علاوہ بھی طلبہ کے ساتھ ان کی خدمت میں کئی بار حاضر ہوا اور علم کے اس پیکر اور سلف کی ایک نادر یادگار کی زیارت سے اپنی آنکھیں روشن کیں جس پر مجھے فخر ہے۔ ہندوستان کے تمام علماء حق اور ممالک عربیہ کے باخبر علماء کو شاہ صاحب کے علمی کمالات کا معترف پایا۔

شدید مصروفیت اور طبیعت کی ناسازی کی حالت میں بستر پر لیٹے لیٹے یہ چند سطریں لکھوادیں ہیں جو کسی طرح ایسی باکمال ہستی کے شایان شان نہیں۔ اللہ تعالیٰ ملت اسلامیہ کو پھر ایسا سر آمد روزگار عالم اور ایسا بحر العلوم عطا کرے۔ والسلام



حضرت شاہ صاحب......ایک مکمل لائبریری

از سحبان الہند **حضرت مولینا احمد سعید صاحب دھلوی** مرحوم

حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے موقعہ پر جامع مسجد دہلی میں جو ماتمی اجلاس منعقد ہوا اس میں ملک کے نامور مقرر فصیح اللسان واعظ اور قومی رہنما حضرت مولینا احمد سعید صاحب دہلوی نے جو فاضلانہ تقریر ارشاد فرمائی ہے وہ اس قدر جامع ہے کہ ہم اس کو بطور ایک مضمون کے یہاں شامل کرنا موزوں خیال کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ اس اجتماع کی صدارت حضرت علامہ مولینا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مرحوم نے فرمائی تھی۔ (کوندو)

حضرات! میں نے صدارت کی تحریک کے سلسلہ میں عرض کیا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے صحیح حالات اور ان کے حقیقی اوصاف و کمال تو حضرت مفتی صاحب قبلہ ہی بیان فرمائیں گے کیونکہ

''قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری''

حضرت مفتی صاحب قبلہ نہ صرف شاہ صاحب کے ہم عصر اور ہم سبق ہیں بلکہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی کے فخر میں دونوں شریک ہیں۔ یوں سمجھئے کہ ایک ہی چشمہ فیض کے دو دریا ہیں جو ایک ہی منبع سے جاری ہوئے ہیں یا ایک دریا کی دو نہریں ہیں یا ایک بحر نا پیدا کنار سے نکلے ہوئے دو سمندر ہیں۔ اس لئے حضرت شاہ صاحبؒ کے متعلق صحیح معلومات اور حقیقی حالات تو مفتی صاحب بیان فرمائیں گے مجھ جیسا جاہل حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و فنون اور ان کے کمالات ظاہریہ و باطنیہ کے متعلق کیا عرض کر سکتا ہے۔ ایک وہ شخص جو سمندر کے کنارے کھڑا ہوا ہو اور جس کو سمندر کی گہرائی اور عمق میں کبھی غوطہ لگانے کی نوبت نہ آئی ہو، وہ اس تجربہ کار غواص کے متعلق کیا رائے ظاہر کر سکتا ہے جو ہمیشہ سمندر کے عمق میں سے موتی نکال کر لائے، جس نے بڑے بڑے طوفانوں میں جہازرانی کی خدمت انجام دی ہو اور جو تمام خطرناک طوفانوں کا مقابلہ کرتا رہا ہو اور جس نے بڑے بڑے جہازوں کی ناخدائی کی ہو اور جو بڑے بڑے سمندروں کی شناوری کا فخر حاصل کر چکا ہو۔ اس کے اوصاف و حالات وہ خشکی کا کیڑا کیا بیان کر سکتا ہے جس نے سمندر کی صورت بھی نہ دیکھی ہو۔ جس طرح ایک خشکی کا کیڑا اور نا آشنائے بحر اس مگر مچھ کے

کمالات ظاہر کرنے سے عاری ہے جو چوبیس گھنٹے پانی کی گہرائیوں اور سیلاب کے بے پناہ جھکولوں سے کھیلتا رہتا ہے۔ اسی طرح مجھ جیسا جاہل حضرت مولینا انور شاہ صاحب کے کمالات واوصاف کے بیان سے قاصر و عاجز ہے۔ واللہ علی ما اقول وکیل۔

علم کی فضیلت:...... حضرات! میں چاہتا ہوں کہ اس مختصر وقت میں آپ کے سامنے صرف تین باتیں عرض کروں ایک علم کے متعلق دوسری علماء کے متعلق اور تیسری حضرت شاہ صاحب کی وفات کے سلسلہ میں۔

علم کی فضیلت کا تذکرہ آپ نے بارہا سنا ہوگا بالخصوص عربی مدارس کے جلسوں میں تو عام طور پر علم کے فضائل کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ علم کی شان اور اس کا مرتبہ صرف اس دعا سے معلوم ہوسکتا ہے جو اللہ جل ذکرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلقین کی ہے۔ دیکھئے اللہ تعالی اپنے محبوب کو ایک دعا تعلیم فرماتے ہیں یعنی ہمارے حبیب! ہم سے فلاں چیز طلب کرو۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ خدا تعالی ایک چیز اپنے حبیب کو دینا چاہتے ہیں تو وہ کیا چیز ہوگی۔ پھر دینا بھی اس طرح چاہتے کہ خود فرماتے ہیں کہ پہلے مجھ سے مانگو تا کہ اس شے کی اہمیت اور زیادہ ہو جائے خیال ہوتا تھا کہ شاید مال و دولت طلب کرنے کی ہدایت کی جائے گی یا اولاد کی طلب کے متعلق ارشاد کیا جائیگا یا کہا جائے گا کہ جنت مانگو۔ لیکن دیکھئے ان میں سے ایک چیز بھی نہیں بلکہ ارشاد ہے قل رب زدنی علما آپ ہم سے علم کی زیادتی طلب کیجئے۔ گویا اللہ تعالی کی نظر انتخاب نے اپنے محبوب کے لئے جو چیز مفید اور نافع اور ان کی شان کے لائق ضروری سمجھی اور جس کے طلب کرنے کی ہدایت کی وہ علم کی زیادتی تھی۔ جس پیغمبر کی شان میں وعلمك مالم تكن تعلم اور وكان فضل الله عليك عظيما ارشاد فرما چکے تھے اسی پیغمبر کو تعلیم فرماتے ہیں کہ زیادتی علم ہم سے طلب کرو اس سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ علم کا مرتبہ اور علم کی شان کس حد تک بلند ہے۔ اگر چہ اس سلسلہ میں اور بھی عرض کیا جاسکتا ہے لیکن قلت وقت کو مد نظر رکھتے ہوئے صرف ایک ہی بات پر اکتفا کرتا ہوں۔

علماء کی فضیلت:...... معزز حاضرین! ہر چند کہ علم کی فضیلت سے اہل علم کی فضیلت معلوم ہوتی ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس کے متعلق صرف ایک حدیث بیان کروں۔ اگر چہ میں جانتا ہوں کہ آپ نے اہل علم کی فضیلت کا بیان سنا ہوگا کہ طالبان علم کے قدموں کے نیچے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں، آپ نے سنا ہوگا کہ مچھلیاں دریاؤں اور چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں علماء کی بقاو زندگی

کے لئے دعا کیا کرتی ہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ قیامت میں شہداء کا خون اور مفتیان دین کے فتاوی کی سیاہی یہ دونوں چیزیں ترازو کے دونوں پلڑوں میں رکھ کر وزن کی جائیں گی تو فتاوی کی سیاہی کا وزن شہداء کے خون کے وزن سے زیادہ ہوگا۔ حالانکہ خون ایک بہت وزنی چیز ہے لیکن اہل علم کے قلموں کی سیاہی اس وزن پر بھی غالب آجائے گی۔

آپ کو شاید پتہ ہوگا کہ علماء دین میں علم الٰہی کے خیمے ہیں جب کوئی عالم مرجاتا ہے تو گویا علم الٰہی کا ایک خیمہ زمین سے اٹھالیا جاتا ہے۔ اہل علم اور حضرات علماء کا گروہ وہ ہے جن کی ضرورت مسلمانوں کو جنت میں بھی پیش آئے گی حالانکہ جنت عمل کی جگہ نہیں ہے، وہاں کسی عمل پر استفسار نہ ہوگا، بلکہ طلب انعامات کے سلسلہ میں علماء کی ضرورت واقع ہوگی۔ حضرت حق کی طرف سے گھڑی گھڑی انعامات کے طلب کا تقاضا ہوگا۔ کہا جائیگا کہ مانگو کیا مانگتے ہو۔ اب یہ کون بتائے گا کہ کیا مانگا جائے۔ اس لئے اہل علم کی ضرورت ہوگی کہ ہماری رہنمائی کیجئے اور ہم کو بتایئے کہ اللہ جل ذکرہ سے کیا مانگیں۔ یہ تمام وہ فضائل ہیں جو آپ کو بار بار سننے کو اتفاق ہوا ہوگا لیکن میں آپ کو صرف ایک روایت کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہوں اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے **فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم** ۔ اس حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہونے ایک جاہل عابد پر عالم کی فضیلت کو اس طرح بیان فرمایا ہے اور اس طرح تشبیہ دی ہے کہ ایک عابد پر عالم کو ایسی بزرگی حاصل ہے جیسے میری بزرگی ایک ادنی مسلمان پر۔ اب آپ خیال کیجئے کہ نبی کریم کو اپنے ایک امتی پر کس قدر بلندی اور برتری حاصل ہے کہاں حضورؐ ذات اقدس اور کہاں آپ کا ایک ادنی امتی۔ جو فرق ان دونوں مرتبوں کے مابین ہے وہی فرق ایک عابد اور عالم کے مابین ہے۔

حضرت شاہ صاحب:...... معزز حاضرین! میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ مجھے حضرت شاہ صاحب کی ذات کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا ہے اگرچہ ان کے حقیقی کمالات واوصاف تو مفتی صاحب ہی بیان فرمائیں گے۔

حضرت! میں اس امر کو ذرا تفصیل کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کو ہندوستان میں جو کچھ علمی اثرات اور اہل علم کا وجود نظر آرہا ہے۔ یہ سب دہلی کے اس خاندان کا فیض ہے، جو شیخ نرور کے چھتے میں دفن ہے اور جن کا یہ احسان ہے کہ اس نے ہندوستان کو احادیث رسول اللہؐ سے آشنا کیا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جس خاندان کو خدمت حدیث کا شرف حاصل ہے وہ شاہ عبدالرحیم صاحب کا خاندان ہے۔ اسی خاندان کے بزرگوں میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبدالعزیز صاحب، شاہ عبدالقادر صاحب، شاہ اسحاق صاحب رحمۃ اللہ

علیہم اجمعین ہیں یہ تمام حضرات اس مبارک خاندان کے افراد ہیں۔ ان میں بعض حضرات ہجرت فرما کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ اور بعض آج بھی شیخ زور کے چھتہ میں جس کو آج مہندیان کہتے ہیں، آرام کی نیند سو رہے ہیں۔ دہلی والے جانتے ہونگے کہ ایک زمانہ ہوا جب اس قبرستان کی مسجد میں شبینہ بھی ہوا کرتا تھا۔ یہی قبرستان ہے کہ جہاں علم کے سمندر کے سمندر دفن ہیں۔ آج جو علماء دیوبند کے نام سے مشہور ہیں مثلاً مولینا رشید احمد صاحب، مولینا محمد قاسم صاحب وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ۔ یہ سب خاندان ان کے شاگرد ہیں۔ گویا دار العلوم دیوبند اس متلاطم خیر سمندر کا ایک ٹکڑا ہے جو کبھی ترکمان دروازے کے باہر موجیں مارا کرتا تھا اور جس کی بے پناہ طغیانیاں سچ مچ آسمان سے باتیں کرتی تھیں اور آج بھی جس کی خاموش روانی اہل بصیرت پر مخفی نہیں ہے۔

حضرت دیوبند اسی خاندان سے عبارت ہے جس کا نام شاہ عبدالرحیم صاحب کا خاندان ہے۔ دار العلوم دیوبند کے لوگوں کو جس طرح علم ظاہر اور باطن میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے خاندان سے منسوب کیا جاتا ہے اسی طرح علم باطن میں ان لوگوں کی نسبت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کی جاتی ہے جو خلیفہ تھے میانجی نور محمد صاحب کے۔

شاہ عبدالرحیم دہلوی اور میانجی نور محمد جھنجھانوی:۔۔۔۔۔ میری اس مختصر تفصیل کے بعد آپ یقیناً اس نتیجے پر پہونچے ہوں گے کہ اس دار العلوم دیوبند میں جو کچھ ہے وہ مولینا شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی اور میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانوی کی تعلیم کا خلاصہ ہے جو چمن حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی کے ایک چھتہ میں لگایا تھا جس کو شیخ زور کا چھتہ کہا جاتا تھا۔ اسی چمن کی یہ عطر بیزیاں اور اسی گلستان کے یہ پھول ہیں جس سے آج نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا اس کی خوشبو سے مہک رہی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ایک بنجر اور خشک زمین میں اپنے کمالات علمیہ کی تخم ریزی کی تھی اور اس دار الحرب میں قرآن اور حدیث کی اشاعت اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا درس شروع کیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ شاہ صاحب کی یہ مخلصانہ سعی مشکور بار آور ہوئی۔ اسی خشک زمین میں علم نبوی اور علم الٰہی کے سمندر ناپیدا کنار بن کر بہے اور چمنستان نبویؐ کی شاخیں دہلی اور دیوبند سے گزرتی ہوئی تمام عالم پر سایہ فگن ہوئیں۔

حضرت! مولینا محمد انور شاہ صاحب کون تھے؟ اسی چمن ولی اللہ کے ایک بار آور اور ثمر دار درخت تھے جو اپنے گنجان سایہ سے تمام عالم کو مستفید کر رہے تھے اور جس درخت کے شیریں پھلوں سے ایک عالم اپنی تشنگی کو دور کر رہا تھا۔ حضرت شاہ صاحب ایک فیض جاری کے ایسے سرد اور شیریں چشمہ تھے جس کے پانی کا بہاؤ نہ صرف ہندوستان تک محدود تھا بلکہ تمام عالم اسلامی اسی چشمہ سے سیراب ہو رہا

تھا اس کا منبع اگرچہ دیوبند میں تھا لیکن اس کا دھارا چین، بخارا، جاوا، مصر اور ترکی میں پڑتا تھا۔

برادران محترم! ایسے با کمال حضرات کیا روز روز پیدا ہوتے ہیں۔ صدیوں میں کہیں امت میں ایسے پیدا ہوتے ہیں؟ شاہ صاحب کا علمی تبحر ان کا حافظہ ان سے دریافت کیجئے جن لوگوں کو شرف صحبت حاصل ہے۔

آپ حافظ ابن تیمیہ کو بحر لا ساحل لہ فرمایا کرتے تھے لیکن خود بھی شاہ صاحب بحر لا ساحل لہ تھے حافظہ کی یہ حالت تھی کہ برسوں کی پڑھی ہوئی کتاب کو جب کسی حوالہ کی غرض سے کھولنا چاہتے تھے تو خود فرماتے تھے ''حسبنا اللہ ونعم الوکیل'' یہ جملہ کہہ کر کتاب کھولا کرتے تھے اور وہی صفحہ نکل آیا کرتا تھا جہاں سے شاہ صاحب کو حوالہ دینا مقصود ہوتا تھا۔

ابھی آپ نے مولینا سلطان محمود صاحب سے سنا کہ فتح القدیر جیسی بڑی کتاب شاہ صاحب نے اکیس دین میں ختم کر دی تھی۔ ایک دفعہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ غریب خانہ پر تشریف لائے اثناء گفتگو میں حیات الحیوان کا ذکر نکل آیا۔ فرمانے لگے ہاں دمیری نے خوب کتاب لکھی ہے۔ میں نے تین دفعہ اس کو بالاستیعاب پڑھا ہے۔

کسی کتاب کا شاہ صاحب کے سامنے نام لیجئے وہ کتاب نہ صرف شاہ صاحب کی پڑھی ہوئی ہوگی بلکہ اس کی عبارتیں اور صفحات کے صفحات شاہ صاحب کو حفظ یاد ہوں گے۔ کسی واقعہ کا تذکرہ شاہ صاحب کے سامنے آیا اور شاہ صاحب نے اس کے تمام متعلقات بیان کرنے شروع کر دیئے۔ مطبوعہ کتب کے علاوہ حضرت شاہ صاحب کو صدہا قلمی کتب کی عبارتیں محفوظ تھیں۔ جو کتابیں آج تک پریس اور مطابع کی مرہون منت نہیں ہیں شاہ صاحب کو ان کے بھی صفحات حفظ تھے۔ شاہ صاحب سے کسی مسئلہ میں گفتگو کیجئے اور کسی وقت کیجئے آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ شاہ صاحب اس مسئلہ کے لئے بڑی دیر سے مستعد بیٹھے ہوئے اس امر کا انتظار کر رہے تھے کہ یہ مسئلہ کوئی مجھ سے دریافت کرے اور میں اس کا جواب دوں۔

زندہ لائبریری:...... معزز حاضرین! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ نے دوشنبہ کی شام کو دیوبند کی خاک میں کسی انسان کو دفن نہیں کیا ہے بلکہ آپ نے ایک ایسے مکتبہ کو خاک میں ملایا ہے جس میں ہر فن کی بے شمار کتابیں الماریوں میں لگی ہوئی تھیں۔ آپ نے ایک ایسے کتب خانہ کو زمین کی تہہ میں چھپا دیا ہے جس کی کتابیں احاطۂ احصاء وشمار سے خارج تھیں۔ ہائے مسلمانوں کی بدقسمتی ہائے قوم کی حرمان نصیبی کیا چیز ان کے ہاتھ سے تلف ہوگئی ہم جیسے جاہلوں کی ہزاروں زندگیاں بھی شاہ صاحب پر قربان کر کے شاہ صاحب کو زندہ رکھا جاتا تب بھی شاہ صاحب کی

زندگی بہت سستی تھی کسی لائبریری میں تو کتاب کے تلاش کرنے اور عبارت کو ڈھونڈتے میں کچھ وقت اور دشواری بھی ہوتی ہے لیکن حضرت شاہ صاحب کے استحضار کی تو یہ حالت تھی کہ ادھر سائل کے منہ سے فقرہ نکلا اور ادھر شاہ صاحبؒ نے کتاب کی عبارت پڑھنی شروع کی۔

دنیا سے بے رغبتی:......اس علمی تبحر اور کمالات ظاہری اور باطنی کے ساتھ ساتھ زہد وتقوی کی یہ حالت تھی کہ جس طرح وہ اپنے علم میں تمام معاصرین سے ممتاز تھے، اسی طرح زہد وتقوی اور اپنے ورع وپرہیزگاری میں بھی بے مثل تھے۔ کوئی نہیں جانتا کہ ان کو ڈھاکہ یونیورسٹی اور مدرسہ عالیہ کلکتہ نے بار بار طلب کیا۔ بڑی بڑی تنخواہیں پیش کیں۔ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں وفود حاضر ہوئے لیکن شاہ صاحب نے کبھی بڑی تنخواہ کو ترجیح نہیں دی اور ہمیشہ دیوبند اور ڈابھیل کے خشک ٹکڑوں کو پسند فرمایا۔ ۱۳۱۵ھ میں پہلی مرتبہ دیوبند سے تشریف لائے اور مدرسہ امینیہ میں صدر مدرس مقرر ہوئے، مدرسہ امینیہ کی وہ ابتدائی حالت تھی میں کیا عرض کروں کہ مولینا امین الدین اور مولینا انور شاہ صاحبان نے کس عسرت کے ساتھ زندگی بسر کی ہے اس کی پوری تفصیل تو حضرت مفتی صاحب آپ کے روبرو بیان کریں گے۔ ان واقعات کو کم وبیش ۳۰، ۳۵ سال گزر چکے ہیں۔ آج ان باتوں کے جاننے والے شاید چند ہی حضرات ہوں گے۔

شاہ صاحب کی موت کا صدمہ:......حضرات! جس طرح شاہ صاحب جیسے بزرگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایسے بزرگوں کی موت صدیوں خون کے آنسو رلایا کرتی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ موت ہر شخص کو آتی ہے۔ موت سے بچنے والا کوئی شخص نہیں ہے۔ شاہ صاحب کی موت کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے بھی اکابر وفات پا چکے ہیں۔ قدرت کا یہ خاص شغل ہے وہ ہمیشہ بناتی بگاڑتی رہتی ہے خود ہی ایک پودے کی پرورش کرتی ہے۔ اس میں پھل اور پھول پیدا کرتی ہے۔ اس کی ہری ہری ٹہنیوں کو ٹھنڈا اور خوشگوار سایہ عطا کرتی ہے۔ ایک چھوٹے سے پودے کو اتنا اونچا کرتی ہے کہ وہ آسمان سے باتیں کرنے لگتا ہے جب یہ پودا عجائبات قدرت پر ایک شاہد ہو جاتا ہے تو اس کو فنا کر دیتی ہے اور قدرت اس حصہ زمین کو ان پودوں کے لئے خالی کرا لیتی ہے۔ جو بیج خاموشیوں اور تخم کی گہرائیوں میں گوشہ نشین ہوا کرتے ہیں۔ الغرض قدرت کا یہی کام ہے۔ موت وحیات روزمرہ کا کھیل ہے۔ نہ کسی کی زندگی مسرت افزا ہے نہ کسی کی موت روح فرسا ہے اور یہی مطلب ہے لا تاسوا علی مافاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم۔

میرے معزز دوستو! میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ موت من حیث الموت شاہ صاحبؒ کی موت کوئی نئی چیز نہیں ہے لیکن میرے بھائی شاہ صاحب کی موت، ایسے زمانہ میں واقع

ہوئی ہے جوزمانہ ہے قحط الرجال کا جو دور ہے فقدان کمال کا شاہ صاحب اگر ایسے عہد میں مرتے کہ جس زمانہ میں شاہ صاحب کا جواب اوران کا مثل یا ممکن موجود ہوتا تو یقیناً اس قدر صدمہ اور رنج کی ضرورت نہ تھی۔ رونا تو یہ ہے کہ شاہ صاحب نے ایسے زمانہ میں وفات پائی ہے جب کہ ان کا قائم مقام کوئی نظر نہیں آتا۔ قلق تو یہ ہے، غم تو یہ ہے، صدمہ تو اسی کا ہے کہ اس فقدان رجال کے عہد میں شاہ صاحب کی موت ایک ناقابل تلافی نقصان کا موجب ہے۔ مستقبل قریب تو قریب میں تو عرض کرتا ہوں مستقبل بعید میں بھی شاہ صاحبؒ کی تلافی کا کوئی سامان نظر نہیں آتا۔

حجاج بن یوسف کا ظلم:..... آپ حضرات نے غالباً حجاج کا نام سنا ہوگا۔ یہ وہ ظالم ہے جس کے دامن پر ستر ہزار بے گناہوں کے خون کے دھبے پڑے ہوئے ہیں اسی کے متعلق حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمام انبیاء اپنی امتوں کے ظالم قیامت میں لے آئیں تو امت محمدیہ کی طرف سے حجاج ہی کا وجود نامسعود سب کا جواب ہو جائے گا۔

حجاج مروانیوں کے دور میں امیر تھا۔ اہل بیت اور ان کے معاونین کا بدترین دشمن تھا۔ صدہا تابعین کو تو محض اس جرم میں قتل کرا چکا تھا کہ وہ سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کو ذریت رسولؐ کیوں کہتے ہیں یہ کہا کرتا تھا کہ ذریت کا تعلق تو لڑکے کی اولاد سے ہوتا ہے۔ اگر رسول اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو بے شک اس کی اولاد ذریت رسولؐ ہو سکتی تھی۔ حضرت فاطمہؓ کی اولاد کو ذریت رسول کہنا غلط ہے۔ اسی لغو اور فاسد خیال کی بنا پر اس نے سینکڑوں علماء اور صلحاء کو قتل کر دیا تھا۔

حضرت شعبی کا واقعہ:..... حسن اتفاق دیکھئے اسی زمانہ میں ایک بزرگ علامہ شعبی بھی تھے جو اپنے عہد کے بہت بڑے تابعی بھی تھے ان کے متعلق بھی یہ مشہور تھا کہ وہ سیدنا حسینؓ کو ذریت رسول کہتے ہیں۔ اس ظالم نے ان کو بھی گرفتار کر لیا اور جب وہ دربار میں اس موذی کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے سخت غصے کے لہجے میں ان سے کہا کہ کیا تم حسن اور حسین کو ذریت رسولؐ کہتے ہو؟ انہوں نے کہا بے شک، اس نے کہا اچھا اس بات کو قرآن سے ثابت کرو ورنہ کھانا کھانے سے پیشتر تم کو قتل کرا دوں گا۔ اور دیکھو وہ آیت "ندع ابناء نا وابنائکم" نہ پڑھنا اس کا مطلب ہم تم سے زیادہ جانتے ہیں۔

اہل باطل اور گمراہ لوگوں کا ہمیشہ قاعدہ رہا ہے کہ یہ بدبخت حدیث کو چھوڑ کر قرآن سے دلیل مانگا کرتے ہیں، اور اس خبیث نے تو یہ کہا کہ قرآن کی بھی ایک آیت کو مستثنیٰ کر لیا۔ اور آیت مباہلہ جو اس بارے میں بالکل صاف تھی اس سے ان کو استدلال کرنے کو منع کر دیا۔ جب اس نے اس آیت کے علاوہ ان سے استدلال طلب کیا تو حضرت شعبی نے بے ساختہ وتلک حجتنا

رکوع پڑھنا شروع کیا۔ اور اس کی رکوع کی یہ آیت کلا ھدینا و نوحا ھدینا من قبل ومن ذریتہ داؤد سلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وھرون و کذلک نجزی المحسنین وزکریا ویحیٰ وعیسیٰ والیاس کل من الصلحین پر پوری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ نبیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ جس میں حضرت عیسیٰ کو بھی ذریت نوح میں شمار کیا گیا ہے۔ حضرت شعبی نے آیت پڑھ کر فرمایا، اگر حضرت عیسیٰ جو مریم کی اولاد ہیں اور جن کا باپ کوئی نہیں ہے، ایک عورت کے بطن سے پیدا ہو کر حضرت نوحؑ کی ذریت ہو سکتے ہیں تو امام حسنؑ اور امام حسینؑ فاطمہ کے بطن سے پیدا ہو کر رسول اللہ کی اولاد کیوں نہیں ہو سکتے حجاج یہ سن کر دنگ رہ گیا اور کہنے لگا، خدا کی قسم میں نے تو آج تک اس آیت پر غور ہی نہیں کیا۔ شعبی اگر تم کہو تو تم کو کسی بڑے عہدے پر فائز کر دیا جائے اور اگر تمہاری خواہش ہو تو تم کو واپس تمہارے وطن میں پہنچایا جائے۔ علامہ شعبی نے فرمایا اس سے زیادہ میری کوئی خواہش نہیں ہے [1]۔

سعید بن جبیرؒ:...... حجاج نے اپنے مظالم کے آخری دور میں ایک دوسرے تابعی حضرت سعید بن جبیرؒ کی گرفتاری کا حکم صادر کیا اور سپاہیوں کا ایک دستہ روانہ کیا تا کہ سعید بن جبیر کو گرفتار کر کے پیش کیا جائے۔ سپاہی جب روانہ ہوئے تو ان کو طلاق وعتاق کی قسمیں دلائی گئیں۔ یہ لوگ گئے اور حضرت جبیر کو انہوں نے گرفتار کر لیا سپاہیوں نے سعید سے معذرت کی اور اپنی مجبوری کا اظہار کیا لیکن سعید خوشی خوشی ان کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک راہب کا صومعہ تھا جہاں سپاہیوں نے منزل کی اور سعید سے اصرار کیا کہ وہ رات کو صومعہ میں رہیں کیونکہ وہاں شب کے وقت شیر آیا کرتا تھا۔ لیکن سعید نے صومعہ میں پناہ لینے سے انکار کر دیا اور سپاہیوں سے وعدہ کیا کہ مجھ سے اطمینان رکھو میں جاؤں گا نہیں سپاہی رات کو صومعہ میں پناہ گزین ہو گئے اور سعید صومعہ سے باہر رات بھر نماز پڑھتے رہے رات کو شیر آیا اور سعید بن جبیر کے تلوے چاٹتا رہا۔ سپاہیوں نے بھی دروازے میں سے یہ واقعہ دیکھا صبح کو تمام سپاہی سعید بن جبیر کی انتہائی خوشامد کرنے لگے اور اپنا قصور معاف کرانے کی خواہش ظاہر کی سعید بن جبیر نے فرمایا، تمہارا کیا قصور ہے مجھے تو شہید ہونا ہے۔ ہاں اتنا بتا دیتا ہوں کہ میرا قتل آخری قتل ہوگا۔ میرے بعد حجاج کسی اور بے گناہ کو قتل نہ کر سکے گا۔ بہر حال سعید بن جبیر حجاج کے قلعہ میں پہنچے اور حجاج کو اطلاع دی گئی کہ ملزم حاضر ہے۔ حجاج نے سعید کو اپنے روبرو پیش کرنے کا حکم دیا اور نہایت خشم آلود لہجے میں دریافت کیا کہ تیرا نام کیا ہے؟ سعید نے جواب میں کہا "سعید بن جبیر" حجاج نے کہا نہیں بلکہ شقی بن کسیر، سعید نے فرمایا میری ماں میرا نام تجھ سے زیادہ جانتی

[1] ...... یعنی وطن واپس جانے کے لیے۔

یعنی نام تو اصل میں وہی ہے جو میری ماں لیا کرتی تھی۔ کیونکہ اس نے ہی نام رکھا تھا اور وہی
ہے۔ خوب جانتی ہے اس پر حجاج نے غصہ میں کہا تو بھی بدنصیب اور تیری ماں بھی شقی۔ سعید بن
جبیر نے فرمایا۔ غیب کا علم کسی اور ہی کو ہے وہی خوب جانتا ہے کہ شقی کون ہے اور سعید کون ہے؟
حجاج نے کہا میں تجھ کو دنیا سے اب بھڑکتی ہوئی آگ میں روانہ کرتا ہوں۔ سعید نے فرمایا اگر میں سمجھتا
کہ آگ میں بھیجنا تیرے قبضے میں ہے تو شاید تجھ کو معبود بنالیتا۔ حجاج نے کہا محمدؐ کے متعلق تیری کیا
رائے ہے؟ سعید نے فرمایا وہ نبی رحمت ہیں۔ حجاج نے کہا علی کے متعلق کیا کہتا ہے؟ وہ جنت میں
ہیں یا دوزخ میں؟ سعید نے فرمایا میں نہ جنت میں گیا ہوں نہ دوزخ میں مجھ کو کیا معلوم کہ جنت میں
کون ہے اور دوزخ میں کون۔ حجاج نے کہا خلفاء کے متعلق تیری کیا رائے ہے؟ سعید نے فرمایا میں
ان پر داروغہ نہیں ہوں۔ حجاج نے کہا اچھا ان سب میں تیرے نزدیک اچھا اور عمدہ کون ہے؟ سعید
نے فرمایا جو اپنے خالق کا پسندیدہ ہے۔ حجاج نے کہا خالق کو کون پسندیدہ ہے؟ سعید نے فرمایا اس کا
علم اسی کو ہے جو ہر کھلی چھپی چیز کو جانتا ہے۔ حجاج نے کہا کہ میں نے سنا ہے تو ہنسا نہیں کرتا۔ سعید
نے فرمایا، جو شخص مٹی سے بنا ہے اور مٹی کو آگ میں داخل ہونا ہے وہ کیا ہنسے گا؟

حجاج نے ان کے سامنے آلات لہو ولعب پیش کیے، اس پر سعید بن جبیر کی آنکھوں سے آنسو نکل
آئے۔ حجاج نے کہا سعید تیرے لئے خرابی ہو۔ سعید نے فرمایا خرابی تو اس کے لئے ہے، جو جنت سے
محروم رہا اور دوزخ میں داخل کیا گیا۔ حجاج نے کہا سعید تجھ کو کس طرح قتل کیا جائے اور تو کون سے
طریقہ قتل کو پسند کرتا ہے۔ سعید نے فرمایا، یہ مجھ سے دریافت کرنے کی بات نہیں ہے۔ جس طرح مجھ
کو قتل کریگا، خدا تعالیٰ اسی طرح تجھ کو قتل کریگا لہٰذا تو خود طریقہ قتل پسند کر۔ جو طریقہ تجھ کو پسند ہو اسی
طرح مجھ کو قتل کردے، حجاج نے کہا۔ میں چاہتا ہوں تجھ کو معاف کردوں۔ سعید نے فرمایا اگر یہ معاف
کرنا اللہ کی جانب سے ہو تو میں اس کو قبول کرتا ہوں اور اگر تیری طرف سے ہو تو مجھ کو قبول نہیں۔ حجاج
نے جلاد کو حکم دیا کہ لے جاؤ اس کو قتل کردو، سعید کو جلاد لے کر جب دروازہ پر پہنچا تو سعید ہنس دیئے۔
حجاج نے کہا اس کو لوٹا کر لاؤ جب دوبارہ حاضر کیے گئے تو حجاج نے دریافت کیا تم کیوں ہنسے؟ سعید
نے فرمایا۔ تیری جرأت اور اللہ کے علم پر مجھ کو ہنسی آگئی۔ حجاج نے حکم دیا۔ ہمارے سامنے اسے قتل
کردو۔ چنانچہ آپ قبلہ رخ ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا: کُلُّ نفس ذائقة الموت...... انی وجهت
وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔

حجاج نے کہا اس کا منہ قبلہ کی طرف سے پھیر دو۔ چنانچہ سعید کا منہ قبلہ کی جانب سے پھیر دیا
گیا۔ اس پر سعید نے فرمایا ولله المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجه الله حجاج نے

حکم دیا اس کا منہ اوندھا کر دو اور اوندھا کر کے زمین پر لٹا دو۔ اس پر سعید نے کہا منھا خلقنٰکم وفیھا نعید کم ومنھا نخرجکم تارۃ اخری چنانچہ حجاج لاچار ہو گیا اور اس نے قتل کا حکم دے دیا۔ سعید بن جبیر نے کلمہ شہادت پڑھا اور شہید ہو گئے۔

حضرت حسن بصریؒ کو جب سعید بن جبیرؒ کی شہادت کا علم ہوا تو بہت روئے اور فرمایا:

اللّٰھم انت رقیت علی فاسق ثقیف واللّٰہ لوان اھل المشرق والمغرب اشترکوا فی قتلہ لا کبھم اللّٰہ فی النار

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سعید بن جبیر اس مرتبہ کے آدمی تھے کہ اگر ان کو اہل مشرق و مغرب مل کر بھی قتل کرتے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو منہ کے بل دوزخ میں ڈال دیتا۔ اس واقعہ دلخراش کے بعد حجاج زیادہ نہ جی سکا اور مر گیا۔

امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز نے اس کو خواب میں دیکھ کر حالت دریافت کی تو حجاج نے کہا ہر مقتول کے بدلہ میں ایک ایک مرتبہ قتل کیا گیا لیکن سعید بن جبیر کے قتل کی پاداش میں ستر مرتبہ قتل کیا گیا ہوں۔ علامہ دمیری نے اس قصہ کو نقل کر کے شبہ کیا کہ سعید بن جبیر تابعی تھے۔ ایک تابعی کو قتل کی پاداش میں ستر مرتبہ قتل کیوں کیا گیا۔ حالانکہ یہ صحابہ کو بھی قتل کر چکا تھا۔ جیسا کہ عبداللہ بن زبیر کو صراحتاً اور عبداللہ بن عمرؓ کو کنایۃً واشارۃً۔

شبہ کی وجہ یوں سمجھئے کہ صحابہ کے قتل کے سلسلہ میں تو صرف ایک مرتبہ قتل ہو حالانکہ صحابی کا مرتبہ تابعی سے افضل ہے اور اس شبہ کا جواب دمیری نے یہ دیا کہ سعید بن جبیر کو جس وقت قتل کیا گیا اس وقت سعید کی مثل مسلمانوں میں کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ اور دوسرے حضرات کے قتل کے وقت اور حضرات موجود تھے۔ جو کم و بیش مرنے والوں کی جگہ پر کر سکتے تھے۔

حاصل کلام:...... آپ حضرات معاف کیجئے، میری تقریر طویل ہو گئی یہ تو ضمنی طور پر آ گیا اور یہ آیا بھی کیوں صرف اس لئے کہ قحط الرجال اور فقدان باکمال کے عہد میں شخص واحد کی موت ہزاروں اور لاکھوں کے برابر ہو جاتی ہے۔ حضرت مولینا انور شاہ صاحب کی موت ایسے دور کی موت ہے جن کے بعد ان کا مثل اور جانشین کوئی نہیں ہے۔ سب سے بڑی وجہ رنج والم یہ نہیں کہ شاہ صاحب کی وفات کیوں ہو گئی؟ شاہ صاحب تو بہر حال یہاں سے زیادہ آرام و آسائش میں تشریف لے گئے۔ وہ اب بہترین زندگی میں ہیں۔ من عمل صالحا من ذکر او انثی وھو مومن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ۔ رال شاہ صاحب کا نہیں ہے سوال تو اپنی حرماں نصیبی کا ہے۔ جو چیز کہیں نہیں ملتی تھی جو مسئلہ تلاش کرنے سے دستیاب نہیں ہوتا تھا جو واقعہ کتب کی ورق گردانی سے میسر نہ ہوتا تھا وہ شاہ

صاحب کے حافظہ کے کتب خانہ میں مل جاتا تھا۔

شاہ صاحب کا سیاسی عقیدہ:...... دورِ حاضر کی سیاست کا جہاں تک تعلق ہے اور عہدِ حاضر میں آزادی وطن اور آزادی ہندوستان کا جہاں تک سوال ہے کون نہیں جانتا کہ اس میں شاہ صاحب کا وہی مسلک تھا جو عام طور پر اپنے اکابر کا مسلک رہا ہے وہ باوجود اس ضعف و ناتوانی کے بھی جیل جانے کے لئے آمادہ تھے۔ انہوں نے لاہور میں ایک دفعہ لائن والی مسجد میں علماء کو خطاب کر کے فرمایا تھا۔ کچھ کرلو یہ وقت بار بار نہیں آتا میں علماء سے کہہ رہا ہوں تم کو تو روٹی دین کے نام پر ملتی ہے دین کے لئے تم بھی کچھ کرلو میں اس قدر ضعیف ہو گیا ہوں کہ اب ضعف کی وجہ سے چلنا پھرنا بھی مشکل ہو گیا ہے لیکن اس ضعف و ناتوانی کے باوجود بھی میں جیل جانے کے لئے تیار ہوں۔

ان الفاظ سے شاہ صاحب کی جرأت و ہمت اور آزادی وطن کے جذبہ کا بہ آسانی حال معلوم ہو سکتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کو جو خط شاہ صاحب نے جیل میں لکھا ہے جب آپ اس کو سنیں گے تو اس امر کا خود اندازہ لگائیں گے کہ حضرت شاہ صاحب (اس زمانہ کی) کانگریس کے کس قدر حامی تھے اور ملک کی موجودہ تحریکات سے مرحوم کو کس قدر دلچسپی تھی۔ اس سنگلاخ اور پتھریلی راہ میں ان کا وہی نظریہ تھا جو ان کے اکابر کا تھا اور بالخصوص جو حضرت شیخ الہند کا تھا۔

نمک کی تحریک:...... آپ حضرات کو یاد ہوگا کہ جب گاندھی جی نے نمک کے قانون کی سول نافرمانی شروع کی تھی تو لوگوں نے مذاق شروع کر دیا تھا بالخصوص مسلمان تو اس تحریک کا بہت ہی مذاق اڑاتے تھے اور بعض نے تو اس تحریک کا نام "نمکین سول نافرمانی" رکھ دیا تھا۔ مسلم اخبارات جو ملکی تحریکات سے علیحدہ تھے انہوں نے اس تحریک پر سوقیانہ پھبتیاں بھی اڑائی تھیں لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے اس زمانہ میں یہ اعلان کیا تھا کہ مذہب اسلام میں نمک مباح الاصل ہے جیسا کہ ہوا پانی اور خودرو گھاس شاہ صاحبؒ کے اس اظہار خیال پر اکثر حضرات بہت کچھ چراغ پا ہوئے تھے اور بعض اصحاب نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ آج جب گاندھی جی نے نمک کے سول نافرمانی شروع کی ہے تو شاہ صاحب کو بھی نمک کی روایت مل گئی حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس قسم کے اعتراضات نہایت لغو اور مہمل تھے اور یہ اعتراضات وہی لوگ کرتے تھے جو نہ مذہب سے واقفیت رکھتے تھے اور نہ جن کو تہذیب و دیانت سے کوئی حصہ ملا ہے۔

شاہ صاحب کا کسی مسئلہ کو ضرورت کے موقع پر یہ بیان فرمانا یا اس کو ظاہر کر دینا یہ قابل تحسین و قابل تشکر و اطمینان تھا۔ مسلمانوں کو اس پر خوشی اور مسرت کا اظہار کرنا چاہئے تھا۔ آج دنیا کے عقلاء جس چیز کی خوبی کو سمجھتے ہیں الحمد للہ مقدس مذہب اسلام میں وہ چیز چودہ سو برس پہلے موجود تھی۔ نمک کے ٹیکس

کی خرابی اور نمک کے ٹیکس کو ظلم بتانے والے اور اس کے خلاف جدوجہد کرنے والے آج پیدا ہوئے لیکن مذہب اسلام کی حق پسندی اور انصاف کو ملاحظہ کیجئے کہ وہ چودہ سو برس پہلے اس ٹیکس کو ناجائز کر چکا ہے۔ یہ موقع فخر ومباہات اور حقانیت اسلام کے اظہار کا تھا یا شاہ صاحب مرحوم پر اعتراض کا لیکن ان لوگوں کا کیا علاج ہو سکتا ہے جن کی بصیرت اللہ تعالیٰ نے سلب کر لی ہو اور جنہوں نے آنکھیں بند کر کے استعمار واستبداد کی حمایت کو اپنا شعار بنالیا ہو۔ لهم قلوب لا يفقهون بها۔

بہر حال شاہ صاحب کے اس اعلان حق کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے عام طبقہ کو نمک کی تحریک سے ہمدردی ہوگئی۔ برادران ملت! شاہ صاحبؒ خدا کے فضل وکرم سے اتنی خوبیوں کے مالک تھے کہ ان کی اوصاف وکمالات احصاء، واستقصار مجھ جیسے جاہل کے لئے ناممکن ہے۔ شاہ صاحب نے جو کچھ کابراعن کابر شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور میاں جی نور محمد صاحبؒ سے حاصل کیا تھا اس کے بیان کو دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہیں۔ اگر مزید تفصیل معلوم کرنی ہے تو جناب صدر کی تقریر کا انتظار کیجئے۔ میں اپنی تقریر کو اپنے عجز وقصور کے اعلان کے ساتھ ختم کرتا ہوں اور مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔

اللّٰهم آنس وحشته وآمن روعته ولقن حجتة وبيض غرته وارحم غربته فتقبل حسناته وكفر سياته انك على كل شيء قدير وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد واله واصحابه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين

(مطبوعہ ماہنامہ دارالعلوم جولائی ۱۹۶۶ء)



کمالاتِ انوری

(ازحضرت مولینا انوری صاحب لائل پوریؒ)

مولینا محمد صاحب لائل پوریؒ (المعروف محمد انوری) حضرت شیخ الہند کے دست مبارک پر بیعت شدہ مرید اور صحبت یافتہ تھے اور حضرت شاہ صاحبؒ کے تلیذ ارشد رہے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کے ساتھ محبت کی وجہ سے ہمیشہ اپنے آپ کو انوری لکھتے تھے۔ موصوف حضرت مولینا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری کے فیوض وکمالات روحانی سے بھی مستفید ہوئے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے تلامذہ کرام میں انہیں ایک خاص مقام حاصل ہے آپ اہل قلم تھے اور معلوم ہوا ہے کہ پاکستان میں حضرت موصوف نے اپنے استاذ جلیل حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی سوانح حیات ''انوارانوری'' بھی مرتب کی تھی۔ جو کہ ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے لیکن احقر کی نظروں سے ابھی وہ نہیں گذری اس کے علاوہ اس کی بعض تالیفات قیمہ میں (۱) السنن والآثار، (۲) جلد ضخیم، اور بعین من احادیث النبی الامین اور سیرت النبی (۳۰۰ صفحات) کافی مشہور ہیں۔

آپ نے مسلمان بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لئے مدرسۃ البنات کے نام سے متعدد مدارس قائم کر کے نہایت عظیم دینی کارنامہ انجام دیا ہے جہاں سے لڑکیوں کی خاصی تعداد دینی تعلیم سے فیض یاب ہوکر فارغ التحصیل ہوئی ہے۔ افسوس ہے کہ آخر علم وفضل کا یہ آفتاب ۲۲ جنوری ۱۹۷۰ء کو لائل پور میں غروب ہوگیا۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ ایک محتاط اندازہ کے مطابق ایک لاکھ مسلمان ان کی نماز جنازہ میں شامل تھے۔

عنوان بالا کے تحت مولینا مرحوم کے متعدد معلوماتی مضامین سالہا سال سے رسالہ دارالعلوم میں شائع ہوئے ہیں۔ جنہیں اگر یکجا کیا جائے تو حضرت شاہ صاحب کے حالات پر ایک عظیم کتاب مرتب ہوسکتی ہے۔ بہر حال مشکل سے رسالہ مذکور کے چند شمارے احقر کے ہاتھ آئے تھے، قلت گنجائش کی وجہ سے انہیں من وعن شامل کتاب نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے چند پرچوں کے کچھ منتخب حصے (بقید ماہ وسال) عنوان بالا کے تحت ہدیہ ناظرین ہیں (کومدو)

۱۔ ایک دفعہ بہاولپور میں ابی کی شرح مسلم سے حوالہ نکالنا تھا کتاب ہمارے پاس نہ تھی۔ قادیانی مختار مقدمہ کے پاس یہ کتاب تھی۔ حضرت نے فرمایا جج صاحب لکھئے ان صاحب نے حوالہ دینے میں دھوکہ دیا ہے، یہ کتاب میرے پاس نہیں ہے، اس کو کہو کہ عبارت

پڑھے، جب اس نے عبارت پڑھی تو آپ نے خود کتاب اس سے لے کر حسبنا اللہ فرمایا اور فوراً حوالہ نکال لیا، وہ لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔

۲۔ وہیں بہاولپور کا واقعہ ہے کہ قادیانی شاہد نے حضرت سے سوال کیا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ:
''ہمارا دین متواتر ہے اور تواتر کے اقسام میں سے کسی ایک قسم کا منکر بھی کافر ہے۔ آپ کو چاہئے کہ امام رازی پر کفر کا فتویٰ دیں کیونکہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، میں علامہ بحر العلوم نے لکھا ہے کہ امام رازی نے متواتر معنوی کا انکار کیا ہے۔''

ہمارے پاس اتفاق سے وہ کتاب بھی نہ تھی۔ حضرت شاہ صاحب نے فوراً فرمایا جج صاحب لکھیے میں نے بتیس سال ہوئے یہ کتاب دیکھی تھی اب ہمارے پاس یہ کتاب نہیں ہے امام رازی فرماتے ہیں کہ یہ، جو حدیث ہے ''لا تجتمع امتی علی الضلالۃ'' یہ حدیث تواتر معنوی کے رتبے کو نہیں پہنچی۔ اس حدیث کے متواتر معنوی ہونے کا انکار فرمایا ہے نہ کہ تواتر معنوی کے حجت ہونے کے منکر ہیں، مولینا عبد اللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارنپور اور مولینا مرتضی حسن صاحب (جو اس مجلس میں موجود تھے) حیران تھے کہ حضرت کیا جواب دیں گے۔ سن کر حیرت میں رہ گئے۔

ان صاحب نے حوالہ پیش کرنے میں دھوکے سے کام لیا ہے اس کو کہو کہ عبارت پڑھے ورنہ میں ان سے کتاب لے کر عبارت پڑھتا ہوں، چنانچہ قادیانی شاہد نے عبارت پڑھی، بعینہ وہی عبارت نکلی جو حضرت نے پہلے حفظ پڑھ کر سنائی تھی جج صاحب خوشی سے اچھل پڑا۔ حضرت مولینا غلام محمد صاحب دین پوری بھی اس مجمع میں تھے حضرت موصوف کا چہرہ مبارک مسرت سے کھل گیا۔ (یہ حضرت، حضرت مولینا عبید اللہ صاحب کے مربی تھے اور مولینا احمد علی صاحب لاہوری مرحوم کے بھی پیر تھے، اولیاء اللہ میں سے تھے)۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جج صاحب یہ صاحب ہمیں مُفحَم (لاجواب) کرنا چاہتے ہیں۔ میں چونکہ طالب علم ہوں، میں نے دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں، میں ان شاء اللہ ان سے مُفحَم نہ ہوں گا۔

۳۔ حضرت مولینا محمد علی صاحب مونگیریؒ نے ایک اجتماع کیا تھا وہاں حضرت مولینا شیخ الہندؒ، حضرت مولینا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور اکابر دیوبند سہارنپور مدعو تھے۔ ہزاروں ہزار علماء مجتمع تھے۔

قادیانیوں نے کہا کہ ہر دو مناظرین عربی زبان میں تقریر کریں گے۔ حضرت شاہ صاحب بھی مدعو تھے۔ حضرات نے حضرت شاہ صاحبؒ کو تیار کر دیا حضرت (شاہ صاحب) نے فرمایا کہ دونوں مناظرین عربی اشعار میں اپنا مافی الضمیر ظاہر کریں گے، اور فی البدیہہ بولنا ہوگا اور کوئی کاغذ کوئی

کتاب اپنے پاس نہ رکھیں گے وہ لوگ تیار نہ ہوئے۔

یہ قصہ حضرت رائپوریؒ کو لاہور میں مولینا ابراہیم صاحب میاں چنوں والوں نے بھی سنایا تھا۔ مولینا ابراہیم صاحب اس وقت بہاولپور میں مدرس تھے۔ مولینا فرماتے تھے کہ حضرت مفتی عزیز الرحمن اور حضرت شاہ صاحبؒ نے خود بھی درس ترمذی میں ہمیں سنایا تھا۔ پھر فرمایا۔

''جاہلین تم نے کیا سمجھا؟ میں ان شاء اللہ اس پر قادر ہوں''۔

مولینا ابراہیم صاحبؒ نے یہ بھی سنایا تھا کہ پھر حضرت شاہ صاحب نے عربی زبان میں تقریر فرمائی۔

۴۔ ایک دفعہ کشمیر تشریف لے جا رہے تھے بس کے انتظار میں سیالکوٹ کے اڈے پر تشریف فرما تھے۔ ایک پادری آیا اور کہنے لگا کہ آپ کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بڑے عالم دین ہیں۔ فرمایا نہیں میں ایک طالبعلم ہوں۔ اس نے کہا کہ اسلام کے متعلق آپ کو علم ہے؟ فرمای کچھ کچھ پھر ان کے صلیب کے متعلق فرمایا کہ تم غلط سمجھے ہو اس کی یہ شکل نہیں ہے پھر نبی کریم کی نبوت پر چالیس دلائل دیئے۔ دس قرآن سے دس توریت سے، دس انجیل سے، دس عقلی۔ وہ پادری آپ کی تقریر سن کر کہنے لگا۔ اگر مجھے تنخواہ کا لالچ نہ ہوتا تو میں آپ کی تقریر، آپکا علوم میں اس قدر استحضار دیکھ کر مسلمان ہو جاتا نیز یہ کہ مجھے بہت سی باتیں اپنے مذہب کے متعلق آپ سے معلوم ہوئیں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا، جب آپ کو حق معلوم کر کے بھی توفیق نہ ہوئی کہ ایمان لے آتے تو معلوم ہوا کہ ایمان کی کوئی قدر و قیمت آپ کے ہاں نہیں۔ محض تنخواہ کا لالچ ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ پادری نہایت شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

۵۔ مولینا عبدالعزیز محدث گوجرانوالہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولینا عبیداللہ سندھیؒ نے فرمایا تھا کہ اس قسم پر کوئی کفارہ نہیں جو اس امر پر کھائی جائے کہ مولینا انور شاہ صاحبؒ اس زمانہ میں بے نظیر عالم ہیں۔ مولینا غلام رسول انی والے استاد رحمہ اللہ نے پہلی بار جب قادیان میں (مسئلہ ختم نبوت پر) حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر سنی تو فرمایا کہ ''علم ہو تو انور شاہ والا ہو ورنہ ہمارے علم سے تو جاہل ہی اچھے، مولینا ابراہیم میر صاحب سیالکوٹی نے اسوقت فرمایا تھا یعنی قادیان ہی میں کہ۔

مجسم علم دیکھنا ہو تو شاہ صاحب کو دیکھ لو

حضرت مولینا حسین احمد صاحب مدنیؒ نے حضرت شاہ صاحب کی وفات پر دیوبند میں تعزیتی جلسے میں فرمایا تھا کہ میں ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو ایک لاکھ حدیثیں یاد ہیں۔ ایسے

حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو صحیحین حفظ یاد ہیں لیکن ایسا عالم دین کہ کتب خانہ کا کتب خانہ جس کے سینہ میں محفوظ ہو، سوائے حضرت مولینا انور شاہ صاحب کے کوئی نہیں دیکھا۔

۶۔ مولینا ظفر علی خان مرحوم کہا کرتے تھے کہ جی چاہتا ہے کہ شاہ صاحب کے چہرے کو دیکھتا رہوں۔ اگست ۱۹۲۲ میں زمیندار کے ایک شمارے میں ایک طویل مقالہ حضرت شاہ صاحب کے مناقب وکمالات پر لکھا لکھتے ہیں کہ حضرت مولینا انور شاہ صاحب مدظلہ کی نظیر علوم میں خصوصاً علم حدیث میں پیش کرنے سے تمام ایشیا عاجز ہے۔

(ملتقطاً ومختصراً) رسالہ دار العلوم دیوبند ج ۲۷ شمارہ ۴ جولائی ۱۹۶۴ء

۷۔ حضرت اقدس شاہ صاحب قدس سرہ کا وعظ سادہ ہوتا تھا چھوٹے چھوٹے جملے جو پوری طرح ذہن نشین ہو جائیں ارشاد فرماتے تھے۔

لدھیانہ میں ایک دفعہ وعظ فرمایا غالباً ۱۳۴۳ھ تھا۔ فرمایا تمام عالم کی روح ذکر اللہ ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی یاد قائم رہی گی۔ عالم قائم رہے گا جب دنیا اللہ تعالیٰ کی یاد چھوڑ دے گی تو سمجھو کہ عالم کے کوچ کا وقت آگیا ہے۔

حدیث میں ہے کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا لا تقوم الساعة حتی یقال فی الارض اللہ اللہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک ایک متنفس بھی اللہ اللہ کرنے والا رہ جائے گا۔ جب ایک بھی اللہ اللہ کرنیوالا نہ رہے گا۔ تو قیامت قائم ہو جائے گی، کیونکہ جب روح نہ رہی تو ڈھانچہ کسی کام کا نہیں۔ اسے گرا دیا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ سارے عالم کی روح اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ مقصود اصلی ذکر الٰہی ہے اور یہ نماز روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ احکام سب اس کے پیرائے ہیں بخاری شریف میں حدیث ہے کہ جب بندہ ایک دفعہ اخلاص سے سبحان اللہ کہتا ہے تو آدھا پلہ آخرت کی ترازو کا بھر جاتا ہے، آخرت کی ترازو اتنی بڑی ہے کہ جتنا کہ زمین اور آسمان کا درمیانی حصہ نظر آتا ہے۔ اور جب بندہ الحمد للہ کہتا ہے صدقاً من قلبہ تو نصف پلہ باقی بھر جاتا ہے۔ سبحان اللہ نصف الایمان والحمد للہ تملأ المیزان اور جب کہتا ہے۔ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر تو اس کی سمائی زمین وآسمان میں نہیں ہوتی چیر کر عرش کو نکل جاتا ہے اور ترمذی شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم جنت کے خزانوں میں سے ایک قیمتی خزانہ ہے۔ اس کا ثواب آخرت میں کھلے گا۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کو اس حدیث پر ختم فرمایا ہے۔

کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی

الرحمٰن سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم

دو کلمے جو زبان پر خفیف ہیں، آسانی سے ادا ہو جاتے ہیں آخرت کی ترازو میں بڑے وزنی ہیں۔ (حضرت) رحمٰن کو بہت محبوب ہیں (وہ یہ ہیں) سبحان اللہ وبحمدہ وسبحان اللہ العظیم خیال فرمائیں کہ جو مختصر ان کا ورد ہر وقت رکھتا ہے کس قدر ثواب اس کو ملے گا۔ (ملتقطاً مختصراً) دار العلوم جلد ۴۸ شمارہ ۲ نومبر ۱۹۶۴ء

۸۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے انما اراکم من وراء ظھری یہ دیکھنا بطور معجزہ تھا ایسا ہی ثابت ہے امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ سے اور فلسفہ جدیدہ نے ثابت کر دیا کہ قوۃ باصرہ تمام اعضاء بدن میں ہے۔

۹۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: جتنا استفادہ مجھ سے ڈاکٹر اقبالؒ نے کیا ہے کسی مولوی نے نہیں کیا ڈاکٹر صاحب علوم قرآن وحدیث پر کافی دسترس رکھتے تھے اور انہوں نے مولینا میر حسن صاحب سیالکوٹی مرحوم سے با قاعدہ پڑھا تھا۔

(ملتقطاً مختصراً) دار العلوم اپریل ۱۹۶۵ء

۱۰۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ امام بخش نے ایک صاحب کو تعزیت نامہ لکھ کر بھیجا ہے۔

انا نعزیك لا انا علی ثقة ☆ من البقاء ولکن سنة الدین

فلا المعزیٰ بباق بعد میته ☆ ولا المعزّی وان عاشا الی حین❶

ترجمہ: ہم آپ کو صبر کی تلقین کرتے ہیں اور ہماری زندگی کا کچھ اعتبار نہیں لیکن یہ سنت ہے دین کی، پس نہ تو معزی باقی رہیگا اپنی میت کے بعد نہ تعزیت کرنے والا۔ اگر چہ ایک زمانے تک جیتے رہیں (آخر سب کو موت ہے)

۱۱۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ حافظ ابوزرعہ رازی نے فرمایا کہ جرجان میں آگ لگنے سے ہزار ہا گھر جل گئے اور قرآن بھی جلے لیکن یہ آیات نہ جلیں:

ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یعمل الظالمونَ. وَاِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لا تحصوها وقضی ربك ان لاتعبدوا اِلَّا اِیَّاهُ. تنزیلًا مِمَّنْ خَلَقَ الارضَ والسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی. الرَّحْمٰنُ علی العرش استوا لَهٗ مَافِی السَّمٰوٰت

❶ الاذکار میں امام محی الدین نے ان اشعار کو امام شافعی کی طرف منسوب کیا ہے کہ اصل اشعار امام اعمش کے ہوں اور امام شافعی نے کسی جگہ ان کا استعمال کیا ہو جس سے مغالطہ ہو گیا ہو۔ واللہ اعلم۔ (کوندو)

وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرىٰ يوم لا ينفع مالٌ ولا بنون إلا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ. ائتيا طوعًا أو كرهًا قالتا أتينا طائعين. وَمَا خَلَقَ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ. ما أُرِيدُ مِنْهُم مِنْ رِزْقٍ وما أريد أن يطعمون اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِين. وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وما توعدون. فَوَ السَّمَاءِ والأرضِ إنّه الْحَقُّ مثل ما أنكم تنطقون.

فرمایا یہ تجربہ ہے کہ آیات مذکورہ لکھ کر کسی برتن میں بند کر کے دکان یا گھر میں رکھنا حفاظت کے لئے مجرب ہے۔

فرمایا کہ ایک آدمی یا کئی آدمی مل کر ہر سورت کی آخری آیت پڑھ کر پانی پر دم کرے تو لا علاج مرض کے لئے مفید ہے یہ ایک سو چودہ دم ہو گئے۔

۱۲۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ: ''علم نحو عراق میں مدون ہوا لیکن اس کی ابتداء حضرت علی سے ہوئی آپ نے ایک آدمی کو سنا کہ یہ آیت ''إِنَّ اللّٰهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ'' میں رَسُوْلُهٗ کو کسرہ سے پڑھ رہا تھا تو آپ کو فکر ہوئی کہ امت کو ان مہالک سے کس طرح بچایا جائے تو آپ نے ابو سود دولی کو فرمایا کہ ایک ایسا اصول بناؤ کہ خطاء الفظی سے لوگ محفوظ رہیں پھر خود آپ نے ان کو ایک اصول بتایا فاعل مرفوع وکل مفعول منصوب وکل مضاف الیہ مجرور۔ پھر انح نحوہ پھر اسود دولی نے اس کی تدوین افعال تعجب سے شروع کی آپ نے تصویب فرمائی پھر حروف مشبہ بالفعل لکھے مگر لکن کو چھوڑ گئے حضرت کے فرمانے پر اس کو بھی لکھا۔

(ملتقطاً ومختصراً) دار العلوم دیوبند جلد ۲۹ شمارہ ۲ ماہ مئی

باسمہ سبحانہ

المہر دین کسائر الدیون لا یسقط الا بالاداء او بالابراء — و یحبس فیہ ان کان معجلا او تعجل [illegible]

الحق حکم ہذا، اگر مہر تنہا بود در شوہر دین لازم الادا است، تا اگر شوہر بمیرد زن ادا کند و یا زن شوہر سوا بر دکند

[illegible] فقط گرد ہد — مہر موجل باشد و یا بہ طلاق [illegible] باشد شوہر سود ودادا [illegible] آن حبس نتوانند کرد جب [illegible] واللہ اعلم

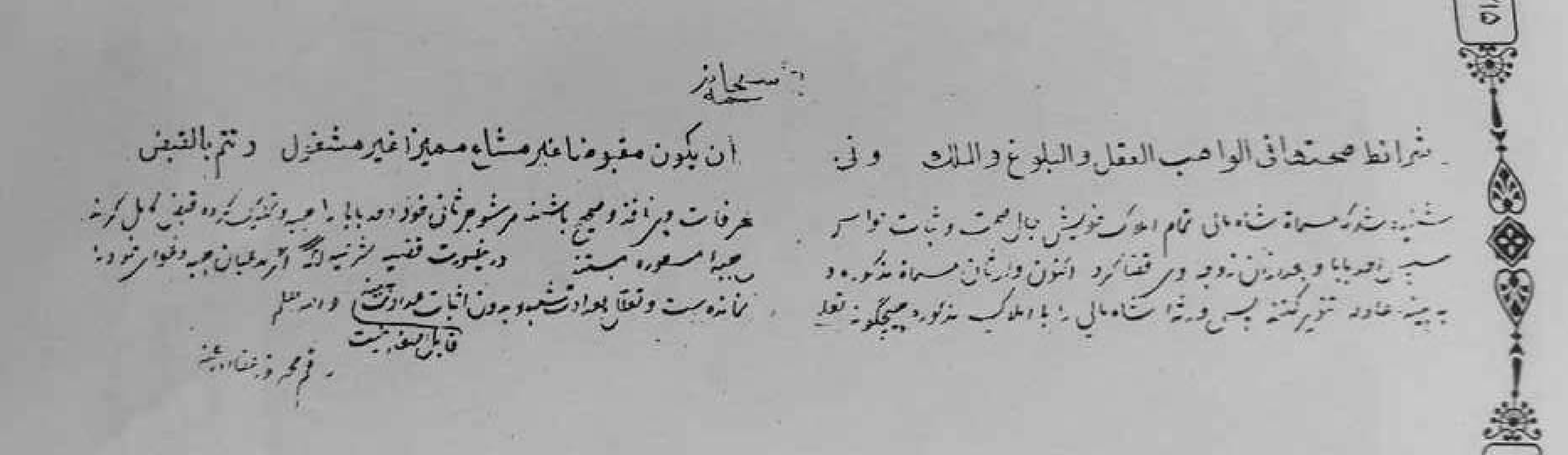
راقم محمد انور عفی عنہ

مہر کے متعلق حضرت شاہ صاحب کا ایک فتویٰ (بشکریہ سید غلام محمد شاہ [illegible])



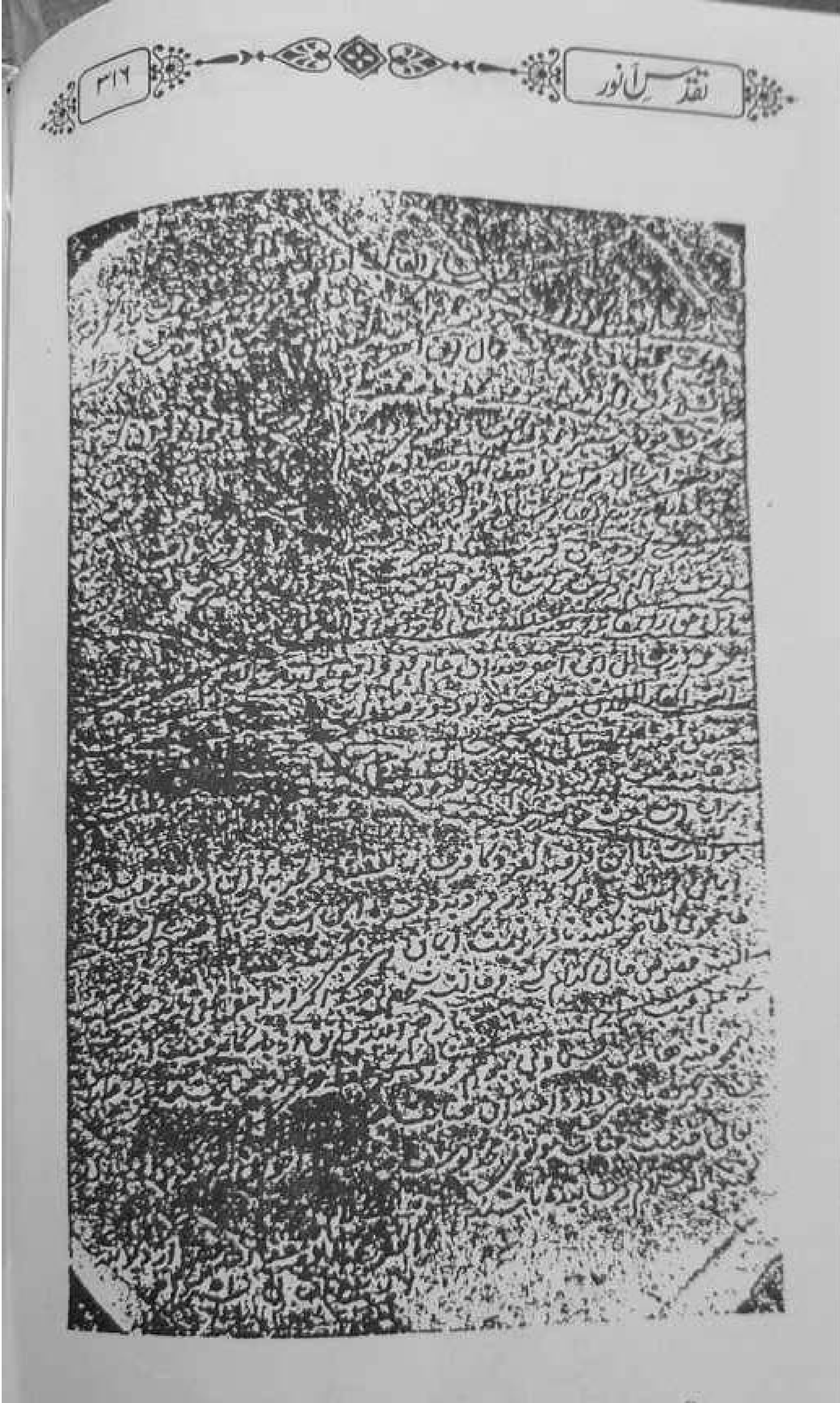
اپنی وفات سے دو ماہ ۱۸ دن قبل اپنے والد ماجد مولانا معظم شاہ کو لکھا ہوا ایک یادگار خط

(بشکریہ حاجی عبدالرحیم قاضی پورہ بانڈے پور کشمیر)



حضرت علامہ کشمیری کا یہ فتویٰ دربارہ ہبہ ہے کہ واہب عاقل و بالغ ہو اور ہبہ میں قبضہ کیا جائے۔

(بشکریہ مولانا مفتی غلام حسن ۔ مفتی سوپور)



سرینگر کے مشہور عالم دین حضرت مولانا محمد حسین وفائی کے ایک تاریخ خط کا جواب
(بہ شکریہ مولوی عبد الرحمٰن صاحب وفائی استاذ جامعہ مدینۃ العلوم حضرت بل)

علامہ محمد انور شاہ
اور
فتنۂ قادیانیت

از فاضل گرامی مولینا بدر الحسن در بھنگوی مدیر الداعی دیوبند

شیخ الاشراق شہاب الدین مقتول ۵۸۷ھ نے اپنی مایہ ناز تصنیف حکمۃ الاشراق کے اندر ایک جگہ بڑے اعتماد سے لکھا ہے کہ "العلم لیس وقفا علی قوم" یعنی علم وفن پر کسی خاص عہد کے لوگوں کی اجارہ داری نہیں ہے بلکہ یہ ممکن ہے کہ زمانہ کے لحاظ سے بعد میں آنے والا شخص علمی قابلیت اور فنی لیاقت وصلاحیت میں بہت سے پیش رووں پر بھی سبقت لے جائے۔

قریب قریب یہی بات مولینا محمد قاسم نانوتوی متوفی ۱۲۹۷ھ نے بھی اپنے ایک فارسی مکتوب میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کے علمی تبحر اور دقت نظر کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرمائی ہے مولینا کے بعینہ الفاظ یہ ہیں۔

"تقدم وتاخر زمان را در اعتبار علم وعدم آں دخلے نیست اگر مارا بر سند مارا درین قدر ہرگز تامل نیست کہ شاہ صاحب قدس اللہ اسرارہ در فہم دقائق از اکثر پیشینیاں گوئے سبقت بردہ اند" (قاسم العلوم مکتوب سوئم ۴۴)

اور غالباً یہی مفہوم اس روایت کا بھی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ نہ معلوم میری امت کا اول بہتر ہے یا آخر اَو کما قال

شاعرانہ حیثیت سے ابو العلا معری نے بھی اس مفہوم کو خوب ادا کیا ہے۔

انی وان کنت الاخیر زمانہ
لات بمالم تستطعہ الاوائل

متقدین کے فضل وتقدم کو تسلیم کرنے کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے اور تاریخی واقعات وشواہد اس کی تائید کرتے ہیں کہ بعد کے زمانوں میں بھی وقفہ وقفہ سے بعض بڑی ہی فقید المثال اور نادرہ روزگار شخصیتیں ابھری ہیں جن کے بارے میں بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے علوم

وفنون کی جامعیت، دقت نظر اور غیر معمولی تبحر واستحضار کے لحاظ سے اپنے بہت سے پیش رووں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔

قریب کے زمانہ میں اس کی عمدہ مثال علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی ذات ہے جن کے بارے میں ان کے جلیل القدر معاصر اور اپنے عہد کے نامور محدث علامہ زاہد بن الحسن الکوثریؒ کی شہادت یہ ہے کہ:

''علامہ ابن الہمام (متوفی ۸۶۱ھ) کے بعد انور شاہ صاحب کے پایہ کا کوئی دوسرا شخص پیدا نہیں ہوا جو متن احادیث سے نئے نئے مباحث ونکات کے استنباط واستخراج کی اہلیت رکھتا ہو اور یہ وقفہ (شاہ صاحب اور ابن ہمام کے درمیان) کوئی معمولی وقفہ نہیں ہے۔ (مقدمہ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح از شیخ عبد الفتاح ابو غدہ ۲۶)

محقق عصر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جنہیں شاہ صاحب کی صحبت ورفاقت حاصل تھی ان کی بلند پایہ کتاب فتح الملہم میں علامہ انور شاہ صاحبؒ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں

لم تر العیون مثلہ ولم یرھو مثل نفسہ [1] **(فتح الملہم ۳۳۵)**

---

[1] اس جملہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ پوری اسلامی تاریخ میں چندہی خوش نصیب اور یگانہ روزگار کے ہم رتبے ہیں جنہیں ان کے بلند پایہ معاصرین نے اس کا مصداق قرار دیا ہے سب سے پہلے نام اس سلسلہ میں مشہور عارف محدث شیخ ابوالقاسم قشیری متوفی ۴۶۵ھ کا ملتا ہے، جن کا رسالہ قشیریہ فن تصوف کی اہم ترین کتابوں میں شمار ہوتا ہے ان کے عہد میں اگرچہ اہل علم وفضل کی کمی نہیں تھی لیکن ظاہر وباطن کی جامعیت اور دقت نظر میں شیخ ابوالقاسم اپنی نظیر آپ تھے۔

(۲) قشیریؒ کے بعد اس کا مصداق حجۃ الاسلام امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ کو قرار دیا گیا اور بلاشبہ امام غزالی اس کے صحیح مصداق تھے انھوں نے فی الواقع ان کی نظیر نہیں دیکھی شریعت وطریقت دونوں کی جامعیت کے ساتھ عقلی علوم میں تجربے حسن ذہانت وذہانت مشکلات جن کو نہایت سلیس اور شگفتہ اسلوب میں حل کرنے کی اہلیت یہ تمام اوصاف انہیں بیک وقت جمع تھے

(۳) امام غزالیؒ کے بعد مشہور فقیہ ومحدث ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۸۲ھ جن کی المغنی فقہ کی بلند پایہ کتاب مانی جاتی ہے ان کے بارے میں ان کے معاصر ابن حاجب مالکی نے کہا تھا لم تر العیون مثلہ ولم یرھو مثل نفسہ اور یہ حقیقت ہے کہ ورع وتقویٰ کے علاوہ ابن قدامہ کو فقہاء کے مذاہب پر بڑا عبور حاصل تھا اور یقیناً وہ اپنے زمانہ کے عدیم النظیر محقق اور مسلم امام تھے۔

(۴) ابن قدامہ حنبلیؒ کے بعد اس جملہ کا استعمال امام تقی الدین بن دقیق العید متوفی ۷۰۳ھ کے بارے میں ابن سید الناس یعمری نے کہا تھا کہ لم تر العیون مثلہ۔ اور بلاشبہ حفظ واتقان، دقت نظر نکتہ رسی اور استنباط فوائد ولطافت میں ابن دقیق العید نظیر نہیں ملتی حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی نے اپنی محققانہ تصنیف بستان المحدثین کے ائمہ ان کے بارے میں لکھا ہے عہد صحابہ کے بعد سے ساتویں صدی ہجری تک متن حدیث سے دقائق واسرار اور لطائف ونکات کے استنباط واستخراج میں امام ابن دقیق العید کا مثیل پیدا نہیں ہوا۔ انہوں نے حضرت براء بن عازبؓ کی صرف ایک روایت سے چار سو فوائد مستنبط کئے تھے ان کی کتاب احکام الاحکام اور امام شرح الالمام اس لحاظ سے خصوصی اہمیت کی حامل ہیں علم وفضل کے ساتھ خدا نے ابن دقیق العید کو زہد وتقویٰ اور کرامات وخوارق سے بھی نوازا تھا وہ بلاشبہ فقید المثال انسان تھے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

نہ تو دنیا کی آنکھوں نے ان کی نظیر دیکھی اور نہ خود آپ نے اپنے کسی ثانی اور مماثل کو دیکھا۔

علامہ انور شاہ صاحبؒ کے علمی کارناموں کا دائرہ تو بے حد وسیع اور ان کی افادیت بڑی ہمہ گیر تھی لیکن خصوصیت کے ساتھ ان کا وہ کارنامہ جو انہوں نے اصولی حیثیت سے دین کے بقاء و تحفظ کے لئے انجام دیا ہے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

انہیں اپنی زندگی کے آخری ایام میں دو چیزوں کا زبردست احساس تھا جن میں سے ایک تو الحاد و دہریت کا زور ہے دوسرے مرزا غلام احمد قادیانی کی خودساختہ نبوت کا فتنہ ان دو باتوں کے احساس نے ان کو کافی فکر مند کر رکھا تھا۔

اول الذکر فتنہ کے استیصال کے لئے ان کے بیشتر و اور ممدوح امام وقت مولینا محمد قاسم نانوتویؒ متوفی ۱۲۹۷ھ نے اپنی تالیفات کے اندر گرانقدر مواد فراہم کر دیا تھا۔ پھر بعض وجوہ سے ان دنوں قادیانیت کے فتنہ نے زیادہ زور اختیار کر لیا تھا جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے انتہائی خطرناک چیلنج تھا اس لئے علامہ نے زیادہ توجہ اس کے استیصال اور امت کو اس کی تباہ کاری سے محفوظ رکھنے کی طرف مبذول رکھی۔

تاہم الحاد و دہریت کے سدباب کے لئے بھی آپ کے دو رسالے یادگار ہیں۔ ایک تو ضرب الخاتم جو حدوث عالم اور اثبات وجود باری پر آپ کی بے مثال نظم ہے جو چار سو اشعار پر مشتمل ہے اس نظم کی فنی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر اقبالؒ جیسا فلسفہ کا مبصر بھی اس نظم پر وجد کیا کرتا تھا۔

اس نظم کے استناد کے لئے جہاں آپ نے صدر الدین شیرازی کی اسفار اربعہ اور فرید وجدی اور بستانی کی دائرہ المعارف کے بکثرت حوالے دیئے ہیں وہیں امام وقت مولینا محمد قاسم نانوتویؒ کی تقریر دلپذیر اور مکاتیب قاسم العلوم میں سے ساتویں مکتوب کو بھی خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) (۵) ابن دقیق العید کے بعد اس جملہ کا استعمال امام ابن تیمیہؒ متوفی ۷۲۸ھ کے لئے ہوا اور اس میں شک نہیں کہ ابن تیمیہؒ بجا طور پر اس کے اہل تھے۔

روایت اور درایت دونوں سے کامل مناسبت جملہ فنون کا غیر معمولی استحضار سلف و خلف کے مسلک پر محیّر العقول دسترس کے ساتھ بے پناہ جرأت و ہمت اور شجاعت و بہادری کے اندر دنیا نے انکی نظیر نہیں دیکھی۔ البتہ اپنے بعض نظریات پر وحی آسمانی کی طرح ان کے یقین و اعتماد نے بعض جلیل القدر معاصرین اور بعد کے علماء کو ان پر زبان طعن دراز کرنے کا موقعہ دیا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ ان کا علم ان کی عقل سے بھی بڑھ گیا تھا۔

(۶) امام ابن تیمیہؒ کے بعد حافظ شمس الدین ذہبی نے جو فقہ میں امام شافعی کے متبع اور عقیدۃً حنبلی ہیں اپنے شیخ اور اشام کے نامور محدث حافظ ابوالحجاج مزی شافعی متوفی ۷۴۲ھ کے بارے میں فرمایا تھا کہ لم تر العیون مثلہ اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا صحیح تھا اس لئے کہ حافظ مزی فن حدیث میں بے مثال تھے (نفحۃ العنبر من ھدی الشیخ الانور ۱۹۹-۱۹۳)

اس سلسلہ کی دوسری اہم کتاب "مرقاۃ الطارم" ہے۔ یہ بھی حدوث عالم ہی کے موضوع پر ہے۔ اس کا ذکر پہلے ایک نوٹ میں آچکا ہے۔

قادیانیت کے فتنہ کے سلسلہ میں آپ نے اپنے کمال بصیرت سے یہ اندازہ فرمالیا تھا کہ اس کی فتنہ سامانی اور شرانگیزی دنیا کے تمام فتنوں سے بڑھ کر ہے چنانچہ اس کو مٹانے کے لئے پورے طور پر سرگرم ہوگئے اپنے اجلہ اصحاب اور تلامذہ کو بھی اس کام کے لئے آمادہ کیا اور خود بھی تادم مرگ اس مبارک کام میں مصروف رہے۔

آپ کے تلامذہ میں سے جن لوگوں نے آپ کے اس مشن کو کامیاب بنانے کی سعی کی ان میں مولینا بدر عالم میرٹھی مولینا محمد ادریس کاندھلوی، مولینا مفتی محمد شفیع دیوبندی اور مولینا محمد یوسف بنوری خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

علامہ محمد انور شاہ صاحب کو اس فتنہ کی خطرناکی کا احساس کتنا شدید تھا۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ خود اپنے بیان کے مطابق مسلسل چھ مہینے تک وہ اس کی وجہ سے انتہائی کرب اور قلبی اذیت میں مبتلا رہے حتی کی نیند تک اچاٹ ہوگئی تھی جس کا صحت پر بھی ناخوشگوار اثر مرتب ہونے لگا تھا[1]

اس شدت احساس ہی کا اثر تھا کہ تصنیف وتالیف کی طرف طبعی میلان نہ ہونے کے باوجود آپ نے قودیانیت پر متعدد تالیفات کیں اور آئندہ کام کرنیوالوں کے لئے انتہائی بیش قیمت علمی مواد فراہم کردیا حتی کہ بستر مرگ پر بھی آپ کو اسی کا خیال دامن گیر رہا۔ چنانچہ آپ کی سب سے آخری تصنیف جو خاتم النبیین کے نام سے موسوم ہے وہ عین مرض الموت کی یادگار ہے اس کی تبییض بھی نہیں ہوئی تھی کہ پیغام اجل آپہنچا۔

درس حدیث میں بھی موقع بموقع مرزا غلام احمد قادیانی کے استدلالات کی کمزوری اور اس کی محرقانہ سرگرمیوں پر متنبہ فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ فیض الباری کے ج ۳، ص ۳۷۴، ج ۴ ص ۳۴۹، ۳۸۰ وغیرہ اس کے شاہد ہیں۔

آپ کے اس مجاہدانہ کارنامہ میں درحقیقت وہی روح کارفرما تھی جو ولی اللہی مکتب فکر کے اساطین واعیان کا طرہ امتیاز ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی کے عہد میں شیعیت کا فتنہ زوروں پر تھا۔ جس سے دین کا بڑا حصہ متاثر ہورہا تھا اس لئے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جہاں نئے دور کے تغیرات کا اندازہ کرکے پورے دینی نظام کی حکیمانہ تشریح وترجمانی فرمائی وہیں دونوں بزرگوں نے شیعیت کا زور توڑنے کے

---

[1] ..... مجلہ العصر ۱۷۳

لئے بھی بھرپور سعی کی جس کا اندازہ ازالۃ الخفاء اور تحفہ اثنا عشریہ جیسی محققانہ کتابوں سے ہوتا ہے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے عہد میں شرک و بدعت کا زور تھا اس لئے جہاں انہوں نے سید احمد شہید کی قیادت و رفاقت میں دین کو سربلند کرنے کے لئے اپنی جان تک قربان کردی وہیں مسلمانوں کی زندگی سے شرک و بدعت کے مہلک جراثیم دور کرنے کے لئے بھی انتہائی جدوجہد فرمائی اور ایضاح الحق الصریح اور تقویۃ الایمان جیسی محققانہ اور اثر انگیز کتابیں تحریر فرمائیں۔

حضرت مولینا محمد قاسم نانوتویؒ کے عہد میں ایک طرف تو کفر و الحاد کا زور اور جدید عہد کے تقاضے تھے اور دوسری طرف عیسائیوں اور آریہ سماجیوں کی مشترکہ یورش نے ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے انتہائی سنگین اور نازک صورت حال پیدا کردی تھی۔

اس لئے انہوں نے ایک طرف تو حقائق و معارف کے پیش بہا اصول مدون کئے اور علم کلام کی بنیاد ایسے اصولوں پر رکھی جو علامہ شبیر احمد عثمانی کے بقول تاقیامت کارآمد رہیں گے۔

دوسری طرف عیسائیوں اور آریہ سماجیوں کا جم کر مقابلہ کیا اور علمی حیثیت سے ان کے سارے استدلالات کی کمزوری واضح کردی [1]۔

علامہ محمد انور شاہ صاحبؒ کے زمانے میں قادیانیت کا فتنہ اسلام کے لئے سب سے بڑا چیلنج اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دین مجید کے خلاف ایک منظم بغاوت تھی اس لئے انہوں نے اس فتنہ کا بھرپور مقابلہ کیا اور اس موضوع پر ایسی فاضلانہ اور تحقیقی کتابیں تصنیف فرمائیں جو ان کی علمی عظمت اور غیر معمولی عبقریت کا لازوال شاہکار ہیں۔ بقول مولینا محمد یوسف بنوری، اگر علامہ نے اور کوئی کام اپنی زندگی میں انجام نہ دیا ہوتا صرف رد قادیانیت پر آپ نے جو کام کیا ہے وہی ایک عمل آپ کے نامہ اعمال میں ہوتا تو آپ کو زندہ جاوید بنانے کے لئے کافی تھا [2]۔

جیسا کہ عرض کیا گیا علامہ انور شاہ صاحبؒ کو اس فتنہ کی سامانی کا احساس بڑا شدید تھا اس لئے آپ کی اس سلسلہ کی تمام تحریروں سے خواہ وہ نظم میں ہوں یا نثر میں ایمانی غیرت و حمیت اور جوش وخروش کا اندازہ ہوتا ہے۔

مستقل طور پر اس موضوع پر آپ کی پانچ کتابیں یادگار ہیں:

۱)..... **"التصریح بما تواتر فی نزول المسیح"** یہ اپنے موضوع پر سب سے جامع ترین کتاب ہے اس کے اندر آپ نے نزول مسیح سے متعلق احادیث و آثار جمع کئے ہیں اس کی جامعیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ قاضی شوکانی جیسے وسیع النظر محدث نے جب

---

[1] ..... تفصیل کے لئے دیکھئے مولینا سید مناظر احسن گیلانی کی فاضلانہ کتاب سوانح عمری کی دوسری جلد۔ [2] مجلہ العصر ۱۷۳

اس موضوع پر قلم اٹھایا تو انہیں کل ۲۹ حدیثیں مل سکیں جبکہ علامہ انور شاہ صاحب نے ستر نہایت ہی واضح اور صریح روایتیں جمع کردی ہیں۔

کتاب پہلے مفتی محمد شفیع صاحب کے مقدمہ کے ساتھ ہندوستان میں چھپ چکی تھی۔ اب عالم اسلام کے نامور محقق شیخ ابوالفتاح ابوغدہ کی تعلیقات کے ساتھ دوبارہ بڑے آب وتاب کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ شیخ ابوغدہ کی تعلیمات نے کتاب کی افادیت دوچند کردی ہے۔

۲)...... "**اکفار الملحدین**" یہ اس سلسلے کی دوسری اہم اور محققانہ تصنیف ہے تکفیر کا مسئلہ بڑا ہی نازک اور دقیق ہے اس طرح کے پیچیدہ مسئلے کے بارے میں مبصرانہ اور فیصلہ کن رائے دینا انور شاہ جیسے عبقری وقت ہی کا حصہ تھا۔ آپ نے پوری تحقیق وتدقیق کے ساتھ یہ حقیقت واضح کردی کہ کسی شخص کو دین سے خارج کب متصور کیا جاسکتا ہے اور اس کے لئے اصول وضوابط کیا ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح کسی مسلمان کی تکفیر ایک سنگین جرم ہے اسی طرح کسی ایسے شخص کو جو دین کی بیخ کنی پر آمادہ ہو اور ضروریات دین کو بھی بے چوں وچرا تسلیم نہ کرتا ہو بلکہ شریعت کے واضح احکام ہدایت کو اپنی تحریف وتاویل کا نشانہ بناتا ہو تو اسے بدستور مسلمانوں کے زمرہ میں شامل سمجھنا اور اس کی تکفیر کے سلسلہ میں ایسی احتیاط برتنا جس سے دین کی بنیاد منہدم کرنے والوں کو اپنی سرگرمیاں تیز کرنے کا اور موقع ملے بدترین قسم کی مداہنت ہے، شریعت کی رو سے اس کا جواز ہرگز نہیں ہے۔ علامہ محمد انور شاہ نے مسئلہ کے ہر پہلو پر قرآن وحدیث کی روشنی میں انتہائی سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور تمام سربرآور مفسرین ومحدثین اور فقہاء ومتکلمین کی شہادتیں اس سلسلہ میں جمع کردی ہیں اور محققین کی کتابوں کے بعض ایسے ابواب سے مواد اکھٹا کردیا ہے جہاں عام طور پر دوسروں کا ذہن منتقل بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

ان سے پہلے امام غزالیؒ جیسے یگانہ روزگار اور امت کے بعض دوسرے اساطین نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا تھا۔ "**فیصل التفرقہ بین الاسلام والزندقہ**" امام غزالی کی مشہور کتاب ہے خود علامہ انور شاہ صاحبؒ نے بھی اسکا جوہری خلاصہ اپنی کتاب میں شامل کرلیا ہے۔ لیکن دونوں کتابوں کے تقابلی مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے "اکفار الملحدین" کے مصنف کی ذہنی پرواز کتنی بلند ہے بعد میں آنے والوں کے اس طرح کے مآثر ومفاخر جب سامنے آتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ کم ترک الاول للاخر فجزا اللہ عن المسلمین خیر الجزاء۔

۳)...... "**عقیدہ الاسلام**" اس کتاب کا اصل موضوع خود علامہ کی صراحت کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کی حیاہ اور ان کے دوبارہ نزول کے بارے میں قرآن حکیم کے بیان کردہ

دلائل کو جمع کرنا ہے۔ لیکن ضمن طور پر اس کتاب میں اتنے اہم اور گراں قدر مسائل زیر بحث آتے ہیں کہ جن کا احصاء بھی مشکل ہے۔

۴)...... **''تحیة الاسلام''** یہ سابق الذکر کتاب پر خود علامہ کے قلم سے انتہائی بصیرت افروز اور محققانہ حاشیہ ہے اس لئے ان دونوں کتابوں کو ایک بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔

علامہ نے یہ کتاب کس تحقیق و تدقیق کے ساتھ تصنیف فرمائی ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ عقیدۃ الاسلام اور تحیۃ الاسلام میں بلا واسطہ جن کتابوں کا حوالہ مذکور ہے ان کی تعداد تین سو تک پہنچتی ہے، جن میں تفسیر و حدیث فقہ و اصول تصوف و حقائق لغت و نحو معانی و بیان، تاریخ و سیر فلسفہ حتی کہ عہد نامہ جدید و عتیق سب ہی طرح کی کتابیں شامل ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ کے وقت اندازہ ہوتا ہے کہ صدر الدین شیرازی کی اسفار اربعہ فرید وجدی اور بستانی کی ''دائرۃ المعارف'' شیخ محی الدین ابن عربی کی فتوحات مکیہ جیسی کتابوں کا ایک ایک صفحہ علامہ کی نظروں کے سامنے تھا۔

یہی وجہ ہے کہ شیخ زاہد بن الحسن الکوثریؒ علامہ شبیر احمد عثمانی اور دوسرے ارباب علم و فضل نے اسے اپنے موضوع پر منفرد کتاب تسلیم کیا ہے علامہ شبیر احمد عثمانی اپنے تفسیری فوائد میں لکھتے ہیں۔ اس موضوع پر میری نظر میں ایسی جامع کتاب نہیں لکھی گئی (ترجمہ شیخ الہند)

خود شاہ صاحبؒ کی زندگی میں ایک وسیع النظر عالم جو جرمنی وغیرہ میں بھی رہ چکے تھے جب ان کی نظر سے یہ کتاب گزری تو انہوں نے خاص اس غرض سے دیوبند کا سفر کیا کہ اگر دنیا میں اس پایہ کا کوئی محقق موجود ہے تو اس کے شرف ملاقات سے ہمکنار ہونا چاہیے [1]۔

۵)...... **''خاتم النبیین''** مذکورہ بالا کتابوں کے برخلاف اس کی زبان فارسی ہے جو آپ نے خاص اپنے وطن کشمیر کے لوگوں کو قادیانیوں کی تلبس سے بچانے کے لئے تصنیف فرمائی تھی۔ اس کتاب کا اصل موضوع آیت ختم نبوت کی تفسیر ہے۔ یہ رسالہ مختصر ہونے کے ساتھ خاصا دقیق ہے۔ علامہ کی دوسری تصانیف کی طرح اس سے بھی صحیح معنوں میں علماء ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ہر چند کہ یہ تمام کتابیں رد قادیانیت کی غرض سے تالیف کی گئی ہیں لیکن ان کی حیثیت محض مناظرانہ کتابوں کی نہیں ہے بلکہ صحیح علمی ذوق رکھنے والوں کو بسا اوقات ان کتابوں کا ایک صفحہ پڑھ کر ایسی نادر تحقیقات، علمی نکات و لطائف اور اچھوتے افکار ہاتھ آتے ہیں جو ہزاروں صفحات کی ورق گردانی سے بھی بمشکل مل سکتے ہیں۔

بہر کیف! اس وقت مقصود صرف یہ تھا کہ قادیانیت کے سلسلہ میں شاہ صاحب کے کارنامہ کا

---

[1] ...... ملاحظہ ہو حیات انور میں مولینا محمد منظور نعمانی کا مضمون ۱۵۲

مختصر تعارف کرادیا جائے اگر توفیق نے مساعدت کی تو مولینا محمد قاسم نانوتویؒ اور علامہ انور شاہ کے اچھوتے اور نادر علمی تحقیقات سے آئندہ لوگوں کو روشناس کرنے کی سعی کروں گا۔ واللہ الموفق وبیدہ ازمہ التحقیق۔

ائمہ فن کے فکر ونظر کی بلندی اور علم کی گہرائی کو جانچنے کا معیار محض تصانیف کی عددی کثرت ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ اصل چیز کیفیت ہوتی ہے کمیت نہیں۔ مولینا محمد یوسف بنوری نے اس سلسلہ میں بڑا ہی پرلطف استدلال کیا ہے کہ شیخ جلال الدین سیوطی انتہائی کثیر التصانیف ہیں۔ اس کے برخلاف امام ابن دقیق العید کی اصل تصانیف کل دو ہیں۔ ان میں بھی ایک تو دستیاب ہے اور دوسری کے منتشر اور نا تمام اقتباسات ائمہ فن کی کتابوں میں ملتے ہیں مگر اس کے باوجود ابن دقیق العیدؒ کی دقت نظر پر شیخ جلال الدین سیوطی کی کثرت تصانیف کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ اس سلسلہ کا یہ واقعہ بھی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے کہ شیخ الاسلام مصطفےٰ صبری نزیل قاہرہ جو اپنے زمانے کے بلند پایہ متکلم تھے عربی اور ترکی زبانوں میں ان کی متعدد تصانیف موجود ہیں۔ انہیں ۱۳۵۷ھ میں جب مولینا محمد یوسف صاحب بنوری نے علامہ انور شاہ صاحب کا رسالہ مرقاۃ الطارم علی حدوث العالم پیش کیا تو انہوں نے اس رسالہ کو پڑھ کر فرمایا کہ۔

"میں نہیں سمجھتا تھا کہ ہندوستان میں کوئی اس پایہ کا محقق بھی ہوسکتا ہے۔"

پھر صدر الدین شیرازی کی اسفار اربعہ (جس کے صفحات ہزاروں تک پہنچے ہیں) کی طرف اشارہ کر کے فرمایا میں اس چند ورقی رسالہ کو اس کتاب پر ترجیح دیتا ہوں۔ (مقدمہ عقیدۃ الاسلام ۸) یہ واقعہ خود شیخ مصطفےٰ صبریؒ کی عظمت کا بھی آئینہ دار ہے کہ ان کی حقیقت بین نظروں میں محض کاغذ کے پشتاروں کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ اصل چیز علمی گہرائی اور فکر ونظر کی پختگی ہے۔

(منقول از دار العلوم دیوبند)





فرعیات کے بارے میں

حضرت شاہ صاحب کا طرزِ فکر

از حضرت مولینا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ (سابق مفتی اعظم پاکستان)

ممتاز علماء اسلام کا طرزِ فکر کے عنوان سے ایک مقالہ پندرہ روزہ ترجمان دہلی کے اکتوبر ۱۹۷۵ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے اس مقالہ میں خاص طور پر حضرت مولینا اشرف علی تھانوی حضرت مولینا محمد انور شاہ کشمیری حضرت مولینا شبیر احمد عثمانی حضرت مولینا سید حسین احمد مدنی حضرت مولینا سید سلیمان ندوی اور حضرت مولینا ابوالکلام آزاد (رحمۃ اللہ تعالیٰ) کا تذکرہ آیا ہے۔

میں استاذی المکرم مولینا محمد نورالدین صاحب زید مجدہ کا ممنون کرم ہوں جنہوں نے میری توجہ اس گرانقدر مقالہ کی طرف مبذول کی۔

میرے ایک خط کے جواب میں اخبار ترجمان دہلی کے مدیر اعلیٰ محترم المقام عبدالسلام صاحب رحمانی کا بیان ہے کہ یہ مضمون پاکستان کے اخبار جنگ میں شائع ہوا تھا جسے ہم نے افادیت کے خیال سے شایع کردیا۔

بہرحال حضرت شاہ صاحب کے متعلق اس میں جو اقتباس ہے۔ اسے من وعن نقل کرکے شامل کتاب کیا گیا اور یہ اقتباس مولینا محمد شفیع صاحبؒ کے قلم سے ہے۔

یہاں یہ عرض کرنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ وحدت امت کے نام سے مولینا مرحوم کی ایک کتاب شائع ہو چکی ہے۔ جس میں حضرت مفتی صاحب نے ان زریں خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ (کوندو)

قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا اور مولینا محمد انور شاہ صاحبؒ بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال اسی جلسہ میں تشریف لائے میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ ایک صبح نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرتؒ سر پکڑے ہوئے بہت معموم بیٹھے ہیں میں نے پوچھا حضرت! کیسا مزاج ہے؟ فرمایا ہاں ٹھیک ہے میاں مزاج کیا پوچھتے ہو عمر ضائع کردی! میں نے عرض کیا حضرت آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں اور دین کی اشاعت میں

گزاری ہے۔ ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں، مشاہیر ہیں۔ جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی؟ فرمایا میں تمہیں صحیح کہتا ہوں عمر ضائع کر دی۔ میں نے عرض کیا حضرت بات کیا ہے؟ فرمایا کہ ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کدوکاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں اور دوسرے ائمہ کے مسائل پر آپ کے مسلک کی ترجیح ثابت کریں۔ یہ رہا ہے خلاصہ خود ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی؟ ابوحنیفہ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں؟ کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے وہ مقام لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا۔ وہ تو ہمارے محتاج نہیں۔ اور امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے مسلک کے فقہاء جن کے مقابلے میں ہم یہ ترجیح قائم کرتے آتے ہیں کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو صواب محتمل الخطا (درست مسلک جس میں خطا کا احتمال موجود ہے) ثابت کر دیں اور دوسرے کے مسلک کو خطا محتمل الصواب (غلط مسلک جس کے حق ہونے کا احتمال موجود ہے) کہیں اس سے آگے کوئی نتیجہ نہیں ان تمام بحثوں تدقیقات اور تحقیقات کا جن میں ہم مصروف ہیں۔ پھر فرمایا ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا اور کون سا خطا؟ اجتہادی مسائل صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ان کا فیصلہ نہیں ہو سکتا دنیا میں بھی ہم تمام تر تحقیق و کاوش کے بعد یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح ہے اور وہ بھی صحیح ہے یا یہ کہ یہ صحیح ہے لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطا ہو۔ اور وہ خطا ہے اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو دنیا میں تو یہ ہے ہی قبر میں بھی منکر نکیرؑ نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا؟ آمین بالجہر حق تھا یا (آمین) بالسر حق تھی برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور حشر میں بھی یہ سوال نہیں ہوگا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے الفاظ یہ تھے:۔

"اللہ تعالیٰ شافعی کو رسوا کرے گا نہ ابوحنیفہؒ کو نہ مالکؒ کو نہ احمد بن حنبل کو جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے۔ جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے جنھوں نے نور ہدایت چار سو پھیلایا ہے۔ جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزریں اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کریگا کہ وہاں میدان محشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابوحنیفہؒ نے صحیح کہا تھا یا شافعیؒ نے غلط کہا یا اس کے

برعکس، یہ نہیں ہوگا تو جس چیز کو نہ دنیا میں نکھرنا ہے۔ نہ برزخ میں اور نہ محشر میں اس کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کردی، اپنی قوت صرف کردی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی مجمع علیہ اور سب ہی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سب ہی کے نزدیک اہم تھیں جن کی دعوت انبیاء کرام لے کر آئے تھے جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا اور وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھیں۔ آج یہ دعوت تو نہیں دی جارہی ہے یہ ضروریات دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہورہے ہیں اور اپنے واغیار ان کے چہرے مسخ کر رہے ہیں اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے رہنا چاہیے تھا وہ پھیل رہے ہیں، گمراہی پھیل رہی ہے۔ الحاد آرہا ہے، شرک و بت پرستی چل رہی ہے حرام حلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فرعی درفروعی بحثوں میں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کردی“۔



حضرت شاہ صاحبؒ کے درسِ حدیث کی خصوصیات

از حضرت مولینا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مرحوم
سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور، پاکستان

حضرت مولینا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ، حضرت شاہ صاحبؒ کے تلمیذ رشید رہے ہیں موصوف نے حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم وکمالات کو بطور جذب مقناطیسی حاصل کر کے اپنے دل ودماغ کی گہرائیوں کو منور فرمایا تھا۔ نہایت جلیل القدر محدث ومفسر بے نظر ادیب ومتکلم، مشہور مؤلف ومصنف، وسیع المطالعہ، کثیر التصانیف اور متقی ونقی عالم دین تھے حضرت شاہ صاحب سے بیعت وسلوک کا شرف وامتیاز بھی انہیں حاصل تھا پہلے دار العلوم دیوبند میں تفسیر، حدیث اور فقہ کے استاد تھے اور بعد ازاں جامعہ اشرفیہ لاہور میں شیخ الحدیث کے منصب عظیم پر فائز ہو کر تشنگان علوم کی پیاس بجھا رہے تھے۔ ۷ رجب ۱۳۹۴ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ

خدمت حدیث میں شرح مشکوۃ المصابیح مطبوعہ دمشق ان کا محدثانہ کارنامہ ہے۔ اس کے علاوہ مقدمہ البخاری، مقدمہ الحدیث تحفۃ القاری بحل مشکلات البخاری۔ جلاء العینین ذرانع الیدین اور تقلید واجتہاد وغیرہ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ حضرت الاستاذ محدث کشمیری کے عنوان سے آپ کا ایک گرانقدر مقالہ حیات انور میں شامل ہے قلت گنجائش کی وجہ سے اگرچہ ہم نے اسے من وعن جزو کتاب نہ بنایا لیکن تاہم اس سے کافی استفادہ کیا۔ مولینا مرحوم نے اور باتوں کے علاوہ اس مقالہ میں حضرت شاہ صاحب کے درس حدیث کی امتیازی خصوصیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس لئے مضمون کے اس حصے کو ذیل میں درج کیا گیا۔

اپنے فاضل اجل استاد کے تبحر علمی اور آفتاب فضل وکمال کی ضیا باری کا طرز جمیل کن الفاظ میں بیان فرمایا ہے قابل مطالعہ ہے۔ (کوندو)

حضرت کے درس کی شان عجیب تھی جس کو اب دکھلانا تو ممکن نہیں البتہ بتانا کچھ ممکن ہے۔

(۱) درس حدیث میں سب سے اول اور زیادہ توجہ اس طرف فرماتے تھے کہ حدیث نبوی کی مراد باعتبار قواعد عربیت وبلاغت واضح ہو جائے۔ حدیث کی مراد کو علمی اصطلاحات کے تابع بنانے کو پسند نہ فرماتے تھے کیونکہ اصطلاحات بعد میں پیدا ہوئیں اور حدیث نبوی زمانا

درجہ مقدم ہے حدیث کو اصطلاح کے تابع کرنا خلاف ادب ہے۔

(۲) خاص خاص مواضع میں حدیث نبوی کا ماخذ قرآن کریم سے بیان فرماتے اور اسی مناسبت سے بہت سی مشکلات قرآنیہ کو حل فرمادیتے تھے۔

(۳) حسب ضرورت اسماء الرجال پر کلام فرماتے خصوصا جن رواۃ کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہوتا تو اس جرح وتعدیل کے اختلاف کو نقل کر کے اپنی طرف سے ایک قول فیصل بتلادیتے کہ یہ راوی کس درجہ میں قابل قبول ہے۔ اس کی روایت حسن کے درجہ میں ہے یا صحیح کے، یا قابل رد ہے یا قابل اغماض یا لائق مسامحت؟ اور اغماض ومسامحت میں جو فرق ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں زیادہ تر فیصلہ کا طریقہ یہ بھی رکھتے کہ جب کسی راوی کی جرح وتعدیل میں اختلاف ہوتا تو یہ بتلادیتے کہ یہ راوی ترمذی کی فلاں سند میں واقع ہے اور امام ترمذی نے اس روایت کی تحسین یا تصحیح فرمائی ہے۔

(۴) فقہ الحدیث پر جب کلام فرماتے تو اولا ائمہ اربعہ کے مذاہب نقل فرماتے اور پھر ان کے وہ دلائل بیان فرماتے جو ان مذاہب کے فقہاء کے نزدیک سب سے زیادہ قوی ہوتے پھر ان کا شافی جواب اور امام اعظمؒ کے مسلک کی ترجیح بیان فرماتے تھے۔

(۵) نقل مذاہب میں قدماء کی نقول پیش فرماتے اور ان کو متاخرین کی نقول پر پیش فرماتے اور ان کو متاخرین کی نقول پر مقدم رکھتے، ائمہ اجتہاد کے اصل اقوال پہلے فرماتے پھر مشائخ کے اقوال ذکر فرماتے تھے۔

(۶) مسائل خلافیہ میں تفصیل کے بعد یہ بتلادیتے کہ اس مسئلہ میں میری رائے یہ ہے گویا وہ ایک قسم کا فیصلہ ہوتا جو طلبہ کے لئے موجب طمانیت ہوتا۔

(۷) درس بخاری میں تراجم کے حل کی طرف خاص توجہ فرماتے اولا بخاری کی غرض ومراد واضح فرماتے تھے ثانیا یہ بھی بتلاتے کہ اس ترجمۃ الباب میں امام بخاری نے ائمہ اربعہ میں کس امام کا مذہب اختیار فرمایا ہے اور پوری بخاری آپ سے پڑھنے کے بعد یہ واضح ہوتا کہ سواء مسائل مشہورہ کے اکثر جگہ امام بخاری نے امام ابوحنیفہ اور امام مالکؒ کی موافقت کی ہے۔

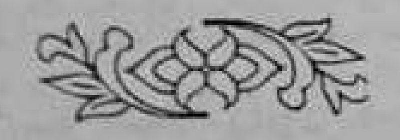
(۸) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ چونکہ امام شافعی کے مقلد ہیں اس لئے امام شافعی کی تائید میں جابجا امام طحاوی کے اقوال اور استدلال نقل کر کے اس امر کی پوری سعی کرتے ہیں کہ امام طحاوی کا جواب ضرور ہو جائے، بغیر امام طحاوی کا جواب دیئے گزرنے کو حافظ عسقلانی یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے حق شافعیت ادا نہیں کیا درس میں حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ کوشش رہتی تھی کہ مسائل

فقہیہ میں بغیر حافظ کا جواب دیئے نہ گزریں۔

(۹) اسرار شریعت میں شیخ محی الدین بن عربی اور شیخ عبدالوہاب شعرانی کا کلام زیادہ نقل فرماتے تھے۔

(۱۰) درس حدیث کی تقریر موجز ومختصر مگر نہایت جامع ہوتی تھی (جس سے ذی علم مستفید ہوسکتے تھے) ہر کس وناکس کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔

خلاصہ یہ کہ آپ کے حلقۂ درس میں بیٹھ کر محدثین سلف کی یادتازہ ہوتی تھی جب متون حدیث پر کلام فرماتے تو یہ معلوم ہوتا کہ امام طحاوی یا بخاری ومسلم بول رہے ہیں۔فقہ الحدیث پر بولتے تو امام محمد بن الحسن الشیبانی معلوم ہوتے۔حدیث کی بلاغت پر گویا ہوتے تو تفتازانی اور جرجانی کا خیال گزرتا اسرار شریعت بیان فرماتے تو ابن عربی وشعرانی کا گمان ہوتا تھا۔





قادیانیت کے خلاف

حضرت محدث کشمیریؒ کا جہاد

(مرتبہ کوندو)

آج سے تقریباً ۵۷ سال قبل یعنی ۱۹۲۰ء ۱۳۴۰ھ کے قریب قادیانی فتنہ اپنی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ پورے ہندوستان کے اطراف واکناف میں اور خصوصاً پنجاب میں ایک طوفانی صورت سے اٹھا۔ سادہ لوح اور بھولے بھالے لوگوں کی نہ جب کمی تھی اور نہ اب ہے۔ اس لئے اس زمانہ میں بہت سے لوگ قادیانی فتنہ کے شکار ہو گئے۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ اس فتنہ کو انگریزی حکومت کی پشت پناہی حاصل تھی اور یہ لوگ بھی انگریزی حکومت کے قدم کو مضبوط کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے جیسا کہ مرزا قادیانی نے خود بھی اپنی کئی تصانیف میں متعدد جگہوں پر اظہار کیا کہ ان پر انگریزوں کی وفاداری فرض ہے مثلاً ایک موقعہ پر لکھتے ہیں:

"سب سے پہلے میں یہ اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ میں ایسے خاندان میں سے ہوں جس کی نسبت گورنمنٹ نے ایک مدت دراز سے قبول کیا ہوا ہے کہ وہ خاندان اوّل درجہ پر سرکار دولت مدار انگریزی کا خیر خواہ ہے...... میرے والد صاحب اور خاندان ابتداء سے سرکار انگریزی کے بدل وجان ہوا، خواہ وفادار رہے اور گورنمنٹ عالیہ انگریزی کے معزز افسروں نے مان لیا کہ یہ خاندان کمال درجہ خیر خواہ سرکار انگریزی ہے...... یہی وجہ ہے کہ میرا باپ اور میرا بھائی اور خود میں بھی روح کے جوش سے اس بات میں مصروف رہے کہ اس گورنمنٹ کے فوائد اور احسانات کو عام لوگوں پر ظاہر کریں اور اس کی اطاعت کی فرضیت کو لوگوں کے دلوں میں جمادیں [1]۔

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

فتنہ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلمان کو سلاطین کا پرستار کرے

بہر حال اس فتنہ کا مرکز قادیان (مشرق پنجاب) تھا۔ (اور بعد ازاں ربوہ میں جو پاکستان میں

---

[1] ...... درخواست بحضور لفٹیننٹ گورنر پنجاب خاکسار غلام احمد از قادیان مورخہ ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم ۸، ۹ مولفہ میر قاسم علی قادیانی

واقع ہے، منتقل ہو چکا تھا وہاں بھی اب اللہ کے فضل سے اس کا کلی طور پر خاتمہ ہی ہوا، کیونکہ حکومت پاکستان نے علماء اسلام کے مشورے سے اس فرقہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا) اور آہستہ آہستہ اس کے اثرات ساری دنیا میں پھیلنے لگے۔ یہاں تک کہ جاہل لوگوں سے گزر کر تعلیم یافتہ طبقہ بھی اس سے متاثر ہونے لگا۔ برصغیر میں انگریزی پڑھے لکھے لوگ جو عموماً اسلام سے ناواقف تھے اور مرزا قادیانی کی عیاری اور مکاری کو تاڑنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ اس فتنہ کا شکار ہونے لگے۔ اس لئے اس فتنہ کا خاتمہ کرنے کے لئے علماء ربانی کمربستہ ہوئے جن میں امام العصر حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ والبرکات کا نام نامی سرفہرست ہے۔

فتنہ قادیانیت کے خاتمہ کے لئے مشہور اہلحدیث عالم اور مفسر قرآن حضرت مولینا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ ❶ کی خدمت بھی قابل دید ہیں۔

---

❶ ..... امام المناظرین حضرت مولینا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں امرتسر میں پیدا ہوئے ہیں۔ حضرت موصوف کی خودنوشت سوانح حیات کے مطابق ان کے والد ماجد علاقہ ڈورو اسلام آباد کشمیر کے رہنے والے تھے جو کشمیر سے امرتسر پشمینہ کا کاروبار کرنے کے لئے آتے تھے اور بعد ازاں امرتسر میں ہی سکونت پذیر ہوئے۔ ان کے بیان کے مطابق کشمیری اقوام میں ایک گوت منتو جو کہ یہاں کے برہمنوں کی ایک شاخ ہے کے ساتھ ان کا تعلق تھا۔

مولینا مرحوم کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں یہاں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ اس عظیم المرتبت مرد مجاہد نے اپنی تمام عمر اسلام کی خدمت میں صرف فرمادی یہ امر قابل ذکر ہے کہ مولینا موصوف اس امتیازی خصوصیت کے مالک ہیں جنہوں نے مختلف نظریہ کے علماء دین سے استفادہ کیا ہے۔ پنجاب میں مولینا حافظ عبدالمنان صاحب دیوبند میں مولینا محمود الحسن صاحب اور کانپور میں مولینا احمد حسن صاحب (رحمہم اللہ تعالی) ان کے شیخ الحدیث رہے ہیں۔

یوں تو اس دلیر اور حق گو عالم دین اور موحد حقیقی نے اپنی ساری عمر شرک وبدعت کے خاتمہ کے لئے صرف فرمادی لیکن پھر بھی تردید قادیانیت میں ان کی ناقابل فراموش خدمات کو اس سب پر فوقیت اور ترجیح دی جاسکتی ہے۔ علم وعمل کے اس بحر بیکران نے قادیانیت کے خلاف اتنی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں کہ خود حضرت موصوف نے ایک بار تحریر فرمایا ہے کہ ''مجھے خود ان کا شمار یاد نہیں'' آپ کے مناظروں تحریروں اور تقریروں سے مرزا قادیانی (علیہ ما علیہ) کتنا تنگ آگیا تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ کے عنوان سے مرزا نے لکھا ہے۔

مولوی ثناء اللہ نے مجھے بہت بدنام کیا میرے قلعہ کو گرانا چاہا وغیرہ اس لئے میں یہ دعا کرتا ہوں کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں مرجائے۔ پھر کیا ہوا وہ تو آج بھی بفضل خدا زبان زد خاص وعام ہے یعنی مرزا قادیانی کے مرنے کے کوئی ۴۰ سال بعد مولینا امرتسریؒ انتقال فرماگئے۔

علامہ امرتسری نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ قرآن پاک کی کئی تفسیریں لکھ کر ہم پر بار احسان رکھا ان میں تفسیر القرآن، کلام الرحمن خاص طور پر مشہور ہیں۔ آخر علوم اسلامیہ کا یہ بے لوث عالم، دلیری اور حق گوئی کا یہ پہاڑ اور مسلک اہل حدیث کا یہ یکتا خادم ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء (۱۳۶۷ھ) کی صبح کو دوشنبہ کے دن اپنے رفیق اعلی سے جاملا اور اس طرح سے علم وفضل کا یہ آفتاب تابان سرگودھا (پاکستان) کی زمین میں ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ سال وفات کا مادہ ''ھو المغفور'' ہے۔ زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے۔ (کوندہ)

حضرت موصوف قدس سرہ، حضرت شاہ صاحب کے ہم عصر اور حضرت شاہ صاحبؒ کے قدر دان تھے اس لئے اس موقعہ پر مولینا موصوف کا تذکرہ کرنا ضروری بن گیا۔

الغرض حضرت محدث کشمیریؒ نے جب یہ دیکھا کہ امت مسلمہ ایک سخت امتحان میں مبتلا ہے جس میں اس کی تباہی کا بھی خطرہ ہے تو انہوں نے قادیانی فرقہ کے غلط عقائد کی تردید میں ایک منظم مہم چلانے کا فیصلہ فرمایا کیونکہ مسیلہ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کے فتنہ سے حضرت شاہ صاحبؒ بے چین رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ امت محمدیہ میں داخلی اور اندرونی فتنہ ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے تردید قادیانیت کے لئے کیا کچھ کیا وہ بجائے خود ایک اہم باب ہے اور اس پر ایک عظیم کتاب بھی مرتب ہو سکتی ہے۔

یوں تو زیر نظر کتاب کے کئی مقالات میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے قادیانی فتنہ کے بیخ کنی کے لئے کیا کیا اقدامات فرمائے۔ لیکن ان میں مولینا بدر الحسن دربھنگوی اور مولینا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کے گرانقدر مقالات چونکہ خاص اسی موضوع پر ہیں اس لئے ان ہر دو مقالات سے بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی مساعی جمیلہ کے متعلق بڑی حد تک آگہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا کہ حضرت شاہ صاحب نے قادیانی فرقہ کے غلط عقائد کی تردید میں ایک ہمہ گیر اور منظم مہم چلانے کا فیصلہ کیا حضرت نے اپنے تلامذہ سمیت غیر منقسم ہندوستان کے مختلف شہروں کا دورہ شروع کیا۔ جگہ جگہ تبلیغی جلسوں کا انعقاد کیا اور مسلمانوں کو قادیانی فتنے سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ حضرت نے پنجاب اور صوبہ سرحد کا دورہ کیا قادیانی مبلغین سے مناظرے اور مباحثے کئے خاص کر فیروز پور پنجاب کے تاریخی مناظرہ میں اپنے رفیق کار علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سمیت قادیانی دجل وفریب کا پردہ پوری طرح چاک کر دیا۔ خاص قادیان میں جا کر قادیانیوں کو صراط مستقیم دکھائی تاکہ کسی طرح سے یہ امت خداوند کریم اور رسول برحق کی نافرمانی سے باز رہے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے قابل فخر تلامذہ کی اعانت سے تردید قادیانیت میں مختلف رسالے عربی زبان میں شائع کر کے مصر وشام اور دوسرے اسلامی ممالک میں مفت تقسیم کرائے تاکہ یہ ممالک بھی قادیانی فرقہ کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ مسئلہ حیات عیسیٰ علیہ السلام پر پہلے ایک رسالہ عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسیٰ علیہ السلام لکھا اس کے بعد بور اس کے حواشی یا ضمیمہ کے ''تحیۃ الاسلام'' نام سے دوسرا رسالہ تالیف فرمایا۔ مسئلہ کفر واسلام کے حدود پر حضرت نے رسالہ اکفار الملحدین فی شیءٍ من ضروریات الدین تالیف فرمایا خاتم نبوت پر ختم النبیین کے نام سے فارسی زبان میں بھی ایک کتاب تصنیف فرمائی اور یہ آپ نے خصوصیت سے اپنے وطن کشمیر کی ضرورت کو سامنے رکھ کر تحریر فرمائی کیونکہ ان دنوں کشمیر میں بھی قادیانی فتنہ سر اٹھا چکا

تھا۔ اس کتاب کے متعلق یہاں یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے مرض وفات میں رو رو کر فرمایا ہم نے عمر ضائع کی اور کوئی کام آخرت کے لئے نہ کیا۔ ہاں یہ رسالہ ''خاتم النبیین'' اس لعین قادیانی کے رد میں لکھا ہے توقع ہے کہ شائد یہی میری نجات کا ذریعہ ہو جائے ❶۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ''خاتم النبیین'' نامی یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور بقول مولینا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی یہی انکی خاتمۃ التصانیف بھی قرار پائی ہے۔

اس سے پہلے اردو زبان میں بھی حضرت شاہ صاحبؒ نے دعوت حفظ ایمان کے نام سے کئی رسالے تصنیف فرمائے ہیں اور وہ بھی غالبًا ان دنوں کشمیر کی ضرورت کو مدنظر رکھ کر ہی لکھے۔ ایک رفیق سے ہمیں دعوت حفظ ایمان کے دو جز ہاتھ آئے۔ مرزا قادیانی کے مبلغ علم کے بارے میں حضرت شاہ صاحب نے جو تذکرہ فرمایا ہے اسے ضبط تحریر میں لانا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

یہ شخص معمولی درجہ کی فارسی اور اردو کا مالک ہے۔ نثر ونظم میں کوئی اعلیٰ پایہ نہیں رکھتا۔ عربی میں تک بندی یا سرقہ کرسکتا ہے اور صوفیہ کرام جسے فن حقائق کہتے ہیں۔ اس میں سے کسی حقیقت کو صحیح نہیں سمجھ سکا۔ قرآن مجید کی مناسبت سے اس قدر محروم ہے کہ اپنی مطبوعات میں نہایت کثرت سے آیات غلط اور محرف نقل کرتا جاتا ہے۔ تعلیم اس کی باب اور بہاء اللہ کی تعلیم سے مسروق ہے۔ بہاء اللہ کی کتابیں یہاں بیشتر موجود نہیں تھیں۔ جس کی وجہ سے کچھ وقفہ رہا، اب کہ کتابیں اس کی آگئیں ناظرین نے اس سرقہ فاضحہ کو ثابت کر دکھایا مع ہذا اس دجال کی دیدہ دہی اس درجہ تک ہے کہ کہتا ہے۔

زندہ شد ہر نبی بآمدنم ☆ ہر رسولے نہاں بہ پیر ہنم

(یعنی) ہر نبی میرے آنے سے زندہ ہوا ہے نہیں تو مرے پڑے تھے اور ہر رسول میرے چولے میں چھپا پڑا ہے ❷۔

اسی طرح اکفار الملحدین فی ضروریات الدین میں بھی ایک جگہ مرزا کے علم کے متعلق اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

''یدعی دعاوی بسیطة عاطلة مع غایة جهله وقلة فهمه حتی انه لا تستطیع تلفیق عبارة صحیحة فی الفارسیة فکیف بالعربیة ویزعمها حقائق وهی فی الحقیقة بقائق'' ❸

جس رسالہ دعوت حفظ ایمان کے متعلق سطور بالا میں ہم نے عرض کیا اس کے آخر میں حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

---

❶ ...... حیات انور ص ۳۳۴، ۳۳۵۔ ❷ ...... ملاحظہ ہو دعوت حفظ ایمان ۲ ص۔ ❸ ...... اکفار الملحدین ص ۱۰۹۔

حکومت کشمیر کو پھر بحیثیت رعیت ہونے کے متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ کل عالم اسلام مصر، شام، عرب، عراق، ہندوستان، کابل وغیرہ قادیانیوں کو مسلمان نہیں سمجھتے ہیں ان کی بھرتی اسکولوں اور محکموں میں مسلمانوں پر احسان نہیں اور ہمیشہ موجب تصادم وخلل امن رہے گی۔

اہل کشمیر پر واضح رہے کہ جو قادیانی اخبار کشمیر سے جاری ہوا وہ قادیانی عقائد یعنی کفر کی تخم ریزی ہے۔ عنقریب شاخ وبرگ دکھلائے گا۔ مسلمان اپنی جیبیں خالی کر کے کفر نہ خریدیں والسلام۔

العارض محمد انور شاہ کشمیری عفی اللہ عنہ

از دیوبند ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۱ ہجری

الغرض شاہ صاحب نے اپنی علالت بڑھاپا اور علمی مشاغل کی کثرت کے باوجود دن رات اس فتنہ کی روک تھام میں صرف کر دیئے۔ انہوں نے ہندوستان کے دوسرے علماء وفضلاء کو بھی اصلاح قوم کی طرف متوجہ کیا۔

چنانچہ شاہ صاحب کے انتقال کے بعد ان کے شاگردوں نے اپنے استاد کے شروع کئے ہوئے کام کو جاری رکھا۔ اور اب بھی وہ اس ضمن میں اپنے فرائض سے بدستور عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔ جزاھم اللہ خیرا۔

مقدمہ بہاولپور:..... تردید قادیانیت میں شاہ صاحبؒ کا سب سے بڑا کارنامہ بہاولپور کے معرکۃ الآراء تاریخی مقدمہ میں شہادت دینا ہے۔ یہ مقدمہ ایک مسلمان عورت نے جو احمد پور شرقیہ ریاست بہاولپور کی رہنے والی تھی۔ اپنے خاوند کے خلاف دائر کیا تھا۔ اس عورت کا یہ کہنا تھا کہ اس کا شوہر مرزائی ہونے کی وجہ سے خارج اسلام ہو چکا ہے اور خارج از اسلام مرد کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح حرام ہے اس لئے اس کا نکاح فسخ قرار دیا جائے۔

یہ مقدمہ کافی عرصہ تک زیر سماعت رہا تقریباً سات سال تک بہاولپور کی ادنیٰ واعلیٰ عدالتوں میں زیر سماعت رہتے ہوئے آخر میں دربار معلیٰ بہاولپور پہنچا ۱۹۳۴ء میں یہ ضروری سمجھا گیا کہ اس مسئلہ پر فریقین یعنی قادیانی اور غیر قادیانی علماء سے روشنی ڈالنے کو کہا جائے تاکہ ان کے بیانات کی روشنی میں مقدمہ کا صحیح طور پر فیصلہ کیا جا سکے۔

قادیانیوں نے اس مقدمہ کو جیتنے کے لئے سردھڑ کی بازی لگا رکھی تھی قادیان کا بیت المال اور رجال کار مقدمہ کی پیروی کے لئے وقف ہوئے۔

ادھر مدعیہ بے چاری ایک غریب گھرانے کی لڑکی نہایت کس مپرسی میں وقت گزار رہی تھی۔

ملک کے ممتاز مسلمان علماء کو شہادت میں لانا اس کے بس سے باہر تھا اس لئے بہاولپور کے مسلمانوں کی انجمن موید الاسلام نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا اور مقدمہ کی پیروی کا انتظام کیا۔ ملک بھر کے ممتاز علماء کو خطوط لکھ کر مقدمہ کی پیروی اور شہادت کے لئے طلب کیا۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ ان دنوں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں صدر مدرسی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اور کچھ وقت سے علیل ہونے کی وجہ سے دیوبند تشریف لائے ہوئے تھے بے حد کمزور ہو چکے تھے۔ لیکن اس کے باوجود سامان سفر باندھے ڈابھیل جانے کو تیار تھے تو اس دوران بہاولپور سے مولینا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ کی طرف سے وہ خط ملا جس میں حضرت کو بہاولپور کے اس مقدمہ میں شہادت دینے کی دعوت دی گئی تھی چنانچہ انہوں نے ڈابھیل کا سفر ملتوی کیا اور علماء کی ایک بڑی جماعت کے ہمراہ بہاولپور تشریف لائے آپ کے ہمراہ حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی بھی تھے کئی روز تک بیانات ہوتے رہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے نہایت مدلل بحث کی اور فرقہ قادیانیہ کی تردید میں ایک بصیرت افروز تقریر ارشاد فرمائی۔ حضرت شاہ صاحبؒ اور ان کے ساتھیوں کی مساعی جمیلہ کا ظہور تھا کہ یہ مقدمہ ۷ فروری ۱۹۳۵ء کو بحق مدعیہ فیصل ہوا۔ جو اسی زمانے میں کتابی صورت میں شائع ہوا لیکن آج کل نایاب ہے۔

بہر حال بہاولپور کے اس معرکۃ الآراء مقدمہ میں حضرت شاہ صاحبؒ نے بیان دے کر مرزائیت کی بنیادوں کو منہدم اور قادیانی دجل وفریب کے تمام پردوں کو پارہ پارہ کر کے فرقہ مرزائیہ ضالہ کا ارتداد دنیا پر واضح کیا۔

انجمن موید الاسلام بہاولپور کے شائع کردہ البیان الازہر کے مطابق شیخ الاسلام والمسلمین اسوۃ السلف وقدوۃ الخلف حضرت مولینا محمد انور شاہ صاحب نے ۱۹ اگست کو بہاولپور کی سرزمین کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا۔ حضرت کی رفاقت میں پنجاب کے بعض علماء مولینا عبد الحنان صاحب خطیب آسٹریلیا مسجد لاہور و ناظم جمعیۃ علماء پنجاب، مولینا محمد صاحب لائل پوری (تلمیذ حضرت شاہ صاحبؒ) فاضل دیوبند اور مولینا محمد زکریا صاحب لدھیانوی وغیرہم بھی تشریف لائے، ریاست بہاولپور اور ملحقہ علاقہ کے علماء اور ملاقاتی اس قدر جمع ہوئے کہ حضرت کی قیام گاہ پر بعض اوقات بیٹھنے کی جگہ نہ ملتی تھی اور زائرین مصافحہ سے بھی محروم رہتے تھے۔ ۲۵ اگست ۱۹۳۲ء کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان شروع ہوا، عدالت کا کمرہ امراء و روساء ریاست اور علماء سے پر تھا۔ عدالت کے بیرون میدان میں دور تک مشاہدین کا اجتماع تھا۔ باوجودیکہ حضرت شاہ صاحبؒ عرصہ سے بیمار تھے اور جسم مبارک بہت ناتوان ہو چکا تھا مگر متواتر پانچ روز تک تقریبا

پانچ پانچ گھنٹے یومیہ عدالت میں تشریف لا کر علم و عرفان کا دریا بہاتے رہے۔ مرزائیت کے کفرو ارتداد اور دجل و فریب کے تمام پہلو بے نقاب کیے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان ساطع البرہان میں مسئلہ ختم نبوت اور مرزا کے ادعاء نبوت وحی مدعی نبوت کے کفر و ارتداد کے متعلق جس قدر مواد جمع ہے اور ان مسائل و حقائق کی توضیح و تفصیل کے لیے جو ضمنی مباحث موجود ہیں شاید مرزائی نبوت کے رد میں اتنا علمی ذخیرہ کسی ضخیم سے ضخیم کتاب میں بھی یکجا نہیں ملے گا۔

انجمن موید الاسلام بہاولپور کے منتظمین نے اس مقدمہ کی کاروائی بیانات اور فیصلہ وغیرہ تین حصوں میں شائع کیا ہے۔ بیانات علماء ربانی کے نام سے جو کتاب شائع ہوئی ہے۔ اس میں حضرت شاہ صاحبؒ کا بیان بھی ہے لیکن اس میں تفصیلات درج نہیں ہیں۔ جو عبارات اثناء بیان میں تشریحات اور تفسیرات کے ساتھ پیش فرمائی جاتی تھیں وہ بھی پوری درج نہیں کی گئیں صرف اتنا بیان شائع ہوا ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ جج صاحب کو املا کرواتے تھے اس میں حوالہ جات کی عبارات کا صرف اول اور آخری لفظ لے لیا گیا ہے، حالانکہ حضرت شاہ صاحب پوری عبارت مع تشریح و تفسیر سناتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ کرام میں سے ایک اہم شاگرد مولینا سید احمد رضا صاحب بجنوری مدظلہ العالی حضرت شاہ صاحب کے ملفوظات گرامی پر مشتمل کتاب نطق انور اور حصہ اول میں اس مقدمہ کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:۔

۱۲ اور ۱۳ ستمبر کو متعدد مجالس میں حضرت نے اسی مقدمہ بہاولپور کے حالات اور اپنی شہادت بیان کے کچھ حصے سناتے ہوئے فرمایا تھا کہ۔

میں نے عدالت میں پانچ وجوہ سے تکفیر مرزائیت کا ثبوت پیش کیا تھا۔ (۱) دعوائے نبوت (۲) دعوائے شریعت (۳) توہین انبیاء علیہم السلام (۴) انکار متواترات و ضروریات (۵) سب انبیاء علیہم السلام، فرمایا کہ میں نے عدالت کے سامنے سب کی تشریح کی اور اس سے پہلے یہ ثابت کیا کہ سورۂ بقر میں جو اصول ارشاد فرمائے گئے ہیں ان ہی میں سے یہ بھی ہے کہ خدا کی اطاعت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے برگزیدہ بندوں کی بھی اطاعت کی جائے جس کو قصۂ حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان سے واضح کیا گیا ہے۔ سب کے معنی برا بھلا کہنا ناسزا کہنا ہے گالی دینا نہیں۔ اس کے لئے قذف کا لفظ آتا ہے۔ اور سب کی بہت اقسام ہیں مگر جو وہاں کے تعلق اور حسب حال تھیں وہ تین اقسام بیان کیں:

(۱) سب لزوملی جو بلا قصد آ جائے جبکہ مقصد کوئی دوسری چیز بیان کرنا ہو۔

(۲) سب تعریفی: دوسرے کے کندھے پر بندوق رکھ کر چھوڑنا جیسے مرزا نے انجیل وغیرہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات بیان کیئے ہیں اور مقصد اپنا دل ٹھنڈا کرنا ہے۔

چنانچہ درچاد ورق کے بعد کہیں جا کر حوالہ دیتے ہیں ورنہ بڑی تفصیل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف شان حالات لکھتے چلے جاتے ہیں تاکہ دوسروں کے قلوب سے ان کی عزت ووقعت کم کریں۔ حالانکہ خود تعزیرات ہند میں ہے کہ اگر کوئی ہندوستانی کسی انگریز مورخ کے لکھے ہوئے کسی واقعہ کو بلاکم وکاست نقل کردے اور اس سے نفرت پھیلتی ہو و اس پر مقدمہ قائم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کو جرم سمجھا گیا ہے۔

(۳) سب صریحی: یہ ظاہر ہے اور میں نے اس کو بھی ثابت کیا اور اس سلسلہ میں مرزا کا یہ شعر پڑھ کر سنایا۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو ☆ اس سے بہتر غلام احمد ہے

اس پر وکیل مرزائیین نے اعتراض کیا کہ مولینا محمود حسن صاحب (شیخ الہند) کے ایک شعر میں بھی ایسا ہی مضمون ہے اس کا کیا جواب ہے؟ وہ شعر یہ ہے۔

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو دیکھیں ذرا ابن مریم

اس پر عدالت میں جو ہزاروں کا مجمع تھا اور ان میں ہندو بھی تھے ذرا گھبرایا کہ شاید اس کا جواب مجھ سے نہ ہو سکے تو میں نے کھڑے ہو کر تقریر شروع کی اور کہا کہ شعر میں ایک تو شاعری ہوتی ہے دوسرے جھوٹ (احسنہ اکذبہ کہ شعر میں جتنا زیادہ جھوٹ ہو اتنا ہی زیادہ اچھا سمجھا جاتا ہے) اور تیسرے مبالغہ، شاعری میں تخیل اور خیال آفرینی ہوتی ہے یعنی حقیقت شئ کے آس پاس آنا اور خود اس کو ظاہر نہ کرنا جس کا مقصد اچنبھے میں ڈالنا ہوتا ہے۔

اور یہ بھی قابل ذکر ہے کہ کسی چیز کی حقیقت کو بتلانا یہ خاصہ خدا کا ہے کہ وہی اشیاء کی حقائق کو کماھی بلاکم وکاست بیان کرسکتا ہے دوسرا نہیں۔

پس شاعر اپنے کی شاعرانہ جذبات میں یہ ظاہر ہی نہیں کرنا چاہتا کہ میں کوئی حقیقت بیان کر رہا ہوں نہ وہ اس کا مدعی ہوتا ہے۔ البتہ اپنے کسی اچھوتے تخیل یا خیال آفرینی کی صرف داد چاہتا ہے۔

چنانچہ حضرت الاستاذ مولینا شیخ الہند کی مراد یہ ہے کہ ہمارے مشائخ طریقت وشریعت نے مردہ دلوں کو زندہ کیا اور زندہ دلوں کو مرنے نہ دیا۔ اس مصرعہ میں صرف دل کا لفظ محذوف ہے۔ جس سے شاعر نے اچنبھے میں ڈالا اور خیال آفرینی کی داد چاہی ہے۔

پھر چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرنے کے بارے میں بڑے مشہور و نامور پیغمبر ہیں اس لئے ان کو اس میں سب سے بڑا فرض کیا ہے اور دوسرے مصرعہ سے منشا یہ ہے کہ وہ دیکھیں تو اس کی داد دے سکتے ہیں جیسے بڑے چھوٹوں کی کارگزاری پر داد دیا کرتے ہیں۔

لہٰذا حضرت مولینا رحمۃ اللہ علیہ کے شعر میں خالص ایمان ہے اور مرزا کے شعر میں خالص کفر ہے۔ کیونکہ حضرت مولینا رحمۃ اللہ علیہ نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس منقبت احیاء موتی میں سب سے زیادہ معظم و مکرم قرار دیکر اپنے اکابر کو بھی ان کے چھوٹوں کے مرتبہ میں اقرار دے کر اپنی طرف سے حضرت مسیح علیہ السلام کی بڑی سے بڑی عظمت کا اقرار فرمایا ہے اور اس کے برعکس مرزا صاحب نے اپنے شعر کے پہلے مصرعہ میں تو حضرت مسیح علیہ السلام کے ذکر مبارک سے اعراض کی تلقین کی جیسے کسی کمتر کے ذکر کو ناقابل التفات سمجھ کر ایسا کہا جاتا ہے اور دوسرے مصرعہ میں مزید اہانت یہ کی کہ صاف طور سے یہ کہہ دیا کہ اس سے یعنی حضرت مسیح علیہ السلام سے بہتر غلام احمد ہے۔ نعوذ باللہ من ھذا الکفریات۔ اس سے زیادہ کفر کی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ شعر میں جھوٹ ہوا کرتا ہے اور اس کا قائل اس کے جھوٹ ہونے کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔

تیسرے مبالغہ ہوا کرتا ہے کہ شاعر چھوٹی چیز کو بڑا دکھلاتا ہے اور خود قائل بھی سمجھتا ہے کہ یہ غلط ہے اور اگر کسی مجمع میں اس سے دریافت کیا جائے تو وہ اس کے زائد از حقیقت ہونے کا اقرار کرلے گا۔

اس مسکت و مدلل جواب سے ان کا اعتراض ختم ہو گیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے مزید فرمایا کہ ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کے اہم اور بنیادی مسائل میں سے ہے اور خاتم النبیین کے جو معنی قادیانی بیان کرتے ہیں آیات قرآنی و احادیث صحیحہ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ ختم نبوت کا عقیدہ قرآن مجید کی بہت سے آیات سے احادیث متواتر المعنی سے اور قطعی اجماع امت سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ اس کا منکر قطعاً کافر ہے۔ کوئی تاویل و تحقیق اس میں قبول نہیں کی گئی اس میں تاویل و تخصیص کرنے سے وہ شخص ضروریات دین میں تاویل کرنے کی وجہ سے منکر ضروریات دین سمجھا جائے گا۔ ختم نبوت کے بارے میں ہمارے پاس تقریباً دو سو احادیث ہیں۔

قادیانی وکلاء کی طرف سے اس ضمن میں یہ کہا گیا کہ حدیث میں ہے کہ قرآن شریف کی ہر آیت کے ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی اور تاویل کرنے والے کو کافر نہیں سمجھا گیا۔

اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ حدیث قوی نہیں ہے اور باوجود قوی نہ ہونے کے اس کی مراد ہمارے نزدیک صحیح ہے اس حدیث میں لفظ بطن سے تو جو کچھ حضور ﷺ کے دل میں تھا وہ سب منکشف نہیں ہے۔ مجملاً ہم سمجھتے ہیں کہ ظہر قرآں کی مراد وہ ہے جو قواعد

لغت اور عربیت سے اور ادلہ شریعت سے علماء شریعت سمجھ لیں اور اس کے تحت میں قسمیں ہیں اور باطنی سے یہ مراد ہے کہ حق تعالیٰ اپنے ممتاز بندوں کو ان حقائق سے سرفراز کردے اور بہتوں سے وہ مخفی رہ جائیں۔ لیکن ایسا کوئی باطن جو مخالف ظاہر کے ہو اور قواعد شریعت اسکو رد کرتے ہوں مقبول نہ ہوگا۔ اور رد کیا جائے گا اور بعض اوقات باطنیت الحاد تک پہنچادے گا۔ حاصل یہ ہے کہ ہم مکلف فرمانبردار بندے اپنے مقدور کے موافق ظاہر کی خدمت کریں اور باطن کو خدا کے سپرد کردیں۔

رہا تاویل کا مسئلہ تو اخبار احاد کی تاویل اگر کوئی شخص قواعد کے مطابق کرے تو اس کے قائل کو بدعتی نہیں کہیں گے البتہ اگر قواعد کی رو سے صحیح نہیں تو وہ خاطئی ہے۔

فرمایا مرزا صاحب نے آیات قرآنی کو اپنے اوپر چسپاں کیا ہے جیسا کہ آیت ھُوَ الَّذِیْ ارسل رسولہ الایۃ کے متعلق کہا کہ اس میں میرا ذکر ہے اور دوسری جگہ محمد رسول اللّٰہ آلایۃ میں کہا کہ اس میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی، اسی طرح اور کئی تصریحات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ آیات قرآنی کو اپنے اوپر چسپاں کرتے تھے جس سے رسول اللہ ﷺ کی توہین ہوتی ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین اور حضرت مریم کی شان میں بھی گستاخی کی ہے۔ ان سب سے قرآن مجید کی صریح آیات کی تکذیب ہوتی ہے۔

وکیل قادیانی نے مرزا صاحب کی طرف سے صفائی میں بعض عبارتیں ایسی پیش کیں جن سے انبیاء علیہم السلام کی مدح نکلتی ہے۔ تو اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ:

جب ایک جگہ کلمات توہین ثابت ہوگئے تو دوسری ہزار جگہ بھی کلمات مدحیہ لکھے ہوں اور ثنا خوانی کی ہو تو وہ کفر سے نجات نہیں دلا سکتے، جب کہ تمام دنیا اور دین کے قواعد مسلمہ اس پر شاہد ہیں کہ اگر ایک شخص تمام عمر کسی کی اتباع اور اطاعت گزاری کرے اور مدح وثنا کرتا رہے لیکن کبھی کبھی اس کی سخت ترین توہین کردیا کرے تو کوئی انسان اس کو واقعی مطیع و معتقد نہیں کہہ سکتا۔

فرمایا:۔ مدحیہ اشعار تحقیقی نہیں ہوتے بلکہ بشر کے کلام انکل کے ہوتے ہیں اور شاعرانہ محاورہ نئی نوع کلام کی تسلیم کی گئی ہے۔ فرق یہ ہے کہ جو خدا کا کلام ہوگا تو وہ عقیدہ ہوگا اور وہ کسی طرح انکل نہ ہوگی۔ بلکہ حقیقت حال ہوگی نہ کم نہ بیش اور بشر انتہائی حقیقت کو نہیں پہنچتا تخمینی الفاظ کہتا ہے اور خود شاعر کی نیت بھی اس کو عالم سے منوانا نہیں ہوتی۔ پھر جھوٹے اور شاعر میں یہ فرق ہے کہ جھوٹا کوشش کرتا ہے کہ میرے کلام کو لوگ سچ مانیں اور شاعر کی یہ کوشش بالکل نہیں ہوتی بلکہ وہ خود بھی سمجھتا ہے کہ لوگ میرے اس کلام کو حقیقت پر نہیں سمجھیں گے چنانچہ مرزا صاحب نے خود اپنی کتاب دافع

کے ص ۲۰ پر لکھا ہے کہ یہ باتیں شاعرانہ نہیں بلکہ واقعی ہیں۔
انبیاء علیہم السلام میں باہمی فضیلت کا باب فرق مراتب کا ہے اور جو پیغمبر افضل ہے تو کسی قرینہ سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ کسی دوسرے سے افضل ہے اور نبی کریم ﷺ سے یہ فرق مراتب اس احتیاط سے امت کو پہنچا ہے کہ اس سے فوق متصور نہیں لیکن ایسی فضیلت دینا کسی پیغمبر کو اگر چہ واقعی ہو جس سے دوسرے کی توہین لازم آتی ہو کفر صریح ہے۔
مرزا صاحب کے عقائد کے متعلق فرمایا:
مرزا صاحب کی پیدائش چونکہ مسلمان گھرانہ میں ہوئی تھی اور نسلی کافر نہیں تھے اس لئے ابتداء ان کی نشو ونما تمام اسلامی عقائد پر ہوئی اور وہ ان کے پابند رہے۔ پھر تدریجاً ان سے الگ ہونا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آخری اقوال میں بہت سے ضروریات دین کے قطعاً مخالف ہو گئے۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے باطل اور جھوٹے دعوؤں کو روج دینے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی کہ اسلامی عقائد کے الفاظ وہی قائم رکھے جو قرآن مجید واحادیث میں مذکور ہیں۔ اور عام وخاص مسلمانوں کی زبان پر جاری ہیں لیکن ان کے حقائق کو ایسا بدل دیا کہ جس سے ان عقائد کا بالکلیہ انکار ہو گیا۔ (مثلاً جس طریق سے نفخ صور یا قیامت کی خبر قرآن مجید وحدیث میں آئی ہے اس سے بالکل انکار ہے صرف ظاہری الفاظ رکھے مگر معنی الٹ دیئے)۔
اس لئے ان کی کتابوں سے ایسے اقوال پیش کرنا جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بعض عقائد میں اہلسنت والجماعت کے ساتھ شریک ہیں۔ ان کے اقوال وافعال کفریہ کا کفارہ نہیں بن سکتے جب تک اس کی تصریح نہ ہو کہ جو عقائد کفریہ انہوں نے اختیار کئے تھے ان سے توبہ کر چکے ہیں۔ اور جب تک توبہ کی تصریح نہ ہو۔ چند عقائد اسلام کے الفاظ کتابوں میں لکھ کر کفر سے نہیں بچ سکتے کیونکہ زندیق اسی کو کہا جاتا ہے جو عقائد اسلام ظاہر کردے اور قرآن وحدیث کے اتباع کا دعوی کرے لیکن ان کی ایسی تاویل وتحریف کر دے جس سے ان کے حقائق بدل جائیں۔ لہذا جب تک اس کی تصریح نہ دکھلائی جائے کہ مرزا صاحب ختم نبوت اور انقطاع وحی کے اس معنی کے لحاظ سے قائل ہیں جس معنی سے کہ صحابہ وتابعین اور تمام امت محمدیہ قائل ہے۔ اس وقت تک ان کی کسی ایسی عبارت کا مقابلہ میں پیش کرنا مفید نہیں ہو سکتا جس میں خاتم النبیین کے الفاظ کا اقرار کیا ہو۔ اسی طرح نزول مسیح وغیرہ عقائد کے الفاظ کا کسی جگہ اقرار کر لینا یا لکھ دینا بغیر تصریح مذکور کے ہرگز مفید نہیں ہے۔ خواہ وہ عبارت تصنیف میں مقدم ہو یا موخر۔
یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مرزا صاحب اپنی آخر عمر تک دعویٰ نبوت پر قائم رہے اور اپنے کفریہ

عقائد سے کوئی توبہ نہیں کی، علاوہ ازیں اگر یہ ثابت بھی نہ ہو تو کلمات کفریہ اور عقائد کفریہ کہنے اور لکھنے کے بعد اس وقت تک ان کو مسلمان نہیں کہہ سکتے جب تک ان کی طرف سے ان عقائد سے توبہ کرنے کا اعلان نہ پایا جائے اور یہ اعلان ان کی کسی کتاب یا تحریر سے ثابت نہیں کیا گیا۔

مرزا صاحب کے ایک قول سے جو تریاق القلوب حاشیہ ۳۷۷ سے نقل کیا گیا ہے اور جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے کہ مراتب وجود دوریہ ہیں۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خو، طبیعت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے قریباً ڈھائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد پھر عبداللہ پسر عبدالمطلب کے گھر میں جنم لیا اور محمد کے نام سے پکارا گیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے حسب ذیل نتائج اخذ فرمائے:

(۱) اس قول سے لازم آیا کہ سرور عالم محمد کوئی چیز نہیں تھے۔ اور آپ کا تشریف لانا بعینہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تشریف لانا ہے۔ گویا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہیں اور اصل ابراہیم علیہ السلام رہے اور آئینہ رسول اللہ ﷺ ہوئے اور چونکہ ظل اور صاحب ظل میں مرزا صاحب کے نزدیک عینیت ہے اور اسی وجہ سے وہ اپنے کو ''عین محمد'' کہتے ہیں۔ تو جب محمدؐ بروز ابراہیمؑ ہوئے تو مرزا صاحب عین ابراہیم بھی ہوئے۔ اس سے صاف لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ رسول اللہ کا کوئی وجود بالاستقلال نہیں اور نہ ان کی نبوت کوئی مستقل شے ہے۔

(۲) رسول اللہ ﷺ ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے اور خاتم النبیین آپ ہوئے کہ خاتم بروز اور ظل ہوتا ہے صاحب ظل اور اصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح مرزا صاحب آنحضرت کے بروز ہوئے تو خاتم النبیین مرزا صاحب ہوئے نہ کہ آنحضرت ﷺ۔

(۳) جب رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے تو جملہ کمالات نبوت اگر مجتمع ہوں گے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام میں ہوں گے نہ کہ آنحضرت میں اور یہ باطل و بے معنی ہے۔

فرمایا:

مرزا صاحب کی کتابیں دیکھنے سے یہ بات پوری طرح روشن ہو جاتی ہے کہ ان کی ساری تصانیف میں صرف چند ہی مسائل کا تکرار اور دور ہے، ایک ہی مسئلہ اور ایک ہی مضمون کو بیسیوں کتابوں میں مختلف عنوانوں سے ذکر کیا ہے اور پھر سب اقوال میں اس قدر نہایت تعارض پایا جاتا ہے اور خود مرزا صاحب کی ایسی پریشان خیالی ہے اور بالقصد ایسی روش اختیار کی ہے، جس سے نتیجہ

بزور ہے اور ان کو بوقت ضرورت مخلص ومفر باقی رہے۔

چنانچہ کہیں تو وہ ختم نبوت کے عقیدہ کو اپنے مشہور اور اجماعی معنی کے ساتھ قطعی اور اجماعی عقیدہ کہتے ہیں اور کہیں ایسے عقیدہ بتلانے والے مذہب کو لعنتی اور شیطانی مذہب قرار دیتے ہیں۔ کہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو تمام امت محمدیہ کے عقیدہ کے موافق متواترات دین میں داخل کرتے ہیں اور اس پر اجماع ہونا نقل کرتے ہیں اور کہیں اس عقیدہ کو مشرکانہ عقیدہ بتلاتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کے متعلق مرزا صاحب کے جو اقوال ان کی کتب دافع البلاء اور ضمیمہ انجام آتھم وغیرہ میں ہیں۔ ان کتابوں سے پیش کر کے دکھلایا گیا تھا کہ ان میں بہت سی سب وشتم درج ہے۔ ان کے بارے میں وکیل قادیانی نے جواب دیا کہ ان میں عیسائی مخاطب ہیں اور ان اقوال میں ان لوگوں کے اعتقادات کے مطابق جو ان کی کتابوں میں درج ہیں انہیں الزامی جواب دیے گئے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے ان دشنام آمیز الفاظ کو اپنی شہادت میں بسلسلہ توہین عیسیٰ علیہ السلام بیان نہیں کیا اور کہا کہ میں موجب ارتداد مرزا صاحب کے سلسلہ میں اس قسم کی کوئی خطا پیش نہیں کرتا جس میں کہ مجھے بہت سے بحث کرنی پڑے بلکہ میں اس چیز کو لیتا ہوں جسے انہوں نے قرآن کی تفسیر بتایا ہے اور اسے حق کہا ہے۔

غرض میں نے مرزا صاحب کی نیت پر گرفت نہیں کی زبان پر کی ہے اور نہ ہی وجہ ارتداد میں تعریض کو لیا ہے بلکہ جس ہجو کو اس نے قرآن مجید سے مستند کیا اور اسے قرآن مجید کی تفسیر گردانا اور جس ہجو کو اپنی جانب سے حق کہا اس کو وجہ اللہ قرار دیا اور اس ضمن میں مرزا صاحب کے حسب ذیل اقوال داخل کیے:

(۱) ''مگر میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے''۔

(۲) ''عیسائیوں نے آپ کے بہت سے معجزات لکھے ہیں، مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا''۔

اس سے صریح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین نکلتی ہے کیونکہ ''میرے نزدیک'' اور ''حق بات'' کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مرزا صاحب کے اپنے فیصلہ کے الفاظ ہیں۔

وکیل قادیانی نے صوفیاء کرام کے بعض ایسے قابل اعتراض اقوال پیش کیے جو مرزا صاحب

کے اقوال کے مشابہ ہیں اور باوجود ان اقوال کے ان کو مسلمان کہا جاتا ہے۔ تو حضرت شاہ صاحبؒ نے جواب میں فرمایا:

''ہم نے اولیاء اللہ کو ان کی طہارت، تقدس و تقویٰ کی بے شمار خبریں سن کر اور ان کے شواہد افعال و اعمال اور اخلاق سے تائید پاکر ان کو ولی مقبول تسلیم کرلیا ہے۔ تو ان کے بعد اگر کوئی کلمہ معارض یا موہم ہمارے سامنے ان کا آتا ہے تو ہم اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کی توجیہہ کریں اور حل نکالیں لیکن کسی شخص کی راست بازی ثابت ہونے سے پیشتر ہی اس کے شطحیات (مبالغہ میں ڈالنے والے کلمات) پیش کرکے اس کو مسلم الثبوت مقبولوں پر قیاس کرنا عاقل کا کام نہیں نہ ان کی تاویل کی ضرورت''

حاصل یہ کہ کسی کی راست بازی اگر جداگانہ کسی طریقہ اور دلیل سے معلوم ہو چکی ہو تو ہم محتاج تاویل و توجیہہ ہونگے اور اگر زیر بحث صرف یہی کلمات موہم اور مغالطہ آمیز ہیں اور اس سے پیشتر کچھ سامان خیر کا ہی نہیں تو ہم یہ کھوٹی پونجی اس کے منہ پر ماردیں گے۔

قادیانی وکیل نے کہا کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں اور جو کلمہ لا الہ الا اللہ کہے اس کو بھی کافر کہنا درست نہیں۔ اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

''یہ بات کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں ہے بے علمی اور ناواقفیت پر مبنی ہے کیونکہ حسب تصریح واتفاق علماء اہل قبلہ کے یہ معنی نہیں کہ جو قبلہ کے طرف منہ کرے وہ مسلمان ہی ہے چاہے سارے عقائد اسلام کا انکار ہی کرے''۔

قرآن مجید میں منافقین کو عام کفار سے زیادہ کافر ٹھہرایا گیا حالانکہ وہ فقط قبلہ کی طرف منہ ہی نہیں کرتے تھے بلکہ تمام ظاہری احکام اسلامیہ بھی ادا کرتے تھے۔

اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اتفاق کیا ضروریات دین پر اور اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کی مراد یہ ہے کہ کافر نہ ہوگا جب تک نشانی کفر کی اور علامت کفر کی اور کوئی چیز موجبات کفر میں سے نہ پائی گئی ہو۔

ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ قادیانی نماز، روزہ، حج اور زکوۃ عام ارکان اسلام کے پابند ہیں اور تبلیغ اسلام میں کوشش کرتے ہیں پھر ان کو کافر کیسے کہا جائے گا؟ اس کے جواب میں فرمایا:

صحیح حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ایک قوم ایسی آئے گی جس کے متعلق آنحضرت ﷺ خود فرماتے ہیں کہ دین اسلام سے نکل جائے گی اور ان کو قتل کرنے میں بڑا ثواب ہے۔ یہ لوگ نماز

روزے کے پابند ہونگے بلکہ ظاہری خشوع وخضوع کی کیفیات بھی ایسی ہوں گی کہ ان کے نماز، روزے کے مقابلہ میں مسلمان اپنے روزے کو بھی ہیچ سمجھیں گے لیکن اس کے باوجود جب کہ بعض ضروریات دین کا انکار ان سے ثابت ہو تو ان کی نماز روزہ وغیرہ ان کو حکم کفر سے بچا نہ سکی۔

ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ فقہاء نے ایسے شخص کو مسلمان ہی کہا ہے جس کے کلام میں ۹۹ وجوہات کفر کی موجود ہوں اور صرف ایک وجہ اسلام کی اس کے جواب میں فرمایا:

اس کا منشا بھی یہی ہے کہ فقہاء کا منشا نہیں سمجھا گیا اور نہ ان کے وہ اقوال دیکھے جن میں صراحۃ بیان کیا گیا ہے کہ یہ حکم اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ اس وقت ہے جب کہ قائل کا صرف ایک کلام مفتی کے سامنے آئے اور قائل کا کوئی دوسرا حال معلوم نہ ہو اور نہ اس کے کلام میں کوئی تصریح ہو جس سے معنی کفر متعین ہو جائے تو ایسی حالت میں مفتی کا فرض ہے کہ معاملہ تکفیر میں احتیاط برتے اور اگر کوئی خفیف سے خفیف احتمال ایسا نکل سکے جس کی بناء پر یہ کلام کفر سے بچ سکے تو اسی احتمال کو اختیار کرے اور اس شخص کو کافر نہ کہے۔ لیکن اگر ایک شخص کا یہی کلمۂ کفر اس کی سینکڑوں تحریرات میں بعنوانات والفاظ مختلفہ موجود ہو جس کو دیکھ کر یہ یقین ہو جائے کہ یہی معنی (معنی کفری) مراد لیتا ہے یا خود اپنے کلام میں معنی کفری کی تصریح کر دے تو باجماع فقہاء ایسے شخص پر قطعی طور پر کفر کا حکم لگایا جائے اور اس کو مسلمان ہرگز نہیں کہہ سکتے۔

ایک شبہ یہ پیش کیا گیا کہ اگر کوئی کلمہ کفر کسی تاویل کے ساتھ کہا جائے تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگے گا۔ اس کے جواب میں فرمایا:

اس میں تصریحات فقہاء سے ناواقفیت کارفرما ہے کیونکہ حضرات فقہاء و متکلمین کی تصریحات موجود ہیں کہ تاویل اس کلام اور اس چیز میں مانع تکفیر ہوتی ہے جو ضروریات دین میں سے نہ ہو لیکن ضروریات دین میں اگر کوئی تاویل کرے اور اجماعی عقیدہ کے خلاف کوئی نئے معنی تراشے تو بلاشبہ اس کو کافر کہا جائے گا۔ اس کو قرآن مجید نے الحاد اور حدیث نے زندقہ قرار دیا ہے۔

زندیق وہ ہے جو مذہبی لٹریچر بدل دے یعنی الفاظ کی حقیقت بدل دے مرزا صاحب نے بہت سے اسلامی عقائد کے حقائق بدل دیئے ہیں گو ان کے الفاظ وہی رہنے دیئے ہیں اس لئے ان کو حسب تصریحات مذکورہ بالا کافر ہی قرار دینا پڑے گا۔ اور ان عقائد کے تحت ان کا اتباع کرنے والا بھی اسی طرح کافر سمجھا جائے گا۔

دلیل قادیانی کی طرف سے شیخ محی الدین عربی اور دیگر بزرگوں کے اقوال نقل کر کے یہ ثابت کیا گیا کہ ان کے نزدیک بھی نبوت مرتفع ہونے سے یہ مراد ہے کہ شریعت والی نبوت مرتفع ہو گئی نہ کہ

مقام نبوت اور وہ حضور ﷺ کے قول لا نبی بعدی کا مطلب سمجھتے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں ہوگا جو آپ کی شریعت کے خلاف ہو بلکہ جب بھی ہوگا آپ کی شریعت کے ماتحت ہوگا۔اس کے جواب میں ہماری طرف سے ان حضرات کے اقوال کی توجیہیں بیان کی گئیں۔اور میں نے کہا کہ دین کے معاملہ میں انکے اقوال دوسروں پر کوئی حجت نہیں ہو سکتے کیونکہ دینی معاملات میں سوا نبی کی وحی کے اور کوئی بات قطعی نہیں ہے۔

وکیل قادیانی کی طرف سے کہا گیا کہ حضرت شیخ اکبر اور حضرت مجدد صاحب اور مولینا روم کی کتابوں میں ہے کہ تمام اقسام وحی کی جو قرآن میں مذکور ہیں خدا کے نیک بندوں (اولیاء اللہ) میں پائی جاتی ہیں اور وہ وحی جو نبی میں ہے وہ خاص ہے اور وہ شریعت والی وحی ہے جو انبیاء علیہم السلام کو ہوتی ہے وہ اس امت کے بعض کامل افراد کو بھی ہوئی ہے اور جیسا کہ مولینا رومی نے کہا کہ ہوتی تو وہ وحی حق ہی ہے لیکن صوفیاء عام لوگوں سے پردہ کرنے کی خاطر اسے وحی دل بھی کہہ دیتے ہیں اور جن طریقوں سے انبیاء علیہم السلام کو وحی یا الہام ہوتا ہے ان ہی طرق سے اولیاء اللہ کو ہوتا ہے اگر چہ اصطلاحاً ان کا نام رکھنے میں فرق مراتب کے لئے فرق کیا ہے کہ انبیاء کی وحی کو وحی اور اولیاء کی وحی کو الہام کہتے ہیں اور ولی پر بھی وحی بواسطۂ ملک ہوتی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس پر بحث کے دوران فرمایا کہ:

''صوفیاء کے یہاں ایک باب ہے جس کو شطحیات کہتے ہیں۔اس کا حاصل یہ ہے کہ ان پر حالات گزرتے ہیں اور ان حالات میں کچھ کلمات ان کے منہ سے نکل جاتے ہیں جو ظاہری قواعد پر چسپاں نہیں ہوتے اور بسا اوقات غلط راستہ لینے کا سبب بن جاتے ہیں۔صوفیاء کی تصریح ہے کہ ان پر کوئی عمل پیرا نہ ہو اور تصریح کرتے ہیں کہ جن پر یہ احوال نہ گزرے ہوں یا جو ان کی اصطلاحات سے واقف نہ ہو وہ ہماری کتابوں کا مطالعہ نہ کریں''۔

مجملاً ہم بھی یہی سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص جو کسی حال کا مالک ہوتا ہے دوسرا خالی آدمی ضرور اس سے الجھ جائے گا لیکن دین میں کسی زیادتی کمی کے صوفیاء میں سے کوئی قائل نہیں اور اس کے مدعی کو کافر بالاتفاق کہتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ صوفیاء نے نبوت بمعنی لغوی لے کر مقسم بتایا ہے اور اس کی تفسیر خدا سے اطلاع پانا۔دوسرے کو اطلاع دینا کی ہے اور اس کے نیچے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام دونوں کو داخل کیا اور نبوت کی دو قسمیں کردیں، نبوت شرعی اور نبوت غیر شرعی۔

نبوت شرعی کے نیچے وحی اور رسل دونوں درج کردیے تو اب ان کے لئے نبوت غیر شرعی

اولیاء کے کشف والہام کے لئے نکھر گئی اور مخصوص ہوگئی۔

پھر صوفیاء کی تصریح ہے کہ کشف والہام کے ذریعے مستحب کا درجہ بھی ثابت نہیں ہو سکتا صرف اسرار معارف اور مکاشف اس کا دائرہ ہیں، اور تصریح فرماتے ہیں کہ ہمارا کشف دوسرے پر حجت نہیں۔ ہمارا کشف ہمارے لئے ہے۔

کشف اسے کہتے ہیں کہ کوئی پیرایہ آنکھوں سے دکھلایا جس کی مراد کشف والا خود نکالے الہام اسے کہتے ہیں کہ دل میں کوئی مضمون ڈال دیا اور سمجھا دیا جائے وحی یہ ہے کہ خدا اپنا ضابطہ کا پیغام کسی نبی یا رسول پر بھیجے پھر وحی قطعی ہے اور کشف والہام ظنی ہیں۔ بنی آدم میں وحی پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے، غیروں کے لئے کشف یا الہام ہے یا معنوی وحی ہو سکتی ہے، شرعی نہیں ❶۔

حضرت شاہ صاحبؒ کو بہاولپور کے اس تاریخی مقدمہ میں اپنے ایک شاگرد رشید مولینا محمد صاحب انوری لائلپوری ❷ بھی ہمراہ تھے۔ موصوف کو حضرت شاہ صاحبؒ نے مختار مقدمہ بنوا دیا تھا۔ مولینا ممدوح اس تاریخی سفر میں شب وروز انیس یوم تک حضرت شاہ صاحب کے ساتھ رہے۔ نیز حضرت کے عدالتی بیان میں جس قدر حوالہ جات کتب کی ضرورت پیش آتی تھی وہ بھی مولینا موصوف ہی نکالکر پیش کرتے تھے۔ جن کو حضرت شاہ صاحب خود پڑھ کر جج صاحب کو سناتے تھے۔ حضرت الاستاد محدث کشمیریؒ کے عنوان سے حضرت شاہ صاحبؒ پر ان کا ایک فاضلانہ مقالہ "حیات انور" میں ہے۔ طوالت کے خوف سے اسے شامل کتاب نہ کیا گیا البتہ کتاب مذکور کے ان صفحات کو من وعن جزو کتاب بنایا گیا جن میں موصوف نے وضاحت سے تحریر فرمایا ہے کہ کس طرح دلائل وبراہین سے حضرت شاہ صاحبؒ نے فاضل جج کو قائل کیا کہ قادیانی امت خارج از دائرہ اسلام ہے۔

چنانچہ مولینا لائلپوریؒ یوں رقمطراز ہیں۔

"حضرت کا حافظہ اس وقت قابل دید وشنید تھا جب حوالہ دیتے، کتاب کھولتے ہی فوراً انگشت مبارک عبارت پر ہوتی۔ جج صاحب لکھئے! عبارت یہ ہے بعض دفعہ احقر کو حکم فرماتے کہ عبارت نکال کر دکھاؤں، بعض مرتبہ صفحہ بھی ارشاد فرماتے۔ بیان بیٹھ کر فرماتے لیکن حوالہ جات پیش فرماتے وقت کھڑے ہو جاتے توراۃ شریف کی بعض آیات عبرانی الفاظ میں سنائیں اور اپنے دست مبارک سے لکھ کر جج صاحب کو دیں۔ چنانچہ ایک آیت احقر کو یاد ہے۔

---

❶ ملاحظہ ہو نطق انور جلد اول ص ۲۸-۵۰ف۔ ❷ مولینا لائلپوری ۲۲ جنوری ۱۹۷۰ء کو لائل پور میں انتقال کر گئے۔ ایک محتاط اندازہ کے مطابق ایک لاکھ سے زائد افراد نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ

نابی مقربخ میحخ کاموخ یاقیم لخ الوھخ الاوتشماعون. نبی من
قربك من احلك كاحيك يقيم لك الهك اليه تسمعون.

ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے لکھ کر اس
آیت کا بنی اسرائیل میں اعلان فرمایا۔

(شاہ صاحبؒ نے) فرمایا:

جج صاحب لکھیے، ہمارا دین متواتر ہے اور دنیا میں کوئی دین متواتر نہیں تواتر کی تعریف بیان
فرما کر اس کے اقسام تواتر اسناد ❶، تواتر طبقہ ❷، تواتر قدر مشترک ❸ اور تواتر توارث ❹ بیان
فرمائے، فرمایا تواتر کی ایک قسم معنوی بھی ہے، اور تواتر کی کسی ایک قسم کا منکر کافر ہے۔ مرزا غلام احمد
نے تواتر کے جمیع اقسام کا انکار کیا ہے جرح کے روز جلال دین شمس مرزائی مختار مدعا علیہ نے سوال کیا
کہ آپ نے تواتر کے منکر کو کافر کہا ہے حالانکہ یہ تو ایک اصطلاح ہے جو علماء نے گھڑ رکھی ہے۔ اس
کا منکر کیسے کافر ہو سکتا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ تم لوگ مانتے ہو یا نہیں کہ یہ قرآن مجید وہی قرآن ہے جو
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور ہم تک محفوظ چلا آیا؟ جلال الدین نے کہا کہ ہم مانتے
ہیں، فرمایا کہ اس حالت میں حفاظت کا نام تمہارے ہاں کیا ہے؟ جلال الدین نے کہا تواتر۔ فرمایا
اس کا منکر کافر ہوگا یا نہیں، مرزائی مختار نے اقرار کیا فرمایا کہ میں یہی تو کہہ رہا تھا، قادیانی مختار نے
سوال کیا کہ امام رازی نے تواتر معنوی کا انکار کیا ہے۔ چنانچہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں
بحر العلوم نے تصریح کی ہے۔ فرمایا، جج ہمارے پاس فواتح الرحموت کتاب موجود نہیں ہے۔ بتیں

---

❶ ...... تواتر اسنادی یہ ہے کہ صحابہ سے بسند صحیح متصل مذکور ہو۔ ❷ ...... تواتر طبقہ یہ ہے کہ جب یہ معلوم نہ ہو کہ کس نے کس سے لیا اور صرف یہی معلوم ہو کہ پچھلی نسل نے اگلی نسل سے سیکھا جیسا کہ قرآن مجید کا تواتر ہے۔ ❸ ...... تواتر قدر مشترک یہ ہے کہ کئی حدیثیں بطور خبر واحد آئی ہوں اور ان میں قدر مشترک متفق علیہ حصہ وہ حاصل ہو جو تواتر کو پہنچ جائے مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات، جو کچھ متواتر ہیں اور کچھ اخبار آحاد ہیں، ان اخبار آحاد میں اگر کوئی مضمون مشترک ملتا ہے تو وہ قطعی ہو جاتا ہے۔ اس سے بعض ایسی احادیث جو باعتبار لفظ وسند متواتر نہیں ہیں وہ باعتبار معنی کے متواتر ہو جاتی ہیں اگر ان معانی کو بہت سی سندوں سے اتنے راویوں نے بیان کیا ہو جن کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔ ❹ ...... تواتر توارث یہ ہے کہ نسل نے نسل سے لیا ہو مثلاً بیٹے نے باپ سے لیا ہو اور باپ نے اپنے باپ سے۔ ان جملہ اقسام کے تواتر کا انکار کفر ہے۔ اگر متواترات کے انکار کو کفر نہ کہا جائے تو اسلام کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی ان متواترات میں تاویل کرنا یا مطلب بگاڑنا کفر صریح ہے کفر کبھی قولی ہوتا ہے کبھی فعلی کوئی شخص ساری عمر نماز پڑھتا رہے اور ۲۰ سال کے بعد ایک بت کے آگے سجدہ کر دے تو یہ کفر فعلی ہے۔ کفر قولی یہ ہے کہ کوئی شخص کہہ دے کہ خدا کے ساتھ صفتوں میں یا فعل میں کوئی شریک ہے۔ اس طرح بھی کفر قولی ہے کہ رسول اللہ کے بعد کوئی اور نیا پیغمبر آئے گا، کیونکہ تواتر توارث کے ذیل میں ساری امت اس علم میں شریک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔

سال ہوئے میں نے یہ کتاب دیکھی تھی ان صاحب نے حوالہ دینے میں دھوکا دیا ہے، بحر العلومؒ امام رازیؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ یہ جو حدیث ہے لا تجتمع امتی علی الضلالۃ یہ تواتر معنوی کے درجہ کو نہیں پہنچتی، یہ نہیں کہ تواتر معنوی کے جحۃ ہونے کا انکار کرتے ہیں بلکہ اس حدیث کے متواتر ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ جج صاحب نے قادیانی مختار کو حکم دیا کہ اصل عبارت پڑھ کر سنائے، اس نے ذرا تامل کیا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے کتاب اس کے ہاتھ سے چھین لی کہ لاؤ میں عبارت سناتا ہوں، اس نے کہا میں سنا دیتا ہوں۔ جب سنایا تو وہی عبارت تھی۔ جو حضرتؒ نے ارشاد فرمائی تھی۔ فرمایا، جج صاحب، یہ صاحب ہمیں مفحم کرنا چاہتے ہیں لیکن میں چونکہ طالب علم ہوں دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں میں ان سے ان شاء اللہ مفحم نہیں ہوں گا۔

قادیانی مختار نے سوال کیا آپ نے فرمایا مدعی وحی نبوت واجب القتل ہے تو رسول اللہؐ نے ابن صیاد کو کیوں قتل نہ فرمایا، بلکہ فاروق اعظمؓ کو بھی روک دیا، فرمایا جج صاحب لکھئے ابن صیاد نابالغ تھا اور نابالغ کو شریعت میں قتل نہیں کیا جاتا۔ سوال آپ نے فرمایا تھا کہ رسول اللہ کی خدمت میں مسیلمہ کذاب کے دو قاصد آئے، حضور نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تم بھی مسیلمہ کا عقیدہ مانتے ہو؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تم دونوں کو قتل کرتا، اب سوال یہ ہے کہ حضور نے رواج کا اتباع کیا؟ فرمایا کہ نبی کریم کا یہ فرمانا کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا یہ بجائے خود تشریعی حکم ہے، نبی رواج کا متبع نہیں ہوتا بلکہ حکم خداوندی کا متبع ہوتا ہے۔

حضرت کی قیام گاہ پر زائرین کا ہجوم رہتا تھا ہر وقت کسی نہ کسی موضوع پر تقریر فرماتے رہتے تھے۔ بہت سے لوگ حضرت سے بیعت بھی ہوئے۔ رات دن یہی شغل تھا۔ رات کے ایک بجے تک بیٹھے رہتے۔ قرآن وحدیث وفقہ تصوف وغیرہ علوم وفنون کے دقیق مسائل علماء کرام وصوفیاء عظام دریافت کرتے رہتے ہر ایک کے جواب میں ایسی محقق اور مبسوط تقریر فرماتے گویا ساری عمر اسی میں لگائی ہے۔

ایک عالم دین نے مسئلہ وحدۃ الوجود اور وحدت شہود کے متعلق سوال کیا، بس پھر کیا تھا تین دن عصر سے مغرب تک اور مغرب سے عشاء تک اسی پر بیان فرماتے رہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی عبارات زبانی سنا رہے ہیں۔ معارف لدنیہ میں یہ فرماتے ہیں، مکتوبات شریفہ میں یہ فرماتے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ کی یہ تحقیق ہے، عبقات میں شاہ اسماعیل شہیدؒ نے یوں فرمایا، حضرت شیخ اکبر محی الدین العربیؒ نے فتوحات میں یہ فرمایا ہے فصوص الحکم میں یہ ارشاد ہوتا ہے، حضرت مولینا حاجی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی نظموں یہ نظمیں وحدۃ الوجود پر طویل پڑھ کر سنا رہے ہیں، حضرت مولینا دین پوری نور اللہ قدہم بھی معہ اپنے خدام کے تشریف فرما رہتے تھے۔ مولینا غلام محمد صاحب گھوٹوی حضرات مولینا عبداللطیف ناظم مدرسہ مظاہر العلوم،

مولینا مرتضےٰ احسن صاحب حکیم عبدالرشید افسر الاطباء بھاولپور غرض ہر طبقہ محظوظ ہوتا تھا حضرت ناظم صاحب سہارنپوری بڑی عقیدت کے ساتھ دوزانو سامنے بیٹھے رہتے تھے اور استفادہ فرماتے رہتے تھے۔ مولینا شمس الدین بھاولپوری مرحوم کے کتب خانہ سے معجم کبیر طبرانی کا قلمی نسخہ منگایا، حضرت ناظم سے لے کر آئے احقر کو حکم فرمایا کہ روزانہ مجھے اس میں احادیث نقل کر کے دیا کر چنانچہ نشان دہی فرمائی جاتی اور احقر کو یہ سعادت نصیب ہوتی فرمایا کہ قلمی کتاب کا پڑھنا مشکل ہوتا ہے میں آپ کو طریقہ سکھاتا ہوں چنانچہ تھوڑی سی رہنمائی سے احقر نے خوب سمجھ لیا۔ معجم کے اس نسخہ میں کہیں اعراب ونقاط کا نام ونشان تک بھی نہیں۔ مولینا مفتی محمد شفیع صاحب اور مولینا محمد مرتضیٰ احسن مرحوم کے بیانات پہلے خود ملاحظہ فرماتے، جگہ جگہ رہنمائی فرماتے جب خود تسلی فرمالیتے تو کچہری میں جانے دیتے، لیکن خود حضرت کوئی تیاری نہ فرماتے، ایک بجے شب تک تو جیسے اوپر گزرا وعظ وتلقین وارشاد بیان مسائل ہوتا رہتا، صرف ایک گھنٹہ آرام فرماتے۔ دو بجے تہجد کے لئے اٹھتے، فجر کی نماز تک مراقب رہتے۔ پاس انفاس میں مشغول رہتے، اول وقت نماز فجر کی امامت خود کرتے پھر سورج نکلنے تک کچھ پڑھتے رہتے، چائے پی کر موٹر سے کچہری تشریف لے جاتے، سات بجے سے ایک بجے تک بیان ہوتا رہتا۔ ضعف ونقاہت بغایت تھا لیکن تکان مطلقاً محسوس نہ فرماتے تمام رفقاء سفر ودیگر علماء کا خوب اہتمام سے تفقد فرماتے رہتے۔ مجلس مشاورت میں خاص خاص علماء کو شامل فرماتے۔ احقر پر اتنی نوازشات وعنایات کی بارش ہوتی رہتی تھی کہ بیان سے باہر۔ ہے احقر کو نے قادیانیوں کی کتب سے بعض نئی باتیں نکالکر پیش کیں۔ بہت خوش ہوئے اور بار بار علماء کو بلا کر دکھاتے۔ جب تک احقر مجلس مشاورت میں حاضر نہ ہوتا بات شروع نہ فرماتے تخلیہ میں بھی مشورہ فرماتے اور باصرار فرماتے کہ تیری اس میں کیا رائے ہے؟ بھاولپور شہر میں جامع مسجد ودیگر مقامات پر قادیانیت کے خلاف تقریر کرنے کے لئے علماء کو بھیجتے رہتے تھے، دو دفعہ احقر بھی بھیجا، ان ایام میں اس قدر حضرت کے چہرہ مبارک پر انوارات کی بارش ہوتی رہتی تھی، ہر شخص اس کو محسوس کرتا تھا۔ احقر نے بارہا دیکھا کہ اندھیرے کمرے میں مراقبہ فرمارہے ہیں لیکن روشنی ایسی جیسے بجلی کے قمقمے روشن ہوں، حالانکہ اس وقت بجلی گل ہوتی تھی۔ بھاولپور جامع مسجد میں جمعہ کی نماز حضرت اقدسؒ ہی بڑھایا کرتے تھے بعد نماز کچھ بیان بھی ہوتا تھا ہزاراں ہزار کا مجمع رہتا تھا پہلے جمعہ میں فرمایا کہ "حضرات! میں نے ڈابھیل جانے کے لئے سامان سفر باندھ لیا تھا کہ یکا یک مولینا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ کا خط دیوبند موصول ہوا کہ شہادت دینے کے لئے بھاولپور آجیے۔ چنانچہ اس عاجز نے ڈابھیل کا سفر ملتوی کیا اور بھاولپور کا سفر کیا۔ یہ خیال کیا کہ ہمارا نامہ اعمال تو سیاہ ہے ہی، شاید یہی بات میری نجات کا باعث بن جائے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا جانبدار ہو کر بھاولپور میں آیا تھا۔ بس اس فرمانے پر تمام مسجد میں چیخ وچہاڑ پڑ گئی، لوگ

دھاڑیں مار مار کر اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ خود حضرت پر ایک عجیب کیفیت وجد طاری تھی۔ ایک مولوی صاحب نے اختتام وعظ پر فرمایا، کہ حضرت شاہ صاحب کی شان ایسی ہے، اور آپ ایسے بزرگ ہیں وغیرہ حضرت فوراً کھڑے ہوگئے فرمایا حضرت ان صاحب نے غلط کہا ہے "ہم ایسے نہیں ہیں بلکہ ہمیں تو یہ بات یقین کے درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ ہم سے گلی کا کتا بھی اچھا ہے، ہم اس سے گئے گزرے ہیں "سبحان اللہ، انکسار اور تواضع کی حد ہوگئی۔

لاہور اسی سفر کے سلسلہ میں دو روز قیام فرمایا تھا آسٹریلین بلڈنگ کی مسجد میں بعد نماز فجر وعظ فرمایا۔ علماء، فضلاء، عوام و خواص بالخصوص ڈاکٹر محمد اقبال اور ان کے ساتھی اہتمام سے حاضر ہوتے تھے۔ بیان ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، مالک تعالیٰ سے علاقہ پیدا کرو۔ غرض حضرتؒ نے خطبہ شروع فرمایا۔

الحمدللہ نحمدہ و نستعینہ ...... الخ وعظ کرسی پر بیٹھ کر فرما رہے تھے۔ احقر کے دل میں وسوسہ گزرا کہ مسجد میں شاید کرسی بچھانا سوءِ ادب ہو حضرت نے فوراً خطبہ بند کر دیا، فرمایا کہ مسجد میں کرسی بچھانا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ چنانچہ مسلم شریف میں روایت ہے کہ ایک سائل کے جواب دینے کے لئے حضور ﷺ کے لئے مدینہ کے بازار سے کرسی لائی گئی۔ راوی کہتا ہے کہ اس کرسی کے پائے سیاہ تھے غالباً لوہے کے تھے۔ مصلی کے قریب رکھی گئی حضور نبی کریم ﷺ نے اس پر بیٹھ کر جوابات دیئے۔ یہ فرمایا اور پھر خطبہ شروع فرما کر حضرتؒ نے وعظ کیا احقر ندامت سے پسینہ پسینہ ہوگیا۔

بہر کیف قادیانی مختار نے کہا کہ تحذیر الناس میں مولینا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی بعد خاتم النبیین نبی کا آنا تجویز کیا ہے۔ فرمایا جج صاحب لکھئے حضرت مولینا محمد قاسم نے اپنے الہامی مضمون میں نبی کریم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے متعلق دلائل و براہین ساطعہ بیان فرمائے ہیں اور اکثر عبداللہ بن عباس ؓ کی علمی توجیہات فرمائی ہیں ان لوگوں پر حیرت ہے جو تحذیر الناس کو بغور و بالاستیعاب دیکھتے نہیں۔ اسی رسالہ میں جا بجا نبی کریم ﷺ کا خاتم النبیین زمانی ہونا اور اس کا اجماعی عقیدہ ہونا اور اس پر اپنا ایمان ہونا ثابت فرمایا ہے۔ رسالہ کے صفحہ ۱۰ کی عبارت میں آپ کو لکھوانا چاہتا ہوں، حضرت مولینا فرماتے ہیں۔ سو اگر اطلاق و عموم ہے، تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے۔ ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالۃ التزامی ضرور ثابت ہے۔ ادھر تصریحات نبوی مثل انت منی بمنزلۃ ھارون من موسی الا انہ لا نبی بعدی او کما قال جو بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے، اس بات میں کافی ہے کیونکہ یہ مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے اور اس پر اجماع بھی منعقد ہوگیا ہے گو الفاظ مذکور بسند تواتر منقول نہ ہوں سو یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا

جیسا تواتر تعداد رکعات فرائض و وتر وغیرہ باوجودیکہ الفاظ احادیث مشعر تعداد رکعات متواتر نہیں جیسا اس کا منکر کافر ہے ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔

اسی رسالہ کے دوسرے صفحات میں بھی جابجا حضور کی خاتمیت زمانی کا اقرار فرمایا ہے۔ نیز مناظرہ عجیبہ جو صرف اسی موضوع پر ہے اور آبِ حیات قاسم العلوم، انتصار الاسلام وغیرہ کتب مصنفہ حضرت نانوتویؒ دیکھنا چاہیے حضرت مولینا مرحوم حضور ﷺ کے لئے تین طرح کی خاتمیت ثابت فرماتے ہیں۔ ایک بالذات یعنی مرتبہ حضور کا خاتمیت ذاتی کا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ وصف نبوت کے ساتھ موصوف بالذات ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام موصوف بالعرض اور آپ کے واسطے سے جیسا کہ عالم اسباب میں موصوف بالنور بالذات آفتاب ہے۔ اس کے ذریعے سے تمام کواکب قمر وغیرہ اور دیگر اشیاء ارضیہ متصف بالنور یہی حال وصف نبوت کا ہے حضور نبی کریم ﷺ اس سے مصنف بالذات ہیں اور اسی وجہ سے آنحضور کو سب سے پہلے نبوت ملی۔ حدیث میں ہے کنت نبیا وادم منجدل بین الماء والطین اور دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام حضور کے واسطہ سے متصف بالنبوۃ ہوئے، حدیث میں ارشاد ہے لو کان موسی حیا لما وسعہ الا اتباعی اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا پارہ ۳ کے آخری رکوع میں ارشاد ہوتا ہے واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ الایہ۔ اس آیت سے صاف واضح ہے کہ نبی کریم محمد مصطفےٰ ﷺ جیسا کہ اس امت کے رسول ہیں، نبی الانبیاء علیہم السلام کی جماعت کو ایک طرف رکھا گیا اور نبی کریم کو ایک طرف اور سب سے حضور پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد و پیمان لیا گیا، آیت میں ثم جاء کم فرما کر تصریح فرمادی گئی کہ حضور ﷺ کا زمانہ ظہور سب سے آخر میں ہوگا

آیت میثاق در وے ثم ہست

ایں ہمہ از مقتضائے ختم ہست

ثم عربی زبان میں تراخی کے لئے آتا ہے اسی واسطے علی فترۃ من الرسل الایہ فرمایا۔ حدیث میں ہے "انا دعوۃ ابی ابراھیم" میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔ تمام انبیاء علیہم السلام حضور ﷺ کی تشریف آوری کی بشارات دیتے آئے چنانچہ توریت شریف، انجیل شریف و دیگر صحف میں باوجود تحریف لفظی و معنوی ہوجانے کے اب بھی متعدد آیات موجود ہیں جو حضور کی خاتمیت اور افضلیت کا پتہ دیتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ تشریف لا کر اتباع شریعت محمدیہ کرنا اسی فضیلت اور خاتمیت کا عملی مظاہرہ ہوگا۔ لیلۃ المعراج میں انبیاء علیہم السلام کا صف بندی کرکے امام کا منتظر رہنا اور حضور ﷺ کا امامت کرنا بھی اسی امر کی صراحت کرتا ہے۔ واسئل من ارسلنا من

تلک من رسلنا الایه بھی اس کی طرف مشیر ہے کہ لیلۃ المعراج میں انبیاء علیہم السلام کا اجتماع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا۔ اور ابن حبیب عبداللہ بن عباسؓ سے راوی ہیں کہ یہ آیہ لیلۃ المعراج میں نازل ہوئی (القرآن) اور انا خطیبھم اذا انصتوا اور احادیث شفاعت بھی اسی فضیلت محمدیہ کا اعلان کرتی ہیں معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا اختتام ہوا اور پہلے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نہ کسی کا زندہ رہنا ضروری تھا، تاکہ بطور نمائندہ سب کی جانب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی نصرت کریں۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کا انتخاب ہوا۔ اس لئے کہ آپ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم نہیں اور سلسلہ اسحاقی اور اسماعیلی کو جوڑ دینا منظور ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تین امور کا اعلان فرمایا:

(۱) یا بنی اسرائیل انی رسول اللّٰہ الیکم اے بنی اسرائیل! میں فقط تمہاری طرف مبعوث ہو کر آیا ہوں۔

دوسری جگہ آل عمران میں ورسولاً الی بنی اسرائیل فرمایا گیا ہے ”صرف بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر“۔

(۲) مصدقا لما بین یدی من التوراۃ: میرے پاس جو کتاب (توریت) ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں۔

(۳) ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد میں ایک عظیم الشان رسول برحق کی خوشخبری سنانے آیا ہوں جو میرے بعد مبعوث ہوں گے ان کا نام احمد ہے قرآن عزیز اعلان کرتا ہے کہ وہ رسول برحق جن کے متعلق عالم ارواح میں انبیاء علیہم السلام سے عہد و پیمان ہوا اور بشارات دی گئی تھیں آ چکا۔ جاء الحق وصدق المرسلین۔ حدیث شریف میں ہے انی اولی الناس بعیسی بن مریم الخ مجھے عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ قرب ہے بہ نسبت تمام لوگوں کے اور بلاشبہ وہ نزول فرمائیں گے۔ انبیاء اسرائیل کے آخری نبی اولوالعزم کا خاتم النبیین علی الاطلاق کے دین کی نصرت کے لئے تشریف لانا اور شریعت محمدیہ پر عمل فرمانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الانبیاء اور خاتم الانبیاء ہونے کا عملی مظاہرہ ہے۔ فضیلت محمدیہ کو دنیا پر واشگاف کر دینا منظور ہے آپ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تشریف لانا ایسا ہی ہے۔ جیسے ایک نبی دوسرے نبی کے علاقہ میں چلا جائے۔ چنانچہ حضرت یعقوب حضرت یوسف علیہ السلام کے علاقہ میں تشریف لے گئے تھے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو نبی ہی ہوں گے لیکن بہ حیثیت حکماً عدلا تشریف آوری ہوگی بطور ججمنٹ فرمانے کے تشریف آوری ہوگی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ قرب قیامت میں عیسائی اقوام کی مسلمانوں سے مڈبھیڑ رہے گی لہذا اہل کتاب کی اطلاع کے لئے

تشریف لائیں گے ثالث وہی ہوتا ہے جو ہر دو فریق کے نزدیک مسلم ہو۔ ہماری کتابیں عقیدۃ الاسلام، تحیۃ الاسلام، التصریح بماتواتر فی نزول المسیح اس باب میں دیکھنا چاہیے۔

دوم خاتمیت زمانی یعنی آپ کا زمانۂ نبوت اس عالم مشاہدہ میں تمام انبیاء علیہم السلام کے آخر میں ہے۔ آپ کے بعد کسی کی نبوت کی تفویض نہ ہوگی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبی بنائے جاچکے ہیں۔ نزول عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ اسلام کا اجماعی اور متواتر عقیدہ ہے۔

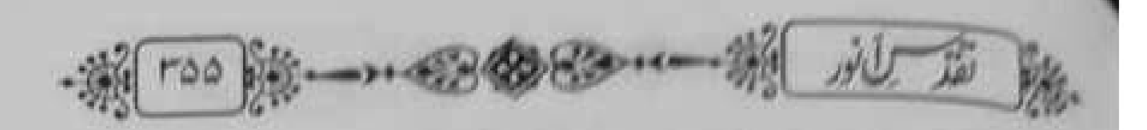
مرزا غلام احمد نے اجماع کو حجت مانا ہے اور اس کے منکر پر لعنت کا اعلان کیا ہے (انجام آتھم ۴۴) مرزا صاحب نے کفار کے تواتر کو بھی حجت مانا ہے چہ جائیکہ تمام امت محمدیہ کے تواتر سے ثابت شدہ عقیدہ (تریاق القلوب) حضرت نانوتویؒ نے تیسری خاتمیت مکانیہ ثابت فرمائی ہے یعنی وہ زمین جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوئے وہ تمام زمینوں میں بالاتر اور آخری ہے اور اس کے اوپر کوئی زمین نہیں اس کا بدلائل ثابت فرمایا ہے۔

قادیانی مختار مقدمہ نے سوال کیا کہ امام مالکؒ سے منقول ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل ہیں۔ احقر نے فرمایا کہ ابی کی شرح مسلم شریف نکالو۔ چنانچہ ۲۶۶ ج ا مطبوعہ مصر سے ذیل کی عبارت پڑھ کر سنائی:

وفی العتبیۃ قال مالک بینا الناس قیام یستمعون لاقامۃ الصلوٰۃ فتغشاھم غمامۃ فاذا عیسیٰ قد نزل الخ عتبیہ میں ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا درانحالیکہ لوگ کھڑے نماز کی اقامت سن رہے ہوں گے۔ اچانک ان کو ایک بادل ڈھانپ لیگا یکایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔

امام مالکؒ کا بھی وہی عقیدہ ہے جو ساری امت محمدیہ کا اجماعی اور متواتر عقیدہ ہے۔ ہم نے تتبع کیا ہے کوئی تیس اکتیس صحابہ رضی اللہ عنہم احادیث نزول عیسیٰ بن مریم علیہ وعلیہما السلام کے راوی ہیں۔ تابعین کا تو احصاء بھی مشکل ہے امام ترمذیؒ نے پندرہ صحابہ گنوائے ہیں ہم نے مزید پندرہ کا اضافہ کیا۔ چنانچہ مسند احمد و کنز العمال و دیگر کتب حدیث کا مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں۔ ہمارے رسالہ التصریح بماتواتر فی نزول المسیح کا مطالعہ کیجئے۔

قادیانی نے سوال کیا کہ علماء بریلوی، علماء دیوبندی پر کفر کا فتویٰ دے رہے ہیں اور علماء دیوبند علماء بریلوی پر (حضرت شاہ صاحبؒ) نے ارشاد فرمایا (جج صاحب! احقر بطور وکیل تمام جماعت دیوبند کی جانب سے گزارش کرتا ہے کہ حضرات دیوبند ان کی تکفیر نہیں کرتے، اہلسنت والجماعۃ اور مرزائی مذہب والوں میں قانون کا اختلاف ہے۔ علماء دیوبند اور علماء بریلی میں واقعات کا اختلاف ہے۔ قانون کا اختلاف نہیں۔ چنانچہ فقہاء حنفیہ نے تصریحات فرمائی ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کلمہ کفر کسی شبہ کی بنا پر کہتا ہے تو اس کی تکفیر نہ کی جائے گی)۔ دیکھو رد المحتار اور بحر الرائق۔



حضرت شاہ صاحب کے سیاسی نظریات

(گوندو)

دار العلوم دیو بند نے ابتداء سے ہی اپنا تعارف ایک مذہبی ادارہ کی حیثیت سے کرایا تھا اور اس نے اپنا نصب العین یہی مقرر کیا تھا کہ مسلمانوں میں اسلامی علوم کی اشاعت کی جائے اور دینی روح کی تربیت کی جائے اس کے بانی اور معاونین بہی خواہوں کا یہ خیال تھا کہ اس دینی ادارے کو ہنگامی سیاست کی سرگرمیوں اور پارٹیوں کی دھڑے بندیوں سے بچا کر خالص دینی خدمت انجام دینے کے لئے وقف کر دیا جائے تا کہ مسلمان اپنے ذہن اور اس کے احکامات کو اچھی طرح سمجھ کر اپنی زندگی کو اپنے اسلاف کی زندگیوں کا نمونہ بنا سکیں، اور ایک بار پھر اپنے کھوئے ہوئے وقار کو پا سکیں لیکن سیاسیات سے یہ اجتناب زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا اور رفتارِ وقت کے تقاضوں کے باعث سیاست کے قدم دار العلوم میں داخل ہو گئے۔

مولینا رشید احمد (گنگوہی) اور مولینا محمد قاسم (نانوتوی) یہ وہ حضرات تھے جو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی سرپرستی میں کارہائے عظیم انجام دے چکے تھے، ۱۸۵۷ء علم آزادی بلند کر کے شاملی، تھانہ بھون وغیرہ میں انگریزی اقتدار کا مقابلہ کیا تھا۔ ان کے سینوں میں ہمیشہ آزادی اور جہاد کی آگ سلگتی رہی یہی وجہ تھی کہ حضرت شیخ الہندؒ میں انگریزی اقتدار کے فنا کر دینے کا جذبہ مستقل طور پر جاگزین ہو گیا تھا[1]۔

کیونکہ حضرت شیخ الہند کا اعتقاد تھا کہ انگریز ہندوستان کا سب سے بڑا دشمن ہے اور ہندوستان جو مذہبی اور روحانی ملک ہے انگریز اسے بالکل ناستک اور بے دین بنا کر رکھ دینا چاہتا ہے۔ اور ظلم کرنا انگریز کا شیوہ بن گیا ہے۔

حضرت موصوف چونکہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے واقعات صغر سنی کی وجہ سے پوری طرح نہیں دیکھ سکے تھے۔ لیکن ایام بلوغت میں اپنے والدین اور اساتذہ خصوصاً مولینا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولینا محمد قاسم نانوتویؒ سے وہ انسانیت سوز مظالم اور بربریت کے معاملات سنے جو انگریزوں نے اہل ہند کے ساتھ کئے تھے۔ اس لئے آپ کے دل میں انگریزی حکومت کی نفرت تھی۔

۱۸۵۷ء سے پانچ سال بعد ۱۸۶۲ء میں، خاندان ولی اللہؒ کے جانشین اور سید احمد شہیدؒ کے

---

[1] ملاحظہ ہو نقش حیات ج ۲ ص ۱۳۵

خلفاء نے آزاد سرحد پر باقاعدہ جنگ شروع کی جس کے مقابلہ کے لئے وائسرائے ہند کو بڑی جدوجہد کرنا پڑی ۱۸۶۴ء میں انبالہ کے مقدمہ کے بعد ہی تحریک دارالعلوم دیوبند شروع ہوگئی۔ جو مسلمانانِ ہند کی ایک مہتم بالشان مذہبی علمی اور سیاسی تحریک تھی ❶۔

آخر ۱۹۱۴ء میں جب سیاسی اشخاص کی گرفتاری اور نظر بندی کا سلسلہ شروع ہوا تو مولینا محمد علی جوہر، مولینا شوکت علی اور مولینا آزاد جیسے اکابر بھی گرفتاری سے نہ بچ سکے۔ ان حالات میں مولینا محمود الحسن کا حکم مولینا عبید اللہ سندھی کے پاس پہنچا کہ میں حجاز جاتا ہوں تم کابل پہنچو۔

چنانچہ ۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہند تحریک آزادئ ہند ہی کے سلسلے میں حجاز مقدس کو روانہ ہوئے تو انگریزوں نے آپ کو گرفتار کرکے کئی سال نظر بند رکھا۔ تحریک خلافت کے اس دور میں ہجرت کے بعد حضرت شیخ الہندؒ نے قید و بند کی جو مصیبتیں مالٹا میں جھیلیں اس نے دیوبند کے اساتذہ اور طلباء میں خاص طور سیاسی احساسات کو بیدار کر دیا۔

۱۹۱۹ء میں امن وجدوجہد کا آغاز ہوا، تحریک حریت کے سلسلے میں خفیہ میٹنگوں کے بجائے کھلے عام جلسے ہونے لگے۔ خلافت کمیٹی وجود میں آئی۔ تحفظ ملت اور مذہبی حیثیت سے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے جمعیۃ العلماء ہند قائم کی گئی جس کا پہلا اجلاس ۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء کو امرتسر میں لکھنو کے مولینا عبد الباری فرنگی محلی کی صدارت میں ہوا۔

۱۳ جون ۱۹۲۰ء کو مالٹا سے رہائی کے بعد حضرت شیخ الہندؒ دیوبند واپس تشریف لائے جہاں انگریزوں کے ساتھ ترک موالات اور تحریک خلافت نے آپ کو خاص طور پر سرگرم عمل کر دیا۔

یہاں اس بات کی صراحت ضروری ہے کہ جب مالٹا سے رہا ہو کر حضرت واپس تشریف لائے تو نصاریٰ سے ترک موالات کا مسئلہ زیر غور تھا قرار پایا کہ یہ مسئلہ حضرت شاہ صاحبؒ سے تحریر کرایا جائے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ ہی نے فتویٰ لکھا اور حضرت شیخ الہند کی خدمت اقدس میں سنایا۔ مولینا لائلپوری فرماتے ہیں کہ صرف دس سطور تھیں لیکن ایسا جامع مانع کہ حضرت شیخ الہند نہائت محظوظ ہوئے ❷

مولینا لائلپوری اپنے ایک مضمون ''کمالات انوری'' مطبوعہ رسالہ دارالعلوم جولائی ۱۹۶۴ء میں رقمطراز ہیں کہ:

''جب حضرت شیخ الہند قدس سرہ مالٹا سے تشریف لائے تو حضرتؒ کو فکر تھی کہ یہاں کے علماء اختلاف نہ کریں اس لئے سب سے پہلے حضرت شاہ صاحب نے انگریز کی

---

❶ علماء حق ج ۲ ص ۱۷۲۔ ❷ حیات انور ص ۳۰۲۔

موالات ترک کرنے اوران کی ملازمت چھوڑنے پر فتویٰ حاصل کرلیا"۔

بہر حال حضرت شیخ الہندؒ کی مالٹا سے رہائی کے بعد آپ کی عمر نے زیادہ وفا نہ کی اور ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو آپ داعیٔ اجل کو لبیک فرما گئے رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت شیخ الہندؒ کی سیاسی خدمات کا تذکرہ فرماتے ہوئے شاہ صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ وہ جانبازی جو حضرت شیخ الہندؒ نے دکھائی ہے وہ تو کوئی کیا دکھائے گا۔ ہاں! حق ضرور واضح کردینا چاہیے ❶۔

حضرت شیخ الہندؒ کے خاص فیض یافتوں میں سے مولینا مدنیؒ، مولینا عبید اللہ سندھی اور مولینا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ تو سیاسیین کی صف اول میں داخل ہوگئے۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ چونکہ اشاعت علم دین اور تبلیغ اسلام کو زندگی کا نصب العین بنا چکے تھے اور خالص علمی آدمی تھے اس لئے سیاست کے میدان میں بہت کم نظر آئے لیکن اس کے باوجود ملکی مسائل پر گہری نظر رکھتے تھے مختصر الفاظ میں یوں عرض کیا جاسکتا ہے کہ ملکی سیاست میں آپ بھی اپنے استاد محترم حضرت شیخ الہندؒ کے مسلک کے پیرو اور برطانوی امپریلزم کے سخت ترین مخالف تھے۔ انگریزی حکومت سے آپ کو قلبی تنفر تھا۔ ایک بار لاہور میں علماء سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم لوگوں کو پیٹ کے لئے روٹی بھی دین کے نام پر ہی ملتی ہے۔ آخر تم بھی کچھ کیا کرو۔ میں آجکل اتنا علیل ہوں کہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوں لیکن پھر بھی اس حالت میں جیل جانے کے لئے تیار ہوں۔

آپ شروع سے آخر تک جمعیۃ علماء دیوبند کی مجلس عاملہ کے رکن اعلیٰ رہے اور ہمیشہ اپنے گراں قدر اور مخلصانہ مشوروں سے جمعیۃ کی رہنمائی فرماتے تھے۔ مولینا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب اکثر آپ سے مشورہ لینے کے لئے خود دیوبند تشریف لاتے تھے۔ جمعیۃ علماء کے علاوہ مجلس احرار ہند کے حال پر بھی حضرت مرحوم کا گوشہ چشم التفات مبذول رہا اور اس کے قائدین کی بھی حضرت مرحوم نے اپنے علم و فضل اور روحانی قوت سے قیادت و رہنمائی فرمائی اور انہیں انگریزی راج کی مخالفت کے ساتھ ساتھ رد قادیانیت کی مہم پر لگا دیا۔ احرار نے اس فتنہ کے استیصال کے لئے قابل قدر سرگرمی کے ساتھ جو نا قابل جہاد کیا اس میں حضرت شاہ صاحب کا ہاتھ نمایاں تھا۔

تحریک حریت کشمیر میں بھی مجلس احرار کو حضرت شاہ صاحبؒ کی تمام تر ہمدردیاں شامل حال تھیں۔

جمعیۃ العلماء کی صدارت:......۲، ۳ اور ۴ دسمبر ۱۹۲۸ء کو پشاور میں جمعیۃ علماء ہند کا آٹھواں سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ جس کی صدارت حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمائی اور ایک نہایت بصیرت

❶ ـ دار العلوم جولائی ۱۹۶۴ء ص ا کالم ا۔

افروز، معرکۃ الاراء اور تاریخی خطبہ صدارت ارشاد کیا جس میں بہت سے اہم دینی شرعی و سیاسی موضوعات پر اپنے مجتہدانہ خیالات کا اظہار فرمایا۔

یہ وہ زمانہ ہے جب شدھی سنگھٹن اور ہندو مسلم بلووں کے طویل سلسلہ نے پورے ہندوستان کی فضا کو مکدر کر رکھا تھا اور مشہور نہرو رپورٹ نے مسلم لیگ، مجلس خلافت اور جمعیۃ العلماء ہند اور کانگریس کے درمیان کشیدگی پیدا کر دی تھی اختلافات کے اس پر آشوب دور میں حضرت شاہ صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں جو رہنمایانہ خیالات ظاہر کئے ان کا اندازہ کرنے کے لئے آپ کے اس خطبہ سے چند اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

حب وطن کی شرعی حیثیت: ...... حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

"ہندوستان جس طرح ہندوؤں کا وطن ہے اسی طرح مسلمانوں کا بھی وطن ہے ان کے بزرگوں کو ہندوستان آئے ہوئے اور رہتے ہوئے صدیاں گزر گئیں انہوں نے اس ملک پر صدیوں حکومت کی آج بھی ہندوستان کے چپہ چپہ پر مسلمانوں کی شوکت و رفعت کے آثار موجود ہیں۔ موجود نسل کا خمیر ہندوستان کے آب و گل سے ہے۔ ہندوستان میں ان کی عظیم الشان مذہبی اور تمدنی یادگاریں ہیں کروڑوں روپے کی جائیدادیں ہیں عالی شان تعمیروں اور وسیع قطعات زمین کے مالک ہیں ان کو ہندوستان سے ایسی محبت ہے جیسے ایک سچے محب وطن کو ہونی چاہیے اور کیوں نہ ہو جب ان کے سامنے اپنے سید و مولا اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا حب وطن میں اسوۂ حسنہ موجود ہے۔ وہ یہ کہ حضور نے کفار کے جور و ستم سے مجبور ہو کر حکم خداوندی کے تحت اپنے پیارے وطن مکہ معظمہ سے ہجرت کے وقت وطن عزیز کو خطاب کر کے فرمایا"۔

خدا کی قسم خدا کی تمام زمین میں تو مجھے سب سے زیادہ پیارا شہر ہے اور اگر میری قوم مجھے تجھ سے نہ نکالتی تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا۔

اس کے بعد جب حکم الٰہی سے آپ نے مدینہ طیبہ میں سکونت فرمائی اور ہجرت کے بعد دار الہجرت سے منتقل ہونا محبوب و مستحسن نہ تھا۔ اس لئے گویا مدینہ طیبہ آپ کا وطن ہو گیا اور اس میں بحیثیت وطن رہنا تھا تو اس کے لئے یوں دعا فرمائی۔

اللّٰهم حبب الینا المدینة کحبنا مکه اولاشد اللّٰهم بارك لنا فی صاعنا وفی مدنا وفی ثمر ناضعفی ما جعلت بمکة من البرکة اللّٰهم

ان ابراھیم عبدك وخلیلك دعاك لاجل مكة للبركة وانامحمد عبدك ورسولك ادعوك لاھل المدینة ان تبارك لھم فی مدھم وصاعھم مثلی مابارك لاھل مكة مع البركة بركتین.

خدایا! مدینہ کو ہمارے دلوں میں ایسا محبوب بنادے جیسا ہم مکہ سے محبت کرتے ہیں یا اس سے بھی زیادہ محبت دیدے اے اللہ! ہمارے صاع ہمارے مد اور ہماری کھجوروں میں مکہ کی برکت سے دو چند برکت عطا فرما خداوندا! آپ کے بندے آپ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ سے مکہ والوں کے لئے برکت کی دعا کی تھی۔ میں تیرا بندہ اور تیرا رسول محمد ہوں۔ اہل مدینہ کے لئے تیری بارگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ ان کے مد اور صاع میں اس برکت سے جو برکت اہل مکہ کو عطا فرمائی دو چند برکتیں عطا فرما۔ ایک برکت کے ساتھ دو برکتیں نازل فرما۔

خطبہ جاری رکھتے ہوئے حضرت شاہ صاحب نے ارشاد کیا کہ:

سید الکونین ﷺ کے جذبات حب وطن یہ ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے کیا ممکن ہے کہ مسلمان سچا مسلمان ہو کر اس جذبہ حب وطن سے خالی ہو۔ اور چونکہ ہندوستان میں دوسری قومیں بھی آباد ہیں ان کو طبعی طور پر اپنے وطن ہندوستان سے محبت ہونی چاہئے، اس لئے تمام ہندوستان کے قلوب میں ہندوستان کی آزادی کی خواہش ایک ہی مرتبہ اور ایک ہی درجہ پر ہونی لازم ہے [1]۔

افغانی خطرہ کا حل:...... حضرت شاہ صاحب نے وضاحت فرمائی کہ یہ خطرہ کہ آزادی کے وقت اگر کسی مسلمان حکومت نے ہندوستان پر حملہ کیا تو مسلمان کا رویہ کیا ہوگا نہایت پست خیال ہے اور اس کا نہایت سیدھا اور صاف جواب یہ ہے کہ اگر مسلمان اپنے ہمسایوں کی طرف سے کسی معاہدہ کی وجہ سے مطمئن ہوگئے اور ہمسایہ کی تعدی کا شکار نہ ہوں گے تو ان کا رویہ اس وقت وہی ہوگا جو کسی شخص کا اس کے گھر پر حملہ ہونے کی حالت میں ہوتا ہے اگرچہ حملہ آور اس کا ہم قوم اور ہم مذہب ہو اس سے زیادہ ایک اور بات بھی قابل لحاظ ہے کہ جب مسلمانان ہندوستان اپنے معاہدہ کی وجہ سے پابند ہوں اور غیر مسلم اقوام سے اس کا معاہدانہ برتاؤ واجب ہو تو ایسی حالت میں کسی مسلمان بادشاہ کو مذہباً اس کی اجازت نہیں کہ مسلمانان ہند کے معاہدے کو توڑے اور ہندوستان پر حملہ آور ہو بلکہ اس پر واجب ہوگا کہ وہ مسلمانان ہند کے اس معاہدے کا پورا پورا احترام کرے۔

رسول خدا ﷺ کا ارشاد ہے:

ذمة المسلمین واحدة یسعی بھا ادناھم

مسلمانوں کا عہد اور ذمہ داری ایک ہے ادنی درجہ کا مسلمان بھی کوئی عہد کرے تو دوسروں



پر اس کا احترام لازم ہے۔

اسی طرح حضور ﷺ کا دوسرا ارشاد ہے:

کل صلح جائز الاصلحا احل حراما او حرم حلالا

یعنی سوائے اس صلح کے جو کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام کردے ہر قسم کی صلح جائز اور درست ہے۔

مخلصانہ یقین دہانی:...... میں نہایت بلند آہنگی کے ساتھ برادران وطن کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ منصفانہ معاہدہ کرلیں اور اس معاہدہ کو دیانتداری اور خلوص کے ساتھ پورا کریں۔ سیاسی چالوں اور نمائشی پالیسی سے کام نہ لیں تو مسلمانوں کو پورا وفادار مخلص ہمسایہ پائیں گے۔ کیونکہ مسلمان حکم قرآن کے بموجب معاہدہ پورا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم نقضو کم شیئاو لم یظاھروا علیکم احدا فاتمو الیھم عھد ھم الی مدتھم ان اللہ یحب المتقین...... وقال ایضا...... **فما استقاموا لکم فاستیموا لھم ان اللہ یحب المتقین۔**

جن غیر مسلموں سے تم نے معاہدہ کیا اور انہوں نے ایفائے عہد میں تمہارے ساتھ کمی نہیں کی اور تمہارے خلاف کسی کو مدد نہیں دی تو تم بھی معاہدہ کی مدت تک معاہدہ پورا کرو بیشک اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں سے محبت کرتا ہے۔

اسی طرح فرمایا:

جب تک غیر مسلم تمہارے ساتھ سیدھے رہیں تم بھی سیدھے رہو بے شک اللہ پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے

دارالاسلام، دارالحرب یا دارالامان:...... اس خطبہ میں آپ نے ہندوستان کی شرعی حیثیت کی عالمانہ وضاحت فرمائی:

اس موقع پر ایک اور بات بھی قابل غور ہے جس کو پیش نظر نہ رکھنے سے بسا اوقات شدید غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں۔ وہ بات یہ ہے کہ مسائل شرعیہ تین قسم کے ہیں۔ اول جو اسلامی حکومت اور اسکی شوکت کے ساتھ متعلق ہیں۔ دوسرے جو دارالامان کے ساتھ مخصوص ہیں۔ تیسرے وہ جو دارالحرب میں جاری ہوتے ہیں۔ ہندوستان کو زیادہ سے زیادہ دارالامان کا حکم دیا جاسکتا ہے۔ دارالاسلام کے احکام جاری ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

ہمارے شیخ المشائخ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ العزیز نے تصریح فرمائی ہے کہ ہندوستان دارالاسلام نہیں ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا فتویٰ اس وقت کا ہے جب موجودہ زمانہ کے لحاظ سے ہندوستان میں اسلامیات کا رنگ بہت گہرا تھا۔

ایسی صورت میں ہمارا فرض ہے کہ ہم دارالامان کے احکام کتب مذہب میں تلاش کریں ❶

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب نے خطبۂ صدارت پر حاضرین کی توجہ حضور ﷺ کے اس معاہدہ کی بعض دفعات کی طرف مبذول کی جو آن حضور نے ابتداء زمانہ ہجرت میں باہم مسلمانوں مہاجرین وانصار اور یہود مدینہ کے ساتھ کیا تھا۔

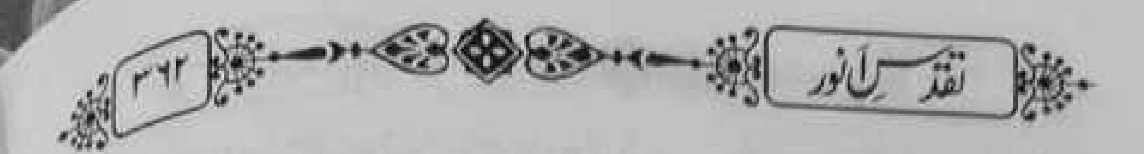
حضرت شاہ صاحبؒ نے معاہدے کے متعدد دفعات کا ترجمہ پیش کرنے کے بعد دارالحرب اور دارالامان کے بہت سے احکام ومسائل اخذ کئے اور ان احکام ومسائل پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد فرمایا کہ میرا مقصود اس بحث کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ دارالاسلام اور دارالحرب کے احکام کا فرق واضح ہوجائے اور مسلمانوں کو معلوم ہوجائے کہ وہ اپنے ہم وطن غیر مسلموں اور ہمسایہ قوموں سے کس طرح اور کتنی مذہبی رواداری اور تمدنی ومعاشرتی شرائط پر صلح ومعاہدہ کرسکتے ہیں۔

یہ بیش بہا علمی خطبہ صدارت ۸۲ صفحات پر شائع ہوا ہے جس میں اس زمانہ کے سیاسیات پر بصیرت افروز مباحث کے بعد صوبہ سرحد کے بعض مراسم قبیحہ کی اصلاح کے متعلق بھی مفید مباحث ہیں۔ آخر میں عربی قصیدہ ہے۔ طوالت کے خوف سے اس کے آخری دو شعر نقل کئے جاتے ہیں:

واخر دعوانا ان الحمد للذی
هدينا لهذا مرشد ای مرشد
صلوة وتسليم على خير خلقه
ختام جميع الانبياء محمد ❷



❶ ...... اہل علم تفصیل کے لئے درمختی کے اس باب کو ملاحظہ فرمائیں جس میں اختلاف دار کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ ❷ ...... تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو خطبہ صدارت مذکور



حضرت شاہ صاحب
آئینہ کمالات صالحین کشمیر

از جناب **سید میر قاسم صاحب** سابق وزیر اعلیٰ جموں کشمیر

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں عقیدت کا یہ گلدستہ ہماری استدعاء پر احترام مآب جناب سید میر قاسم صاحب (سابق وزیر اعلیٰ جموں وکشمیر) نے عنایت فرمایا ہے۔ جناب سید میر قاسم صاحب کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں گذشتہ تیس سال سے آپ سیاسین کشمیر کی صف اول میں چلے آرہے ہیں۔ ریاست جموں کشمیر میں آپ قریباً اٹھارہ سال وزیر اور تین سال ڈھائی ماہ تک (۲۱ دسمبر ۱۹۷۱ء تا ۲۴ فروری ۱۹۷۵ء) وزیر اعلیٰ کی گدی پر کامیابی اور نیک نامی سے فائز رہے۔ اس کے بعد آپ مارچ ۱۹۷۷ء تک ہند کی مرکزی کابینہ میں سول سپلائز اور امداد باہمی کے وزیر رہے۔
خطہ جنت نظر کے بہت سے پیچیدہ سیاسی مسائل کی عقدہ کشائی آپ کے ناخن تدبیر اور ایثار کی مرہون منت ہے۔ (کوندو)

تازہ خواہی داشتن گرد اغبہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

کشمیر۔رشی بھومی: ......سرزمین کشمیر کو جن خصوصیت پر فخر ہے ان میں قدرت اور فطرت کے عطیات بھی ہیں اور اس وادی کے فرزندوں کے ذہنی علمی اور روحانی کمالات بھی قدیم الایام سے کشمیر کو خدادوست رشیوں اور زمینوں کی جائے پناہ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ ہندوستان کے اتہاس کے مطابق زمانہ قدیم خاص کر ویدک پیریڈ میں بھارت کے جو لوگ خدائی احکام اور معیاری دھرم کی روشنی میں زندگی بسر کرنا چاہتے تھے وہ اپنی عمر کے پچیس سال حصول علم میں اور دوسرے پچیس سال (یعنی پچاس سال کی عمر تک) گھر بار بسانے میں صرف کرتے تھے اور اس کے بعد گھر بار، بیوی بچوں اور مال وجائیداد سے قطع تعلق کر کے بقیہ زندگی کو ہمالیہ کے غیر آباد پہاڑوں اور جنگلوں میں تنہا رہ کر یاد خدا کے لئے مخصوص کردیتے تھے۔ کشمیر کی سرزمین اس زمانہ میں غیر آباد اور جنگلوں سے ڈھانپی ہوئی تھی۔ اس لئے یہ تارک الدنیا سنت سادھو پیر پنچال کو عبور کر کے یہاں پہنچ جاتے تھے اور یکسوئی کے ساتھ عبادت

دریاضت کے تپسیا کے لئے کشمیر کو ہمالیہ کے دوسرے پر بہار کوہستان پر ترجیح دیتے تھے اور کشمیر میں مرجانے کو سیدھا سورگ میں پہنچ جانے کے برابر سمجھتے تھے۔ کشمیر کے شیش ناگ اور امرناتھ جیسے گلیشروں پر ان کے تیرتھ تھے اور جگہ جگہ سے غاروں میں یا چشموں اور ندی نالوں کے کناروں پر ان رشیوں اور منیوں کے عبادت خانے اور مٹھ تھے اور سنسکرت زبان میں ویدا اُپنشد اور دوسرے علوم کے پاٹھ شالے تھے جن کے آثار کہیں کہیں اب تک باقی ہیں بعد میں ان خدادوست لوگوں کے بتائے ہوئے راستوں سے گزر کر کچھ گڈریے، کسان اور دوسرے لوگ بھی آگئے۔ جنہوں نے کشمیر کے میدانی علاقوں کو آباد کر کے بستیاں بسائیں اور پھر ایک نئی دنیا نئی زبان اور نئے لوگ پیدا ہوگئے جو کشمیری کہلائے ویدک دھرم اور اس کے بعد جین دھرم اور بدھ دھرم کے سادھوں، سنتوں، بھکشوؤں اور منیوں کے کشمیر آنے کا برابر تانتا بندھا رہا۔ آبادی کے بعد وادی کا مشہور نام تو کشمیر ہی رہا لیکن خدادوست لوگوں کی محبوب و مرغوب جائے عبادت ہونے کی وجہ سے علمی دنیا میں اس کو "رشی بھومی" جیسے عبادت گزاروں کی سرزمین کے نام سے بھی پکارا جاتا رہا۔ رفتہ رفتہ یہ رشی بھومی ودوانوں اور عالموں کا ایک ایسا مرکز بن گئی کہ ہندوستان کے دوسرے حصوں میں برہمن لوگ جب اپنے چار پانچ سال کے بچے کو جنیؤ (زنار) پہنانے کی رسم ادا کرتے تھے۔ تو بچے کی زبان سے کہلواتے کہ "میں علم حاصل کرنے کے لئے کشمیر جاؤں گا" اور چند ایک قدم اس کو شمال کی طرف چلا کر اس قول کو عمل کی صورت دینے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

کشمیر - پیرواری:...... تیرہویں صدی عیسوی تک کشمیر کی فضائیں مذہب اسلام کے نام سے ناآشنا تھیں، حالانکہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں تب تک یہ دین دور دور تک پھیل چکا تھا اور اس کے پیرو بادشاہت سے لیکر درویشی اور فقیری تک ہندوستان کی عوامی زندگی کے ہر شعبے میں حصہ دار بن چکے تھے۔ آخر کار ۱۳۲۵ء ۷۲۵ھ میں پہلا مسلمان فقیر حضرت سید عبدالرحمٰن شرف الدین بلبل شاہ رحمۃ اللہ علیہ سرینگر میں دریائے جہلم کے کنارے اترا اور ایک سہانی صبح کو اس کی اذان سحری نے بادشاہ وقت (مہاراجہ کشمیر گیالپو ررن چن) کے بے چین دل میں تلاش حق کی دبی ہوئی آگ کو ہوا دے دی۔ مہاراج نے دریچہ کھول کر دیکھا تو درویش کو نماز صبح میں مصروف اور سربسجود پایا اور وہ عابد کی اس ادا پر دل دے بیٹھا۔ وہ بہادر انسان جو اب تک بڑے بڑے معرکے سر کر چکا تھا اور جس کی خاراشگاف شمشیر کشمیر کے اندرونی و بیرونی سورماؤں سے اپنا لوہا منوا چکی تھی اور جو کشمیر کے سیاہ و سفید کا مختار مطلق العنان تھا اس کو ایک تنہا، نہتے اور غریب الوطن فقیر کی نماز سراپا گداز نے ہمیشہ کے لئے فتح کیا۔ اور وہ اس مرد روشن ضمیر کے ہاتھ پر اسلام قبول کر کے "رن چن مہاراج" سے ملک صدرالدین شاہ کشمیر بن بیٹھا۔

مشیت ایزدی کے اس ظہور کے بعد باغ کشمیر کا دروازہ دنیا بھر سے آنے والی، روحانی، ہستیوں،

علماء وفضلاء اور اولیاء واصفیاء کے لئے کھل گیا اور اس کے بعد اس ملک میں نہ صرف ہندوستان سے بلکہ عرب وعجم ایران ، افغانستان ، ترکستان وخراسان کوفہ وبغداد اور بلخ وبخارا وغیرہ ممالک سے فقراء، ودرویش، علماء وعرفاء اور خدادوست لوگ سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں وارد ہونے شروع ہوئے۔ حقیقت پوچھو تو یہ وہی سنت سادھو یوگی ، ریشی اور منی تھے جو کئی ہزار سال قبل زبان لباس اور ناموں کی تفاوت کے ساتھ کشمیر کو رشی بھومی کا لقب دلوا چکے تھے۔ اب ان کا قافلہ نئی شکل وصورت اور نئے ناموں کے ساتھ دوبارہ آرہا تھا۔ ان کا کام تو وہی تھا جو پہلے بھی سرانجام دے گئے تھے یعنی خدا کا نام بلند کرنا، سچائی کی حمایت کرنا، نیکیاں پھیلانا، برائیوں سے روکنا یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام کرنا، لیکن نام نئے تھے اور کام کی اصطلاحات جدید تھیں۔ اب کشمیر کے یہ نووارد حضرات کی جماعت عالم، عابد، عارف، سالک، اہل اللہ اور ولی اللہ کے ناموں سے پکارے جارہے تھے۔ اس لئے اب وادی کشمیر کو بھی "رشی بھومی" کے بدلے "پیرواری" یا باغ اہل ارشاد وہدایت کے نام سے پکارا جانے لگا۔

چونکہ انسانی نجات کے بنیادی اصول کی اقدار ❶ ہمیشہ سے وہی تھیں جن کی تجدید واشاعت اسلام کررہا ہے لہذا معنی وہی پرانا تھا، اور معنی کی روح بھی پرانی تھی البتہ مفہوم کو ادا کرنے کے لئے اصطلاحات اور الفاظ ضرور نئے تھے اور الفاظ کے انداز بھی نئے تھے۔ کشمیر کے ان نئے فرزندوں نے بھی "رشی بھومی" کو پیرواری بنا لینے کے بعد اپنے کمالات کی وجہ سے کشمیر کا نام چاردانگ عالم میں روشن کیا۔ ان میں سے ایسے بڑے علماء فضلاء، عقلاء رشی اور ولی پیدا ہوئے جن کا وجود اولاد آدم کو اندھیروں اور ظلمتوں سے نجات دلانے کا روشن مینار تھا ابتداء میں قدرۃً یہ لوگ باہر تشریف لائے۔ مثلاً حضرت سید عبدالرحمٰن بلبل شاہ (م ۷۲۷ھ) جو حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلفاء کے خلفاء میں سے تھے حضرت میر سید علی ہمدانی (م ۷۸۶ھ) جو سلسلہ کبروی کے تاجداروں میں سے تھے اور آپ کے خاندان کے درجنوں اولیاء اتقیاء خاص کر حضرت میر محمد ہمدانی (۸۵۴ھ) جنہوں نے حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کے مشن کی تکمیل کی یہ تو مشہور اولیاء کرام ہیں ان کے دوش بدوش ایسے عالم وفاضل لوگ بھی آئے جن کے اولین نمونے میر علی بخاری م بزمانہ بادشاہ) اور محدث میر رضی الدین (م ۹۵۶ھ) جیسے صدہا علماء ربانی تھے جو اپنے وطن کو خیر آباد کہہ کر کشمیر میں روشنی پھیلانے آئے۔ اس کے بعد خود خاک کشمیر سے پیدا ہونے والے بے شمار اولیاء اللہ رشی مشائخ عارفین علماء راسخین اور فضلاء متکلمین بھی تھے۔ مثلاً حضرت نورالدین ریشیؒ (م ۸۴۲ھ) حضرت شیخ بہاؤالدینؒ (م ۸۴۳ھ) حضرت بابا ہردی ریشی (م ۹۷۴ھ)، حضرت سلطان العارفین مخدوم شیخ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۸۴ھ)،

---

❶—VALUE OF THE FOUNDAMENTAL PRINCIPLES FORHUMAN SALVATION

حضرت شیخ بابا مسعود نروری (م قریباً ۱۰۰۰ھ)، ابو الفقراء حضرت بابا نصیب الدین غازی (م ۱۰۷۰ھ) اور حضرت خواجہ احمد تارہ بلی (م ۱۲۷۸ھ) وغیرہ حضرات سالکین میں سے اور علماء میں سے ملا احمد خوش خوان (م قریباً ۸۲۵ھ) استاذ العلماء حافظ ملا بصیر (م ۹۳۶ھ)، شہیدان اعلائے کلمۃ الحق مولینا فیروز گنائی اور مولینا الماس گنائی (م ۹۷۳ھ)، علامہ بابا داؤد خاکی (م ۹۹۴ھ) جامع الکمالات مولینا شیخ یعقوب صرفی مفسر ومحدث (م ۱۰۰۳ھ) استاذ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ، ملا جوہر ناتھ محدث (م ۱۰۲۶ھ)، مولینا حسین جبار محدث (م ۱۰۵۲ھ) ملا شنگرف گنائی محدث (شاگرد حضرت علامہ ابن حجر مکی) محدث حضرت خواجہ حیدر چرخی بن فیروز (م ۱۰۵۷ھ)، ملا محمد اشرف چرخی (م ۱۱۲۳ھ) ملا عنایت اللہ شال محدث (م ۱۱۲۵ھ)، مولینا مفتی امان اللہ شہید (م ۱۱۲۵ھ) ملا محسن فانی مصنف دبستان مذاہب (م ۱۰۸۲ھ) ملا ابو الوفاء مفتی (م ۱۱۷۶ھ)، مولینا میر سید سعید اندرابی محدث (م ۱۲۸۲ھ)، محدث محمد امین ولی الہیٰ (م ۱۱۸۷ھ)، شیخ الاسلام مفتی قوام الدین (م ۱۲۱۹ھ) فخر الواعظین مولینا نسر بابا صاحب (م ۱۶۲۱ھ) شیخ طیب بن احمد بن مصطفےٰ رفیقی (م ۱۲۶۶ھ)، قاضی ناصر الدین مفتی (م ۱۲۹۳ھ) اور میر واعظ مولینا محمد یحییٰ (م ۱۳۰۸ھ) وغیرہ۔

ان سبھی حضرات کے کمالات علم وعمل کے تذکروں سے کشمیر کی تاریخی کتابیں لبریز ہیں۔

محدث جلیل مولینا انور شاہ کشمیریؒ: ...... ماضی قریب میں کشمیر نے ایسی عظیم الشان ہستی کو جنم دیا جس کا ثانی ملنا مشکل ہے وہ تھے محدث جلیل علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ حضرت موصوف ایک ایسا آئینہ تھے جس میں زمانہ سلف کے علماء ربانی اور عرفائے حقانی کا عکس جمیل یکجا جلوہ گر تھا۔ اہل علم متفق ہیں کہ آپ کے انتقال کے بعد ایسا ہمہ صفت موصوف عالم دین ابھی تک دیکھنے میں نہیں آیا۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

آپ نے ایک طرف علم تفسیر وحدیث اور فقہ میں دوسری طرف فلسفہ منطق اور ادبیات عربی میں غرضیکہ قدیم وجدید علوم میں وہ کمالات حاصل کئے تھے جن کو دیکھ کر دنیا دنگ رہ گئی۔ ذہانت یوں تو کشمیر کے اوسط درجہ کے انسان کے لئے ایک خداداد نعمت ہے۔ مگر شیخ الحدیث علامہ انور شاہ کی ذہانت آپ کے دل ودماغ کی ایک ایسی روشنی تھی اور ایک قسم کا ایسا قلبی نور تھا جس کو ذہانت کے بدلے فطری اور پیدائشی کرامت کہنا چاہئے اس کے ساتھ ساتھ قدرت کا دوسرا بڑا عطیہ آپ کی محیر العقول قوت حافظہ تھی کہ جو بات ایک بار کان میں پڑی یا نظر سے گزری اس کا بھول جانا گویا نا ممکن ہوگیا ان کمالات کو چمکانے والی صفت آپ کا شوق مطالعہ اور اخذ وحصول علم کا عشق تھا اور سونے

پر سہاگہ آپ کا تقوی اور وللٰہیت تھی جو آپ کو اپنے اساتذہ کرام حضرت مولینا رشید احمد گنگوہیؒ (م ۱۳۲۲ھ) اور شیخ الہند حضرت مولینا محمود الحسن دیوبندیؒ (م ۱۳۳۶ھ) سے وراثۃً ملی تھی۔ یہی وہ اوصاف حمیدہ تھے جن کی بدولت آپ لولاب کے ایک گم نام گاؤں ورنو سے چل کر دارالعلوم کے شیخ الحدیث کی مسند پر جلوہ افروز ہو گئے اور شرق و عرب سے گوہر علم کے متلاشی حضرت پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سمجھنے کے لئے لمبی لمبی مسافتیں طے کر کے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے لگے اور آپ کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو وحی آسمان کی صحیح ترین تعبیر یقین کر کے کاغذوں پر ہی نہیں بلکہ اپنے دل و دماغ کے صفحات پر لکھ لکھ کر کے جانے لگے۔

ولی را ولی می شناسد کے اصول کے مطابق ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے تبحر علمی کا اندازہ کرانے کے لئے برصغیر کے جید عالم اور مفسر قرآن حضرت مولینا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) نے ایک بار فرمایا تھا کہ اسلام کی حقانیت کی دیگر دلائل میں ایک دلیل یہ بھی ہے کہ مولینا انور شاہ مسلمان ہیں شاعر مشرق علامہ اقبالؒ (م ۱۹۳۸ء) نے فرمایا کہ اسلام کی ادھر کی پانچ سو سالہ تاریخ شاہ صاحب کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

شیخ الاسلام مولینا سید حسین احمد مدنی (م ۱۳۷۷ھ) نے حضرت شاہ صاحب کی رحلت کے موقعہ پر ایک تعزیتی جلسے میں برملا فرمایا کہ میں ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو ایک لاکھ حدیثیں یاد ہیں اور ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو صحیحین حفظ یاد ہیں لیکن ایسا عالم کہ کتب خانہ کا کتب خانہ جس کے سینے میں محفوظ ہو سوائے حضرت مولینا انور شاہ کے کوئی نہیں دیکھا۔

الغرض حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے بارے میں زمانہ حاضرہ کے جید علماء محدثین کے ان افکار و آراء کا مطالعہ کر کے انسانی ذہن پر ایک ایسا عظیم علمی اور دینی پیکر ابھرتا ہے۔ جس کی مثال موجودہ نسل انسانی کو نہ مل سکے گی۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے علمی مقام کا تعین اور ان کی ہمہ دانی کی نشاندہی کے لئے علوم دینی کے جس ادراک اور فہم رسا کی ضرورت ہے، وہ عصر جدید کے بہت ہی کم ارباب علم کے حصے میں آسکتی ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی ذات سرزمین ہندوستان کے لئے اور پورے عالم اسلام کے لئے موجب افتخار تھی لیکن اہل کشمیر کو حق پہنچا ہے کہ وہ آپ کے وجود پر زیادہ سے زیادہ جذبہ فخر و مباہات کا احساس کریں اور کشمیر کی آئندہ نسل کا تو یہ فرض ہے کہ وہ آپ کی ذات کو اپنی علمی جد و جہد میں نمونہ بنا کر ترقی کی منازل طے کریں۔ مجھے یقین ہے کہ جب بھی اور جہاں بھی کشمیر کے گہوارہ روحانیت کا تذکرہ کیا جائے گا وہاں اسلام کے اولیاء کرام اور اصفیاء عظام کی صف میں وادی کشمیر کے جن علماء

عالمین کا ذکر خیر آئے گا ان میں حضرت شاہ صاحبؒ کی یاد جمیل سر عنوان رہے گی کشمیر کے علماء و عرفاء کا جو تذکرہ شاہ صاحبؒ کے حالات سے خالی ہو گا وہ تذکرہ یقیناً نامکمل سمجھا جائے گا۔

علم و فضل کے اس بحر بیکراں کے بارے میں خود میری اپنی معلومات محدود ہیں جس کا مجھے افسوس ہے چونکہ حضرت شاہ صاحبؒ کا زمانہ ہمارے زمانہ سے مسبوق تھا اور ہم براہ راست ان کے فیوض سے بہرہ یاب نہ ہوئے۔ لیکن آپ کی ذات کے ساتھ یہ تعلق میرے لئے موجب مسرت رہا ہے کہ میرے والد مرحوم الحاج سید احمد اللہ صاحب براہ راست آپ کے شاگرد تھے اور اس چشمہ فیض سے بقدر قسمت سیراب ہوئے تھے ہم لوگ اپنے بچپن میں جب کبھی اپنے والد ماجد کی زبان سے حضرت شاہ صاحبؒ کے اوصاف جمیلہ سنتے تھے تو اپنے دل میں موصوف کی ذات کے ساتھ ایک نادیدہ تعلق و محبت کا جذبہ ابھرتا ہوا محسوس ہوتا تھا اور اب جب ہم آپ کی ذات ستودہ صفات کو مفصل تاریخی حقائق کے پس منظر میں دیکھتے ہیں تو وہ جذبہ اور بھی گہرا ہوتا چلا جاتا ہے۔

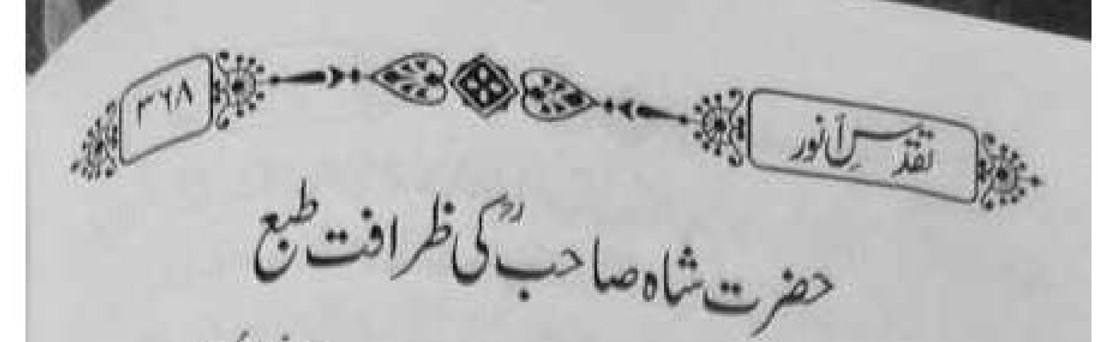
اہل بصیرت کے لئے ان سخت مشکلات کا اندازہ کرنا کچھ دشوار نہیں جو صبر آزما تحقیق و تجسس (RESEARCH) کی رہ نوردی میں ایک سوانح نگار کو حضرت علامہ کشمیری مرحوم کی کتاب زندگی من وعن پیش کرنے میں پیش آسکتی ہیں۔ خصوصاً ایسے حالات میں جبکہ آپکے انتقال پر قریباً نصف صدی کا زمانہ گزر گیا ہو اور کشمیر میں جن لوگوں نے حضرت موصوف کو دیکھا تھا وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ بایں ہمہ مشکلات ہمارے ایک فاضل دوست مکرم عبدالرحمن صاحب کوندو نے ہمت مردانہ سے کام لیکر آپ کی حیات و کارناموں پر ایک تحقیقی کتاب لکھنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ کوندو صاحب کی یہ مبارک کوشش اہل علم کے ہاں تحسین و تشکر کی مستحق ہے۔

مؤلف موصوف نے اپنی اس کتاب میں ایک حصہ متفرق اہل قلم سے حاصل کردہ مضامین و مقالات کے لئے مخصوص کیا ہے آپ نے مجھ سے بھی حیات انوریہ پر لکھنے والوں کے زمرے میں شرف شمولیت حاصل کرنے کی خواہش کی تھی۔ یوں تو اپنی سیاسی اور سماجی زندگی کے کثرت مشاغل نے میرے لئے ایسے نازک اور صبر طلب موضوع پر قلم اٹھانا ناممکن بنا دیا ہے۔ اور شاہ صاحب جیسی ہمہ پہلو ہستی پر کوئی مفصل مقالہ لکھنے کے لئے جس یکسوئی اور جن شواہد کی ضرورت ہے وہ بھی مفقود ہیں۔ اس کے باوجود عزیز انور کوندو صاحب کی نیک خواہش کے احترام میں یہ چند سطور سپرد قرطاس کی گئی ہیں۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

تحریر سرینگر ۱۲ جولائی ۱۹۷۶ء

سید میر قاسم



حضرت شاہ صاحبؒ کی ظرافت طبع

باوجودیکہ حضرت شاہ صاحب" متانت اور سنجیدگی کا پہاڑ تھے لیکن آپ کی لطیف ونفیس طبیعت میں ظرافت ومزاح کا عنصر بھی موجود تھا اور درس وتدریس کے دوران کبھی کبھی علمی رموز ودقائق ظریفانہ انداز میں بھی بیان فرمایا کرتے تھے لیکن یہ ظریفانہ تخاطب شرعی حدود وقیود اور آداب مجلس تدریس کی نازک سرحدات سے کبھی متجاوز ہونے نہ پاتا۔ آپ مزاج میں عامیانہ پن سے ہمیشہ گریز فرماتے ابتذال اور لایعنی بات کرنے اور سننے سے سخت احتراز کرتے۔

زیر نظر کتاب کے کئی مقالات میں حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ کرام نے اپنے اپنے الفاظ میں اس زیر نظر کتاب کے کئی مقالات میں حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ کرام نے اپنے اپنے الفاظ میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ کس طرح شاہ صاحب کے تلامذہ کرام نے اپنے اپنے الفاظ میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ کس طرح حضرت شاہ صاحب کی مجالس درس میں ظرافت سے زندگی پیدا ہوجاتی تھی اور کبھی کبھی اس انداز میں بھی آپ کس طرح علوم ومعارف کے دقائق بیان فرمایا کرتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب کے ایک ذہین ترین شاگرد خلد آشیاں مولینا مناظر احسن گیلانی [1] کا ایک بسیط مقالہ حضرت شاہ صاحب کی درسی خصوصیات کے عنوان سے حیات انور میں شائع ہوا ہے جو تقریبا ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے قلت گنجائش کی وجہ سے یہاں ہم اس بے بہا مضمون کے صرف حسب ذیل اقتباس پر اکتفا کرتے ہیں۔

بظاہر مجلسوں اور صحبتوں میں ان پر سکینت ووقار کی خاموشی طاری رہتی لیکن حلقۂ درس میں طبیعت ومزاح کا جبلی رجحان ان کا نمایاں ہوجاتا اس وقت ان کی زبان بارک پر معصومانہ انداز میں بڑے پرکیف فقرے جاری ہوتے۔ اس سلسلہ میں فرمایا کرتے جی ہاں ظرافت کی یہ مدوہاں بھی کافی وسیع ہے۔ بڑے صاحب کے یاں بھی اس کا تماشا پیش ہوگا۔ پھر مثلاً ان حدیثوں کا ذکر فرماتے جن میں آیا ہے کہ قیامت کے دن بعض گنہگاروں کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے گا کہ ان ہی سے ان کے گناہوں کا اعتراف کرا کے حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ ہر وہ گناہ جس کا اس نے اقرار کیا ہے اس کے مقابلہ میں اسے نیکی کا اجر دیا جائے۔ اقرار کرنے والا گنہگار اس حکم کو سن کر فرشتوں سے کہے گا کہ ٹھہرو میرے گناہوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ جب ہر گناہ کے

---

[1] ...... حضرت شاہ صاحب کے شاگردوں میں مولینا گیلانی صاحب مرحوم کو ایک خاص مقام حاصل ہے، موصوف کی علمی شہرت تصنیفی مہارت کمال زہد وورع اور علوم کی جامعیت سے ایک دنیا واقف ہے۔ آپ درجنوں عالمانہ کتابوں کی مصنف اور عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں اسلامیات اور شعبہ عربی کے سربراہ رہے ہیں۔

بدلہ میں مجھے نیکی کا اجر دیا جائے گا تو ان گناہوں کو بھی گن لواز کما قال۔
صحیح مسلم ہی کی مشہور حدیث جس میں جنت کے داخل ہونے والے سب سے کمتر درجہ کے آدمی کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ جہنم سے نکلنے کے بعد اپنے سامنے ایک درخت کو پائے گا عرض کریگا کہ اے اللہ اس درخت کی چھاؤں کے نیچے پناہ لینے کی اجازت دی جائے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس سے اقرار لیں گے کہ اس سے زیادہ تو اپنے مطالبہ کو تو آگے نہ بڑھائے گا۔ قسم کھا کر اقرار کریگا کہ بس اس سے زیادہ میں کبھی اور کچھ نہ چاہوں گا۔ اجازت دے دی جائے گی یوں ہی ایک درخت کے بعد اس سے زیادہ گھنا اور بہتر درخت اس کے سامنے آئے گا اور اپنے معاہدہ کو توڑ کر اس کے نیچے جانے کی اجازت چاہے گا۔ تا آنکہ بالآخر سرکتے ہوئے وہ جنت کے دروازے پر پہنچ کر جنت میں داخل ہو جانے کی اجازت چاہے گا۔ اس وقت حق سبحانہ وتعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ:

ما یصر فنی منک۔ تجھ سے میرا پیچھا آخر کون چیز چھڑائے گی؟

ایک فرمائش کے بعد اس سے زیادہ بہتر فرمائشیں کرتا ہی چلا جاتا ہے اور اسی کی ساتھ ارشاد ہوگا:۔
"کیا تو اس پر راضی ہو جائے گا کہ تجھے ساری دنیا اور اس دنیا کے مانند دوسری دنیا دے دی جائے گی۔؟
تب وہ غریب گنہگار عرض کرے گا:۔

یارب استھزء منی وانت رب العالمین

اے پروردگار! کیا آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں حالانکہ آپ سارے جہانوں کے مالک ہیں؟
حدیث کے راوی صحابی ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب اس روایت کو بیان کرتے تو ہنسنے لگتے اور کہتے کہ رسول اللہ ﷺ بھی یوں ہی اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے ہنستے تھے جب آپ سے ہنسنے کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا تھا کہ:۔

"اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے یہ سن کر کہ سارے جہانوں کے مالک ہو کر مجھ غریب سے مذاق کرتے ہیں"۔

گنہگار کے اس فقرے پر خود اللہ تعالیٰ کو ہنسی آجائے گی۔ اور اس کے بعد اس غریب بندے سے ارحم الراحمین فرمائیں گے کہ "میرے بندے میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا لیکن جو میرے جی میں آتا ہے وہ کرتا ہوں۔
اس حدیث پر پہنچنے کے بعد شاہ صاحب کے جذبات چھپانے کے باوجود چھلک کر باہر آجاتے تھے اور اس قسم کی عام حدیثوں کو "مذظرافت" میں شریک فرما کر آگے بڑھ جاتے۔
اسی سلسلہ میں کبھی کبھی ان پر خاص جذبہ طاری ہوتا طلبہ کی طرف مخاطب ہو کر فرماتے تو تم سمجھتے ہو کہ میں کوئی بڑا کام کر رہا ہوں۔ حالانکہ جانتے ہو کہ میری حیثیت بھی وہی ہے جو مدرسے

کے منیر خان ❶ کی ہے۔ منیر خان بھی چکی پیستے ہیں اور میں مدقق ہوں۔ دقیق (آٹا) پیستا ہوں۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ❷۔

دورۂ اختتام کی حد پر جب پہنچتا تو اس وقت اپنے خاص انداز میں فرماتے کہ اب زیادہ دیر نہیں ہے۔ میں مرغوں کا ڈربہ کھولوں گا۔ یہ مرغے جو ہمارے اردگرد جمع ہیں ڈربے سے نکلیں گے۔ دیکھتا ہوں کہ بلندیوں پر چڑھ چڑھ کر بازوؤں کو پھڑ پھڑاتے ہوئے کون بانگ دیتا ہے۔ کس کی آواز کتنی اونچی ہوتی ہے۔ اس قسم کے لطیفوں میں وہ سب کچھ کہہ دیا کرتے تھے۔ جو کہنا چاہتے تھے ❸۔

آگے چل کر مولینا گیلانی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

شاید ہی کوئی دن ایام درس کے اس طویل عہد میں ایسا گزرا ہو جس میں دلوں کے انبساط و انشراح کا یہ موقعہ اول یا آخر یا وسط میں نہ نکل آتا ہو ❹۔

درس وتدریس کے دوران علمی رنگ کا مزاح فرمانے کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مولینا طیب صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ۔ عصر مغرب کے درمیان ایک دن بخاری شریف کا درس زوروشور سے ہورہا تھا۔ احقر بھی اس سال بخاری میں تھا اور شریک درس بھی تھا اچانک کتاب بند کردی اور فرمانے لگے کہ جب بھائی شمس الدین ہی رخصت ہوگئے تو اب درس کا کیا لطف رہا۔ جاؤ تم بھی گھر کا راستہ لو۔

ہم سب حیران ہوئے کہ کون بھائی شمس الدین اور وہ آئے کب تھے؟ اور رخصت کب ہوگئے؟۔

ہماری حیرانی کو دیکھ کر سورج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو غروب ہورہا تھا، فرمایا کہ جاہلین! دیکھتے نہیں وہ بھائی شمس الدین جارہے ہیں۔

اب کیا اندھیرے میں سبق پڑھوگے؟ کیا وہ لطف کا سبق ہوگا۔

ایک بار پچھلی صف میں سے کسی طالبعلم نے سوال کیا مگر مہمل انداز سے فرمایا کہ جاہل تجھے معلوم نہیں کہ میں اسناد متصل کرنا بھی جانتا ہوں جانتا ہے کس طرح اسناد متصل ہوگی؟ میں اس اپنے پاس والے کو تھپڑ ماروں گا وہ اپنے پاس والے کو مارے گا۔ وہ اپنے پاس والے کو رسید کریگا۔ یہاں تک کہ تھپڑ کا یہ فعلی سلسلہ سند تجھ تک پہنچ جائے گا۔

یہ تہدید بھی تھی اور حکیمانہ رنگ سے فنی اصطلاحات میں ایک مزاح بھی تھا جس سے طلبہ کی تنشیط (نشاط میں لانا) مقصود تھا۔ (حیات انور ص ۲۴)

---

❶ ...... مدرسہ کے ایک بوڑھے ان پڑھ ملازم منیر خان تھے اور مسجد کے احاطہ کی طرف دروازے کے پاس ایک جھونپڑے میں مقیم تھے عموماً مدرسہ کے تعمیری کاموں کے لئے چکی میں چونا پیسا کرتے تھے۔ ❷ ...... ملاحظہ ہو حیات انور ص ۷۰-۷۲۔ ❸ ...... ملاحظہ ہو حیات انور ص ۷۴۔ ❹ ...... ایضاً ص ۷۵۔



یہ ذہن تھا یا منارۂ حفظ وضبط واستحضار؟

(مرتبہ کوندو)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت شاہ صاحب کو غیر معمولی قوت حافظ اور محیر العقول استحضار سے سرفراز فرمایا تھا۔ جو ایک مرتبہ دیکھ لیا یا سن لیا تھا وہ ضائع ہونے سے محفوظ ومامون ہوگیا۔ آپ کا علم اتنا وسیع اور قوت حافظہ ایسی تیز اور خارق عادت تھی کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اسی لئے ان کے اکابر معاصرین ان کی غیر معمولی قوت حافظہ کو خداداد کرامت قرار دیتے تھے اور آج تک بھی ان کا حافظہ زبان زد خلائق ہے ایک ایک کتاب کے اگر پانچ پانچ یا دس دس حواشی بھی ہوتے تو وہ حضرت کو یاد ہوتے تھے۔ حوالہ ہائے کتب صحیحہ بقید جلد وصفحات آپ کو ایک ہی دفعہ کے مطالعہ سے محفوظ ہوجاتے تھے اور جس وقت کسی اہم علمی مسئلہ پر تقریر فرماتے تو بے شمار کتابوں کے حوالے بلا تکلف دیتے چلے جاتے تھے احادیث کا تمام ذخیرہ اور ان کی صحت وعدم صحت کے متعلق طویل وعریض بحثیں رواۃ کے مدارج ومراتب اس طرح محفوظ تھے کہ طلبہ حدیث اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ کے وجود سے ایک مکمل لائبریری کا کام لیتے اور ایسے سوالات کا جواب منٹوں میں حاصل کرلیتے جن کی تحقیق وجستجو کے لئے ایک پوری عمر درکار ہے پھر ہر جواب میں جامعیت اس قدر ہوتی تھی کہ اس موضوع پر کسی کتاب کو خواہ وہ مطبوعہ ہو یا قلمی، دیکھنے کی ضرورت باقی نہ رہتی تھی۔ مشہور ومعروف کتب خانوں کی اکثر مخطوطات (قلمی کتابوں) آپ کی نظر سے گزر چکی تھیں اور اس طرح محفوظ تھیں کہ گویا آج ہی ان کا مطالعہ کیا ہے۔ آخر عمر میں بھی جبکہ دیگر قوائے جسمانی اضمحلال پذیر ہورہے تھے۔ بفضل ایزدی حضرت شاہ صاحبؒ کا حافظہ بدستور قابل رشک تھا۔

مولینا سراج احمد رشیدی کا بیان:...... مولینا سراج احمد صاحب رشیدی مرحوم (استاد سنن ابی داؤد) کا بیان ہے کہ حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے کہ ایک شخص نے کعبۃ اللہ کے پردوں کو پکڑ کر دعا کی کہ خداوند تعالیٰ! مجھے ابن حجر [1] کا سا علم حدیث عطا فرما۔ اس کی دعا قبول کی گئی۔ مولینا رشیدی کہتے تھے کہ میں سمجھا کہ شاہ صاحب کسی دوسرے کا واقعہ بیان فرماتے ہیں اس وقت یہ خیال نہ گزرا

---

[1] ...... حافظ ابن حجر مسند علم حدیث اور حفظ حدیث میں یکتائے زمانہ تھے۔ حضرت شاہ صاحب حافظ ابن حجر کے بے حد مداح تھے۔ حضرت کے اکابرین نے انہیں حفظ وحدیث میں حافظ ابن حجر عسقلانی ہی سے تشبیہ دی ہے چنانچہ علامہ عثمانی نے تقریر تعزیت میں فرمایا کہ آج حافظ ابن حجر کا انتقال ہورہا ہے۔ ا ح کوندہ

کہ یہ ان کی اپنی ہی حکایت ہے۔ کچھ دیر بعد سمجھا کہ یہ واقعہ حضرت شاہ صاحبؒ ہی کا ہے۔❶

حضرت شاہ صاحب کے متعدد تلامذہ کا بیان ہے کہ درس وتدریس کے دوران جب بھی حسب ضرورت کتاب کھولتے تو عموماً وہی صفحہ کھلتا جس پر وہ حدیث ہوتی جس کا آپ کو حوالہ دینا ہوتا تھا، اگر اصل صفحہ نہ بھی کھلتا تو وہ زیادہ دو چار صفحے پہلے ہوتا یا دو چار صفحے بعد اور انہیں تقریباً چالیس پچاس ہزار عربی کے اشعار زبانی یاد تھے۔ جب کبھی تشریح کے طور پر وہ کوئی شعر بطور حوالہ پڑھنا چاہتے تو صرف اس ایک شعر کو پڑھنے پر اکتفا نہ کرتے جس کا حوالہ دینا چاہتے تھے۔ بلکہ پوری کی پوری نظم پڑھ ڈالتے۔ سالم نظم میں بیس بیس پچیس پچیس اشعار ہوتے تھے اور آپ نہایت روانی کے ساتھ ان کو پڑھتے چلے جاتے تھے۔

قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے حافظہ کے بارے میں کتب تاریخ وسیر میں کچھ حیرت انگیز واقعات پڑھنے میں تو آجاتے ہیں۔ مثلاً حضرت قتادہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت اصمعی وغیرہ کی غیر معمولی قوت حافظہ کی اکثر جگہ تعریف کی گئی ہے۔ مگر میرے خیال میں یہ تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ اس زمانے میں کتابیں نایاب تھیں۔ اس لئے لوگوں کو اپنے حافظہ پر ہی بھروسہ کرنا پڑتا تھا۔ اس کا قدرتی اور لازمی نتیجہ یہ تھا کہ حافظہ میں غیر معلولی جلا پیدا ہو جاتی تھی۔ لیکن آجکل کتابوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ کروڑوں کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ علم سینہ اور دماغ کے بجائے کتابوں میں منتقل ہو کر رہ گیا ہے۔ ان حالات میں اس انفرادیت کے ساتھ اس قسم کا حافظہ واقعی اللہ تعالیٰ کی بے شمار عنایات اور نشانیوں میں سے ایک نشانی تصور کیا جاسکتا ہے۔ سچ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی قوت حافظہ ان منکرین حدیث کا جواب تھی جو محدثین کے حافظہ کو اپنے کمزور حافظے پر قیاس کر کے ان پر اعتماد نہ کر کے ذخیرہ حدیث کو مشتبہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔

بہر حال حافظہ اور استحضار کے لحاظ سے بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی ذات ستودہ صفات آیات من ایات اللہ تھی اگر انہیں اپنے وقت کا امام زہری کہا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ اتنا عمدہ تھا کہ جو بات ایک دفعہ ان کے کان میں پڑ گئی وہ کسی طرح نہ بھولتے تھے۔ اس لئے وہ جب مدینہ منورہ کے بازاروں سے گزرتے تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے کہ مبادا بازار کے خرافات ان کے دماغ پر نقش نہ ہو جائیں۔

مولانا محمد ادریس صاحب سکھروڈوی کا فرمانا بجا ہے کہ دراصل حضرت شاہ صاحب کا حفظ وذکاء حق تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص موہبت تھی۔ صدیوں ہی میں کوئی ہستی ایسی پیدا ہوتی

---

❶ ..... حیات انور ص ۱۵۔

ہے۔ ہزاروں صفحات کی کتاب ایک مرتبہ دیکھ لینے کے بعد پھر ہاتھ میں نہیں اٹھاتے تھے۔ اور سالہا سال کے بعد جب بھی اس کتاب میں کسی مسئلہ کا حوالہ دینا چاہتے تو چند منٹ میں اس مسئلہ پر انگلی رکھ کر فرما دیتے تھے کہ یہ ہے۔ نہ اس کی کوئی یادداشت کہیں لکھی ہوتی اور نہ کہیں نوٹ ہوتا اس وقت ایسا معلوم ہوتا کہ ابھی کچھ مدت پہلے یہ کتاب نظر سے گذری ہے اور مختصر ہے اور کتاب کے دائیں بائیں صفحات خیال مبارک میں موجود ہیں۔ مناظرہ ومباحثہ کی کسی مہم میں حضرت شاہ صاحب کی معیت ایک ضخیم کتب خانہ کی معیت کا کام کرتی تھی۔ ہر فن میں جامعیت اور پورا اقتدار شاہ صاحبؒ کو حق تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا اور حفظ وذکاء کا حصۂ وافر عطا کیا تھا ❶۔

زیر نظر کتاب کے کئی مقالات میں حضرت شاہ صاحبؒ کے غیر معمولی حافظہ کے متعلق متعدد واقعات کا ذکر موجود ہے ان میں سے چند واقعات یہاں موضوع کی مناسبت کی وجہ سے اختصار کے ساتھ ضبط تحریر میں لائے گئے اور ان کے علاوہ کچھ واقعات بھی ذیل میں درج کئے گئے۔ جن کا ذکر پیش نظر کتاب میں نہیں ہے۔

مولینا محمد ادریس کاندھلوی کا بیان:...... حضرت مولینا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضرت شاہ صاحب درس میں جب مسائل خلافیہ پر کلام فرماتے تو جابجا شیخ ابن ہمام کی تحقیقات کو مع نقض اور ابرام کے ذکر فرماتے ایک مرتبہ بطور تحدیث بالنعمۃ فرمایا کہ میں نے تمام فتح القدیر (جو آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے) کا تقریباً چھبیس روز میں مطالعہ کیا اور چھبیس سال گذر گئے اور مراجعت کی ضرورت نہیں پڑی جو مضمون بیان کروں گا اگر تم اس کی مراجعت اصل سے مقابلہ کرو گے تو ان شاء اللہ بہت کم تفاوت پاؤ گے۔

مولینا ادریس صاحبؒ نے مزید لکھا ہے کہ:

> حالانکہ فتح القدیر نہایت دقیق اور غامض کتاب ہے جو فقہ اور اصول فقہ کے دقائق اور غوامض پر خصوصاً اور اصول حدیث کے مشکلات پر عموماً مشتمل ہے۔ یعنی دقیق کتاب کا چھبیس روز میں مطالعہ غیر معمولی فہم اور خداداد نور فراست کی دلیل ہے اور پھر مدۃ العمر اس کا بلا مراجعت استحضار قوت حافظہ کے کمال کی دلیل ہے ❷۔

جزئیات فقہ نہ صرف فقہ حنفی کی بلکہ ائمہ اربعہ اور دوسرے ائمہ کی بھی بہت زیادہ آپ کو محفوظ تھیں۔

---

❶...... حیات انور ۳۴۳-۳۴۴۔ ❷...... حیات انور ص ۱۱۸۔

کمال حافظہ کی وجہ سے صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب مبسوطہ حدیث مطبوعہ وقلمی آپ کو ادبر تھیں۔

حضرت شیخ الاسلام مولینا مدنیؒ نے فرمایا ہے کہ مجھ سے حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے کہ جب میں کسی کتاب کا سرسری نظر سے مطالعہ کرتا ہوں اور اس کے مباحث کو محفوظ رکھنے کا ارادہ بھی نہیں ہوتا۔ پھر بھی پندرہ سال تک اس کے مضامین مجھے محفوظ رہ جاتے ہیں ❶۔

سرعت مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ مسند احمد (مطبوعہ مصر) کے روزانہ دو سو صفحات کا مطالعہ فرمایا اس طرح کہ پوری دقت نظر اور کامل غور وفکر کے ساتھ اس کی اسانید اور مشکلات کو حل کرتے جاتے تھے۔

حافظہ کے بارے میں کشمیر کا واقعہ:...... حضرت شاہ صاحبؒ کے وسعت مطالعہ اور قوت حافظہ پر مندرجہ ذیل واقعہ سے بھی روشنی پڑتی ہے۔

کشمیر میں ایک دفعہ علماء کے درمیان اختلاف ہوا اور ہر ایک کا جواب دوسرے کے مخالف رہا۔ اس دوران میں حضرت شاہ صاحبؒ بھی کشمیر تشریف لائے۔ فریقین شاہ صاحب سے ملاقات کرنے کے لئے حاضر ہوئے اور دونوں نے مختلف فیہ مسئلہ کو آپ کے سامنے پیش کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے مولینا محمد یوسف بنوری کو حکم دیا کہ اس کا جواب لکھو۔ اس فتوی پر ایک فریق نے فتاوی عمادیہ کے ایک قلمی نسخہ سے اپنے استدلال میں ایک عبارت پیش کی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے مولینا محمد یوسف صاحب سے فرمایا کہ میں نے فتاوی عمادیہ کے مخطوطہ کا دار العلوم کے کتب خانہ میں مطالعہ کیا ہے اس میں یہ عبارت ہرگز موجود نہیں یہ لوگ تصحیف کر رہے ہیں یا تدلیس اس پر حاضرین متحیر ہوئے اور مستدلین مبہوت ہو کر رہ گئے ❷۔

مولینا منظور نعمانی کے واقعات:...... حضرت مولینا منظور صاحب نعمانی اپنے مقالہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے حافظہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''ایک دفعہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ترمذی شریف کی ایک عبارت کا میں نے حوالہ دیا اور عرض کیا کہ اس عبارت میں یہ اشکال ہے بہت غور کیا لیکن حل نہ ہو سکا''۔

فرمایا۔''مولوی صاحب آپ کو یاد نہیں رہا مجھے خوب یاد ہے جس سال آپ دورہ ❸ میں تھے اس موقع پر میں نے بتایا تھا کہ یہاں ترمذی کے اکثر نسخوں میں ایک غلطی واقع ہو گئی ہے لیکن لوگ سرسری طور پر گزر جاتے ہیں اور انہیں پتہ نہیں چلتا۔ ورنہ جو اشکال آپ کو پیش آیا سب کو پیش آتا

---

❶...... حیات انور ص ۱۲۔ ❷...... حیات انور ص ۱۲۔ ❸...... دورہ حدیث دار العلوم دیوبند میں علم حدیث کا درجہ اعلیٰ۔

چاہئے۔ پھر فرمایا صحیح عبارت اس طرح ہے:

بس سارا اشکال جس نے چکر میں ڈال رکھا تھا ایک منٹ میں رفع ہو گیا اللہ اکبر یہ بات بھی یاد رہتی تھی کہ فلاں سال اس موقع پر سبق میں یہ بات بتلائی تھی۔

ایک واقعہ اور سنیئے! سورۃ نساء کے سولہویں اور سترہویں رکوع کی آیتیں چوری اور دھوکہ بازی کے ایک خاص واقعہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں اس واقعہ کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ مجھے طالب علمی ہی کے زمانہ میں ایک خاص مسئلہ کی تحقیق کے سلسلہ میں یہ معلوم کرنے کی ضرورت پڑی کہ کس سن میں یہ واقعہ پیش آیا اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں جو تفسیریں مجھے ایسی ملیں جن میں آیات سے متعلق روایات کو جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ میں نے ان سب کو دیکھ ڈالا مگر واقعہ کا زمانہ اور سن مجھے کہیں سے معلوم نہ ہو سکا۔ عاجز آ کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے فلاں واقعہ کے سن وقوع کی تلاش ہے۔ کتابوں میں دیکھا مگر مجھے نہیں ملا۔

فرمایا! کون کونسی کتابیں آپ نے دیکھیں؟ میں نے تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر و معالم وغیرہ چند تفسیروں کے نام لئے، فرمایا: ''در منثور میں نہیں دیکھا؟'' میں نے عرض کیا کہ در منثور کا نسخہ اس وقت کتب خانہ میں موجود نہیں تھا کہیں عاریت میں گیا ہوا ہے۔ اس لئے اس کو تو نہیں دیکھ سکا۔

فرمایا، جاؤ اس کو دیکھ لو اس میں مذکور ہے۔

چنانچہ تلاش کر کے در منثور کو دیکھا تو ابن سعد کی ایک روایت میں یہ صریح الفاظ موجود تھے۔

''وكان ذلك في شهر ربيع سنة اربع''

کہ یہ واقعہ ماہ ربیع ۴ھ میں پیش آیا

گویا جو چیز بھی کسی کتاب میں کبھی حضرت نے دیکھی تھی وہ حافظہ کے خزانہ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئی تھی ❶۔

مولینا لائلپوری کا بیان:

......مولینا محمد صاحب انوری لائلپوری مقدمہ بہاولپور کی پیروی کے سلسلہ میں شب و روز ۱۹ یوم تک حضرت کے ساتھ رہے اور حضرت شاہ صاحبؒ نے ان کو مختار مقدمہ بنوا دیا تھا۔ نیز حضرت کے عدالتی بیان میں جس قدر حوالہ جات کتب کی ضرورت پیش آتی تھی وہ بھی مولینا موصوف ہی نکال کر پیش کرتے تھے، جن کو حضرت خود پڑھ کر جج صاحب کو سناتے تھے ❷۔

اس سلسلہ میں مرحوم مولینا لائل پوری حضرت شاہ صاحبؒ کے حافظہ کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

❶......ملاحظہ ہو پیش نظر کتاب میں مولینا نعمانی صاحب کا مقالہ۔ ❷......ملاحظہ ہو نطق انور حصہ اول ص ۴۴۔

”حضرت کا حافظہ اس وقت قابل دید وشنید تھا، جب حوالہ دیتے کتاب کھولتے ہی فوراً انگلی مبارک عبارت پر ہوتی۔ جج صاحب! لکھیے عبارت یہ ہے بعض دفعہ احقر کو فرماتے کہ عبارت نکال کر دے تا کہ دکھاؤں بعض دفعہ صفحہ بھی ارشاد فرماتے الخ (۱)۔

فقہ حنفی کی کتاب نور الایضاح کا واقعہ:...... امام العصر حضرت کشمیری کی حیرت انگیز قوت حافظہ سے متعلق مشہور واقعہ ہے کہ ممدوح نے مصر کے کسی کتب خانہ میں فقہ حنفی کی کتاب نور الایضاح کا مطالعہ کیا اور اسی مطالعہ کی بنیاد پر ہندوستان آکر اسے طبع کرایا (۲)۔

لنگڑے اور لولے کا واقعہ:...... حضرت شاہ صاحبؒ نے خود ایک بار فرمایا ہے کہ:۔

”میں نے اپنے وطن کشمیر میں سنا تھا اور اس وقت میں چار برس کا تھا کہ دو آدمی اس مسئلہ میں گفتگو کر رہے تھے کہ عذاب بدن کو ہوتا ہے یا روح کو، آخر ان کی رائے یہ قرار پائی کہ عذاب دونوں کو ہوتا ہے۔ انہوں نے اس کی ایک مثال بھی دی۔ ایک نے کہا کہ جسم اور روح کا ساتھ ایسا ہے جیسے ایک مرتبہ اندھے اور لولے کا ہوا تھا کہ وہ ایک باغ میں پھل توڑنے کے لئے گئے۔ اندھا پھلوں کے دیکھنے سے عاجز اور لولا ان کو توڑنے سے معذور۔ آخر ان دونوں نے باہم مشورہ کیا کہ اور لولا اندھے کے کاندھے پر چڑھ بیٹھا اندھا اس کو لے کر درختوں کی طرف چلا۔ لولا پھلوں کو دیکھتا اور ان کو توڑ لیتا“ (۳)۔

بس یہی حالت بدن کی روح کے ساتھ ہے۔ بدل بغیر روح کے جماد محض ہے جس کو حرکت نہیں اور روح بغیر بدن کے کچھ کرنے سے عاجز ہے لہٰذا یہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں جب یہ دونوں کسب میں شریک ہیں تو اجر وثواب میں بھی دونوں شریک ہوں گے اور سزا وعذاب میں بھی ایک دوسرے کے شریک رہیں گے۔ پینتیس برس کے بعد میں نے یہ واقعہ علامہ قرطبی کے یہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے دیکھا اور بالکل ویسا ہی جیسا کہ ان دونوں نے کہا تھا (۴)۔

علامہ عثمانی کا واقعہ:...... مولینا محمد ادریس صاحب سکھروڑوی کا بیان ہے کہ:

---

(۱)...... ملاحظہ ہو حیات انور ص ۳۲۲۔ (۲)...... یہ واقعہ مشہور تو ہے لیکن غالب اس کی شہرت غلط ہے۔ کسی قابل اعتماد ذریعہ سے نہیں سنا گیا قابل قبول بھی نہیں ہے (حضرت مولینا محمد منظور نعمانی)۔ (۳)...... اتنے میں اگر باغبان آ گیا تو وہ دونوں ہی کو گرفتار کریگا اور دونوں کو سزا کا مستحق قرار دے گا۔ (۴)...... ملاحظہ ہو فیض الباری علی صحیح البخاری مطبوعہ دار المامون قاہرہ ۱۳۵۷ھ جلد ۲ ص ۱۱۵

حضرت مولینا شبیر احمد عثمانیؒ جس زمانہ میں قرآن پاک کے فوائد تحریر فرمارہے تھے، یہ وہ زمانہ ہے جبکہ دارالعلوم دیوبند چھوڑ کر مقام ڈابھیل (سورت) میں حضرت شاہ صاحب اور مولینا شبیر احمد صاحب وغیرہ تشریف لے گئے تھے اور اسی مقام ڈابھیل میں فوائد قرآن پاک کی تکمیل ہوئی۔

حضرت مولینا شبیر احمد صاحبؒ کی عادت تھی کبھی کبھی فوائد کے متعلق مزید تسکین خاطر و توثیق کے پیش نظر فوائد کے متعلق لکھا ہوا حضرت شاہ صاحب کو سنا دیا کرتے تھے اور اگر کوئی اشکال ہوتا تو دریافت بھی فرمالیا کرتے تھے۔

جس دن حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کا تار ڈابھیل پہنچا تو حضرت شبیر احمد صاحبؒ پر بے صبری اور غم کے آثار زیادہ نمایاں تھے، بے ساختہ چیخیں اور دہاڑے مار مار کر رو رہے تھے اور فرمارہے تھے آہ! ہمارے لئے موجب تسکین وطمانیت کون ہے کس کے پاس جاکر اب تسکین خاطر کریں گے کس سے اپنے علمی اشکالات حل کرائیں گے؟ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو غم ورنج کا پہاڑ مولینا شبیر احمد صاحبؒ پر گرا ہے وہ غم ورنج کسی دوسرے کو نہیں۔

بہرحال بعد وفات ہی یہ واقعہ بیان فرمایا کہ جب میں فوائد (فوائد التنزیل) لکھتے لکھتے ان آیات پر پہنچا جو حضرت داوٗد علیہ السلام کے قصہ میں ہیں۔

"وهل اتاك نبؤ الخصم اذ تسوروا المحراب اذ دخلوا على داءوٗد ففزع منهم قالوا لا تخف الخ (ص آیت ۲۱-۲۵)

حضرت داوٗد علیہ السلام نے اپنے اوقات کی تقسیم یوں کر رکھی تھی ایک دن لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنا ایک دن اپنے اہل وعیال کے لئے، ایک دن اللہ کی عبادت کرنا۔ جس دن اللہ کی عبادت کرتے، مکان بند کردیا جاتا اور دربان پہرہ دیتے تھے تاکہ عبادت الہی میں کسی قسم کی کھنڈت نہ ہو۔ عبادت کے دن ہی یہ واقعہ پیش آیا کہ جب ان انتظامات کے ساتھ عبادت میں مشغول تھے کہ ناگاہ کئی شخص دیوار پھاند کران کے پاس آکھڑے ہوئے۔ داوٗد علیہ السلام باوجود اپنی قوت وشوکت کے یہ ماجرا دیکھ کر گھبرا اٹھے کہ یہ آدمی ہیں یا اور کوئی مخلوق؟ آدمی ہیں تو ناوقت آنے کی ان حالات میں جرأت کیسے ہوئی؟ دربانوں نے کیوں نہیں روکا۔ اگر دروازے سے نہیں آئے تو اتنی اونچی دیوار پھاند کر آنے کی کیا سبیل کی ہوگی؟ غرض اچانک یہ عجیب وغریب واقعہ دیکھ کر خیال دوسری طرف ہٹ گیا اور عبادت میں جیسی یکسوئی کے ساتھ مشغول تھے قائم نہ رہ سکی۔ ان آیات کی تفسیر میں عام مفسرین متاخرین نے اسرائیلیات سے کچھ ایسے واقعات لکھے ہیں جو ایک نبی کی شان نہیں بلکہ ایک اچھے آدمی کے متعلق بھی مناسب نہیں خیال کئے جاتے۔ چہ جائیکہ داوٗد علیہ السلام جیسے نبی کے متعلق ان باتوں کا تصور کیا جاسکے۔

مفسرین متاخرین یہ لکھتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیبیاں تھیں۔اس کے باوجود داؤد علیہ السلام نے ایک پڑوسی کی بیوی کو نکاح میں لیا، اس پر متنبہ کرنا مقصود ہے اور اس کے حاصل کرنے کے جو طریقے، واقعات لکھے ہیں وہ ایک صحیح طریق پر چلنے والے انسان کے لئے نامناسب اور صحیح سمجھ والے کے لئے ناقابل تسلیم۔ان آیات میں داؤد علیہ السلام کو ان کے اس فعل پر متنبہ کرنا ہے۔ متقدمین مفسرین اور ائمہ حدیث ان متاخرین کے درج ذیل آیات واقعات کو یہ کہہ کر رد کردیتے ہیں کہ یہ اسرائیلیات میں بیان کردہ ہیں جن کی کوئی سند نہیں اور نہ ہی یہ قصے تسلیم کے قابل ہیں اور کوئی بات متقدمین کے یہاں ایسی نہیں ملتی جس سے یہ اشکال حل ہو سکے کہ آخران انتظامات کے باوجود کہ دربان مقرر ہیں مکان بند ہے، کوئی راہ اندر آنے کی نہیں، اچانک دیوار پھاند کر چند آدمی کیوں آئے اور اس قصے میں غرض کیا ہے؟ مولینا شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا کہ میں پندرہ دن ان آیات کے متعلق تفتیش و تحقیق میں سرگردان اور پریشان رہا۔ جہاں تک امکان میں تھا، قدیم و جدید تفسرین اور شرح حدیث کو چھان مارا اور کوئی بات ایسی قابل تسکین نہ ملی جس سے یہ خلش دور ہوتی کہ بالآخر یہ ایسا کیوں ہوا کہ جس سے داؤد علیہ السلام کی عبادت میں رخنہ اندازی ہوئی اور عبادت میں یک سوئی نہ رہ سکی۔ حضرت شاہ صاحب اس وقت بیمار تھے۔ بیماری کا خیال کر کے حضرت شاہ صاحب کے پاس جاتے ہوئے ہچکچاتا تھا، جب دیکھا کہ کوئی صورت تسلی واطمینان کی نہیں اور ان آیات کے تحت لکھوں تو کیا لکھوں؟ کام لکھا ہوا ہے، ناچار حضرت شاہ صاحبؒ سے عرض کیا کہ مجھے پندرہ دن تفسیروں کے اوراق گردانتے ہوئے ہوگئے مگر ان آیات کا کوئی حل نہیں ملا۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا بے شک ان آیات میں اشکال ہے، البتہ میری نظر سے ایک حدیث گزری ہے جو مستدرک حاکم میں ہے۔ ضعف ہی کی حالت میں مستدرک اٹھائی اور دو چار ہی منٹ میں کچھ ورق الٹ پلٹ کر انگلی رکھ کر ایک حدیث بتلائی اور فرمایا کہ اس حدیث میں ان آیات کے متعلق حل نکلتا ہے۔ میں نے حدیث پڑھی، پیچھے سے کچھ ورق دیکھے کہ دیکھوں داؤد علیہ السلام کے متعلق کوئی باب ہو، کچھ نہ ملا اور نہ حدیث کو دیکھ کر کوئی بات سمجھ میں آئی۔ حضرت شاہ صاحبؒ تو صرف اتنا ہی کہہ کر خاموش ہو گئے کہ یہ حدیث ہے اور اس میں ان آیات کے متعلق جو اشکال ہے اس کا حل ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس کتاب کو لے جاؤں۔ فرمایا لے جایئے اور دیکھ لیجئے میں کتاب لیکر اپنی جگہ آیا اور غور کیا تو مطلب کو پالیا۔ حدیث کا مضمون یہ ہے۔ جس کو مولینا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے فوائد میں نقل کیا ہے:۔

ہمارے نزدیک اس قصہ میں اصل بات وہ ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے یعنی داؤد علیہ السلام کو یہ ابتلاء ایک طرح کے اعجاب کی بناء پر پیش آیا، صورت یہ ہوئی کہ داؤد علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں

عرض کیا کہ "اے پروردگار رات دن میں کوئی ساعت ایسی نہیں جس میں داؤد کے گھرانے کا کوئی نہ کوئی فرد تیری عبادت (یعنی نماز یا تسبیح وتکبیر) میں مشغول نہ رہتا ہو"۔ یہ اس لیے کہا کہ انہوں نے روز وشب کے ۲۴ گھنٹے اپنے گھر والوں پر نوبت بہ نوبت تقسیم کر رکھے تھے، تا کہ ان کا عبادت خانہ کسی وقت عبادت سے خالی نہ رہنے پائے اور بھی کچھ اس قسم کی چیزیں عرض کیں (شاید اپنے حسن انتظام وغیرہ کے متعلق ہوں گی) اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہوئی ارشاد ہوا کہ داؤد! یہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے اگر میری مدد نہ ہو تو اس چیز پر قدرت نہیں پا سکتا (ہزار کوشش کر کے نہیں نبھا سکتا) قسم ہے اپنے جلال کی میں تجھ کو ایک روز تیرے نفس کے سپرد کر دوں گا! (یعنی اپنی مدد ہٹا لوں گا، دیکھیں اس وقت تو کہاں تک اپنی عبادت میں مشغول رہ سکتا اور اپنا انتظام قائم رکھ سکتا ہے) داؤد علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار مجھے اس دن کی خبر کر دیجئے پس اسی دن فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔

(اخرج هذا الاثر الحاكم في المستند وقال صحيح الاسناد واقربه الذهبي في التلخيص)

یہ روایت بتلاتی ہے کہ فتنہ کی نوعیت صرف اسی قدر ہونی چاہیے کہ جس وقت داؤد علیہ السلام عبادت میں ہوں باوجود پوری کوشش کے مشتغل نہ رہ سکیں اور اپنا انتظام قائم نہ رکھ سکیں۔ چنانچہ آپ پڑھ چکے کہ کس بے قاعدہ اور غیر معمولی طریقے سے چند اشخاص نے اچانک عبادت خانہ میں داخل ہو کر حضرت داؤد علیہ السلام کو گھبرا دیا اور ان کے شغل خاص سے ہٹا کر اپنے جھگڑے کی طرف متوجہ کر لیا۔ بڑے پہرے اور انتظامات ان کو داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچنے سے نہ روک سکے تب داؤد علیہ السلام کو خیال ہوا کہ اللہ نے میرے اس دعوے کی وجہ سے اس فتنہ میں مبتلا کیا۔

اس سے آگے مولینا شبیر احمد صاحب نے لفظ فتنہ کی تفسیر میں مزید کچھ لکھا ہے جو ان آیات کے فوائد دیکھنے سے متعلق ہے۔ مولینا موصوف نے جب حضرت شاہ صاحب کی بتلائی ہوئی حدیث سے یہ فوائد لکھ لئے تو حضرت شاہ صاحبؒ کو سنائے جس کی حضرت شاہ صاحبؒ نے تصویب کی اور فرمایا حدیث کا یہی مضمون ہے اور ان آیات کے درج ذیل یہی مناسب ہے۔

مولینا شبیر احمد صاحب نے حضرت شاہ صاحب کے حفظ وذکاء کی دو چیزوں کی داد دی اور فرمایا کہ اس حفظ کا کیا ٹھکانا کہ اتنی بڑی ضخیم کتاب سے ایک دو منٹ میں چند ورق ادھر ادھر کر کے حدیث پر انگلی رکھ کر بتلا دی، گویا ابھی حال ہی میں دیکھی ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کب دیکھی ہوگی۔ حضرت شاہ صاحب کی عادت تھی، اپنی کتاب ہاتھ میں اٹھائی اول سے آخر تک دیکھتے رہے جب تک ختم نہ کر لیتے چھوڑتے نہیں تھے۔

مستدرک غالباً تین چار سال پہلے زمانہ قیام دارالعلوم میں دیکھی تھی اور فرمایا کہ ذکاوت اور سرعت انتقال ذہنی پر غور کیا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ کتاب دیکھتے دیکھتے جب حدیث سامنے آتی ہے تو فکر کس سرعت سے اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق آیات میں مفید طلب ہوگی (جس کی تفسیر میں حضرت مولینا شبیر احمد صاحبؒ جیسے عالم کو پندرہ دن سرگردان و پریشان رہنا پڑا) ❶۔

مولینا طیب صاحب کا بیان:...... مولینا طیب صاحبؒ کا بیان ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی غیر معمولی قوت حافظہ سے حفاظ سلف کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ انہیں غیر متداول بلکہ غیر معروف کتب کی عبارتیں بھی اس درجہ مستحضر رہتی تھیں کہ وقت پڑنے پر بے تکلف پیش کر دیا کرتے تھے اور علماء حیرت زدہ ہو کر رہ جاتے تھے۔

اس سلسلے میں اپنے مقالہ نور الانور میں مولینا موصوف نے دو واقعات کا خصوصی طور ذکر کیا ہے۔

پہلا واقعہ طویل ہونے کی وجہ سے ہم اپنے الفاظ میں مختصر کر کے اس طرح عرض کرتے ہیں کہ مولینا طیب صاحب کو اپنی ایک تصنیف میں ابوالحسن کذاب کی سوانح حیات کی ضرورت تھی۔ انہیں جب اس بارے میں کہیں معلومات نہیں ملی تو عاجز آ کر حضرت شاہ صاحبؒ سے ماخذ دریافت کیے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے متعدد کتابوں کے حوالے دے دیے کہ ان میں ابوالحسن کذاب کے حالات مل جائیں گے۔ مولینا طیب صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں! کہاں کہاں تلاش کرتا پھروں گا آپ خود ہی کچھ فرمادیں میں آپ ہی کا حوالہ دیکر اسے جزو کتاب بناؤں گا۔ اس پر حضرت شاہ صاحب نے برجستہ ابوالحسن کذاب کے سن ولادت سے لیکر سن وفات تک کے اس سلسلے کے اجمالی حالات ترتیب وار بیان فرمائے اور اس کے کذب و زور کے متعدد واقعات سنائے۔

مولینا طیب صاحب کا بیان ہے کہ مجھے خیال ہوا کہ شاید حضرت شاہ صاحب نے ابھی حال ہی میں یہ حالات مطالعہ کیے ہیں۔ چنانچہ جب میں نے حضرت سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا نہیں مولوی صاحب! قریباً تیس سال کا عرصہ ہوا، جب مصر جانا ہوا تھا وہاں کے ایک کتب خانہ میں اتفاق سے اسی ابوالحسن کے حالات پر ایک کتاب ہاتھ میں آ گئی رواروی میں اس کا بھی مطالعہ کیا اور اب آپ کے دریافت کرنے پر من و عن مستحضر ہو گئے ❷۔

جہاں تک دوسرے واقعہ کا تعلق ہے اسے ہم قارئین کی دلچسپی کے لئے ذیل میں من و عن درج کرتے ہیں چنانچہ مولینا طیب صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

---

❶...... ملاحظہ ہو حیات انور ۳۲۷ تا ۳۵۲ مقالہ مولینا محمد ادریس صاحب سکھروڑوی۔ ❷...... ملاحظہ ہو زیر نظر کتب میں مولینا طیب صاحب کا مقالہ و مکاتیب طیبت جلد اول ص ۳۵۔

تحریک خلافت کے دور میں جب امارت شرعیہ کا مسئلہ چھڑا تو مولوی سبحان اللہ خان صاحب گورکھپوری نے اس مسئلہ میں اپنے بعض نقاط نظر کی تائید میں بعض سلف کی عبارت پیش کی جوان کے نقطہ نظر کی تو مؤید تھی مگر مسلک جمہور کے خلاف تھی۔ یہ عبارت وہ لے کر خود دیوبند تشریف لائے اور مجمع علماء میں اسے پیش کیا۔ تمام اکابر دار العلوم حضرت شاہ صاحب کے کمرہ میں جمع تھے حیرانی یہ تھی کہ نہ اس عبارت کو رد ہی کر سکتے تھے کہ وہ سلف میں سے ایک بڑی شخصیت کی عبارت تھی اور نہ اسے قبول ہی کر سکتے تھے کہ مسلکِ جمہور کے صراحتا خلاف تھی۔ یہ عبارت اتنی واضح اور صاف تھی کہ اسے کسی تاویل وتوجیہہ سے بھی مسلک جمہور کے مطابق نہیں کیا جا سکتا تھا۔

حضرت شاہ صاحب استنجا کے لئے تشریف لے گئے ہوئے تھے وضو کر کے واپس ہوئے تو اکابر نے عبارت اور مسلک کے تعارض کا تذکرہ کیا اور یہ کہ ان دونوں باتوں میں تطبیق وتوفیق بھی نہیں پڑتی۔ حضرت ممدوح حسب عادت حسبنا اللہ کہتے ہوئے بیٹھ گئے اور عبارت کو ذرا غور سے دیکھ کر فرمایا کہ اس عبارت میں جعل اور تصرف کیا گیا ہے اور دو سطروں کو ملا کر ایک کر دیا گیا ہے درمیان کی ایک سطر چھوڑ دی گئی ہے۔ اسی وقت کتب خانہ سے کتاب منگائی گئی، دیکھا گیا تو واقعی اصل عبارت میں سے پوری ایک سطر درمیان سے حذف ہوئی تھی۔ جوں ہی اس ساقط کردہ سطر کو عبارت میں شامل کیا گیا عبارت کا مطلب مسلک جمہور کے موافق ہو گیا اور سب کا تحیر رفع ہو گیا۔

(ملاحظہ ہو حیات انور ۲۲۹-۲۳۰)





حضرت شاہ صاحبؒ کے تلامذہ

مرتبہ کوندہ

علامہ جلیل حضرت شاہ صاحبؒ کے شاگردوں کا حلقہ اتنا وسیع ہے کہ آج تک کوئی شخص یہ اندازہ ہی نہ کر سکا کہ اس منبع علم وفضل سے کتنے طالبان علم دین مستفیض ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند میں حضرتؒ نے لگ بھگ اٹھارہ سال تک درس وتدریس کے کام جاری رکھا اور ایک محتاط اندازہ کے مطابق دو ہزار کے قریب تشنگان علم ان سے بلاواسطہ مستفید ہوئے۔ بعد ازاں کئی سال تک جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں درس وتدریس کا کام کو جاری رکھا اور یہاں بھی ایک کثیر تعداد نے ان سے استفادہ کیا۔ اسی طرح بارہ مولہ کشمیر کے مدرسہ فیض عام اور دہلی کے مدرسہ امینیہ میں بھی بے شمار طالبان علم کو سرفراز فرمایا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی ذات گرامی جو بلا مبالغہ ''آیت من آیات اللہ'' تھی کو یہ خصوصیت وامتیاز بھی حاصل تھا کہ آپ کے حلقہ تلامیذ میں جن سعادت مندان ازلی کو شامل رہنے کا موقعہ ملا وہ اپنے وقت کے بہترین رجال علم وعمل سمجھے گئے اور انہوں نے دین وشریعت سے لیکر ادب وسیاست تک کے میدان میں عوام وخواص کی نمایاں اور ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ حضرت کے ارشد تلامذہ کی ایک بڑی تعداد انکی زندگی میں دین وسیاست، علم وادب اور ملی رہنمائی کی مسندوں پر جلوہ فرما تھی اور حضرت کے انتقال کے بعد برصغیر ہند وپاک اور دوسرے ممالک اسلامیہ میں اشاعت وتبلیغ علوم اسلامیہ کی خدمت کا بڑا حصہ ان ہی کے شاگردوں سے انجام پایا۔ آج بھی خدائے رحیم وکریم کے فضل سے حضرت شاہ صاحبؒ کے شاگردوں کی کمی نہیں ہے۔ اور انہیں علم وفیض اور دینی زندگی کے ایک معیار کی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح احیاء واسلام اور اماتت کفر کی جو خدمت جس بھی صاحب سے پوری ہو رہی ہے وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت شاہ صاحبؒ کے شاگردوں میں سے ہے۔ متعدد حضرات ایسے بھی ہیں جو گمنامی کے گوشوں میں چھپ کر خاموش طریقے سے دینی خدمات انجام دے رہے ہیں اس علم وفن کے بحر ذخار سے فیض یافتہ چند ممتاز شاگرد ایسے بھی ہیں جو پورے عالم اسلام میں نہ صرف معروف ومقبول ہیں بلکہ ان کی بقاء سے دنیاوا سلام کا دل ودماغ معطر اور پر کیف بنا ہوا ہے۔

ذیل میں ہم حضرت مرحوم کے شاگردوں کی ایک مختصر اور نا تمام فہرست پیش کرتے ہیں اس فہرست میں خوف طوالت سے صرف ان حضرات علماء کے اسماء گرامی درج کیے گئے۔ جن کی

خدمات نے نمایاں شہرت حاصل کی ہے۔

۱۔ حضرت مولینا فخر الدین احمد شیخ الحدیث، مرکز علوم اسلامیہ دار العلوم دیوبند (دورہ حدیث شریف آپ نے اگرچہ حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ سے پڑھا ہے لیکن حضرت شاہ صاحب قدس سرہ سے بھی اتنا علمی استفادہ کیا ہے کہ آپ کے تلامذہ کی صف میں سب سے اول نمبر پر آپ کا شمار کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ حکیم الاسلام حضرت مولینا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم مہتمم دار العلوم دیوبند

۳۔ مجاہد ملت حضرت مولینا حفظ الرحمٰن صاحبؒ سابق جنرل سکریٹری جمعیۃ العلماء ہند دہلی۔

۴۔ شیخ الادب حضرت مولینا محمد اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم تعلیمات دار العلوم دیوبند۔

۵۔ شیخ الحدیث حضرت مولینا حبیب الرحمٰن صاحب میو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ یوپی۔

۶۔ حضرت مولینا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی ناظم اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی۔

۷۔ حضرت مولینا بدر عالم صاحب مرحوم مہاجر مدنی مولف فیض الباری نزیل مدینہ منورہ

۸۔ حضرت مولینا مناظر احسن صاحب گیلانی سابق صدر شعبہ دینیات حیدر آباد عثمانیہ یونیورسٹی ومؤلف سوانح قاسمی

۹۔ حضرت مولینا محمد بن موسیٰ میاں سملکی قدس سرہ العزیز افریقہ بانی مجلس علمی ڈابھیل

۱۰۔ حضرت مولینا محمد ادریس صاحب کاندہلویؒ سابق شیخ الحدیث وصدر جامعہ اشرفیہ لاہور (پاکستان)

۱۱۔ حضرت مولینا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سابق مفتی دار العلوم دیوبند ومفتی اعظم پاکستان وشیخ الحدیث دار العلوم کراچی

۱۲۔ حضرت مولینا محمد صدیق صاحب مرحوم نجیب آبادی مؤلف انوار المحمود

۱۳۔ حضرت مولینا قاضی سجاد حسین صاحب صدر المدرسین، مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی۔

۱۴۔ حضرت مولینا پروفیسر سعید احمد صاحب اکبر آبادی دامت برکاتہم سابق صدر شعبہ دینیات (سنی) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ایڈیٹر ماہنامہ برہان دہلی

۱۵۔ حضرت مولینا سید محمد یوسف صاحب بنوری سابق شیخ الحدیث دار العلوم اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی پاکستان مؤلف ومصنف "نفحۃ العنبر" (م ۱۹۷۷ء)

۱۶۔ حضرت مولینا محمد ادریس صاحب سکھروڈوی، سابق مدرس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سورت۔

۱۷۔ حضرت مولینا محمد میاں صاحب دیوبند ناظم جمعیۃ علماء ہند دہلی (م ۱۹۷۵ء)

۱۸۔ حضرت مولینا محمد چراغ صاحب گوجرانوالہ
۱۹۔ حضرت مولینا حسان اللہ خان صاحب تاجور لاہور
۲۰۔ حضرت مولینا سید امین الحق صاحب مروانی
۲۱۔ حضرت مولینا غلام مرشد صاحب مفسر و محدث حال خطیب شاہی مسجد لاہور۔
۲۲۔ حضرت مولینا محمد نعیم صاحب لدھیانوی
۲۳۔ حضرت مولینا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی مجلس احرار کے قائد اعظم
۲۴۔ حضرت مولینا حمید الدین صاحب فیض آبادی شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ کلکتہ
۲۵۔ حضرت مولینا مفتی محمود احمد صاحب نانوتوی مفتی مدحیہ بھارت (مھو کینٹ) رکن مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند
۲۶۔ حضرت مولینا حامد الانصاری صاحب غازی سابق مدیر ''مدینہ'' بجنور یوپی رکن مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند
۲۷۔ حضرت مولینا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ سابق شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ
۲۸۔ حضرت مولینا سلطان محمود صاحب سرحدی سابق صدر مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی
۲۹۔ حضرت مولینا محمد اسماعیل صاحب سنبھلی سنبھل (مراد آباد)
۳۰۔ حضرت مولینا نور الدین صاحب بہاری مشہور کانگریسی رہنما
۳۱۔ حضرت مولینا محمد ادریس صاحب میرٹھی
۳۲۔ حضرت مولینا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی
۳۳۔ حضرت مولینا محمد صاحب انوری لائلپوری مرحوم سابق مہتمم مدرسہ تعلیم الاسلام سنت پورہ، لائل پور پاکستان
۳۴۔ حضرت مولینا غلام غوث صاحب سرحدی ناظم جمعیۃ علماء (پاکستان)
۳۵۔ حضرت مولینا عبد الرحمٰن صاحب کامل پوری محدث، حضرو ضلع کیمبلپور (پاکستان)
۳۶۔ حضرت مولینا شائق احمد صاحب مدیر عصر جدید (کراچی)
۳۷۔ حضرت مولینا قاری اصغر علی صاحب مدرس دار العلوم دیوبند
۳۸۔ حضرت مولینا عبد الحق صاحب نافع سابق استاد دار العلوم دیوبند
۳۹۔ حضرت مولینا عبد الوہاب صاحب مہتمم مدرسہ معین الاسلام ہاٹ ہزاری چاٹگام
۴۰۔ حضرت مولینا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس مدرسہ معین الاسلام ہاٹ ہزاری چاٹگام

۴۱۔ حضرت مولینا فیض اللہ صاحب مفتی مدرسہ معین الاسلام ہاٹ ہزاری چاٹگام
۴۲۔ حضرت مولینا محمد طاہر صاحب قاسمی مرحوم سابق ناظم دار الصنائع دار العلوم دیو بند
۴۳۔ حضرت مولینا عبداللہ خان صاحب بجنوری
۴۴۔ حضرت مولینا سید اختر حسین صاحب مدرس دار العلوم دیو بند
۴۵۔ حضرت مولینا یعقوب الرحمٰن صاحب عثمانی سابق ناظم جمعیۃ الطلبہ دار العلوم دیو بند
۴۶۔ حضرت مولینا احمد نور صاحب سابق استاذ دار العلوم دیو بند و مدرسہ شاہی مرآد آباد وغیرہ
۴۷۔ حضرت مولینا فیوض الرحمٰن صاحب دیو بند پروفیسر اورینٹل کالج لاہور
۴۸۔ حضرت مولینا عبد الحنان صاحب ہزاروی جامع مسجد صدر راولپنڈی
۴۹۔ حضرت مولینا اسماعیل یوسف گارڈی جوہانسبرگ (ٹرانسوال) جنوبی افریقہ
۵۰۔ مصلح الامت حضرت مولینا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری
۵۱۔ حضرت مولینا مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھا
۵۲۔ حضرت مولینا جمیل الدین صاحب میرٹھی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل
۵۳۔ حضرت مولینا ایوب صاحب اعظمی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت
۵۴۔ حضرت مولینا احمد اشرف صاحب جامعہ اشرفیہ راندیر ضلع سورت
۵۵۔ حضرت مولینا محمد عرفان صاحب ہزاروی خلافت کمیٹی صوبہ سرحد کے روح رواح اور علی برادران کے دست راست
۵۶۔ حضرت مولینا عبد العزیز صاحب بہاری سابق صدر جمعیۃ علماء بمبئی
۵۷۔ حضرت مولینا سید نثار احمد صاحب انوری لہریا سرائے ضلع دربھنگہ
۵۸۔ حضرت مولینا اسلام الحق صاحب اعظمی استاذ دار العلوم دیو بند
۵۹۔ حضرت مولینا حکیم سید محفوظ علی صاحب مرحوم دیو بند (حضرت شاہ صاحب کے برادر نسبتی)
۶۰۔ حضرت مولینا حکیم محبوب الرحمٰن صاحب بجنور
۶۱۔ حضرت مولینا سید احمد رضا صاحب مؤلف انوار الباری مکتبہ ناشر العلوم بجنور یوپی
۶۲۔ حضرت مولینا محمد امین صاحب استاذ حدیث دار العلوم مئو اعظم گڑھ
۶۳۔ حضرت مولینا ریاست علی صاحب جبل پور
۶۴۔ حضرت مولینا آل حسن رضوی دیو بند مقیم میرٹھ
۶۵۔ حضرت مولینا بشیر احمد صاحب مدرسہ مظہر العلوم کرنپور ضلع بجنور

۶۶۔ حضرت مولینا ابو احمد عبداللہ صاحب لدھیانوی دار العلوم نعمانیہ گوجرانوالہ
۶۷۔ حضرت مولینا ظہور احمد صاحب دیو بندیؒ سابق استاذ دار العلوم دیو بند
۶۸۔ حضرت مولینا محمد جلیل کیرانوی استاذ دار العلوم دیو بند
۶۹۔ شیخ التفسیر حضرت مولینا غلام اللہ خان صاحب راولپنڈی پاکستان
۷۰۔ حضرت مولینا انوار الحسن صاحب شیر کوٹی مرحوم
۷۱۔ حضرت مولینا حشمت علی صاحب سہارنپوری
۷۲۔ حضرت مولینا عبد الوحید صاحب پرتاپ گڑھ (یوپی)
۷۳۔ حضرت مولینا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب مرحوم (بی ایس سی ایم بی بی ایس) سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۷۴۔ حضرت مولینا حکیم سعد اللہ صاحب ناظم دار العلوم مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ
۷۵۔ حضرت مولینا محمد صادق صاحب صدر مدرس بڑودہ گجرات
۷۶۔ حضرت مولینا نعمت اللہ صاحب انوری ضلع بیر بھوم
۷۷۔ حضرت مولینا مفتی اسماعیل محمود بسم اللہ صاحب مرحوم سابق مفتی و مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت
۷۸۔ حضرت مولینا محمود احمد صاحب ضلع دربھنگہ (بہار)
۷۹۔ حضرت مولینا حکیم عبد الاول صاحب اجراڑہ ضلع میرٹھ
۸۰۔ حضرت مولینا افتخار علی صاحب خیر نگر بازار میرٹھ
۸۱۔ حضرت مولینا اسماعیل کاچھوی صاحب مرحوم جوہانسبرگ (جنوبی افریقہ)
۸۲۔ حضرت مولینا صالح ابن محمد منکیرا جوہانسبرگ (جنوبی افریقہ)
۸۳۔ حضرت مولینا ایم آئی نانا صاحب جوہانسبرگ (جنوبی افریقہ)
۸۴۔ حضرت مولینا ابو الوفاء صاحب شاہ جہاں پوری مشہور و معروف خطیب و مناظر
۸۵۔ حضرت مولینا ڈاکٹر مصطفےٰ حسن صاحب علوی پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی و ممبر مجلس شوریٰ دار العلوم دیو بند
۸۶۔ حضرت مولینا موسیٰ بھام جی صاحب (افریقہ)
۸۷۔ حضرت مولینا مفتی ابراہیم صاحب سنجالوی (افریقہ)
۸۸۔ حضرت مولینا ڈی ای بیرا صاحب (افریقہ)

۸۹۔ حضرت مولینا حکیم عبدالجلیل صاحب دہلوی پروفیسر جامعہ طبیہ قرولباغ دہلی
۹۰۔ حضرت مولینا عبدالقیوم صاحب آروی سید پور ضلع رنگپور (بنگلہ دیش)
۹۱۔ حضرت مولینا لطف اللہ صاحب پشاوری
۹۲۔ حضرت مولینا عبدالحی مدیر نصرت حقانی چوک آرام باغ کراچی
۹۳۔ حضرت مولینا عبدالقیوم صاحب خطیب جامع مسجد ہری پور ہزارہ
۹۴۔ حضرت مولینا مظفر الدین صاحب مرادآبادی
۹۵۔ حضرت مولینا حبیب اللہ صاحب سلطان پوری استاد ندوۃ العلماء لکھنؤ
۹۶۔ حضرت مولینا عبدالصمد صاحب بنگلور
۹۷۔ حضرت مولینا فصیح الدین صاحب بہاری
۹۸۔ حضرت مولینا محمد یسین صاحب (برما)
۹۹۔ حضرت مولینا حبیب الرحمٰن صاحب مکی خطیب جامع مسجد چاٹگام
۱۰۰۔ حضرت مولینا احمد علی صاحب گجراتی (ایم اے) گوجرانوالہ
۱۰۱۔ حضرت مولینا محمد یوسف شاہ صاحب مرحوم سابق میر واعظ کشمیر مترجم قرآن شریف (بزبان کشمیری) ومصنف "تنویر المصابیح"
۱۰۲۔ حضرت مولینا سید میرک شاہ صاحب اندرابی مرحوم سابق پروفیسر اورینٹل کالج لاہور وسابق استاذ دارالعلوم دیوبند وغیرہ۔
۱۰۳۔ حضرت مولینا عبدالکبیر صاحب مرحوم سابق پرنسپل مدینۃ العلوم حضرت بل سرینگر کشمیر
۱۰۴۔ حضرت مولینا سید محمد یوسف شاہ صاحب وترہ ہیلی مرحوم سابق پرنسپل نوراسلام اورینٹل کالج "سرینگر کشمیر"
۱۰۵۔ حضرت مولینا سید عنایت اللہ شاہ بخاری مرحوم ساکن کریری تحریک حریت کشمیر کے اولین مجاہد اور مسلم کانفرنس کے سرکردہ رکن
۱۰۶۔ حضرت مولینا عبدالقدوس صاحب ساکن ون گام بڈگام حال مفتی اعظم مظفرآباد
۱۰۷۔ حضرت مولینا سیف اللہ شاہ صاحب مرحوم (برادر اصغر حضرت شاہ صاحب) لولاب کشمیر
۱۰۸۔ حضرت مولینا غلام مصطفےٰ صاحب مسعودی کشمیری (سابق ایم ایل اے)
۱۰۹۔ حضرت مولینا مفتی محمد اسرائیل صاحب مرحوم سابق مفتی اعظم ضلع مظفرآباد
۱۱۰۔ حضرت مولینا سید احمد اللہ صاحب مرحوم مشہور مفتی دین ومبلغ اسلام علاقہ دوڑ وشاہ آباد

(اسلام آباد) کشمیر

خوف طوالت اور قلت گنجائش کی وجہ سے ہم نے صرف ایک سو دس تلامذہ کرام کے اسماء گرامی پر مشتمل فہرست درج کرنے پر ہی اکتفا کیا ورنہ میسر شدہ معلومات کی روشنی میں یہ فہرست کافی طویل ہو جاتی اور اگر ہر اسم گرامی کے ساتھ حالات زندگی، دینی خدمات اور تصانیف وتراجم کا تذکرہ بھی کیا جاتا تو یہ فہرست خود ایک ضخیم کتاب کی شکل اختیار کر لیتی۔

جن حضرات علماء کے اسماء گرامی ہم نے یہاں درج کئے ان میں چند ایسے صاحب منبع علم وعمل بھی ہیں جن کو حضرت مولینا سید سلیمان ندوی مرحوم نے دائرہ علم [1] (Encycilopnaedia) سے تعبیر کیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے سعادتمند شاگردوں میں اگرچہ بیشتر داعی اجل کو لبیک فرما چکے تاہم کارہائے نمایاں کی انجام دہی کی وجہ سے وہ بقائے دوام حاصل کر چکے ہیں

الناس موتیٰ واهل العلم احياء [2]

جو حضرات اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں ان کے حق میں ہم بجز رحمهم الله رحمة واسعة اور جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے بقید حیات ہیں ان کے حق میں ماسوائے مد ظلهم العالی...... دامت فيوضهم...... زید مجدهم...... بارك الله فی علمهم وعملهم وغیرہ کے کیا دعاء کر سکتے ہیں۔



[1] ملاحظہ ہو یادرفتگان طبع کراچی ۱۹۵۵ء ص ۴۵۲۔ [2] ترجمہ: لوگ مرتے ہیں اور اہل علم زندہ ہیں فرمودہ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

اکابر ومعاصرین کے ساتھ

حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ

مرتبہ کوندو

(۱)......شیخ الہند حضرت مولینا محمود الحسن صاحب دیوبندی قدس اللہ سرہ العزیز قرآن وحدیث اور فقہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے سب سے بڑے استاذ تھے لیکن وہ اس کے باوجود مسائل مشکلہ شاہ صاحب سے دریافت فرمایا کرتے تھے کہ تمہاری اس مسئلہ میں کیا رائے ہے؟ اور کبھی کبھی شفقت ومحبت کے جوش میں آپ شاہ صاحب کو ''علامہ'' کے وقیع خطاب سے بھی سرفراز فرماتے تھے کہ کہو علامہ! اس مسئلہ میں سلف کا کوئی قول یاد ہے؟ چنانچہ اپنے استاذ مکرم کے استفتاء پر حضرت شاہ صاحب نہایت مؤدبانہ اور مناسب جواب دیتے تھے اور اس پر حضرت شیخ الہند اطمینان اور مسرت کا اظہار فرماتے تھے۔

(۲)......حضرت شیخ الہند کو اپنے اس شاگرد رشید کے علم وفضل اور اصابت رائے پر کتنا اعتماد تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مولینا ظہیر احسن شوق نیمویؒ نے جب آثار السنن کے کچھ حصے تالیف فرما کر حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں ملاحظہ کے لئے ارسال کئے تو حضرت موصوف نے اس کی تصحیح کے لئے حضرت شاہ صاحب کو منتخب فرمایا۔ چنانچہ اس سلسلے میں خود حضرت شاہ صاحبؒ کا بیان ہے کہ۔

> ''جس زمانہ میں مولینا ظہیر احسن صاحب نیموی رحمۃ اللہ علیہ آثار السنن تالیف فرمارہے تھے۔ انہوں نے اس کے کچھ اجزاء حضرت استاذؒ (یعنی حضرت شیخ الہندؒ) کی خدمت میں اس غرض سے بھیجے کہ وہ ملاحظہ فرما کر مشورے دیں اور جو اضافے فرمائے جاسکیں وہ اضافے فرمادیں''

حضرت استاذؒ نے ملاحظہ فرما کر وہ اجزاء واپس فرمادیئے اور انکو میرا پتہ لکھ دیا کہ آپ اس مقصد کے لئے اس پتہ پر خط وکتابت فرمائیں، میں اس زمانے میں اپنے وطن (کشمیر) میں رہتا تھا۔ الخ [1]

(۳)......جنید زمن حضرت شیخ الہند قدس سرہ حضرت شاہ صاحبؒ کے شفیق استاد تھے اور اس

[1] ......ملاحظہ ہو حیات انور ص ۱۳۵ (مضمون مولانا محمد منظور صاحب نعمانی)

کے باوجود آپ کا بہت زیادہ احترام فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب کے ایک قابل فخر شاگرد اور دارالعلوم کے مہتمم اعلیٰ حضرت مولینا طیب صاحب کا بیان ہے کہ ''حضرت شیخ الہند استاد ہونے کے باوجود توقیر کے کلمات ان کے بارہ میں استعمال فرماتے تھے'' ❶

(۴)...... چونکہ حضرت شاہ صاحبؒ کو مجرد رہنا ہی پسند تھا اور آپ شادی کے لئے بالکل آمادہ نہیں تھے لیکن اکابرین دیوبند خصوصاً ان کے استاذ مکرم حضرت شیخ الہند دیوبند میں ان کے مستقل قیام کی تجاویز سوچا کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ہی حضرت شاہ صاحب کو اتباعاللسنۃ النبویہ نکاح کرنے کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ اپنے شفیق ومحترم استاد کے اصرار پر حضرت شاہ صاحب نے شادی کے لئے رضامندی ظاہر فرمادی اور اس طرح سے حضرت شیخ الہند کی تاکید اور مولینا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی کے حسن انتخاب سے ۱۳۳۶ھ میں گنگوہ ضلع سہارنپور کے ایک اعلیٰ اور معزز خاندان میں آپ کی شادی ہوگئی۔

(۵)...... حضرت شیخ الہندؒ کے دل میں شاہ صاحبؒ کی طالب علمی کے زمانہ سے ہی آپ کا کس قدر حسن ظن تھا۔ اس کا اندازہ کرنے کے لئے حضرت شاہ صاحب کی سند فراغت پر ایک نگاہ ڈالنا کافی ہوگا۔ دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے پر فضلاء دیوبند کو جو سند دی جاتی اس میں اساتذہ اپنے شاگرد کی نسبت اپنے تاثرات قلمبند کرتے ہیں حضرت شیخ الہند نے حضرت شاہ صاحب کو جو سند فضیلت اور سند اجازت عنایت فرمائی تھی اس میں اپنے تاثرات کو یوں تحریر فرمایا تھا کہ خداوند تعالیٰ نے مولینا انور شاہ میں علم، عمل، سیرت، صورت، ورع، زہد، رائے صائب اور ذہن ثاقب کو جمع کر دیا ہے ❷۔

اللہ اللہ! ایک سطر میں حضرت شیخ الہند جیسی ہستی کے قلم سے ایسے آٹھ اوصاف کا اعتراف ہے جن کا ایک ذات میں اجتماع صاحب اوصاف کی شخصیت کو اپنے وقت کی بے نظیر شخصیت بنا ڈالنے کی ضمانت ہے۔

(۶)...... اور یہی وجہ تھی کہ ۱۳۳۳ھ میں حضرت شیخ الہند حج بیت اللہ کے لئے دیوبند سے روانہ ہوئے تو دیگر سینئیر اساتذہ کے موجود ہوتے ہوئے بھی موصوف نے اپنی جانشینی کے فخر وامتیاز سے حضرت شاہ صاحب کو ہی مشرف فرمایا اور اس طرح سے حضرت شاہ صاحبؒ ۱۳۳۳ھ سے ۱۳۴۵ھ تک دارالعلوم میں بحیثیت صدر مدرس وجانشین حضرت شیخ الہند درس حدیث دیتے رہے اور بقول مولینا طیب صاحب شیخ الہند کی ہجرت کے بعد ''علمی پیاسوں'' کو یہ محسوس نہ ہوا کہ وہ علم کے ایک بحر ذخار سے محروم ہو گئے ہیں بلکہ انہیں معلوم ہوا کہ اگر سمندر سامنے نہیں رہا ہے تو

---

❶...... ملاحظہ ہو حیات انور ص ۲۳۹۔ ❷...... حیات انور ص ۱۵، ۱۶۔

اس سمندر سے نکلا ہوا ایک عظیم الشان دریا ان کے سامنے ہے، جو اپنی بعض امتیازی خصوصیات کے ساتھ بدل الغلط نہیں بلکہ بالکل صحیح ہے۔ جس سے بلا تامل علوم کے پیاسے سیراب ہونے لگے اور آب حیات سے قدیم وجدید سیرابی میں انہیں کوئی زیادہ فرق محسوس نہ ہوا[1]۔

اس واقعہ کو مولینا محمد میاں صاحب مرحوم کے الفاظ میں یوں بیان کر سکتے ہیں کہ (دار العلوم کی جانشینی ایک) ایسا قبا تھا جو بلا کسی قطع وبرید کے حضرت شاہ صاحب کے قامت موزوں پر راست آ کر رہا تھا[2]۔

(۷)...... ۱۳۳۹ھ میں جب حضرت شیخ الہندؒ انتقال کر گئے تو ہر طرف قیامت بپا تھی، لوگ چیخیں اور دھاڑیں مار مار کر اظہار غم کرتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ انکی آنکھیں اشک بار تھیں۔

مولینا لائلپوری اس واقعہ کے متعلق ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ جوں ہی ریل گاڑی بعد مغرب اسٹیشن دیوبند پہنچی سب کی بے ساختہ چیخیں نکل گئیں، نہایت ادب کے ساتھ تابوت شریف باہر لایا گیا۔ اسٹیشن سے مدرسہ تک آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے لوگ تابوت اٹھائے ہوئے تھے اور روتے ہوئے حضرت شیخ الہندؒ کے در دولت کی طرف آ رہے تھے۔ حضرت شاہ صاحب بھی ساتھ ہی ساتھ روتے ہوئے تشریف لا رہے تھے۔ خود فرماتے ہیں ولم ارمثل الیوم کم کان باکیا یعنی اس دن کتنے لوگ رو رہے تھے ایسا نظارہ میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا۔

پھر ایک دن تعزیتی جلسہ ہوا۔ حضرت مولینا حافظ محمد احمد صاحبؒ کی صدارت تھی سبھی اکابر نے مرثیے پڑھے۔

حضرت شاہ صاحب بھی کھڑے ہوئے، آنسو جاری تھے، دو قصیدے ایک عربی جو فصل الخطاب کے آخر میں لگا ہوا ہے پہلے وہ پڑھا

قفا نبك من ذكرى مزار فندمعا
مصيفا ومشتائم مرأى وسمعا
قد احتفه الا لطاف عطفًا وعطفة
وبورك فيه مربعا ثم مربعا[3]

پھر فارسی کا طویل قصیدہ پڑھا حاضرین وقف گریہ وبکا تھے۔ (مرثیہ کے چند شعر ذیل ہیں)۔

بگذر از یاد گل وگلبن کہ ہیچم یاد نیست

---

[1]...... حیات انور ص ۲۰۹۔ [2]...... حیات انور ص ۲۷۶۔ [3]...... ملاحظہ ہو فصل الخطاب فی مسئلۃ ام الکتاب ص ۱۰۴، یونیورسل پریس دہلی۔

در زمین و آسمان جز نام حق آباد نیست
برروان رہ روان ہم رحمتے بفرستہ باش
شرح حال خود نمودن شکوہ تقدیر نیست
نالہ بر سنت نمودن نوحہ وفریاد نیست

پھر فرمایا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی سنت کے مطابق حزن وملال کا اظہار کیا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی مرثیہ پڑھا ہے۔ اس لئے آنسو بہانا یاغم کا اظہار کرنا بدعت نہیں ہے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے [1]۔

(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند مئی ۱۹۶۵ء ص ۱۶)

(۸)...... مولینا لائلپوری کا بیان ہے کہ درس میں اکثر حضرت شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ وہ جانبازی (یعنی جہاد حریت میں) جو حضرت شیخ الہند نے دکھائی ہے وہ تو کوئی کیا دکھائے گا۔

(۹)...... حضرت مولینا محمد انوری صاحب لائلپوری اپنے ایک فاضلانہ مقالہ میں حضرت شیخ الہند اور حضرت شاہ صاحب کے باہمی تعلقات کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں یوں رقمطراز ہیں۔

شوال ۱۳۳۸ھ میں جب احقر دورہ حدیث میں شامل ہونے کی غرض سے دارالعلوم دیوبند میں حاضر ہوا تو سامان دارالعلوم کے حجرہ میں رکھتے ہی حضرت شیخ الہندؒ کی زیارت کے لئے حضرت کے آستانہ پر حاضر ہوا۔ دیکھا کہ علماء وصلحاء کا عظیم اجتماع ہے، گرمی کا وقت ہے، ایک بزرگ چھت کے پنکھے کا رسہ کھینچ رہے ہیں اور نرم نرم مترنم آواز میں فرما رہے ہیں۔ بھائی بیٹھ جاؤ حضرت کے اردگرد بھیڑ نہ کرو۔ وہ بزرگ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ تھے، بعد عصر حضرت شیخ الہندؒ کی سہ دری کے سامنے چارپائی بچھائی جاتی چاروں طرف کرسیاں رکھی جاتیں، چارپائیاں بچھ جاتیں، علماء وصلحاء وطلبہ دارالعلوم بقصد زیارت جمع ہوجاتے۔ حضرت شاہ صاحب بھی بدے پاؤں آکر دور بیٹھ جاتے، حضرت کو جب نظر پڑتی تو اپنے پاس والی کرسی پر بٹھاتے حضرت شیخ الہندؒ جب مسائل بیان فرمانے لگتے۔ سبحان اللہ! علم ومعارف کا بحر ذخار موجیں مارنے لگتا۔ کبھی کسی مسئلہ پر فرماتے، بھئی اس کے متعلق مولوی انورشاہ صاحب سے پوچھنا چاہئے، کیوں شاہ صاحب! یہ مسئلہ یوں ہی ہے؟ عرض کرتے ہاں حضرت فلاں محقق نے یوں ہی لکھا ہے۔

---

[1]...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔ حضرت ابراہیم صاحبزادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر آپ نے فرمایا کہ انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون اور آنسو جاری تھے۔ (کوندو)

(۱۰)...... مولینا لائلپوری نے مزید لکھا ہے کہ!

مالٹا سے جب حضرت شیخ الہندؒ واپس تشریف لائے تو نصاریٰ سے ترکِ سوالات کا مسئلہ زیرِ غور تھا۔ قرار پایا کہ حضرت شاہ صاحب سے یہ مسئلہ تحریر کرایا جائے حضرت نے فتویٰ لکھا اور حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہو کر نہایت ادب سے بیٹھ کر سنایا۔ احقر نے دیکھا کہ صرف دس سطور تھیں لیکن ایسا جامع مانع کہ حضرت شیخ الہندؒ نہایت محظوظ ہوئے احقر کے والد ماجد مرحوم چونکہ اس روز زیارت کی غرض سے حاضر ہوئے تھے اس لئے احقر بھی وہاں حاضر تھا۔ مولینا احمد اللہ پانی پتی، حضرت مولینا حسین احمد صاحب مدنیؒ، بس یہ حضرات حاضر تھے۔

مولینا لائل پوری کی زبان سے یہ بھی سن لیجیے۔

(۱۱)...... جس روز احقر دیوبند حاضر ہوا تو حضرت شیخ الہندؒ کی دعوت مع خدام وزائرین حضرت شاہ صاحب کے ہاں تھی۔ بعد نماز مغرب تین صد سے زائد مہمان حضرت کی معیت میں نودرہ کی چھت پر تشریف فرما ہوئے۔ عجیب انوار و برکات کا نزول ہو رہا تھا۔ حضرت شاہ صاحب وجد کے عالم میں تھے کھانے سے فراغت کے بعد حضرت دیر تک تشریف فرما رہے۔

ایک دفعہ! حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں حاضر تھا، دن کے دس بجے ہوں گے، بارش ہو رہی تھی، فرمانے لگے، بھائی مولوی محمد حسن صاحب! شاہ صاحب کے ہاں چلنا ہے آج انہوں نے ہمیں مہمانوں سمیت مدعو کیا ہے۔ حکیم صاحب فرمانے لگے، حضرت بارش تو ہو رہی ہے، کھانا یہیں منگا لیا جائے گا۔ فرمایا نہیں بھائی میرے ایک مخلص نے دعوت دی ہے۔ وہیں جاؤں گا۔ چنانچہ بارش ہی میں چل دیئے۔ راستے میں سامنے سے شاہ صاحب تشریف لا رہے تھے، عرض بھی کیا کہ کھانا دردولت پر پہنچا دیا جائے گا۔ فرمایا کچھ تکلیف نہیں۔ آپ کے گھر پر کھانا کھائیں گے۔

(۱۲)...... مولینا لائلپوری مرحوم ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ!

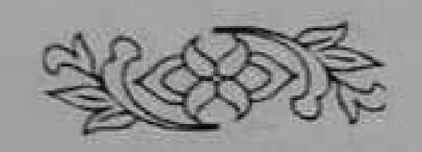
احقر ایک دفعہ ہوشیار پور میں (فارسی زبان کے مشہور شاعر اور نظام حیدرآباد کے استاذ) مولینا گرامیؒ سے ملنے گیا۔ (۱۹۲۵ء میں احقر ۶ ماہ ہوشیار پور میں ایک عربی مدرسہ میں مدرس بھی تھا) گرامیؒ کہنے لگے کہ آپ نے حدیث مولینا محمود الحسن صاحب سے پڑھی یا مولینا انور شاہ صاحب سے؟ میں نے عرض کیا حدیث تو شاہ صاحب مدظلہ ہی سے پڑھی ہے، ہاں بیعت حضرت شیخ الہندؒ کے دست مبارک پر کی ہوئی ہے۔ خوش ہوئے، دیر تک باتیں کرتے رہے پھر فرمانے لگے کہ میں نے شاہ صاحب کی شان میں بہت سے اشعار کہے ہیں ایک شعر یہ ہے۔

چہ فصاحت چہ بلاغت چہ معانی چہ بیان
جلوہ فرماست در آغوش زبان انور

اسی شعر کو گرامی صاحب جھوم جھوم کر بار بار پڑھتے گئے اور حضرت شیخ الہندؒ کا مرثیہ بھی سنایا جس میں یہ دو شعر بھی تھے۔

ماتم عاشق دل زندہ تماشا دارد
خضر از خویش شد و مرگ تمنا می کرد
از کجا تا بکجا ماتم شیخ الہندؒ است
نالہ برخورد بگوشم کہ مسیحائی کرد

(حیات انور ص ۳۰۸، ۳۱۰)





حضرت تھانویؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ

(مرتبہ گوندو)

زعیم احرار حضرت مولینا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ کا بیان ہے کہ حکیم الامت حضرت مولینا محمد اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز نے ایک بار فرمایا کہ!

ایک عیسائی فلسفی نے اسلام کی حقانیت کی یہ دلیل دی ہے کہ غزالی جیسا محقق اور مفکر مذہب اسلام کو سچا مذہب مانتا ہے اس زمانہ میں میرے نزدیک اسلام کی حقانیت کی بہت سی دلیلوں میں سے ایک دلیل حضرت مولینا محمد انور شاہ کا مسلمان ہونا ہے۔ اگر اسلام میں کوئی کجی ہوتی تو مولینا انور شاہ یقیناً اسلام ترک کر دیتے ❶۔

مولینا محمد صاحب انوری لائلپوری رقمطراز ہیں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے تھے کہ ''حضرت شاہ صاحبؒ سے میں نے اس قدر استفادہ کیا ہے کہ میرے قلب میں ان کا احترام اسی طرح ہے جیسا کہ اپنے اساتذہ کا گویا میں نے ان کی باقاعدہ شاگردی نہیں کی'' ❷

مولینا طیب صاحب اپنے مقالہ میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''حضرت تھانوی رحمۃ اللہ فرماتے تھے کہ جب مولوی انور شاہ میرے پاس آکر بیٹھتے ہیں تو میرا قلب ان کی علمی عظمت کا دباؤ محسوس کرتا ہے۔'' ❸

حضرت عارف تھانویؒ خود ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ!

''مولینا انور شاہ صاحبؒ نے ایک صاحب ❹ سے فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اردو کی کتابوں میں علوم نہیں ہیں اس لئے میں کسی اردو تصنیف کو دیکھنا بیکار سمجھتا تھا۔ لیکن جب سے تفسیر بیان القرآن دیکھنے کا اتفاق ہوا، یہ معلوم ہوا کہ اردو کی تصانیف میں بھی اب علوم موجود ہیں اور اس وقت سے مجھے اردو کی کتابیں پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا اور جو بے وقعتی اردو کی کتابوں کی میرے خیال میں پہلے تھی وہ جاتی رہی'' ❺۔

مولینا لائلپوری فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب کی یہ رائے سن کر حضرت تھانوی کو بہت

---

❶ ملاحظہ ہو حیات انور ص ۲۰۔ ❷ ملاحظہ ہو حیات انور ص ۳۰۸۔ ❸ ملاحظہ ہو حیات انور ص ۲۲۹۔
❹ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کے شاگرد مولینا طیب صاحب تھے (گوندو)۔ ❺ ملاحظہ الاضافات الیومیہ من الاضافات القومیہ طبع کراچی ج ص ۱۱۱۔

مسرت ہوئی اور فرمایا کہ ایک عالی قدر اہل علم نے تصدیق فرمادی ❶۔

حضرت تھانویؒ جب دیوبند تشریف لاتے تو حضرت شاہ صاحب کے درس میں اہتمام سے بیٹھتے تھے اور بذریعہ خطوط بھی آپ سے استفادہ فرماتے رہتے۔ بعض جوابات کافی طویل بھی ہوجاتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت تھانویؒ تھانہ بھون سے دیوبند تشریف لائے۔ اس وقت کے مہتمم مولینا حافظ محمد احمد صاحبؒ نے ان سے عرض کیا کہ حضرت آپ مدرسہ کے سرپرست ہیں ذرا اپنے مدرسہ کے شیخ الحدیث کا درس بھی سنیں۔ چنانچہ حضرت تھانوی درس میں جاکر بیٹھے اور پھر مجلس میں آکر فرمایا کہ "شاہ صاحب کے ایک ایک جملہ پر ایک ایک رسالہ تصنیف ہوسکتا ہے"۔

(ملاحظہ ہو حیات انور ص ۲۳۹)

حضرت مولینا تھانویؒ حضرت شاہ صاحبؒ کی ذات کے بارے میں کیا احساسات رکھتے تھے اس کی وضاحت کے لئے ذیل میں ہم حضرت تھانوی قدس سرہ کے ایک مکتوب گرامی کا پہلا اور آخری حصہ درج کرتے ہیں۔

مکتوب کی عبارت یہ ہے:۔

"از ناکارہ آوارہ اشرف علی عفی عنہ بخدمت بابرکت جامع الفضائل العلمیہ والعملیہ حضرت مولینا انور شاہ صاحب دامت انوارہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تحقیق سابق کے متعلق بضرورت مکرر تکلیف دینا پڑی امید ہے کہ معاف فرمائیں گے۔ ایک حادثہ خود مجھ کو پیش آیا اور اس کے متعلق جداگانہ تکلیف دیتا ہوں۔ الخ۔

(وقال خاتمہ) اس میں روایت ودرایت سے کچھ حکم فرمائیں ❷۔

مجدد ملت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں حضرت موصوف علیہ الرحمۃ چھوٹی بڑی ۶۶۶ کتابوں کے مولف ومصنف ہیں جن میں تفسیر "بیان القرآن" سرفہرست ہے۔ اس مرد مومن نے شرک وبدعت کے استحصال کے لئے اور حقیقی اسلام اور احسان وتصوف کا روشن چہرہ دکھانے کے لئے اپنی عمر صرف فرمادی۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ دار العلوم دیوبند سے فارغ شدہ افاضل حکیم الامت مولینا اشرف علی تھانویؒ کے مریدوں میں شامل ہوتے تھے۔ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو سے تعلق رکھنے والے بزرگوں میں سے حضرت مولینا سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ (مصنف سیرۃ النبی ﷺ)

---

❶ ملاحظہ ہو حیات انور ص ۳۱۸۔ ❷ ملاحظہ ہو نفحۃ العنبر من ھدی الشیخ الانور ص ۹۰ او حیات انور ص ۹۔

حضرت مولینا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ خاص رہے ہیں۔ حضرت سید سلیمان صاحب ندوی مرحوم کا تعلق حضرت تھانوی کے ساتھ آخر میں فنافی الشیخ کے درجہ کو پہنچ گیا تھا۔

حضرت شاہ صاحب کے دل میں عارف باللہ حضرت تھانویؒ کی کتنی قدر و منزلت تھی اس کا اندازہ مولینا منظور نعمانی صاحب کے اس بیان سے کیا جا سکتا ہے۔

مولینا منظور نعمانی کا بیان ہے کہ درس ہی میں ایک دفعہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ:

''ہم یہاں آئے (یعنی کشمیر سے ہندوستان) تو دین حضرت گنگوہی [1] کے یہاں دیکھا۔ اس کے بعد حضرت استاذ (یعنی حضرت شیخ الہندؒ) اور حضرت رائے پوری (یعنی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری) کے یہاں دیکھا اور اب جو کوئی دیکھنا چاہے وہ حضرت مولینا اشرف علی صاحبؒ کے یہاں جا کر دیکھے۔'' [2]



[1] ..... یعنی قطب الارشاد حضرت رشید احمد صاحب گنگوہیؒ۔

[2] ..... ملاحظہ ہو زیر نظر کتاب میں مولینا نعمانی صاحب کا مقالہ۔



شاہ صاحبؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ

مرتبہ کوندو

رئیس المتکلمین، سیرت خاتم النبیین کے فقید المثال ترجمان اور وکیل اسلام حضرت مولینا علامہ سید سلیمان صاحب ندویؒ کی ذات ستودہ صفات اور محدث کشمیری حضرت شاہ صاحبؒ جیسے جبال علم کی بلند و بالا شخصیت سے اہل کمال ہی کما حقہ واقف ہیں۔
رحماء بینھم کے یہ عملی مصداق ایک دوسرے کی علمی و عملی صلاحیتوں اور کمالات کے مرتبہ شناس اور ایک دوسرے سے بہت متاثر تھے۔ سچ ہے۔

''قدر زر زرگر بداند، قدر جوہر جوہری''

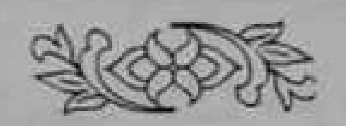
مولینا علی میاں نے ایک بار فرمایا ہے کہ ''میں نے اپنی عمر میں دو فنافی العلم دیکھے ایک علامہ کشمیری دوسرے علامہ سید سلیمان ندوی۔ مرحوم رشید احمد صدیقی نے مولینا سید سلیمان ندوی کی دو خصوصیتوں کا ذکر کیا ہے۔ خلوص علم واحترام علم اور یہی دو عناصر ہیں جن سے حضرت شاہ صاحب کی شخصیت بھی عبارت ہے۔ انہوں نے علم کو پیشہ نہیں بننے دیا بلکہ اس کا وقار بڑھایا۔
حضرت شاہ صاحبؒ کے چند جلیل القدر تلامذہ کو علامہ ندوی مرحوم دائرہ علم سے تعبیر فرماتے تھے۔ قارئین کرام اسی سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت مولینا مرحوم کی رائے جس کے شاگردوں کے متعلق یہ تھی ان کے استاد (یعنی حضرت شاہ صاحبؒ) کا مقام آپ کے دل میں کیا ہو سکتا تھا؟ حضرت شاہ صاحب کی رحلت پر مولینا سید سلیمان ندویؒ نے اپنے موقر جریدہ ''معارف'' کے شذرات میں نہایت شاندار الفاظ میں شاہ صاحبؒ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ حضرت سید صاحب کی یہ تاریخی تحریر ذیل میں من و عن درج کی جارہی ہے۔
دین و دانش کی دنیا کا مہر انور ۳ صفر ۱۳۵۲ھ (۲۹ مئی ۱۹۳۳ء) کی صبح کو دیوبند کی خاک میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا یعنی مولینا انور شاہ صاحب جانشین شیخ الہند و صدر المدرسین دیوبند نے دو برس کی علالت اور ضعف و نقاہت کے بعد ۵۹ برس کی عمر میں وفات پائی۔ مرحوم کا وطن گو کشمیر تھا مگر تعلیم سے فراغت کے بعد ایک مدت تک مدینہ منورہ میں اقامت فرمائی پھر واپس آ کر استاذ کی خواہش اور اصرار سے دار العلوم کی صدارت کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ اور جس کو حضرت شیخ کے زمانہ جنگ میں ہجرت کے بعد سے ۱۹۲۹ء تک اسی طرح انجام دیا کہ چین سے لیکر روم تک ان

کے فیضان کا سیلاب موجیں لیتا رہا اور ہند اور بیرون ہند کے سینکڑوں تشنگان علم نے اس سے اپنی پیاس بجھائی۔

مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے۔ان کی مثال اس سمندر کی سی تھی جس کی اوپر کی سطح ساکن لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گرانقدر خزانوں سے معمور ہوتی ہے۔وہ وسعت نظر، قوت حافظہ اور کثرت حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے۔علوم حدیث کے حافظ ونکتہ شناس، علوم ادب میں بلند پای معقولات میں ماہر، شعروسخن سے بہرہ منداور زہد تقوی میں کامل تھے۔

اللہ تعالی اپنی نوازشوں کی جنت میں ان کا مقام اعلی کرے کہ مرتے دم تک علم ومعرفت کے اس شہید نے قال اللہ اور قال الرسول کا نعرہ بلند رکھا۔

(ماہنامہ معارف اعظم گڑھ جولائی ۱۹۳۳ء، ربیع الاول ۱۳۵۲ھ)





علامہ سید رشید رضا مصریؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ

از کوندو

علامہ سید رشید رضا:......علامہ سید رشید رضا اس صدی کے ربع اول میں مصر کے مشہور ومعروف فاضل اوراپنے وقت کے ممتاز عالم دین تھے آپ ملت اسلامیہ کے بااخلاص رہنماؤں میں شمار ہوتے تھے اور الازھر قاہرہ کے مصلح مفتی محمد عبدہؒ کے نہ صرف شاگرد بلکہ جانشین بھی تھے۔ آپ کا سیاسی مسلک وہی تھا جو حضرت سید جمال الدین افغانیؒ کی تحریک آزادی اور دعوت وحدت اسلامی (پان اسلام ازم) کے ان دوسرے حامیوں کا تھا جو ہندوستان، ایران اور شرق اوسط میں پھیلے ہوئے تھے حضرت شیخ الہند مولینا محمود الحسنؒ اور عالم اسلام کے کئی دیگر اکابر کی طرح علامہ رشید رضاؒ بھی انگریزی سامراج کے اقتدار سے مصر اور ہندوستان کی آزادی کو پورے مشرق اور ایشیاء کی نجات کا وسیلہ سمجھتے تھے۔

علامہ موصوف اپنے وقت کے مفسر محدث اور ادیب ومحرر تھے علوم حاضرہ کی روشنی میں اور ضروریات وقت کے لحاظ سے آپ نے قرآن شریف کی جو تفسیر لکھی ہے وہ آپ کا دینی وسیاسی کارنامہ ہے۔ اس تفسیر اور بین الاقوامی اسلامی سیاست پر اپنے خیالات اور آراء کی اشاعت کے لئے المنار کے نام سے آپ نے ایک ماہوار رسالہ جاری کررکھا تھا۔ ''المنار'' ہندوستان، ایران، ترکی، افغانستان اور مصر وغیرہ ممالک میں اونچے درجے کے قارئین کا ایک خاص دائرہ اثر رکھتا تھا۔

ہندوستان کے ساتھ تعلق:......۱۹۱۲ء/۱۳۳۰ھ میں آپ ہندوستان آئے اس سے کچھ مدت قبل کے ایک واقعہ کی وجہ سے آپ کا ہندوستان کے ساتھ تعلق پیدا ہوگیا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ عربی زبان کے ایک مشہور ادیب مسٹر جرجی زیدان (جو شام کے باشندے اور مذہبا عیسائی تھے اور قاہرہ سے ''الہلال'' کے نام کا ماہوار جریدہ شائع کرتے تھے۔ قلم کے دھنی تھے لیکن اسلام کے خلاف بغض اور تعصب کی وجہ سے اکثر تہذیب وتمدن اسلام پر بے جا تنقید کے عادی تھے) نے پانچ جلدوں میں ''تمدن اسلامی'' نام کی ایک کتاب لکھی جس میں اس نے اسلام کی تصویر کو مسخ کرکے پیش کیا۔ اس کتاب کے خلاف مسلمانوں نے ہر جگہ احتجاج کیا اور مسٹر جرجی زیدان کی تحریرات کی تردید میں مضامین لکھے۔ ہندوستانی علماء میں سے مولینا شبلی نعمانیؒ نے محققانہ تردیدیں لکھ کر مصر کے جرائد میں شائع کرائیں ان تحریرات کی وجہ سے مولینا شبلیؒ اور علامہ رشید رضا

موصوف میں موانست اور خط وکتابت شروع ہوئی جو دونوں میں دوستی کی بنیاد بنی۔

جلسہ ندوۃ العلماء کی صدارت:......اپریل ۱۹۱۲ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء نے لکھنؤ میں جلسہ دستار بندی منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ (اس کے دو سال قبل ۱۹۱۰ء میں دارالعلوم دیوبند بھی جلسہ دستار بندی کی ایک تاریخ ساز تقریب منعقد کر چکا تھا۔ مولینا شبلی نے علامہ رشید رضا کو ندوۃ العلماء کے اس خاص جلسے کی صدارت کرنے کی دعوت دی جس کو قبول کر کے آپ ۲۲ مارچ ۱۹۱۲ء کو ہندوستان آ گئے اور لکھنؤ جانے سے پہلے بمبئی، لاہور، دہلی اور علی گڑھ میں گھوم پھر کر انہوں نے ہندوستان کے مسلم اکابر کے ساتھ ملت اسلامیہ کے مسائل پر تبادلہ خیال کیا اور ۲ اپریل کو لکھنؤ پہنچ کر ندوۃ العلماء کے جلسے کی صدارت فرمائی۔

(یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ لکھنؤ کے جلسہ میں آپ کی صدارتی تقریر کا اردو ترجمہ مولینا ابوالکلام آزاد نے کیا تھا۔ جس طرح شاہ صاحب حضرت شیخ الہند کے خازن العلوم تھے اسی طرح اس زمانہ میں مولینا آزاد مولینا شبلیؒ کے ذہن رسا کے ترجمان متصور ہوتے تھے۔)

حکیم محمد اجمل خان کا توجہ دلانا:......ابتداء میں علامہ رشید رضا نے ہند کے جن شہروں اور اداروں میں جانے کا جو پروگرام بنایا تھا۔ کسی مصلحت سے دارالعلوم دیوبند کو دیکھنا اس میں شامل نہ رکھا گیا تھا۔ لیکن جب آپ دہلی میں تھے تو مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان مرحوم نے ان کو بتایا کہ اگر آپ دیوبند کو دیکھے بغیر واپس تشریف لے گئے تو آپ کا دورۂ ہندوستان نامکمل اور ناقص رہے گا۔

حکیم صاحب کی زبان سے دارالعلوم کے اساتذہ خاص کر مولینا محمود الحسنؒ کے اوصاف سن کر علامہ رضا نے دارالعلوم دیوبند کو دیکھنے کا تہیہ کر لیا اور ۹ اپریل ۱۹۱۲ء کی تاریخ مقرر کر کے اطلاع بھی دے دی۔ لیکن نہ جانے کیا بات مانع ہوئی کہ آپ ۹ اپریل کو دیوبند نہ آسکے۔ بعد ازاں ۱۵ اپریل کا دن مقرر کیا گیا۔ چنانچہ ۱۴ اپریل کو علیگڑھ سے آپ کے ایک میزبان نواب وقار الملک نے بزرگان دیوبند کو تار دے کر مطلع کیا کہ علامہ رشید رضا ۱۵ اپریل کی صبح کو دیوبند پہنچ رہے ہیں۔ اور جب آپ کی گاڑی دیوبند کے ریلوے سٹیشن پر وارد ہوئی تو اساتذہ وطلباء دارالعلوم نے آپ کی شان کے شایان استقبال کیا۔

دارالعلوم میں جلسہ:......دارالعلوم کی طرف سے مہمان عزیز کے اعزاز میں اساتذہ اور طلبہ نے نورہ ہال میں خیر مقدم کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا۔ حضرت شیخ الہند بھی بحیثیت صدر المدرسین رونق جلسہ تھے۔ لیکن آپ نے بذات خود کچھ فرمانے کے بدلے یہ طے کیا کہ علامہ رشید

رضا کو اھلا وسھلا مرحبا کہنے کا فرض آپ کی طرف سے اور دیگر اساتذہ اور طلباء کی طرف سے اور ادارہ اہتمام کی طرف سے حضرت شاہ صاحبؒ انجام دیں۔

دیو بند کی حنفیت علامہ کی نظر میں:...... دیوبند میں حدیث اور ائمہ اربعہ کی فقہ کے درمیان تطابق اور ترجیح اور روایت ودرایت کی متوازی تعلیم کا جو ولی اللّٰہی طریقہ برتا جاتا ہے۔ اس کا الازہر میں رواج نہیں ہے۔ وہاں حدیث کے متن اور سلسلہ سند سے زیادہ کسی چیز کے ساتھ بہت کم اعتناء کیا جاتا ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر علامہ رشید رضا نے ہندوستان پہنچ کر جب یہ سنا کہ دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے فیض یافتہ اساتذہ علم حدیث صحیح البخاری اور ہدایہ کو پہلو بہ پہلو رکھ کر تطابق کے ساتھ درس دیتے ہیں تو آپ کسی قدر متعجب سے ہو گئے۔ چنانچہ جب آپ دارالعلوم پہنچے تو ابتدائی بات چیت کے دوران آپ نے دارالعلوم کے کسی استاد سے دریافت کیا کہ یہاں درس حدیث کا طرز کیا ہے؟ انہیں بتلایا گیا کہ پہلے قاری متن حدیث پڑھتا ہے اور استاد اس حدیث کے متعلق تمام مباحث علمیہ اور حقائق ونکات بیان کرتا ہے۔ پھر اگر حدیث احکام سے متعلق ہوتی ہے تو استاد ائمہ متبوعین کے مذاہب ودلائل بیان کرتا ہے اور اگر امام اعظمؒ کا مذہب بظاہر اس حدیث کے مخالف دکھائی دیتا ہے تو استاد توفیق، تطبیق یا ترجیح راجح کے اصول پر تقریر کرتا ہے اور حنفی مسلک کو مؤید ومدلل کرتا ہے۔ یہ بات علامہ کو بہت عجیب معلوم ہوئی اور پوچھنے لگے کہ کیا ہر حدیث میں ایسا ہی ہوتا ہے؟ مخاطب نے کہا ہاں جو حدیثیں احکام سے تعلق رکھتی ہیں ان میں ایسا ہی کیا جاتا ہے۔ اس پر علامہ نے کہا: کیا حدیث، حنفی ہو گئی ہے؟ اور کیا سارا ذخیرہ روایات حدیث صرف فقہ حنفی ہی کی حمایت کے لئے ہے؟

شاہ صاحب کی تقریر:...... علامہ کے استفسار وجواب کا معاملہ تو یہاں ہی ختم ہو گیا اور دارالعلوم کے اکابر کی قرارداد وصوابدید کے مطابق حضرت شاہ صاحبؒ کا ارادہ یہی تھا کہ جب مدرسہ کی طرف سے مہمان کی خدمت میں رسمی سپاسنامہ پڑھا جا چکے تو آپ ترحیب خفیف کے بعد دارالعلوم کے قیام کا پس منظر اور اس کے مقاصد اور ضرورت پر مختصر سی روشنی ڈال دیں گے تا کہ مہمان کو اپنے خیالات کے اظہار میں سہولت ہو جائے (گویا آپ کا ارادہ پندرہ یا بیس منٹ سے زیادہ بولنے کا نہ تھا) مگر جب آپ جلسہ گاہ کی طرف آ رہے تھے تو کسی نے علامہ رشید رضا کے مصرحہ صدر الفاظ آپ کو سنا دیئے اور سنتے ہی آپ نے پہلا ارادہ منسوخ کر کے دارالعلوم دیوبند کے طریقہ تعلیم اور اسکی خصوصیات پر مکمل تبصرہ کرنے کا تہیہ کر لیا اور قلیل سے وقفہ میں جلسہ گاہ میں بیٹھے بیٹھے دارالعلوم کے

اسی مذکورہ بالا طرز درس حدیث پر اپنے ذہن میں مضمون مرتب فرمالیا اور پھر وہ مشہور و معروف محققانہ و محدثانہ تقریر نہایت فصیح و بلیغ عربی میں ارشاد فرمائی جس کو سن کر علامہ اور تمام شرکاء اجلاس (علماء و طلبہ) حیران رہ گئے۔ اس تقریر میں آپ نے دارالعلوم دیوبند کے طریقۂ تعلیم حدیث نبوی کی وضاحت کی اور فقہاء و محدثین کے اصول استنباط تحقیق مناظر تنقیح مناط اور تخریج مناط کی وضاحت و تشریح احادیث و احکام سے فرمائی اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سے لے کر اپنے اساتذہ دارالعلوم تک کے فضائل و مناقب اور طرز و طریق خدمت علم و دین پر روشنی ڈالی۔ علامہ آپ کی تقریر کے مضمون قوت دلائل اور تقریر کی فصاحت و بلاغت سے نہایت متاثر ہوئے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ علامہ رشید رضا جھوم رہے تھے۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر بار بار داد دیتے اور بے ساختہ فرماتے تھے ما رأیت مثل ھذا الستاذ الجلیل۔ (میں نے اس جیسا جلیل القدر عالم نہیں دیکھا) علامہ موصوف خود بذات شافعی المذہب ہونے کی وجہ سے دوران تقریر موقع بموقع سوالات بھی کرتے رہے۔ جن کے جوابات ناطق حضرت شاہ صاحب نہایت انبساط و شرح صدر کے ساتھ دیتے گئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی اس تقریر نے علامہ کی غلط فہمیاں دور کر دیں اور آپ کو اندازہ ہو گیا کہ دارالعلوم دیوبند اور اس کے اساتذہ کا علمی تعلیمی اور تدریسی رتبہ بہت بلند ہے۔

علامہ مصریؒ کی جوابی تقریر:...... چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر کے بعد علامہ مصری نے جو بصیرت افروز اور فاضلانہ جوابی تقریر فرمائی اس میں آپ نے بزرگان دیوبند کے کمالات کا اعتراف کیا اور مسرت کا اظہار فرمایا۔ نیز فرمایا۔

حضرات علماء کرام! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر میں اس مدرسہ کو نہ دیکھتا تو میں ہندوستان سے نہایت غمگین جاتا۔ ہندوستان میں آ کر اس مدرسہ کی نسبت جو کچھ میں نے اب تک سنا تھا اسے بہت زیادہ پایا۔ استاذ (مولینا انور شاہ صاحب) نے جو اصول میرے سامنے بیان کئے اور جو مسلک اپنے مشائخ کا مجھے بتلا دیا ہے۔ میں اسکو پسند کرتا ہوں اور اس سے متفق ہوں فقہ حنفی بلاشبہ کافی و وافی ہے۔ (روائداد دارالعلوم ۴۰، ۱۳۳۰ھ)

المنار میں بھی تذکرہ:...... علامہ موصوف نے مصر پہنچ کر یہ سب حالات اپنے رسالہ ''المنار'' میں شائع کئے اور اس میں یہ بھی اضافہ کیا کہ میں نے ازھر الہند دیوبند میں وہ نہضت دینیہ علمیہ جدیدہ دیکھی ہے جس سے نفع عظیم کی توقع ہے۔ مدرسہ دیوبند دیکھ کر جس قدر میرے دل کو مسرت بے پایاں حاصل ہوئی وہ کسی اور چیز سے نہیں ہوئی مجھ سے بہت سے لوگوں نے دارالعلوم کے فضائل و مآثر بیان کئے تھے اور کچھ لوگوں نے علماء دیوبند کی طرف جمود تعصب کو بھی منسوب کیا تھا

مگر میں نے ان حضرات کو ایسی تنقید سے بہت بلند پایا اور میں نے حضرت شاہ صاحب جیسا جلیل القدر عالم تو کوئی دیکھا ہی نہیں۔

شاہ صاحبؒ کی تقریر کا متن:..... حضرت شاہ صاحب کی اصل عربی کی تقریر کا متن دار العلوم دیوبند کی روداد ۱۹۱۲ء ۱۳۳۰ھ سے اخذ کر کے ذیل میں درج کیا جاتا ہے اور اس تقریر کے بیشتر حصے کا اردو ترجمہ گذشتہ صفحات میں مولانا عبدالحلیم چشتی صاحب کے مضمون میں زیرِ عنوان وہ دار العلوم دیوبند میں درسِ حدیث کی اہم خصوصیت" ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

المحاضرة المرتجلة

للشيخ محمد انور شاه الكشميري

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمد لله وكفىٰ وسلام على عباده الذين اصطفىٰ. يقدّم الخويدم فى الحضرة السامية تحية الاسلام حياكم الله تعالىٰ انا اسنامتكم فحائل الكرم والاعتناء بحالنا واحسنا بنهضةٍ اسلامية عطفت عليكم وعلينا وانا احوج اليكم منكم الينا هؤلاء اساتذتى واكابرى وذخائرى عند الله فى يومى وغدى امرونى بان امثل لكم شكرٌ اعلىٰ اسداء الخير وتشريفكم ايانا بالقدوم المبارك احسن الله اليكم والينا ورفع درجاتكم فى الدين والدنيا والآخرة آمين وبهٖ نستعين.

مولينا ان حديثنا حديث ذو شجون والشيء بالشيء يذكر ان بلادنا هذهٖ على الشقةٍ بعيدة ومسافة شاسعة من بلاد السلام كالعراق والشام ومصر فكانت شعائر الاسلام فيها على وهى وصنائر العلم علىٰ خفاءٍ الا ماشاء الله ومن شاء وقليل ماهم وان وصابتنا هذهٖ عصابة على طريقة قديمة ليست بحديثة اسنادنا في الدين متصل بالصدر الكبير والبدر المنير دالامام الشهير الشيخ الاجل ولى الله بن عبدالرحيم الفاروقى الدهلوى وحال الشيخ اظهر من ان يذكر فقد شرقت تصانيفه وغربت لكن بعض احوال الشيخ يحتاج الى اخبار شفاهية

وواقعات تلقیتها من مشائخنا کان من امر الشیخ رحمة اللّٰه انه اتقن العلوم الدینیة ومبادئها اولا علی والده العلام الشیخ الهمام عبدالرحیم ثم رحل الی الحرمین زادهما اللّٰه شرفًا وتکریمًا واستفاد من علمائها وفقهائهما والازم الشیخ اباطاهر الکردی فی الحدیث واجتهد فیه حتّٰی صار الطرد والعکس فی الباب وکان الشیخ ابوطاهر یقول تلقن الالفاظ منا وتلقنا المعنٰی منهُ یرید بذٰلك تبیین ملاحظ الحدیث وتعیین مراد الشارع ثم رجع الشیخ ولی اللّٰه الی بلادہٖ واشتغل باصلاح ما افسد الناسُ مِن سُنةِ النبی الکریم صلی اللّٰه علیه وسلم وکان اللّٰه اودَع فی صدرہٖ نورًا ینظر بہٖ عواقبَ الامور فتفرس انهٗ ستقومُ الحراب بین الحق والباطل فاستعد رحمه اللّٰه للدفاع عن الدین والذب عنه فما اعد لذٰلك ان ترجَم القراٰن العزیز باللسان الفارسیّة سمّاه فتح الرحمٰن جودهٗ عن الاسرائیلیات باسرها اراد بذٰلك تمهید التوحید ثم شرح الموطاوسمّاه المُسوّٰی علی طریقة فُقهاء الحدیث مع تحقق المناط وتنقیحه وتحریجه ارید بذٰلك ما اصطلح علیه عُلماءُ الاصُول فتحقیق المناط ان یصدرحکم مِن الشارع فی صورة جُزئیة ثم یثبت ویحقق ذٰلك فی سائر الجزئیات مِن نوع تلك الصورة مثالهٗ تقویم جزاء الصَّید فتعرف القیمة فی جزئی هو تحقیق المناط ولیس ذٰلك بقیاس فلذ ایشترك فیه الخاص والعام ولا یحتاج الی الاجتهاد وتنقیح المناط ان یصدرحکم مِنَ الشارع فی صورةفَذاجتمعت هناك امور واتفقت بعض تلك الامور مناط ذٰلك الحکم وبعضها لادخل لهافیه فتعرف الامرالذی هو العلة تنقیح المناط مثاله مافی الحدیث عن ابی هریرة قال اتٰی ارجلٌ النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقال هلکت قال ماشانك قال وقعت علی امراتی فی رمضان قال فهل تجد ماتعتق رقبة قال لاقال فهل تستطیع ان تصوم شهرین متتابعین قال لاقال فهل تستطیع ان طعم ستین مسکینًا قال لا الحدیث.

فنقح ابو حنیفة والشافعی مناط وجوب الکفارة کون ذٰلك الفعل مفطرا کان جماعًا کما فی هٰذہٖ الصورة اواکلا او شربا بعدان یکون عمدً فکونهٗ جماعًا فی هذه الواقعة امرًا اتفاقیٌّ کسائر الاتفاقیات وذهب احمد الی ان المناط هوکونه جماعًا فَلا یعدی الحکم الی الا کل والشرب والحتج بحدیث اخر عن ابی

هريرة ايضا قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من افطر يومًا من رمضان فى غير رخصة رخصها الله لم يقض عنه صيام الدهر حمله على الاكل والشرب عامدًا وقال لا يقضى عنه صيام الدهر وتخريج المناط ان يصدر حكم من الشارع فى صورة تجتمع هناك امور يصلح كل منها للعلية فيرجح المجتهد امرًا من بين تلك الامور العلية ويجعله مناطًا مثالهٔ حديث النهى عن الربو فى الاشياء الستة اجتمع هناك امور القدر الجنية والطعم والثمنية والاقتيات والادخار فذهب ابوحنيفة الى ان مناط الحكم هو الوصف الاول والشافعى الى انهٔ الثانى ومالك الى انهٔ الثالث على ماادى اليه اجتهادهم فالفرق بين تنقيح للناط وتخريجه ان فى الاول اجتمعت امورٌ لادخلَ لها مع المناط فنقح المجتهد المناط وفى الثانى اجتمعت امور كل منها صالحٌ لان يكون مناطاًفرجح المجتهد احدها لان يكون مناطا وتنقيح المناط وتخريجه وظيفة المجتهد يزاحم فيه بعضهم بعضًا ومن الامثلة فيه ايضًا حديث مفتاح الصلوٰة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم فذهب اكثر الائمة ان ركنية صيغة التكبير والتسليم وخرج ابوحنيفة المناط فيه كون الاول ذكرًا مشعرًا بالتعظيم وكون الثانى خروجًا بصنع المصلى وقال بفرضية هذين لكن ثبت مواظبة النبى صلى الله عليه وسلم على صيغه التكبير وصيغة التسليم فليكونا واجبين. وقد التزم الشيخ ابن الهمام وجوب صيغة التكبير والمشهور انه سنّة وقد تحقق فيهما الذكر المشعر بالتعظيم والخروج بصنع المصلى كتحقق الكلى فى الجزئى فليكونا فرضين على هذا لقياس امثلة كثيرة فهذا امارعاه الشيخ ولى الله فى شرح المؤطا واختارفيه ايضًا فقهًا جامعًاوقدحقق الشيخ ايضًافى كتابه الانصاف فى بيان سبب الاختلاف وعقد لجيد فى مسائل الاجتهاد والتقليد ان الحق فى موضع الاجتهاد متعبًا وحكاه عن الائمة الاربعة وارتضاه واريد بموضع الاجتهاد ان لا يكون هناك كتابٌ ولا سنة متواترفالحق هناك متعدد اذا كان هناك قاطع فليس بموضع اجتهاد والحق هناك واحدٌ وهو الموافق لذلك القاطع فمن وافقهٔ وافق الحق ومن خالفهٔ خالف الحق وصنف الشيخ فى حكم التشريع والعقائد الحقه تصانيف صارت لكل ات نبراساً ومقياسًامنها حجة الله البالغة والتفهيمات

الالهية والخير الكثير وغير ذلك ثم تبعه على ذلك اولادهٗ واخفاده فمن اولاده الشيخ الاجل والصمد الاكمل الشيخ عبدالعزيز ثم الشيخ رفيع الدين ثم الشيخ القادر ثم خلف الشيخ عبدالعزيز حفيده مفيد العصر مسند و الشتهر فى الافاق الشيخ محمد اسحاق وابن اخيه محى السنة العلامة الجليل الشيخ محمد اسمعيل وكان الشيخ عبدالعزيز تتلو الحمد اللّٰهِ الذى وهب لى على الكبر اسماعيل اسحاق نفع اللّٰه بهما هذه البلاد دارس الشيخ محمد اسحق حديث النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فصار رحله الاقطار وصنف الشيخ محمد اسمعيل كتبا فى الفرق من السنة والبدعة الظلماء فاحى السنة حين كانت اميتت ومات شهيدا وقد تلمذ على الشيخ محمد اسحق شيخ مشائخنا الشيخ عبدالغنى صارمدار الرواية فى عصرہٖ وارتحل اخرًا لمالى المدينة الطيبة وصار سند تلك البلاد وكثر الاخذعنه هناك وتلمذ على الشيخ عبدالغنى شمس الاسلام والمسلمين العارف الحافظ المحقق الشيخ محمد قاسم مؤنس هذه المدرسة العالية وبانيها والفقيه الحافظ المجتهد الولى الشيخ رشيد احمد صنف الشيخ محمد قاسم كتبا المعارف الحقائق وكتب فى الرد على المخالفين من المادمين والدهريين فنفع اللّٰه به كثيرًا وقد كُنت انشأت هذهٖ الاشعار فى عنقبتہٖ قفايا صاحبتى على الديار فمن تاب الشيحى هوى ازديار الخ.

وكثرت الفتيا وازرحمت المسائل على الشيخ رشيد احمد هين النبس الحق بالباطل فاجاب فيها بالصواب وكان فقيها مجتهدًا فاخذنا ذلك امامًا فى الاصول وهذا امامًا فى الفروع وتنقح لنا منها علم منقح ميضٌ ثم لما استولت الاجالب على الهذه البلاد رقامت الحرب بين الحق والباطل اسس الشيخ محمد قاسم هذه المدرسة العالية فنفع اللّٰه بها كثيرًا جزاء اللّٰه خيرا الجزاء وغاية المدرسة درس الحديث وفقه الحديث وكان يرىٰ المبادى ضرورية والضرورى يقدر بقدر الضرورۃ حتّٰى ان الشيخ رشيد احمد خطر الفلسفه وحجر عنها فى بعض السنين فى هذه المدرسة فهذا اسنادنا وطريقة مشائخنا فى الحديث وفقه الحديث طريقة معتدلة مثلى يتوسطون بين الاطراف اريد بذلك ان للائمة الاربعة اصولًا اربعه اكثرية وذلك ان الاقام مالكؒ ياتسى بعمل

اهل المدینة بل قدیر حجة علی الحدیث للمرفوع والشافعی یاخذ باصح مافی
الباب واحمد یاخذ بالاصح والصحیح والحسن والضعیف اذا کان ضعفه
یسیرا ویجوز هذوذلک وعلی هذا اوضع مسنده وابو حنیفة یأخذ بهذه الاقسام
وینزل الاحادیث علی محمل فلذا کثرت التاویلات عند الحنیفة وکثرت
الجروح علی الرواة عند الشافعیة والشافعیُ اولُ من ابطل الاحتجاج بالمرسل
الااذا اعتضد وامام الصنعة ذلک الامام الهمام البخاری قد اخذ اصل مالک
والشافعی ورکب بینهمافیاتی باصح مافی الباب ویراعی مساعدة عمل السلف
فلذ الم یات بحدیث یعارض حدیثا فی کتابه ولم یخرج فی الکسوف الاحدیث
الرکوعین مشا منه علی اصله واعتمد مسلم علی ثقة الرواة فاخرج حدیث ثلاثه
رکوعات وحدیث اربع رکوعات بل حدیث خمس رکوعات ایضًا موقوفًا علی
امیر المؤمنین علی رضی اللّٰه عنه فا البخاری قد انتقی واتبع مسلم القاعدة
فمشائخنا یتوسطون فی مثل هذا الایأخذون باتشدد ولا بالتساهل ویوجهون
الاحادیث المتعارضة بتوجیهات یکاد یقبلها من یسمعها مثالهٗ حدیث القلتین
فقد رواه یزید بن زریع وکامل بن طلحة وابراهیم الحجاج وهدبة بن خالد
ووکیع ویحییٰ بن حسان بلفظ اذا بالغ الماء القلتین اوثلاثًا لم یعمل الخبث
فیقال فیه ان هذا لیس بحدید فقد قال القلتین اوثلاثًا بالتنویع فهو تقریب واحالة
علی خلوص اثر النجاسة من جانب الی جانب وذلک اصلی مذهب انی حنیفة
وصاحبیه صرح به الشیخ ان الهمام والشیخ ابن بخیم وقد سلمت الاحادیث
المعارضة لحدیث القلتین کحدیث النهی عن البول فی لماء الراکد وحدیث
النهی عن ادخال الید فی الاناء اذ استیقظ وحدیث ولوع الکلب فی الاناء
ومثاله ایضًا احادیث القرأة خلف الامام فانهم لما استدلوا علی ترک القرأة خلف
الامام فی الصلوٰة بقوله تعالی واذاقرأ القرآن فاستمعو وانصتو العلکم ترحمون
وبقوله صلی اللّٰه علیه وسلم واذا قرأ فانصتوار بحدیث من کان له امام فقرائة
الامام له قراءة. اوّلُوا الحدیث لا تفعلوا الایام القرآن فانه لاصلوٰة لمن لم یقرأبها
وذٰلک انه لم یصح فی شان نزول الایة شئی من الروایات فالعبرة لعموم اللفظ
وایضًافقد رواه البیهقی فی کتاب القرأة عن الامام احمدانة اجمع العلماء علی

ان هذه الاية فى القرأة فى الصلوة وحديث واذا قرئ فانصتوحديث صحيح صححهٔ احمدحنبل ثم صاحبه ابوبكر الاثرم ثم مسلم فى باب التشهد من حديث ابى موسى الاشعرى واحال به على حديث ابى هريرة ثم صححه ابن خزيمة والحافظ الا جعفربن جرير الطبرى والحافظ ابو عمر بن عبدالبر والحافظ ابن حزم الاندلسى الظاهرى ثم الحافظ زكى الدين عبدالعظيم المنذرى ثم خاتم الحفاظ الحافظ ابن حجر العسقلانى فى الفتح وهذا من حيث الاسناد واما من عمل السلف والائمة فقد عمل به جماعات من الصحابه ومالك واحمد وابوحنيفة والحديث اذا كان رواته ثقات ثم ساعده العمل عمل السلف فهو صحيح وبلاريب لا يقدح فيه قدح ولا يوثرفيه جرح وحديث من كان له امام فقرء ة الامام له قراء ةحكاه الشيخ ابن الهمام عن مسند احمدبن منيع وصححه فان سنده على شرط الشيخين ولم نقف الى الأن على علة فيه واسناده اخبرنا اسحق بن يوسف الازرق قال حدثنا سفيان وشريك عن موسى بن ابى عائشة عن عبدالله بن شداد عن جابر بن عبدالله قال قالم رسول الله صلى الله عليه وسلم الحديث وقد ساعده الموقوف عند الترمذى والمرسل عند اخرين فاذن هو صحيح توجه شيخ مشائخنا الشيخ رشيد احمد حديث عبادة من طريق محمد بن اسحق وسياقه لعلكم تقرأون خلف اما مكم قالوا نعم يا رسول الله نهذه هذا قال فلا تفعلو الحديث فقال هذا دليل الا باحة لا دليل الوجوب وانهم كانوايقرأون بغير امر منه صلى الله عليه وسلم ولذ اسأل بقوله لعلكم تقراؤن خلف امامكم فلما قالونعم قال فلا تفعلوا الا بِأمِّ القرآن فانها سورة متعينه من بين سائر القران لا غيرها من السور فعلل النبى صلى الله عليه وسلم اباحتها خلف الا مام بكونها متعينة من بين السور لاصلوة بدونها وظهرعدم كون الصلوة بدونها فى حق الامام المنفرد واثر ذلك فى الاباحة فى حق المقتدى ومسئلة الا باحة والكراهة مختلف فيها عند الحنيفة وان اتفقوا على عدم الوجوب وقالوفى مسئله رفع اليدين وجهر امين انه قد صَحّ الرفع والجهر عن النبى صلى الله عليه وسلم وعن الصحابه وقد صح ترك الرفع باسناد صحيح عند ابى داؤد والاخفاء وقد صح تركُ الرفع عن امير المؤمنين

عمر وامیر المؤمنین علی وکذا اصح الاخفاء یامین عن جماعة من الصحابه والسلف الصالح فلیکن کلا الامرین سنة وانما یبقی الشان فی الترجیح هذاوالله الموفق للسداد فی المبدأ والمعادثم تلمذ علی الشیخ محمد قاسم شیخنا العدل الحجة مسند وقته الشیخ محمود حسن متع الله المسلمین بطول بقائه وهو شیخ المدرسة الأن وعلیه المدارفی الاسناد فی هذه البلاد وهو علی طریقة مشائخه ساعده التوفیق الالهی فی التوفیق بین المتعارضات وحل المشکلات مثاله ماقال لی مرة ان تعدد الرکوع فی الکسوف قد ثبت عن النبی صلی الله علیه وسلم لامراختص به ولکن ارشد الامة الی وحدة الرکوع فقال صَلُّوا کاحدی صلوۃ صلّیتموها من المکتوبة فراجعته وقلت ان السادة الشافعیة یحملون التشبیه علی عدد الراکعتین لاعلی وحدة الرکوع فقال ان هذاهو جعلُ البدیهی نظریًا فانه اذا کان النبی صلی الله علیه وسلم قد صلی الکسوف بتعدد الرکوع بنفسه علی اعین الناس وروس الاشهاد وکان یشرع تعدد الرکوع للامة فلم ترک الاحالة علی ماشاهدوه وعدل الی التشبیه بالصبح ماذلک الا ان التعدد کان لعارض وارشد الامة الی المعروف فی الصلوۃ والله الموفق والمعین واٰخر دعوٰناان الحمد لله رب العلمین.





حضرت شاہ صاحبؒ اور علامہ اقبالؒ

(مرتبہ گوندو)

ترجمان الحقائق علامہ اقبال مرحوم نہ صرف حضرت شاہ صاحب کی علمی بصیرت، دقت نظر، وسعت معلومات اور علوم وفنون میں جامعیت کے معترف وقدردان تھے بلکہ آپ حضرت شاہ صاحب کی نگاہ التفات کے خواستگاروں میں سے تھے اور اس بحر ذخار سے برابر فیضیاب ہوتے رہتے تھے۔ اس علمی تعلق کا اعتراف علامہ مرحوم نے خود کیا ہے اور حضرت شاہ صاحب نے بھی اس حقیقت کی طرف اشارے کئے ہیں۔ آپ کے تلمیذ ارشد مولینا محمد انور لائلپوری مرحوم کا بیان ہے کہ حضرت شاہ صاحب خود فرماتے تھے کہ جتنا استفادہ مجھ سے ڈاکٹر اقبال نے کیا ہے کسی مولوی نے نہیں کیا [1]۔

خود علامہ مرحوم کو علوم قرآن وحدیث پر کافی دسترس حاصل تھی، انہوں نے عربی اور فارسی مولینا میر حسن سیالکوٹی مرحوم سے باقاعدہ پڑھی تھی۔ اس لئے انہیں شاہ صاحب سے استفادہ کرنے میں کوئی مشکل درپیش نہ تھی۔

علامہ اقبال اور حضرت شاہ صاحبؒ کے تعلقات کا باضابطہ آغاز اکتوبر ۱۹۱۲ء سے ہوتا ہے اس سلسلے میں ڈاکٹر عبداللہ چغتائی راوی ہیں کہ:۔

ہندوستان میں سیاسی طور سے ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۲ء تک کا زمانہ بڑے ابتلاء کا زمانہ تھا۔ چنانچہ جمعیۃ العلماء ہند نے تجویز کیا کہ ایک عام جلسہ ان سیاسی حالات کے تحت کیا جائے اس کے روح رواں (پنجاب کے) ہردل عزیز لیڈر مولینا عبدالقادر قصوری وکیل (لاہور) تھے۔ اور یہ عظیم الشان جلسہ اکتوبر ۱۹۲۱ء میں لاہور کے بریڈلا ہال میں منعقد ہوا۔ راقم نے اتنے علماء دین کا مجمع پھر نہیں دیکھا اور نہ آج تک پھر ایسا جلسہ ہوا ہے۔ اس جلسے کی صدارت مولینا ابوالکلام آزاد نے کی تھی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس جلسہ کے افتتاح پر قرأت مولینا طاہر دیوبندی نے کی تھی ارصدر جلسہ مولینا آزاد کی تجویز کی تائید میں کئی علماء نے تقریریں کی تھیں مگر وہ تقریر جو مرحوم مولینا شبیر احمد عثمانیؒ اور مولینا فاخر کانپوری نے کی تھی وہ ایک شاہکار تھی۔ خطبہ صدارت کو مولینا ابوالکلام آزاد نے خود اور کچھ حصہ کو مولینا عبدالرزاق ملیح آبادی اور کچھ حصہ کو مولینا عبدالحلیم انصاری نے پڑھا تھا۔ اسی جلسہ میں

[1] ملاحظہ ہو ماہنامہ دارالعلوم دیوبند اپریل ۱۹۶۵ء۔

اول مرتبہ میں نے خود علامہ اقبال اور علامہ انور شاہ کشمیری کا تعارف کرایا تھا ❶۔

اس کے بعد اقبال اور مولینا انور شاہ کی متعدد ملاقاتیں ہوئیں۔ اقبال کی شدید خواہش تھی کہ لاہور میں کسی مستند عالم کو مستقل قیام کی دعوت دی جائے تاکہ علامہ خود اور اہل لاہور اس سے استفادہ کر سکیں کیونکہ اقبالؒ کے نزدیک لاہور میں ایک متنفس بھی ضروریات اسلامی سے آگاہ نہیں تھا اور پنجاب عملی طور پر بانجھ تھا۔ چنانچہ اکبر الہ آبادی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:-

"یہاں لاہور میں ضروریات اسلامی سے ایک متنفس بھی آگاہ نہیں۔ یہاں انجمن اور کالج اور فکر مناصب کے سوا اور کچھ نہیں، پنجاب میں علماء کا پیدا ہونا بند ہو گیا ہے۔ صوفیاء کی دوکانیں ہیں مگر وہاں سیرت اسلامی کی متاع نہیں بنتی"۔

ایسے میں علامہ اقبال کی نظر انتخاب برصغیر ہندوپاک کی دو (عظیم المرتبت) شخصیات پر پڑی جنہیں لاہور میں مستقل قیام کی دعوت دی جاسکے۔ ایک استاد کل اور علوم اسلام کی جوئے شیر کا فرہاد مولینا سید سلیمان ندویؒ اور دوسرے دنیائے اسلام کے جید ترین محدث وقت مولینا محمد انور شاہ کاشمیریؒ۔ لیکن بدقسمتی سے دونوں بزرگ لاہور نہ آسکے۔ یہ ۲۱ جنوری ۱۹۲۲ء کی بات ہے جب اقبالؒ نے مولینا انور شاہ کے قیام کے انتظامات کر لئے تھے۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی مزید لکھتے ہیں کہ: ایک مرتبہ علامہ انور شاہ صاحب لاہور میں اتفاق سے تشریف لے آئے اور راقم کے مکان کے قریب تکیہ سادھوان (اندرونِ موچی دروازہ رنگ محل لاہور) میں پیر عبدالغفار ❷ شاہ صاحب (المتوفی ۱۳۴۰ھ) کے مہمان تھے۔ اس وقت ادھر آپ کی موجودگی میں لاہور میں علامہ اقبال نے ہر دو انجمنوں سے معاملہ فہمی بھی کر لی تھی کہ اگر آپ یہاں تشریف لے آئیں تو آپ خطیب بادشاہی مسجد اور ادھر اسلامیہ کالج میں علوم دین اسلام کے سربراہ ہوں گے ❸۔

مارچ ۱۹۲۸ء میں جب مولینا انور شاہ انجمن خدام الدین لاہور کے اجلاس میں شرکت کے لئے لاہور آئے تو اقبالؒ نے انہیں یہ خط لکھا:

۱۳ مارچ ۱۹۲۵ء

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ مولینا!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

---

❶ ...... ملاحظہ ہو ماہنامہ دارالعلوم دیوبند مارچ ۱۹۷۵ء ص ۱۸۔ ❷ ...... خاندان مسعودی میں پیر عبدالغفار شاہ صاحب ایک خدادوست بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب نویں پشت پر حضرت شاہ صاحبؒ کے سلسلہ نسب کے ساتھ جا ملتا ہے۔ ❸ ...... ملاحظہ ہو ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۷۵ء مضمون جناب قاضی افضل حق قرشی۔

مجھے ماسٹر عبداللہ سے ابھی معلوم ہوا ہے کہ آپ انجمن خدام الدین کے جلسہ میں تشریف لائے ہیں اور ایک دو روز قیام فرمائیں گے۔ میں اسے اپنی بڑی سعادت تصور کروں گا اگر آپ کل شام اپنے دیرینہ مخلص کے ہاں کھانا کھائیں، جناب کی وساطت سے حضرت مولوی حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ عثمانی حضرت مولوی شبیر احمد صاحب اور جناب مفتی عزیز الرحمٰن کی خدمت میں بھی یہی التماس ہے، مجھے امید ہے کہ جناب اس عریضے کو شرف قبولیت بخشیں گے۔ آپ کو قیام گاہ سے لانے کے لئے سواری یہاں سے بھیج دی جائے گی۔

ڈاکٹر عبداللہ چغتائی اس ملاقات کی تفصیل اس طرح لکھتے ہیں:

"مارچ ۱۹۲۵ء میں لاہور میں انجمن خدام الدین کے زیر اہتمام ایک جلسہ ہوا اس انجمن کے روح رواں مولوی احمد علیؒ تھے جس میں خصوصیت سے علماء دیوبند محمد انور شاہ صاحب، مولینا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی، مولینا شبیر احمد عثمانی اور مفتی عزیز الرحمٰن وغیرہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے ہاں ایک خاص دعوت رات کے وقت کی تھی جس میں ان تمام علماء کرام نے شرکت کی تھی۔ ان میں مرحوم مولینا سید عطاء واللہ شاہ بخاری اور مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی بھی مدعو تھے۔ اور علامہ اقبال کے سامنے اس وقت محض یہ مدنظر تھا کہ کسی طرح علامہ انور شاہ صاحب کو ان سے استفادہ کرنے کے لئے مستقل طور پر یہاں بلایا جائے"۔ ❶

۱۹۲۶ء میں جب حضرت شاہ صاحب بطور احتجاج دار العلوم دیوبند سے مستعفی ہوئے تو علامہ اقبال مرحوم کو اس سے خوشی محسوس ہوئی۔ خوشی اس لئے ہوئی کیونکہ آپ کو خیال تھا کہ شاید اب مولینا قیام لاہور پر راضی ہوسکیں گے۔ لیکن حضرت شاہ صاحب نے اپنے رفقاء خصوصاً مولینا محمد بن موسیٰ سملکی کے اصرار پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کو اپنے فیوض برکات کا مرکز بنایا بہر حال اس سلسلے میں مولینا سعید احمد صاحب اکبر آبادی رقمطراز ہیں:

دار العلوم دیوبند میں اختلاف کے باعث جب حضرۃ الاستاذ نے اپنے عہدہ صدر الاساتذہ سے استعفیٰ دیا اور یہ خبر اخبارات میں چھپی تو اس کے چند روز بعد (میں) ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمانے لگے کہ آپ کا اور دوسرے مسلمانوں کا جو بھی تاثر ہو، میں بہر حال استعفیٰ کی خبر پڑھ کر بہت خوش ہوا ہوں، میں نے بڑے تعجب سے عرض کیا؛ کیا آپکو دار العلوم دیوبند کے نقصان کا کچھ ملال نہیں؟ فرمایا کیوں نہیں! اگر دار العلوم کو تو صدر المدرسین اور بھی مل جائیں گے اور یہ جگہ

❶ ...... ملاحظہ ہو ماہنامہ دار العلوم دیوبند مارچ ۱۹۷۶ء

خالی نہ رہے گی۔ لیکن اسلام کے لئے جو کام میں شاہ صاحب سے لینا چاہتا ہوں اس کو سوائے شاہ صاحب کے کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد انہوں نے اس اجمال کی تفصیل یہ بیان کی کہ آج اسلام کی سب سے بڑی ضرورت فقہ کی جدید تدوین ہے۔ جس میں زندگی کے سینکڑوں ہزاروں مسائل کا صحیح حل پیش کیا گیا ہو جن کو دنیا کے موجودہ قومی اور بین الاقوامی سیاسی، معاشی اور سماجی احوال وظروف نے پیدا کر دیا ہے، مجھ کو پورا یقین ہے کہ اس کام کے لئے میں اور شاہ صاحب دونوں مل کر ہی کچھ کر سکتے ہیں۔ ہم دونوں کے علاوہ کوئی اور شخص اس وقت عالم اسلام میں ایسا نظر نہیں آتا جو اس عظیم ذمہ داری کا حامل ہو سکے، پھر فرمایا، یہ مسائل کیا ہیں؟ اور ان کا سر چشمہ کہاں ہے؟ میں ایک عرصہ سے ان کا بڑے غور سے مطالعہ کر رہا ہوں، یہ سب مسائل میں شاہ صاحب کے سامنے پیش کروں گا اور ان کا صحیح اسلامی حل کیا ہے؟ یہ شاہ صاحب بتائیں گے اس طرح ہم دونوں کے اشتراک وتعاون سے فقہ جدید کی تدوین عمل میں آجائے گی ❶۔

بہر حال جب حضرت شاہ صاحب نے دار العلوم دیوبند سے علیحدگی اختیار کی تو اقبال مرحوم نے انہیں ایک تفصیلی تار دیا اور انہیں لاہور آنے کے لئے اصرار کیا۔ اس سلسلے میں مولینا عبد الرشید صاحب ارشد، مولینا عبد الحنان ہزاروی کی زبانی یوں رقمطراز ہیں:۔

"جب حضرت شاہ صاحب نے دار العلوم دیوبند سے استعفٰی دیدیا، میں ان دنوں لاہور آسٹریلیا جامع مسجد میں خطیب تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے دیوبند ایک تفصیلی تار دیا جس میں شاہ صاحب سے درخواست کی گئی تھی کہ اب آپ لاہور تشریف لے آئیں اور یہاں قیام فرمائیں۔ جوابی تار تھا جس کا کوئی جواب نہیں آیا، جس پر ڈاکٹر صاحب نے مجھ کو دیوبند بھیجا کہ تم جا کر زبانی عرض کرو، میں گیا تو معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کو وہ تار اس وقت دیا گیا جب ڈابھیل والوں نے اصرار کر کے وہاں تشریف لے جانے پر رضامند کر لیا تھا۔ میں ملا تو فرمایا افسوس کہ آپ کا پیغام بعد میں ملا اور میں ڈابھیل والوں سے وعدہ کر چکا ہوں" ❷

بہر حال حضرت شاہ صاحب اگرچہ لاہور نہ جا سکے لیکن اس کے باوجود علامہ اقبال مرحوم ان سے برابر استفادہ کرتے رہے۔ اس سلسلے میں مولینا قاری محمد طیب صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

"علامہ اقبال مرحوم کے خیالات کی بہت حد تک اصلاح حضرت ممدوح کے ارشادات سے ہوئی۔ اس کے آٹھ آٹھ صفحات کے خطوط سوالات وشبہات سے پر آتے تھے اور

---

❶ ..... ملاحظہ ہو حیات انور ص ۱۶۵، ۱۶۶ ایاز زیر نظر کتاب میں مولینا سعید احمد صاحب اکبر آبادی کا مقالہ۔

❷ ..... ملاحظہ ہو ماہنامہ دار العلوم دیوبند مارچ ۱۹۷۵ء ص ۲۰۔

حضرت ان کے شافی جوابات لکھتے جس سے ان کے قلب کی راہ بنتی چلی گئی'' ❶

لیکن بدقسمتی سے علم وعلم کے ان دو سرمایہ داروں کی خط وکتابت نامعلوم وجوہات کی بنا پر محفوظ نہ رہ سکی۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت شاہ صاحب کا ایک منظوم رسالہ ''ضرب الخاتم علی حدوث العالم'' حدوث عالم کی بحث پر ہے چار سو اشعار پر مشتمل یہ رسالہ حجم میں تو بہت مختصر ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں علم کا ایک سمندر موجود ہے۔

اور جب یہ رسالہ شائع ہوا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کا ایک نسخہ اقبال مرحوم کو بھی بھیجا۔ اس بارے میں مولینا سعید احمد اکبرآبادی کا بیان ہے کہ ڈاکٹر صاحب جس ذوق اور جس استعدد کے بزرگ تھے اس کے اعتبار سے ان کے لئے کوئی تحفہ اس چند ورق رسالہ سے زیادہ قیمتی ہو نہیں سکتا تھا۔ بڑے خوش ہوئے اور پورا رسالہ بڑی توجہ اور غور وفکر کے ساتھ پڑھا۔ میں اس زمانہ میں بسلسلہ طالب علمی لاہور میں مقیم تھا اور گاہے گاہے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی علمی وادبی مجلس سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ ایک صحبت میں ایک مرتبہ فرمایا کہ میں تو مولینا انور شاہ صاحب کا رسالہ پڑھ کر دنگ رہ گیا ہوں کہ رات دن قال اللہ اور قال الرسول سے واسطہ رکھنے کے باوجود فلسفہ میں بھی ان کو اس درجہ درک وبصیرت اور اس کے مسائل پر اس قدر گہری نگاہ ہے حدوث عالم پر اس رسالہ میں انہوں نے جو کچھ لکھ دیا ہے حق یہ ہے کہ آج یورپ کا بڑے سے بڑا فلسفی بھی اس مسئلہ پر اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے وہ رسالہ میرے حوالہ کیا اور فرمایا کہ اس میں چار شعر ایسے ہیں جن کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے ان پر نشان لگا دیا ہے آپ اب دیوبند جائیں تو یہ نسخہ ساتھ لیتے جائیں اور شاہ صاحب سے ان اشعار کا مطلب دریافت کرتے آئیں۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کے ارشاد کی تعمیل کی۔ دیوبند آ کر وہ رسالہ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کر کے ڈاکٹر صاحب کا پیغام پہنچایا۔ لیکن حضرت الاستاذ نے مجھ کو ان اشعار کا مطلب سمجھانے کے بجائے یہی مناسب خیال فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب کو فارسی میں ایک طویل خط لکھیں اور اسی میں ان اشعار کا مطلب بھی تحریر فرما دیں۔ یہ خط میں ہی دستی لے کر لاہور آیا اور ڈاکٹر صاحب کو پہنچا دیا۔'' ❷

اسی طرح مسئلہ زمان ومکان ایک عرصہ تک علامہ اقبالؒ کے مطالعہ کا محور رہا ہے کیونکہ فلسفہ میں علامہ اقبالؒ کو اس سے کافی دلچسپی تھی اس سلسلہ میں مزید معلومات اور ذاتی آراء حاصل کرنے کے

---

❶ ..... حیات انور ص ۲۲۵۔ ❷ ..... ملاحظہ ہو حیات انور ص ۱۶۴، ۱۶۵۔

لئے جہاں دیگر محققین کے ساتھ ان کی خط وکتابت جاری تھی وہاں حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں نہ صرف خطوط ارسال کیے بلکہ کئی بار حضرت شاہ صاحب سے بالمشافہ بھی ملے اور فلسفہ کے رموز ودقائق پر حضرت شاہ صاحب کے ارشادات سن کر مستفید ہوئے۔

ایک بار اسی مسئلہ زمان ومکان پر حضرت شاہ صاحب اور ڈاکٹر اقبالؒ کے درمیان گفتگو شروع ہوئی، ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ اثبات باری پر نیوٹن کی اور نیوٹن پر لکھی ہوئی عمدہ کتابیں ہیں اس پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: میں نے اس کی پندرہ تصانیف دیکھی ہیں۔ لیکن میں نے اپنی کتابوں "ضرب الخاتم" اور "مرقاۃ الطارم" میں اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اسکو نیوٹن نہیں پہنچ سکا۔ اسی طرح ایک بار حضرت شاہ صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو علامہ عراقی کا ایک قلمی فارسی رسالہ دیا جس کا نام "غایۃ البیان فی تحقیق الزمان والمکان" ہے۔ پھر شاہ صاحب نے کہا: نیوٹن نے جو کچھ لکھا ہے علامہ عراقی سے لیا ہے۔ اس کی اپنی تحقیق نہیں ہے، ڈاکٹر صاحب یہ سن کر حیران رہ گئے۔ یورپ کے اخباروں تک میں بیان دیئے۔ دسمبر ۱۹۲۸ء میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے ایک جلسہ کیا گیا تھا جس کی صدارت ڈاکٹر اقبالؒ نے کی تھی، اس جلسہ میں ڈاکٹر صاحب نے یہ قصہ سنایا۔ جلسہ میں کلکتہ سے آئے ہوئے پروفیسروں کے علاوہ حیدر آباد سے حضرت مولینا حبیب الرحمٰن صاحب خان شیروانی بھی تشریف لائے تھے، ڈاکٹر اقبالؒ نے جلسہ میں یہ قصہ سنایا تو حاضرین کی حیرت کی انتہا نہ رہی" ❶۔

۱۹۲۸ء میں اقبال مرحوم اورینٹل کانفرنس لاہور کے شعبہ عربی وفارسی کے صدارتی خطبے حکمائے اسلام کے عمیق تر مطالعے کی دعوت میں لکھتے ہیں:۔

> "لیکن جدید ریاضیات کے اہم ترین تصورات میں سے ایک تصور کا یہ مختصر حوالہ بالا میرے ذہن کو عراقی کی تصنیف "غایۃ الامکان فی درایۃ المکان" کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ مشہور حدیث لا تسبوا الدھر لان الدھر ھو اللہ میں دھر (بمعنی TIME) کا جو لفظ آیا ہے اس کے متعلق مولینا انور شاہ صاحب سے جو دنیائے اسلام کے جید ترین محدثین وقت میں سے ہیں ان سے میری خط وکتابت ہوئی۔ اس مراسلت کے دوران میں مولینا موصوف نے مجھے اس مخطوطے کی طرف رجوع کرایا اور بعد ازاں میری درخواست پر ازراہ عنایت مجھے اس کی ایک نقل ارسال کی" ❷

اقبال مرحوم نے اپنے معرکۃ الآراء اور چھ انگریزی خطبات "The reconsruction

---

❶ ...... دار العلوم اگست ۱۹۷۴ء۔ ❷ ...... دار العلوم مارچ ۱۹۷۵ء۔

"of Religious thought in Islam" کے سلسلے میں حضرت شاہ صاحب سے ختم نبوت قتل مرتد اور مسئلہ زمان ومکان کے بارے میں خاص طور پر استفادہ کیا ہے۔

اسی طرح قادیانیت کے خلاف ڈاکٹر صاحب کا جو فاضلانہ مقالہ ہے وہ دراصل نتیجہ ہے حضرت شاہ صاحب کی فیض صحبت کا۔ جب علامہ مرحوم نے یہ مقالہ تحریر فرمایا تو اسے انگریزی اخبارات نے بھی شائع کیا جس سے پورے پنجاب میں ایک تلاطم کی سی کیفیت پیدا ہوئی۔

بہاولپور کے معرکۃ الآراء مقدمہ کی پیروی کے سلسلے میں حضرت شاہ صاحب ۱۹ اگست ۱۹۳۲ء کو بہاولپور پہنچے ۲۵ اگست کو ان کا بیان شروع ہوا جو متواتر پانچ روز تک جاری رہا۔ مولینا محمد انوری لائلپوری کا بیان ہے کہ اس سفر کے دوران حضرت شاہ صاحب نے لاہور میں بھی دوروز قیام فرمایا آسٹریلین بلڈنگ کی مسجد میں بعد نماز فجر وعظ فرمایا علماء وفضلاء عوام وخواص بالخصوص ڈاکٹر محمد اقبالؒ اور ان کے ساتھی اہتمام سے حاضر ہوتے تھے۔ الخ ❶

اس لئے اغلب ہے کہ متذکرہ صدر ملاقات (یعنی اگست ۱۹۳۲ء) ہی کو علامہ اقبالؒ اور علامہ انور شاہؒ کی آخری ملاقات رہی۔

حضرت شاہ صاحب کی رحلت پر اقبال مرحوم کو کتنا صدمہ ہوا ہوگا؟ اس کا اندازہ کرنا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ کیونکہ صاف ظاہر ہے کہ علامہ اقبال اگر اپنے وقت میں کسی عالم دین سے متاثر ہوئے تھے۔ وہ حضرت شاہ صاحب کی ہی ذات گرامی تھی۔

بہر حال علامہ اقبالؒ نے مولینا مرحوم کو جن الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے واقعی آپ زر سے لکھنے کے قابل ہیں فرماتے ہیں:۔ ’’اسلام کی ادھر کی پانچ سو سالہ تاریخ شاہ صاحب کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے‘‘ چٹان لاہور پاکستان۔ بحوالہ دار العلوم مارچ ۱۹۷۵ء ومقدمہ انوار الباری ج ۲ ص ۲۲۵۔

دل کو روؤں کہ یا جگر کو میر ‏ ‏ ‏ میری دونوں سے آشنائی ہے

علامہ اقبالؒ روح اسلام کی جہاں گیریت اور اپنے فلسفہ کی آفاقیت کے باوجود کشمیر اور کشمیریت کے لئے ایک خاص جذبہ اپنے قلب کے نہاں خانہ میں محفوظ پاتے تھے جس کا اظہار وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا تھا۔ حضرت شاہ صاحب کی ذات سے آپ کے لئے بے نظیر علم وعمل اور عبقریت کے علاوہ کشمیریت کی وجہ سے بھی علامہ کو محبت تھی۔ حضرت شاہ صاحب کے انتقال کے بعد علامہ کی خود اپنی بقیہ زندگی کے جو چار پانچ سال ہیں، وہ بیماریوں اور جسمانی عوارضات کی نذر ہوئے ہیں اور اس دور میں موصوف نے اپنے احساسات کو اکثر چارپائی پر لیٹے لیٹے لکھا ہے یا لکھوادیا ہے۔ اسی زمانہ

---

❶ ...... ملاحظہ ہو حیات انور ص ۳۲۷۔

کے کوئی ۱۹ قطعات ہیں جو ملازادہ ضیغم لولابی کشمیری کا بیاض کے عنوان کے تحت ارمغان حجاز میں شامل کئے گئے ہیں۔ پہلا قطعہ صاف صاف حضرت شاہ صاحب کی جدائی میں رنج وغم اور حسرت کے آنسوؤں میں ڈوبے ہوئے جذبات کا آئینہ دار ہے شاعر حضرت شاہ صاحب کے مقام پیدائش لولاب کو بھی اپنی سوگواری میں شریک بنا کر ''اے وادیٔ لولاب، اے وادی لولاب'' کی تکرار کر رہا ہے۔ اس نظم سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ علامہ اقبالؒ کی نگاہ میں حضرت شاہ صاحب منبر ومحراب کے حقیقی وارث نواہائے جگر سوز کے نئے نواز، فغان سحری سے دلوں کو بیدار کر دینے والے درویش اور ایک عظیم الشان کشمیری تھے۔ اس لئے علامہ اپنے ان خیالات کو جو کشمیر کے ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں ان انیس قطعات میں ظاہر کئے گئے ہیں حضرت شاہ صاحب کا فیضان قرار دیکر کہتا ہے ''ملازادہ ضیغم لولابی کشمیر کا بیاض'' ان قطعات میں بعض دیگر شخصیات مثلاً میر واعظ مولینا محمد شریف شاہؒ مولینا میرک شاہ اندرابیؒ اور شیخ وبرہمن وغیرہ کی طرف بھی تلمیحات ہیں (قطعہ ۹، ۱۱) جو ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۸ء علامہ کی وفات تک) کشمیر کی سیاست کے پس منظر میں موجود تھے ان میں سے ہر ایک پر علامہ کی نظر تھی لیکن جو بلند امیدیں موصوف نے حضرت شاہ صاحب کی ذات سے وابستہ کر رکھی تھیں۔ وہ رسمی سیاست سے وراء الوراء تھیں۔ اس پس منظر میں ''اے وادی لولاب'' کا قطعہ پڑھ لیجئے تا کہ اقبال اور انور شاہ کے باہمی تعلقات کا کچھ اندازہ ہو جائے۔

اے وادیٔ لولاب!

۱۔ پانی ترے چشموں کا تڑپتا ہوا سیماب
مرغان سحر تیر فضاؤں میں ہیں بے تاب
اے وادیٔ لولاب!

۲۔ گر صاحب ہنگامہ نہ ہو منبر ومحراب
دین بندۂ مؤمن کے لئے موت ہے یا خواب
اے وادیٔ لولاب!

۳۔ ہیں ساز پہ موقوف نواہائے جگر سوز
ڈھیلے ہوں اگر تار تو بیکار ہے مضراب
اے وادیٔ لولاب!

۴۔ ملا کی نظر نور فراست سے ہے خالی
بے سوز ہے میخانۂ صوفی کی مئے ناب
اے وادیٔ لولاب!

۵۔ بیدار ہوں دل جس کی فغان سحری سے
اس قوم میں مدت سے وہ درویش ہے نایاب
اے وادیٔ لولاب!

☆☆☆☆☆

شاہ صاحبؒ اور مولینا مفتی محمد کفایت اللہؒ

(مرتبہ کوندو)

محدث کشمیری حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت علامہ مولینا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ کے باہمی تعلقات کو سمجھنے کے لئے پہلے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ہر دو حضرات حضرت شیخ الہند مولینا محمود الحسن صاحبؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے دونوں ازہر ہند دار العلوم دیوبند سے امتیازی نشان کے ساتھ فارغ التحصیل ہوئے تھے اور دونوں ہی فقہ اسلامی کی حنفی شاخ کے ان ماہرین میں سے تھے جو امام اعظمؒ کے اجتہادات کے لئے قرآن وحدیث اور تعامل صحابہ کرامؓ سے سندات پیش کرنے کا خاص ملکہ رکھتے تھے نیز دونوں جمعیۃ العلماء ہند کے ممتاز مقتدر رہنما تھے اور وطنی سیاست میں بقدر وسعت حصہ لیتے تھے۔ اسی لئے دونوں ایک دوسرے کی علمی صلاحیتوں کے قدردان اور معترف تھے۔

حضرت شاہ صاحب کے فرزند اکبر مولینا محمد ازہر شاہ صاحب قیصر ان دونوں حضرات کے باہمی تعلقات کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

(ا) حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نے اگر عالم الدین والدنیا کہہ کر مفتی صاحب کو خراج تحسین ادا کیا اور مختلف مواقع پر ان کے متعلق مدح وتعریف کے وہ کلمات کہے جو اپنے معاصرین میں سے کسی شخص کے متعلق ان کی زبان پر نہیں آئے تو حضرت مفتی صاحب نے بھی حضرت شاہ صاحب کی رفاقت ودوستی کا حق ادا کیا۔ ہمیشہ ان کے احترام میں اپنی آنکھیں بچھائیں ہمیشہ ذاتی معاملات میں انہیں خیر خواہانہ مشوروں سے مستفید فرمایا گیا[1]۔

---

[1] ...... ملاحظہ ہو یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ ص ۵۲

(۲) دیوبند میں ملتان سے کھلا ہوا حضرت مفتی صاحب کا ایک کارڈ آیا کہ میں کل شام جیل سے رہا کر دیا گیا ہوں۔ آج دہلی روانہ ہو رہا ہوں پرسوں صبح دہلی پہنچوں گا۔ یہ دو سطریں حضرت شاہ صاحب کے لئے ایک پیغام مسرت ثابت ہوئیں۔ وسیع علمی مشاغل اور بے حد سنجیدگی و وقار کے باوجود مسکراہٹ ان کے چہرہ پر کھیل گئی فرط مسرت سے غنچۂ نورس کی طرح کھل کھل گئے تیسرے دن دہلی تشریف لے گئے اور امینیہ کے دروازہ پر علم و فضل کے یہ دو سرمایہ دار پرتپاک طریقے پر ایک دوسرے سے ملے۔ الخ

(مفتی اعظم کی یاد۔ از مولینا حفیظ الرحمٰن واصف ۱۵۷)

حضرت شاہ صاحب اور حضرت مفتی صاحب کے تعلقات آخر عمر تک نہایت استوار تھے اور اکثر و بیشتر حضرت مفتی صاحب علمی تحقیقات حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں پیش فرماتے رہتے تھے۔

جب حضرت شیخ الہند کے اصرار اور دوسرے اکابرین دیوبند کی تجویز پر حضرت شاہ صاحبؒ دارالعلوم دیوبند میں درس و تدریس پر مامور ہوئے تو بھی ان دونوں کے تعلقات پہلے کی طرح قائم رہے اور جب زندگی کی آخری حصہ میں یعنی وفات سے ۸ سال پہلے حضرت شاہ صاحب نے دارالعلوم دیوبند سے انتظامی معاملات پر اختلاف کر کے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کو اپنے فیوض و برکات کا مرکز بنایا تو اس دوران بھی علم و فضل اور ورع و تقویٰ کے ان دو سرمایہ داروں کے باہمی تعلقات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بلکہ زندگی کے ان آخری سالوں میں حضرت شاہ صاحب کا معمول تھا کہ ڈابھیل سے دیوبند آتے جاتے مدرسہ امینیہ میں حضرت مفتی صاحب کے پاس ایک دو دن قیام فرماتے تھے اور علمی دقائق کو حل کرنے میں باہم تبادلۂ خیالات بھی فرماتے تھے۔

مولینا کفایت اللہ مرحوم رسالہ "روض الریاحین" (جو مدرسہ امینیہ دہلی کی مختصر تاریخ ہے) کے آخر پر حضرت شاہ صاحب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

نبیہ فائق الاقران یدعی ☆ بانور شاہ موموق الحسود

بزرگ مرتبہ ہمسروں پر فائق جن کو انور شاہ کہہ کر پکارا جاتا ہے حاسدوں کے محبوب ہیں۔

فھذا الحبر غارس ذاالنخیل ☆ واول موقظ القوم الرقود

کیونکہ یہ علامہ اس درخت کے لگانے والے ہیں اور سوئی قوم کو اول اول جگانے والے

حضرت شاہ صاحب کی شہرہ آفاق تصنیف اکفار الملحدین فی ضروریات الدین کے اختتام پر اکابر علماء کی جو تقریظات ہیں ان میں مولینا مفتی محمد کفایت اللہ کی بھی فاضلانہ تقریظ شامل ہے۔ کتاب مذکور پر تبصرہ فرماتے ہوئے حضرت مفتی صاحب نے اپنے رفیق محترم کو "عمدۃ زمانہ" "صدر

الافاضل'' اور ''فخر الاماثل'' جیسے القاب سے نوازا ہے۔ پوری تقریظ عربی فصاحت وبلاغت کا قابل قدر آئینہ ہے۔ اس لئے قارئین کرام کی تفریح طبع کے لئے من وعن پیش خدمت ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا بَعَثَهٗ بِالْحَقِّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا وَخَتَمَ بِهِ النُّبُوَّةَ وَالرِّسَالَةَ فجاء خاتم النَّبِیِّیْنَ والمرسلین بَشِیْرًا وَنَذِیْرًا صلی الله علیه وعلی اله واصحابه وسلم صلوه متوالية وسلاما كثيرا. اَمَّا بعد فَاِنَّهٗ قد كان یختلجُ فی صدورِ بعض النَّاسِ تسجیل العلماء بکفر الطائفة القادیانیة القایلة بنبوة مُحدِثِها (مرزا غلام احمد القادیانی) وبکفر الفرقة الاحمدیة القائلة بان مرزا غلام حمد المذکور کان مسیحًا موعودًا وَمَهْدِیًا مُنْتَظَرًا ومجدد جلیلا وَوَلِیًّا نَبِیْلًا وَاَنَّهٗ لم یَدَّعِیِ النُّبُوَّةَ وَالرِّسَالَةَ وان سَمّٰی نَفْسَهٗ نَبِیًّا وَرَسُوْلًا وادَّعِیِ الْوَحیَ والالهامَ وَسوی بَیْنَ وَحْیِهٖ وَوَحْیِ الْاَنْبِیَاءِ ظَنًّا مِنْهُ انَّهم متاوّلون وتوقف فی تکفیر امثالهم السلف الصالحون فقام العلّامة عُمدَةُ زمانِهٖ ورحلة اوانِهٖ صَدْرُ الافاضِلِ وفَخْرُ الاماثِلِ الْمَوْلَی المقدام والحبر الهمام مولانا محمّد انور شاه صَدْرُ الاساتذه بدار العلوم الدیوبندیة مشمرًا عن ساقِ التحقیق ورافعًا لِوَاءَ التدقیق فکشف عن المرام ومحا الظلام، نحّی الستر وجلّی الامر فی عجالة سماها'' اِکفارُ الملحدین '' نفس فیها درًا وجود غررًا فلم یترك مساغًا لِشَكٍّ والاختلاج تریٰ سطورها کانّها للایقان فجاج، جزاهُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنْ سَائِرِ المسلمین وقطع بما ایدی دابر الملحدین ونقی بِهٖ لونَ الدِّیْنِ المبین واناح کیدَ الخائنین الظّالمین. محمّد کفایت اللّٰه عفی عنه رَبُّهٗ وَکفَاه.

۴ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ

حضرت مفتی صاحب مرحوم کے دل میں حضرت شاہ صاحب کی کتنی قدر ومنزلت تھی۔ اس کا اظہار تو حضرت موصوف نے عمر بھر بار بار کیا ہے۔ خصوصاً حضرت شاہ صاحب کی وفات حسرت آیات پر سہ روزہ الجمعیۃ (جون ۱۹۳۳ء) میں حضرت مفتی صاحبؒ نے خود اپنے قلم سے تعزیتی اداریہ سپرد قلم فرمایا ہے۔ جس میں اپنے دردِ دل کا اظہار کرنے کے علاوہ حضرت شاہ صاحب کی علمی عظمت کو نمایاں کیا ہے۔ افادیت

عام کے لئے اس اداریہ کے اقتباس کو ذیل میں درج کرنا غیر مناسب نہ ہوگا۔

آہ قدرت کے زبردست ہاتھ نے حضرت مولینا العلامہ الفاضل الکامل، اکمل العلماء، افضل الفضلاء النحریر المقدام البحر الطمطام رحلۃ العصر قدوۃ الدہر، استاذ الاساتذہ، رئیس الجہابذہ محدث وحید، مفسر فرید، یگانہ، ماہر علوم النقلیہ والعقلیہ مولانا انور شاہ قدس سرہ کو آغوش رحمت میں کھینچ لیا اور ہم سے ظاہری طور پر ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا۔ حضرت شاہ صاحب کی وفات بلاشبہ وقت حاضر کے کامل ترین عالم ربانی کی وفات ہے، جن کی نظیر مستقبل میں متوقع نہیں طبقۂ علماء میں حضرت شاہ صاحب کا تبحر، کمال فضل، ورع وتقوی اور جامعیت واستغنا مسلم تھا۔ موافق ومخالف ان کے سامنے تسلیم واختیار سے گردن جھکا دیتا تھا[1]۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے تلمیذ رشید مرحوم مولینا لائلپوری حضرت شاہ صاحب اور حضرت مفتی صاحب موصوف کے باہمی تعلقات کو بیان فرماتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

''حضرت مفتی صاحب سے ہمارے شاہ صاحب قدس سرہ کو بہت تعلق اور شغف تھا بہاولپور کے مقدمہ پر جب حضرت تشریف لے گئے، احقر بھی ہمراہ تھا، لاہور پہنچ کر فرمایا مولینا کفایت اللہ صاحب ملتان جیل میں ہیں ان سے ملکر آگے جانے کا خیال ہے۔ چنانچہ ملتان کا ٹکٹ لیا گیا اسٹیشن پر خدا کا مجمع استقبال کے لئے موجود تھا۔ شہر میں تشریف لے جاتے ہی تقاضہ فرمایا کہ ہمیں سنٹرل جیل مولینا سے ملاقات کرنا ہے۔ مجلس احرار کے کارکنوں نے اجازت حاصل کرنے کا انتظام کیا، احقر کو بھی ساتھ لیا، جیل تشریف لے گئے۔ حضرت مفتی صاحب کو جب معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب ملاقات کے لئے تشریف لائے، معانقہ مصافحہ ہوا۔ دیر تک آنسو بہاتے رہے، بار بار حضرت سے خیریت دریافت کرتے تھے۔ بڑی ہی مسرت کا اظہار فرمایا، احقر سے بار بار پیار فرماتے۔ پھر مولینا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی، مولینا قاری عبدالرحمٰن مرحوم، مولینا احمد سعید صاحب دہلوی، مولینا عبدالحلیم صاحب صدیقی، مولینا داؤد غزنوی، مظہر علی اظہر، چودہری افضل حق صاحبان یہ سب حضرات بھی چونکہ اس جیل میں نظر بند تھے اس لئے حضرت شاہ صاحب کی زیارت کے لئے جمع ہو گئے۔ عجیب مجلس تھی، مولینا داؤد صاحب غزنوی نے حضرت مفتی صاحب مرحوم کی وساطت سے حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا کہ وہ مفردات القرآن علامہ راغب اصبہانی کا اردو ترجمہ کرنا چاہتے ہیں،

---

[1] ...... ملاحظہ ہو حیات انور ص ۱۶۔

حضرت بہت خوش ہوئے اور مولینا کے دریافت کرنے پر بہت سی کتب کے نام نوٹ کروادیئے جن سے امداد لی جاسکے، زمانہ جیل میں علمی ودینی خدمات تحریری کے متعلق سب حضرات سے فرداً فرداً بھی گفتگو فرماتے رہے۔ ڈیڑھ گھنٹہ ملاقات رہی، آخر میں فرمایا کہ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حکومت نے جب جیل بھیجا تو آپ سے دریافت کیا گیا کہ شاگردوں میں کون صاحب زیادہ محبوب ہیں؟ آپ نے حافظ ابن قیم کا نام لیا، ان کو بھی ساتھ ہی نظر بند کردیا گیا۔ پوچھا گیا کسی چیز کی ضرورت ہو تو کہیے آپ نے کاغذ قلم اور دوات طلب کی یہ سامان دے دیا گیا۔ آپ نے لکھ لکھ کر سب کاغذات پر کردے اس کے بعد جیل کی دیواروں پر لکھنا شروع کردیا یہ حضرت مولینا کفایت اللہ مرحوم اور حضرت مولینا احمد سعید صاحب دہلوی کی طرف اشارہ تھا۔ کہ حضرت مفتی صاحب کے ساتھ ان کے محبوب شاگرد کو بھی نظر بند کردیا گیا"۔

حضرت مفتی صاحب جمعیۃ علماء ہند کی مجلس منتظمہ کا کوئی اجلاس کامیاب نہیں سمجھتے تھے جس میں حضرت شاہ صاحب کی شمولیت نہ ہو۔ اکثر مشاورت کے لئے خود دیوبند تشریف لاتے یا حضرت کو تار دیکر دہلی بلاتے۔ رسالہ فصل الخطاب فی مسئلۃ ام الکتاب جب مطبع قاسمی والوں نے جلد طبع کر کے نہ دیا تو کاپیاں احقر اور مولینا محمد ادریس صاحب سکروڑدی کے ہاتھ حضرت مفتی صاحب کے پاس دہلی بھیجیں تاکہ اپنی نگرانی میں طبع کرادیں [1]۔

حضرت شاہ صاحب اور حضرت مفتی صاحب رحمہما اللہ کے انتقال سے وہ نقصان ہوا جس کی تلافی مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ ان کی وفات سے تدریس حدیث وتفسیر تفہیم فقہ اور ارشاد وتلقین ہی یتیم نہیں ہوئے بلکہ سیاست وفتویٰ اور معاشرت واصلاح کے دو عظیم الشان حکیم بھی ہم سے رخصت ہوئے۔

"خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را"



[1] ملاحظہ ہو حیات انور ص ۳۰۶، ۳۰۷۔



حضرت شاہ صاحبؒ اور علامہ عثمانیؒ

(مرتبہ کونندو)

مفسر قرآن شارح صحیح مسلم اور مملکت پاکستان کے اولین شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ حضرت شاہ صاحبؒ کے رفیق خاص تھے باوجودیکہ وہ خود جید عالم وفاضل تھے لیکن بایں ہمہ حضرت شاہ صاحب سے انہوں نے کافی استفادہ کیا ہے جس کے وہ خود معترف ہیں۔ چنانچہ حضرت موصوف نے حضرت شاہ صاحب کی امالی فیض الباری علی صحیح البخاری پر جو تقریر تحریر فرمائی ہے اس میں آپ حضرت شاہ صاحب کی عظمت، علم حدیث اور علم فقہ میں ان کے علوم مرتبہ کا ذکر جمیل فرمانے کے بعد یوں رقمطراز ہیں:

میں نہ ان کے تلامذہ میں سے ہوں اور نہ میر ان کے ہم سبقوں میں شمار ہے۔ بس مجھے ان کی صحبتوں اور مجلسوں میں ان کے ساتھ مشکلات فن اور دقیق مسائل میں مذاکرہ سے ایک زمانہ دراز تک استفادہ کا موقع ملتا رہا ہے جو کہ میری کتاب فتح الملہم بشرح صحیح مسلم کا مطالعہ کریگا اس پر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی۔ (مقدمہ فیض الباری ۷۸)

بطور نمونہ اس سلسلے میں ہم ایک مثال پر اکتفا کریں گے۔ علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں ایک موقع پر حضرت محدث کشمیری کا ذکر خیر ان الفاظ میں کیا ہے:

سألت الشيخ العلامة النقى التقى الذى لم تر العيون مثله ولم يرهو مثل نفسه ولو كان فى سالف الزمان لكان له شان فى طبقة اهل العلم عظيم وهو سيدنا مولينا الانور الكشميرى ثم الديوبندى اطال الله بقائه عن تفسير اوائل سورة النجم وتحقيق رؤية النبى صلى الله عليه وسلم ربه فقر الشيخ تقريرا حسنا بليغا جامعالاشتات الروايات وأطواف الكلام منبها على اغرار القران فالتمست منه ان يقيده بالكتابه لتعم الفائدة فاستجاب الملتمس و علي الله اجره مع وجود الشواغل الكثيرة.

میں نے خدا ترس، پاک طینت شیخ العلامہ (انور شاہ) جن کا مثل ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھا ہے اگر وہ گزشتہ زمانے میں ہوتے تو اہل علم کے طبقہ میں ان کا بڑا مرتبہ ہوتا، وہ ہمارے سردار مولینا انور شاہ کشمیری ثم دیوبندی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں تادیر قائم رکھے۔ میں نے

ان سے سورۃ النجم کی ابتدائی آیتوں کی تفسیر اور رسالت مآب ﷺ کے دیدار الٰہی کی تحقیق کے متعلق درخواست کی تھی، جس کو انہوں نے شرف قبولیت بخشا اور نہایت نفیس اور فصیح و بلیغ تقریر کی۔ جس میں متفرق روایات اور بحث کے تمام گوشوں کو سمیٹ لیا ہے اور قرآن مجید کی گہرائیوں پر تنبیہ فرمائی ہے۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ اس کو قلمبند فرمائیں تا کہ اس سے فائدہ عام ہو جائے انہوں نے گونا گوں مشغلوں کے باوجود میری یہ بات بھی مان لی۔ اللہ تعالیٰ اس کا اجر دے ❶۔

حضرت شیخ الہند کی ہجرت واسارت اور آپ کے انتقال کے بعد صحیح بخاری اور جامع ترمذی کی تدریس حضرت شاہ صاحب کے لئے اور صحیح مسلم کی مولینا عثمانی کے لئے مخصوص تھی تمام اہل علم کا عقیدہ رہا ہے کہ اگر مولینا انور شاہ اپنے زمانہ کے بخاری تھے تو مولینا شبیر احمد عثمانی اپنے زمانہ کے مسلم تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے تلمیذ خاص مرحوم مولینا محمد ادریس کاندھلوی کا بیان ہے کہ:

''حضرت شاہ صاحبؒ علم کے بحر ذخار تھے مگر زبان میں کچھ لکنت تھی اور مولینا عثمانی نہایت فصیح اللسان تھے گویا کہ حضرت شاہ صاحب شان موسویؑ کا ایک پر تو تھے اور مولینا عثمان شان ہارونیؑ کا ایک عکس تھے جیسا کہ حدیث میں علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ حضرت ہارون فصیح اللسان تھے اور حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے وزیر اور مشیر تھے۔ اسی طرح حضرت مولینا عثمانیؒ علم میں حضرت شاہ صاحب کے وزیر اور قائم مقام تھے'' ❷۔

حضرت شاہ صاحب کی کتاب ''کشف الستر عن صلوۃ الوتر'' کے متعلق علامہ عثمانی تحریر فرماتے ہیں کہ۔

حضرت شاہ صاحب کی کتاب ''کشف الستر عن صلوۃ الوتر'' کی قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے لگا جب میں نے مسئلہ مذکور پر جتنی احادیث جمع کی جا سکیں جمع کیں اور ان کا مطالعہ کیا، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی تصانیف کو سمجھنے کے لئے کافی مطالعہ اور گہری نظر کی ضرورت ہے ❸۔

جن دنوں حضرت شاہ صاحب جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں درسی خدمات انجام دے رہے تھے اس دوران مولینا عثمانیؒ نے حضرت شاہ صاحب سے کافی استفادہ کیا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب کی امالی کے ایک بڑے امانتدار مؤلف انوار الباری مولینا سید احمد رضا صاحب کا بیان ہے کہ:

---

❶ ملاحظہ ہو فتح الملہم شرح صحیح مسلم ج ا ص ۳۳۵۔ ❷ ملاحظہ ہو حیات انور ص ۱۱۵، مضمون مولینا کاندھلوی

❸ ملاحظہ ہو سیرت انور ص ۵۵۲، حیات انور ص ۱۸۶

''راقم الحروف نے اپنے سولہ سالہ قیام مجلس علمی ڈابھیل کے عرصہ میں یہ اندازہ کیا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم وکمالات سے سب سے زیادہ استفادہ حضرت علامہ عثمانیؒ نے کیا تھا وہ حضرت سے تمام مشکلات میں رجوع فرماتے اور پھر کتابوں کا مطالعہ رات دن فرماتے تھے۔ آپ نے قرآن مجید کے (تفسیری) فوائد اور فتح الملہم میں حضرت شاہ صاحبؒ کے افادات بہ کثرت لئے ہیں'' ❶۔

حضرت شاہ صاحب سے اتنا استفادہ کرنے کے بعد ہی ایک بار مولینا مفتی محمود احمد صاحب سے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا!

''تمہیں ایک خوش خبری سناتا ہوں کہ مولینا شبیر احمد صاحب کو علم حدیث سے مناسبت ہوگئی ہے ❷''

اسی مختصر جملہ سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی علمی تحقیق کا مرتبہ کس قدر بلند تھا کہ حضرت مولینا عثمانیؒ جیسی جامع معقول ومنقول شخصیت کے لئے یہ الفاظ فرمانا جو دارالعلوم دیوبند میں حضرت شاہ صاحبؒ ہی کے زمانہ میں مسلم شریف کا درس دیا کرتے تھے اور کتاب الایمان کی درسی تقاریر میں تو ان کی غیر معمولی شہرت تھی۔

مولینا محمد ادریس صاحب سکھروڈوی تحریر فرماتے ہیں کہ جس دن حضرت شاہ صاحب کی وفات کا تار ڈابھیل پہنچا تو حضرت مولینا شبیر احمد صاحب پر بے صبر اور غم کے آثار زیادہ نمایاں تھے۔ بے ساختہ چیخیں اور دھاڑے مار مار کر رو رہے تھے اور فرما رہے تھے۔ آہ ہمارے لئے موجب تسکین وطمانیت کون ہے کس کے پاس جا کر اب تسکین خاطر کریں گے کس سے اپنی علمی اشکالات حل کرائیں گے۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو رنج وغم کا پہاڑ مولینا شبیر احمد صاحب پر گرا ہے وہ رنج وغم کسی دوسرے کو نہیں ❸۔

حضرت شاہ صاحب کی رحلت پر تقریر تعزیت میں علامہ عثمانی نے اپنے شفیق محترم اور رفیق خاص کو جن الفاظ میں خراج تحسین ادا کیا ہے اس سے نہ صرف قارئین کرام کو حضرت شاہ صاحب

❶ ...... ملاحظہ ہو مقدمہ انوار الباری حصہ دوم ص ۲۳۹ و نفحۃ العنبر ص ۹۔ ❷ ...... ملاحظہ ہو نفحۃ العنبر جلد ا ص ۹۔

❸ ...... ملاحظہ ہو حیات انور ص ۳۲۷ مضمون مولینا سکھروڈوی

نوٹ: مولف نفحۃ العنبر نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ دوران تقریر طالبعلموں سے خطاب کرتے ہوئے مولینا عثمانی نے یہ بھی فرمایا کہ: ''حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات سے تم لوگ یتیم نہیں ہوئے بلکہ ہم جیسے پڑھانے والے یتیم ہوگئے ہیں، کیونکہ تمہارے لئے خدا کے فضل سے ہم بھی کافی ہیں'' کوندہ

کی قدر و منزلت کا اندازہ لگانے میں سہولت ہوگی بلکہ حضرت شاہ صاحب اور مولینا عثمانی کے باہمی تعلقات کو بھی بیان کرنا ہمارے لئے آسان ہوگا۔

چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"مجھ سے اگر مصر و شام کا کوئی آدمی پوچھتا کہ کیا تم نے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، شیخ تقی الدین ابن دقیق العید اور سلطان العلماء حضرت شیخ عزالدین بن عبدالسلام کو دیکھا ہے؟ تو میں استعارہ کر کے کہہ سکتا تھا کہ ہاں دیکھا ہے کیونکہ صرف زمانہ کا تقدم و تاخر ہے ورنہ اگر حضرت شاہ صاحب بھی چھٹی یا ساتویں صدی میں ہوتے تو اسی طرح آپ کے مناقب و محامد بھی اوراق تاریخ کا گرانقدر سرمایہ ہوتے میں محسوس کر رہا ہوں کہ حافظ ابن حجر الشیخ تقی الدین اور سلطان العلماء کا آج انتقال ہو رہا ہے" (1)

حضرت شاہ صاحب کے بڑے صاحبزادے مولینا ازہر صاحب نے اپنی ایک تازہ تصنیف میں مولینا عثمانی کا ذکر خیر کرنے کے بعد ایک جگہ حضرت موصوف کی زبان سے نکلے ہوئے چند فلسفیانہ جملے بھی نقل کئے ہیں جو واقعی آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

"سکون و راحت انسانی زندگی کے سب سے بڑے دشمن ہیں، ممکن ہے کہ سانپ انسان کا سب سے بڑا دشمن ہوتے ہوئے بھی کسی وقت انسان سے اچھا سلوک کرے اور اسے کاٹ لینے سے رک جائے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ زہر انسان پر اثر نہ کرے اور انسان زہر کھا لینے کے بعد بھی زندہ رہے مگر ایسا نہیں ہو سکتا کہ جو قوم اور جو طبقہ تن آسانی اور راحت پسندی کا خوگر ہو جائے اور جہد و کشمکش سے جان چرانے لگے اسے قدرت عزت کی کوئی زندگی اور زندگی کی کوئی ایک لمحہ بھی عنایت فرما دے عیش طلبی اور انسانی زندگی کا باہم کوئی تعلق نہیں۔ زندگی میں عیش کا تصور و تلاش انسان کے لئے ایک لاعلاج مرض ہے۔ اور عیش و راحت کی موجودگی انسانیت کے ناموس و عزت کے لئے موت کا پیغام ہے۔" (2)



---

(1) ملاحظہ ہو حیات انور ص ۲۱، سیرت انور ۴۸، مقدمہ انوار الباری وغیرہ۔ (2) ملاحظہ ہو "یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ" ص ۱۳۔

حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت مولینا بخاریؒ

مولینا ازہر شاہ صاحب قیصر کے قلم سے

مولینا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ۱۹۱۹ء سے لیکر ۱۹۴۷ تک کشمیر سے راس کماری تک ہر صوبہ ہر شہر اور ہر بستی میں چیختا اور چلاتا روتا رلاتا ہنستا بولتا اور گرجتا برستا رہا۔ شاید ہی کوئی شہر ہو جس کی فضاؤں میں بخاریؒ کی تقریروں کی روانی ایک پوشیدہ قوت بن کر جاگزین نہ ہو۔ ہندوستان کے مسلمان بخاری کو بھول جائیں مگر یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان میں جب کوئی مسلمان کسی پریشانی سے رویا ہے تو عطاء اللہ شاہ کے آنسوؤں نے اس کا ساتھ دیا ہے، جب بھی کسی مظلوم نے اسے آواز دی ہے تو وہ سینہ تان کر اس کی حمایت میں سامنے آگیا ہے، گجرات، ملتان، دہلی، علی پور (بنگال) لاہور، امرتسر کی جیلیں اس کی یادگار ہیں۔ آج نہ سہی ایک وقت ضرور آئیگا جب آنے والی نسلیں ان جیلوں کو بخاری کی قیام گاہ کی حیثیت سے آثار قدیمہ میں شامل کر دیں گی۔

آج تاج محل مغل آرٹ کا ایک نشان اور ہندوستان کی عظمت کا ایک باوقار نمونہ ہے، وقت مجبور کریگا کہ امرتسر اور ملتان میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مکانات کو اپنی تاریخ حریت کی یادگار کے طور پر محفوظ کیا جائے

لاہور کے ایک جلسہ میں پیغمبر برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرنے والے ایک مصنف کے خلاف احتجاج کیا جارہا تھا۔ لاکھوں مجمع نجاری نے کہا: وہ دیکھو سامنے خدیجۃ الکبریٰ کھڑی شکایت کر رہی ہیں کہ میرے شوہر نامدار کی توہین کی گئی اور مسلمانوں میں سے ایک بھی نہ بولا لو وہ سنو فاطمہ زہراؓ فرماتی ہیں کہ میرے ابا جان کی بے عزتی کی گئی اور ان کی امت نے کچھ نہ کیا تو لاکھوں کے اس مجمع کی چیخیں نکل گئیں اور سینکڑوں مسلمان عورتوں نے اپنے شیر خوار بچوں کو شاہ کے سامنے پھینک دیا کہ ہم اپنے جگر گوشوں کو ناموس رسولؐ پر قربان کرتی ہیں کوئی اور بھی اگر ایسا جادو بیان خطیب ہو تو مجھے بتاؤ۔

آپ نے سنا ہوگا کہ ۱۹۲۰ء یا ۱۹۳۲ء میں گاندھی جی نے میرے والد مرحوم سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی، مگر انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں گوشہ نشین فقیر لیڈروں سے ملنے کا سلیقہ نہیں رکھتا۔

نظام حیدر آباد نے انہیں گھیر گھار کر اپنے یہاں بلایا۔ کہتے ہیں کہ نظام ترجمہ قرآن کے سلسلے میں ابا جی سے کوئی علمی خدمت لینا چاہتے تھے اور اس کام کے لئے لاکھوں روپیہ خرچ کرنے کے

لئے تیار تھے۔ مگر اباجی نے کہا کہ میں پیسہ لیکر قرآن کی کوئی خدمت کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا آپ اس کام سے مجھے معذور سمجھیں۔ آپ ان افکار و آراء سے اس نتیجہ پر پہنچ سکیں گے کہ اباجی جیسے غیر دنیادار آدمی کا کسی کی دنیاداری سے مرعوب ہونا واقعی مشکل تھا مگر حضرت شاہ صاحب، مولینا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے سوجان سے دیوانے تھے۔ ہر وقت ان ہی کا حال پوچھتے رہتے تھے۔ کتاب سے فراغت ہوئی، چارپائی پر سنبھل کر بیٹھ گئے۔ سادہ چائے آئی اس کا دور چلا۔ سامنے میرے ماموں جناب حکیم سید محفوظ علی صاحب یا مولینا حفظ الرحمٰن صاحب، مولینا محمد ادریس صاحب، مولینا عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی ہوئے اور اباجی نے سلسلہ کلام شروع کردیا۔

> ''کیوں مولوی صاحب! ہم عطاء اللہ شاہ کو اگر سب کاموں سے ہٹا کر صرف تردید قادیانیت پر لگادیں تو کیسا رہے گا؟'' مولوی صاحب! یہ صاحب واقعی مخلص ہیں بہت محنتی اور بہت زیادہ بہادر۔ انہوں نے پنجاب میں چند تقریریں کرکے قادیانیت کے خلاف ایک عام جذبۂ ناراضگی پیدا کردیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر انہوں نے اسی طرح محنت سے کام کیا تو قادیانیت ان شاءاللہ ختم ہوجائے گی''۔

جن دنوں انجمن خدام الدین کے جلسہ میں اباجی نے شاہ جی۔ کے ہاتھ پر بیعت کی ان دنوں شاید اخبار ''انقلاب'' لاہور میں ایک نظم نکلی تھی جسے اس زمانہ کے مشہور اخبار ''سیاست'' (لاہور) نے بھی خوب مزے لے لے کر چھاپا تھا، اس کے پہلے چند اشعار میں تو نمک کے محصول کے سلسلہ میں اباجی کے ایک مشہور فتوی کا مذاق اڑایا تھا۔ اور اس فتوی کا اس زمانہ میں اس وجہ سے بہت چرچا ہوگیا تھا کیونکہ گاندھی جی نے اس فتوے کو سامنے رکھ کر نمک سازی کی اپنی مشہور تحریک شروع کی تھی۔

اس نظم میں اباجی کی بیعت کا ذکر یوں کیا گیا تھا

کی ہے اک شاگرد کی استاد نے بیعت قبول
بڑھ گیا ہے مہر سے کس درجہ رتبہ ماہ کا
انقلاب آسمان دیکھو کہ اک ادنی مرید
پیر انور شاہ جیسا ہے عطاء اللہ کا

اور بادی النظر میں یہ بات واقعی حیرت انگیز تھی کہ اباجی، شاہ جی کی بیعت کریں، مگر یہاں ''میاں عاشق و معشوق رمزیست'' کا معاملہ تھا کسی کو کچھ پتہ نہیں چلا کہ مرشد نے مرید میں کیا جوہر دیکھے اور کیوں اس کے ہاتھ پر بیعت کی، ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ شاہ جی کا نام آیا اور اباجی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی کسی نے شاہ جی کی تعریف کی تو خوش ہوگئے اور کسی نے شاہ جی کو برا کہا تو بگڑ گئے۔

ابا جی کو اخبار پڑھنے کی کبھی عادت نہ تھی مگر صرف شاہ جی کی خبریں معلوم کرنے کے لئے اخبار پڑھنے والوں سے جب خیال آجاتا تو پوچھتے کہ بھائی شاہ جی کی کوئی خبر ہے؟ کہیں تقریر کی ہے یا نہیں؟ کہاں ہیں؟ ادھر دیو بند کی طرف تو آنے کی خبر نہیں؟''

اللہ اللہ محبت وشفقت کا کیا عالم تھا، ایک دفعہ اس طرح مجھ سے پوچھ رہے تھے۔ کہ آج اخبار میں شاہ جی کی کوئی خبر تھی کہ نہیں؟ میں نے جھنجھلا کر کہا کوئی نہیں؟ فرمایا کہ ''الجمعیۃ بھی دیکھا تھا یا نہیں؟'' میں نے کہا دیکھا تھا۔ اس میں بھی کوئی خبر نہیں تھی، ارشاد ہوا اور زمیندار؟ میں اس کھود کرید سے تنگ آ گیا تھا لپک کر بولا کہ جی اس میں خبر تھی کہ شاہ جی گرفتار ہو گئے؟ میری آنکھوں کے سامنے سالہا سال پہلے کا نقشہ جوں کا توں موجود ہے، اس طرح کہ گویا یہ واقعہ آج ہی ہوا ہے، ابا جی چارپائی پر اپنے کھردرے بستر پر لیٹے ہوئے تھے یہ سنتے ہی اٹھ بیٹھے، گھبرا کر پوچھا کہ گرفتار ہو گئے! کہاں گرفتار ہو گئے؟ بھائی کیا معاملہ ہوا ذرا تفصیل سے سناؤ۔ ان کے گھبرا کر اٹھ بیٹھنے اور اس طرح سوالات کرنے سے مجھے احساس ہوا کہ میرا یہ جھوٹ ابا جی کے لئے بدرجہ غایت تکلیف دہ ہوگا۔ یہاں تو محض دفع الوقتی کے لئے جھوٹ بولا تھا۔ مگر اب یہ جھوٹ جان لے کر رہیگا۔ پریشان ہوا کہ آخر کیا کروں اور دل نے فوراً یہ فیصلہ کیا کہ اس شاندار جھوٹ کو واپس لے لینے میں ہی عافیت ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں تو ویسے ہی مذاق میں کہہ رہا تھا۔ شاہ جی کہیں گرفتار نہیں ہوئے۔ ۱۴ مئی کو دہلی میں جلسہ ہے۔ شاہ جی اس جلسہ کی شرکت کے لئے دہلی آنے والے ہیں۔

بے ساختہ فرمانے لگے کہ نعوذ باللہ جھوٹ کسی ضرورت اور حاجت سے بولا جاتا ہے، آپ کچھ عجیب طرح کے آدمی معلوم ہوتے ہیں، بظاہر یہ جھوٹ بولنے میں آپ کا کوئی نفع نہیں تھا۔ مگر آپ نے بے ساختہ جھوٹ بولا گویا آپ ضرورۃً نہیں بلکہ عادۃً جھوٹ بولتے ہیں حق تعالیٰ آپ کو ہدایت فرمائے آپ کو نیک عمل کی توفیق دے، آپ کا حال تو ہمارے نزدیک بہت افسوسناک ہوتا جا رہا ہے۔

قادیانیت کے سلسلہ میں شاہ جی نے جتنا کام کیا وہ سب ابا جی کے اشارہ وارشاد پر کیا۔ شاہ جی کی تقریریں پسند کی جاتیں تو ابا جی کا سیروں خون بڑھتا وہ تردید قادیانیت کے لئے لمبے لمبے دورے کرتے تو ابا جی کی نگاہ ان کے ہر قدم پر رہتی۔ ڈابھیل کی مسجد مدرسہ میں ابا جی کا معمول تھا کہ جمعہ کو تقریر فرمایا کرتے۔ ایسی تقریر جس میں صرف مغز ہی مغز ہوتا تھا۔ الفاظ بالکل نہیں نہ کوئی ابتداء ہوتی تھی اور نہ انتہا تقریر ختم کر چکے۔ مجمع اٹھ گیا، خود منبر سے اتر آئے مگر کوئی بات پھر ذہن میں آ گئی تو دوبارہ پھر منبر پر جا بیٹھتے اور تقریر شروع فرما دی۔ ایک دفعہ خطبۂ مسنونہ کے بعد صرف یہی مضمون بیان ہوا کہ پنجاب میں ایک صاحب ہمیں مل گئے ہیں۔ صاحب توفیق، صاحب

صلاحیت، صاحب سواد، خوب کام کرتے ہیں، مولویوں کی طرح نہ خواہش زر میں مبتلا ہیں اور نہ خواہش شہرت میں بس بے چارہ محض اللہ کے لئے کام کئے جاتے ہیں ہم نے قادیانیت کے متعلق انہیں توجہ دلائی کہ یہ فتنہ عظیم اسلام کو جڑ سمیت اکھاڑ پھینکنے کا ارادہ کر بیٹھا ہے۔ آپ کیوں نہ اس فتنہ کے خلاف کچھ کام کر گزریں آپ کا وہ کام دین میں آپ کے لئے نفع رساں ہوگا اور دنیا میں اس سے اہل دین کو فایدہ پہنچے گا۔ یہ کہہ کر پھر شاہ جی کا نام لیا فرمایا کہ بڑوں بڑوں سے جو کام نہ ہوا، وہ اس غریب نے کر دکھایا۔ (طلباء کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) ''آپ تو مدرسہ کی روٹیاں کھا کر ہر وقت بحث و مباحثہ میں لگے رہتے ہیں دین کی کوئی محبت آپ حضرات کے دل میں نہیں، عطاء اللہ شاہ اگر یہاں آگئے تو آپ ان سے ملئے وہ عجیب آدمی ہیں۔

میرے خیال میں اباجی کے ان ہی الفاظ کو سامنے رکھ کر حفیظ جالندھری نے ایک دفعہ کہا تھا کہ دور اول کے مجاہدین اسلام کے گروہ سے ایک سپاہی راستہ بھول کر اس زمانہ میں آنکلا ہے۔ وہی سادگی مشقت پسندی، یکسر علم، اخلاص اور للّٰہیت جو ان میں تھی وہ عطاء اللہ شاہ میں بھی ہے۔

بہر حال جن بزرگوں کے یہ قصے ہیں وہ بزرگ اب مدت ہوئی نظروں سے ایک جلوۂ بے قرار کی طرح اوجھل ہو گئے وہ بزرگ اپنے اپنے وقت پر علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے مگر آج تو خاک مزار کے سوا ان کا کوئی نشان نہیں ملتا، پہلے کبھی اباجی کی مجلس میں حقائق دین کی گرہیں کھلتیں اور فکر و نظر کے لئے نئے سانچے تیار ہوتے تھے جن پر ان کی نظر پڑ جاتی تھی وہی کام کا آدمی بن جاتا تھا جو قدموں میں آکر بیٹھتا تھا وہی کچھ لے کر جاتا تھا مگر آج ان کے مزار پر خاموشی اور سکون کے سوا اور کیا ہے۔

۷۳ سال کی عمر پوری کر کے عطاء اللہ شاہ صاحب نے ۲۱ اگست کی شام کو جان جان آفرین کے سپرد کی۔ اور ۲۲ کو بعد ظہر تقریر و خطابت کے اس بادشاہ کو منوں مٹی کے نیچے دبا دیا گیا، شاہ کی موت پر ایک تاریخ ختم ہوگئی ایک عہد گزر گیا ایک دور پورا ہوگیا، ایک چمن اجڑ گیا ایک بہار لٹ گئی، تقریر و خطابت کی رونق ختم ہوگئی جرأت و شجاعت کا شیرازہ بکھر گیا اور خلوص و دیانت پر افسردگی چھا گئی اب نہ کبھی شاہ صاحب نظر آئیں گے، نہ ان کی تقریریں سننے کا موقع ملے گا، لیکن جب بادل گرجے گا، بجلی چمکے گی، موسلا دھار بارش ہوگی، طوفان اور سیلاب آئیں گے جب کبھی صبح ہوگی اور جب کبھی شام آئے گی۔ جب کبھی پھول کھلیں گے اور کلیاں مسکرائیں گی۔ جب کبھی باد صبا پھولوں اور کلیوں سے چھیڑ چھاڑ کرتی چمن سے گزرے گی۔ جب کبھی کوئی قرآن پڑھے گا اور جب کوئی رات کی آخری اور خنک ساعتوں میں لاکھوں اور ہزاروں کے مجمع کے سامنے تقریر

کریگا، جب کوئی جرم حق گوئی کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتوں سے گزرے گا، جب کوئی مردِ حق اللہ اور اس کے رسول کی عظمت کے لئے اپنے جسم و جان کا نذرانہ وقت کے کسی ظالم اور قاہر کے سامنے پیش کرے گا مجھے اس وقت سید عطاء اللہ شاہ بخاری ضرور یاد آئیں گے کہ ان سب چیزوں میں مجھے عطاء اللہ شاہ بخاری کی شہادت ملے گی۔ عطاء اللہ شاہ کی کچھ ادھوری سی نقل سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی ۷۳ سالہ مجاہدانہ زندگی اسکے خلوص و دیانت اس کی تقریر و شعلہ بیانی، اس کی حسین جوانی اس کے پروقار بڑھاپے کو اس کے لاکھوں عقیدت مندوں کی طرف سے ہزاروں سلام۔

رحمة الله رحمة واسعة وغفرله الله مغفرة كاملة

☆☆☆☆☆☆☆

حضرت شاہ صاحبؒ اور علامہ علی حنبلی مصریؒ

(مرتبہ کوندو)

علامہ محدث علی حنبلی مصری جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے مشہور حافظ تھے، مصر سے سورت و رانڈیر آئے اور وہاں سے دہلی مولوی عبدالوہاب صاحب مشہور اہل حدیث عالم کے پاس پہنچے، اوقات نماز کے متعلق ان سے مناظرہ ہوگیا اور مولوی عبدالوہاب صاحب نے طیش میں آکر ان کو اپنے یہاں سے نکلوا دیا۔ رانڈیر میں حضرت مولینا مفتی سید مہدی حسن صاحب نے محدث مصری کو مشورہ دیا تھا کہ آپ دیوبند کا دارالعلوم بھی ضرور دیکھیں۔ دہلی میں بھی کچھ لوگوں نے دیوبند کا مشورہ دیا مگر مایوس و پریشان تھے۔ کہنے لگے جب اہل حدیث نے میرے ساتھ ایسا معاملہ کیا حالانکہ ان کا مذہب حنابلہ سے قریب تر ہے، تو احناف کا مرکز ہے، وہاں خدا جانے کیا سلوک ہوگا، مگر لوگوں نے اطمینان دلایا۔ چنانچہ فیصلہ کیا کہ کچھ بھی ہو لیکن دیوبند جانا ہی پڑے گا۔ قبل ظہر دیوبند پہنچے۔ ظہر کی نماز دارالعلوم کی مسجد میں پڑھی۔ حضرت مولینا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم مہمانوں کا بہت تفقد کیا کرتے تھے اور نمازوں میں بھی دیکھا کرتے تھے کہ کوئی نیا آدمی باہر کا مدرسہ کا مہمان ہو تو اس کے حسب حال قیام و طعام وغیرہ کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے علامہ علی کو نووارد دیکھ کر ان کا بھی خیر مقدم کیا، مہمان خانہ میں ٹھہرایا خاطر مدارات کی اور عرب طلبہ کو جو اس وقت دارالعلوم میں پڑھتے تھے بلوا کر علامہ سے ملوایا تاکہ زیادہ مانوس و منبسط ہو جائیں۔ علامہ پر ان چیزوں کا بڑا اثر ہوا۔ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ علمائے دیوبند تو بڑے مہمان نواز اور کریم النفس ہیں، یہ لوگ صحابہ کرامؓ کے قدم بقدم چلنے والے اور متبع سنت معلوم ہوتے ہیں۔ مولوی محمد یحیٰی یمنی (متعلم دارالعلوم) نے کہا کہ یہ لوگ علوم

وفنون میں بھی فائق الاقران ہیں۔ علامہ نے کہا یہ بات تو میں ماننے کو تیار نہیں کیونکہ "ھم اعجام" یعنی یہ بے چارے تو عجمی ہیں۔ عصر کی نماز کے بعد چند عرب طلبہ علامہ موصوف کو مزارات اکابر کی طرف لے گئے۔ ایک صاحب نے علامہ کو القاسم کا وہ نمبر دیا جس میں حضرت شاہ صاحبؒ کا عربی قصیدہ (مرثیہ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ) شائع ہوا تھا۔ علامہ نے چالیس ابیات کا فصیح وبلیغ مرثیہ مذکورہ پڑھ کر فوراً کہا کہ "انی تبت من اعتقادی" یعنی میں نے اپنے خیال سے رجوع کرلیا، اس قصیدہ سے زمانہ قبل از اسلام کے شعراء کی فصاحت وبلاغت مہک رہی ہے۔ نہایت بلیغ کلام ہے اور جس صاحب کا یہ کلام ہے میں اس عالم کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ سے سرسری ملاقات ہوئی اور اگلے دن صبح کے وقت محدث مصری نے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا درس صحیح مسلم سنا اور اثناء درس میں کچھ اعتراضات کیے۔ حضرت مولینا عثمانی نے مہمان کی رعایت سے پورا درس عربی میں دیا۔ اور علامہ مصری کے جوابات بھی عربی میں دیتے رہے۔ علامہ متاثر ہوئے اور مولوی محمد یحییٰ یمنی سے فرمایا کہ یہ شخص بہت بڑا عالم دین ہے۔ اگرچہ بعض مسائل میں میری تسلی نہ ہوسکی۔ اس کے بعد بخاری شریف کے درس میں پہنچے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی پورا درس آپ کی رعایت سے عربی میں دیا۔ علامہ وہاں بھی اثناء درس میں سوالات کرتے اور شاہ صاحب جوابات دیتے رہے۔ درس کے بعد علامہ نے کہا کہ میں نے عرب ممالک کا سفر کیا اور علماء زمانہ سے ملا خود بھی میں نے مصر میں کئی سال حدیث کا درس دیا، ہر جگہ کے علماء سے حدیثی مباحث کئے ہیں مگر میں نے اب تک اس شان کا کوئی محدث عالم نہیں دیکھا، میں نے ان کو ہر طرح بند کرنے کی سعی کی لیکن ان کے استحضار علوم، تیقظ، حفظ واتقان، ذکاوت اور وسعت نظر سے حیران رہ گیا۔ (مولینا حکیم اعظم علی صاحب بجنوری مرحوم نے یہ اضافہ بھی کیا کہ علامہ نے یہ بھی فرمایا:) "میں نے شاہ صاحبؒ کے علاوہ اس درجہ کا کوئی عالم نہیں دیکھا جو امام بخاری حافظ ابن حجر، علامہ ابن تیمیہ، ابن حزم اور شوکانی وغیرہم کے نظروں پر تنقیدی نظیر محاکمہ کرسکتا ہو اور ان حضرات کی جلالت قدر کا پورا لحاظ رکھ کر بحث وتحقیق کا حق ادا کرسکے۔

علامہ نے دار العلوم میں تین ہفتے قیام کیا اور حضرت شاہ صاحب سے برابر استفادہ کرتے رہے اور سند حدیث بھی حضرت سے حاصل کی۔ علامہ علیؒ یہاں تک کہنے لگے۔ لو حلفت انه اعلم من ابی حنیفة لما حنثت۔ اگر میں قسم کھالیتا کہ شاہ صاحبؒ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ علم رکھتے ہیں تو میں حانث نہ ہوتا۔" حضرت شاہ صاحب کو پتہ چلا تو سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا، ہمیں امام کے مدراک اجتہاد تک قطعاً رسائی نہیں ہے۔

دیوبند سے علامہ کے واپس مصر ہونے پر درسگاہ نو درہ میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا، حضرت شاہ صاحبؒ نے عربی میں تقریر فرمائی۔ علامہ نے بھی جوابی تقریر فرمائی، حضرات دیوبند کے مکارم اخلاق، مہمان نوازی، تقویٰ وطہارت، بالخصوص علوم نبوی کی اشاعت وخدمت پر اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا اور کہا کہ اگر میں دارالعلوم دیوبند میں حاضر نہ ہوتا ان فیوض وبرکات سے محروم جاتا جو مجھے یہاں حاضری پر نصیب ہوئے فرمایا، میں چونکہ حنبلی مذہب سے تعلق رکھتا ہوں اور حدیث لا تشد والرحال الا الی ثلثۃ مساجد (نماز کی فضیلت کے حصول کے لئے تین مساجد کے علاوہ سفر نہ کرو) کے پیش نظر مجھے خوف تھا کہ اگر قیامت میں سوال ہوا کہ تم نے یہ سفر کیوں کیا تو میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ لیکن اب بفضلہ تعالیٰ امید قوی ہے کہ یہ میرا سفر عبادت میں گنا جائے گا کہ میں نے ایسی مقدس درسگاہ کی زیارت کی اور مولینا محمد انور شاہ جیسے محدث اور بزرگان دین کے علوم سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل کیا۔ واپسی پر راندیر میں مولینا مہدی حسن صاحب سے پھر ملاقات ہوئی۔ دیوبند کے تمام واقعات وحالات سنائے۔ فرمانے لگے کہ مجھے حیرت ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ اتنے بڑے عالم اور امام وقت ہوکر بھی امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں مفتی صاحب نے فرمایا کہ اس سے ہی آپ امام صاحبؒ کے علوم کا اندازہ کریں۔

مصر پہنچ کر علامہ نے وہاں کے رسائل میں اپنا سفرنامہ شائع کیا اور علماء دیوبند کے کمالات علمی وعملی پر بھی ایک طویل مقالہ لکھا ٥۔



٥ — اختصار کے ساتھ ملاحظہ ہو مقدمہ انوار الباری، حصہ دوم ص ۲۲۲، ۲۲۳ وحیات انور ص ۳۱۶-۳۱۷

حضرت شاہ صاحبؒ اور مولینا آزادؒ

(مرتبہ کو ندو)

۱۹۱۸ء کے بعد جب کہ شیخ الہند حضرت مولینا محمود الحسنؒ ابھی مالٹہ میں نظر بند تھے اور مولینا آزاد و علی برادران اور دیگر مجاہدین حریت ہندوستان کے جیل خانوں میں اسارت کے دن گزار رہے تھے۔ اپریل ۱۹۱۹ء میں پنجاب میں امرتسر کے جلیانوالہ باغ کے قتل عام اور لاہور کے مارشل لاء وغیرہ کے واقعات نے ملک بھر میں زلزلہ ڈالکر ہر حساس دل کو سربکف ہوجانے پر اکسایا جس سے کانگریس میں نئی جان پڑی اور اس کی اعانت کے لئے مجلس خلافت اور جمعیۃ العلماء ہند جیسی تنظیمیں معرض وجود میں آئیں جنہوں نے مسلمانان ہند خاصکر مسلمانوں کے علماء کو جدوجہد آزادی کی صف اول میں لاکھڑا کیا۔ مجلس خلافت سے بھی زیادہ جس تنظیم نے ہندوستان بھر کے مسلمانوں کے ذہین ترین عنصر کو ایک دوسرے سے متعارف ومعاون کرانے میں موثر حصہ ادا کیا وہ جمعیۃ العلماء ہند کا پلیٹ فارم تھا۔ اس تنظیم کے پہلے صدر مولینا عبد الباری فرنگی محلی تھے۔ اس کا دوسرا اجلاس جو لاہور میں منعقد ہوا اس کی صدارت مولینا ابوالکلام آزاد نے کی اسی طرح جمعیت کا ایک اور اجلاس کلکتہ میں ہوا اور اس کی صدارت مولینا سید سلیمان ندویؒ نے کی اور تمام حریت نواز علماء کی طرح حضرت مولینا انور شاہ صاحب کشمیری بھی جمعیۃ العلماء ہند کی صف اول کے رہنما تھے۔ اور جمعیۃ العلماء جو اپنے طریق کار کو کتاب اللہ اور سنت رسول کے منہاج کے مطابق رکھنے کی مدعی تھی اس کو قدم قدم پر حضرت شاہ صاحب کے فیوض سے استفادہ کرنا پڑتا تھا۔ اور ۱۹۲۷ء میں تو جمعیۃ العلماء کے پشاور والے اجلاس میں جب آزادی کامل اور انگریزی راج کے خاتمہ کو جمعیۃ نے اپنا نصب العین قرار دیا تو اس وقت جمعیۃ کے سالانہ اجلاس کے صدر حضرت شاہ صاحب ہی تھے۔ اور اس اجلاس میں حضرت شاہ صاحب نے وہ تاریخی خطبہ صدارت ارشاد فرمایا جو جمعیۃ العلماء کے خطبات میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور جس کی تازگی آج بھی مفکرین ومدبرین سے خراج تحسین وصول کرتی ہے۔

یہ تمہیدی کلمات عرض کرنے سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب اور مولینا آزاد جمعیۃ العلماء ہند جیسی عظیم الشان تنظیم کے ساتھ اس کے ابتدائی دور سے وابستہ چلے آتے تھے اور اس دور ا... معلوم آپ علمی رموز ودقائق کی کن کن گتھیوں کو بھی سلجھاتے ہوں گے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے متعلق مولینا آزاد مرحوم کیا رائے رکھتے تھے اور آپ کی بے پناہ علمی صلاحیتوں کے کس قدر معترف اور قدردان تھے اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ کلکتہ میں مولینا آزاد نے جو دینی مدرسہ قائم کیا تھا اس میں اونچے علوم کے شائقین کا جب ہجوم ہو گیا تو درس حدیث دینے کے لئے مولینا آزاد حضرت شاہ صاحب کو بلانے پر مصر ہوئے۔ چنانچہ آپ نے براہ راست حضرت شیخ الہندؒ سے یہ مطالبہ کیا کہ کلکتہ کے مدرسہ کے لئے مولینا انور شاہؒ کی خدمات عطا کی جائیں، مگر مولینا آزاد اس میں کامیاب نہ ہوئے۔ اس کی وضاحت حضرت مولینا مدنی کی کتاب ''نقش حیات'' کے حسب ذیل اقتباس سے ہو جاتی ہے:

''حضرت (شیخ الہند) رحمۃ اللہ علیہ کے قیام دہلی کے زمانہ میں مولینا عبداللہ مصری جو کہ دراصل الٰہ آباد کے باشندے ہیں، اور مصر میں عرصہ تک ایام طالب علمی میں اقامت کرنے کی وجہ سے مصری مشہور ہو گئے ہیں۔ جناب مولینا ابوالکلام صاحب کے بھیجے ہوئے کلکتہ سے تشریف لائے اور مولینا موصوف کا خط لائے جس میں یہ مطالبہ تھا کہ چونکہ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے طلباء نے ترک موالات کی تحریک پر مدرسہ عالیہ سے علیحدگی کر لی ہے اور چاہتے ہیں کہ کلکتہ میں ایک آزاد اور نیشنل مدرسہ عالیہ قائم کر دیا جائے۔ خلافت کمیٹی کے اراکین اس کی سرپرستی کریں اس لئے ضروری ہے کہ ایک ایسا مدرس جو کہ علم حدیث کی کتابیں پڑھا سکے جلد بھیج دیا جائے تاکہ وہ اوپر کے طلبہ کو پڑھا سکے اور مشہور ومعروف ہو، خلافت کمیٹی اس کی کفالت کرے گی، ضرورت ہے کہ مولینا انور شاہ صاحب کو یہاں بھیج دیجئے، حضرت نے کہا کہ شاہ صاحب (مرحوم) تو دارالعلوم دیوبند چھوڑ نہیں سکتے مگر ہم دوسرا شخص دیں گے جو کہ تمام کتب حدیث کی تعلیم دے سکتا ہو اور اس کو تجربہ اور شہرت حاصل ہو۔الخ [1]

مرد مجاہد مولینا مدنی مرحوم کے متذکرہ صدر بیان سے بیک وقت دو اہم باتوں کا انکشاف ہوا ہے ایک یہ کہ مولینا آزاد مدرسہ عالیہ کلکتہ [2] کے لئے حضرت شاہ صاحب کو سب پر ترجیح دیتے تھے۔ لہٰذا اس سے صاف ظاہر ہے کہ مولینا آزاد حضرت شاہ صاحب کی علمی صلاحیتوں کے معترف اور جوہر دوں کے شناسا تھے۔

دوم اس سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوتی ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ نے ۱۹۱۵ء میں سفر حجاز پر روانہ ہونے کے وقت جس طرح حضرت شاہ صاحب کو اپنی جانشینی کے لئے منتخب کیا تھا ۱۹۲۰ء میں اپنی وفات سے قبل بھی اسی طرح اپنی جانشینی کے قابل صرف آپ ہی کی ذات کو یقین کرتے تھے۔ اسی

---

[1] ملاحظہ ہو نقش حیات جلد دوم ۱۶۱، ۱۶۲۔ [2] یہ مدرسہ کلکتہ کی ناخدا مسجد میں قائم ہو گیا تھا۔ اور مولینا عبدالرزاق ملیح آبادی اس کے ناظم بنا دئے گئے تھے۔

لئے تو حضرت ممدوح نے فرمایا کہ ''شاہ صاحب تو دارالعلوم دیوبند چھوڑ نہیں سکتے۔'' اللہ اللہ! ایک طرف امام الہند حضرت مولینا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کا مطالبہ اور دوسری طرف حضرت شیخ الہند مولینا محمود الحسن قدس اللہ سرہ کا انتخاب جانشینی۔ سچ ہے۔

''انما یعرف ذاالفضل من الناس ذووہ''

مولینا آزاد کو حضرت شاہ صاحب سے جو تعلق ابتداء میں علمی قدردانی کی شکل میں تھا وہ روز بروز بڑھتا گیا اور شاہ صاحب کی زندگی کے آخری ایام میں اس تعلق نے ایک قسم کی عقیدت کی صورت اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ ایسے اکابر علماء اور دونوں بزرگوں کے عقیدتمند اور مرتبہ دان دہلی میں کل تک زندہ تھے جنھوں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا ہے کہ آخری زمانہ میں ایک بار حضرت شاہ صاحب مدرسہ امینیہ دہلی میں مولینا مفتی کفایت اللہ صاحب کے مہمان کے طور پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ مولینا آزاد شوق ملاقات میں وارد مدرسہ ہوتے ہیں اور بے تکلف آپ کے سامنے مودبانہ دو زانو ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ اس ہیئت کذائی کو کب گوارا کرتے؟ تاہم اس واقعہ سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ مولینا آزاد کی حقیقت بین نگاہوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی عبقریت ہی نہیں بلکہ آپ کی روحانیت فضیلت کا بھی پورا پورا اندزہ کر لیا تھا اور اپنے غیر معمولی طرز عمل سے اس کا اعتراف کر رہے تھے۔

مولینا سید احمد صاحب بجنوری کے بیان کے مطابق آخری دور میں حضرت شاہ صاحب جب کبھی دیوبند سے ڈابھیل اور ڈابھیل سے دیوبند آتے جاتے تو آپ کا معمول تھا کہ دہلی میں اپنے اولین رفیق ار خواجہ تاش مولینا کفایت اللہ صاحب سے مدرسہ امینیہ دہلی (کشمیری گیٹ) میں ملاقات کرتے اور ان مواقع پر مولینا کفایت اللہ صاحبؒ مولینا آزاد کو بھی آگاہ کر دیتے تھے اور مولینا یک دم امینیہ چلے آتے اور حضرت شاہ صاحب سے ملتے اور اس صحبت پر ملاء اعلیٰ کے فرشتے بھی رشک کرتے۔ حضرت شاہ صاحب کا مطالعہ چونکہ بہت وسیع تھا، لہٰذا مولینا آزاد ان سے نوادر کے حوالے بھی پوچھتے تھے [1]۔

اور چونکہ امام الہند مولینا ابوالکلام آزاد اپنی تحریرات میں متعدد بار یہ شعر نقل کرتے آئے ہیں کہ

ہیچگہ ذوق طلب از جستجو بازم نداشت
دانہ می چیدم دراں روزے کہ خرمن داشتم

جب حضرت موصوف کا یہ حال تھا کہ بے پناہ علم و فضل کے مالک ہوتے ہوئے تھی اپنے سے

---

[1] ..... مکتوب گرامی مولینا سید احمد رضا صاحب بجنوری (بنام راقم الحروف) مورخہ ۸ دسمبر ۱۹۷۵ء (کوندو)

کمتر درجے کے علماء سے بھی استفادہ کرنے کی جستجو میں رہتے تھے تو حضرت شاہ صاحب جیسے بحر بیکراں سے مولینا آزاد جیسے فنافی العلم کا استفادہ کرنا کوئی ناممکن امر نہیں ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے شاگرد رشید مولینا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثانی مدظلہ العالی نے دونوں بزرگوں کے تعلقات پر یہ کہہ کر روشنی ڈالی ہے کہ مولینا ابوالکلام آزاد حضرت شاہ صاحبؒ کی وسعت علم اور حذاقت فن حدیث کے پوری طرح معترف و مقر تھے۔ اور حضرت شاہ صاحب کا یہ حال تھا کہ جب مولینا آزادی کی تفسیر قرآن (ترجمان القرآن) شائع ہوئی تو حضرت شاہ صاحبؒ نے بحیثیت مجموعی ان کے اس علمی کارنامہ کی تعریف کی۔

☆☆☆☆☆☆☆

حضرت شاہ صاحبؒ اور مولینا مدنیؒ

(مرتبہ گوندو)

شیخ الاسلام حضرت مولینا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت شاہ صاحبؒ کے ظاہری و باطنی کمالات تبحر علمی، بے نظیر قوت حافظہ اور روحانی بلند مدارج کے ہمیشہ معترف رہے۔ مولینا مدنیؒ کی آثار باقیہ خود نوشت سوانح عمری یعنی ''نقش حیات'' اور آپ کے مکتوبات میں ان اعترافات کے نمونے جا بجا ملتے ہیں۔ بطور مشتے نمونہ از خروارے ہم اس سلسلے میں ان دو کتابوں اور دیگر مآخذ سے موصوف کے ان جذبات کو ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جو شاہ صاحبؒ کے متعلق آپ کے قلب میں موجزن تھے۔

۱)...... حضرت شاہ صاحب کی رحلت پر جلسہ تعزیت میں تقریر کرتے ہوئے مولینا مدنیؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

''میں نے ہندوستان، حجاز، عراق اور شام وغیرہ ممالک اسلامیہ کے علماء و فضلاء سے ملاقات کی اور مسائل علمیہ میں ان سے گفتگو کی لیکن تبحر علمی وسعت معلومات اور علوم نقلیہ (یعنی قرآن پاک اور حدیث رسول اکرمﷺ) اور علوم عقلیہ (یعنی فلسفہ، تاریخ اور ہیئت وغیرہ) کے احاطہ میں شاہ صاحب کا کوئی نظیر نہیں پایا'' ❶۔

مولینا محمد انوری لائلپوری مرحوم کے بیان کے مطابق حضرت مولینا مدنیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ:-

''میں ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو ایک لاکھ حدیثیں یاد ہیں اور ایسے

---

❶...... حیات انور ۱۰۶۔

حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو صحیحین حفظ یاد ہیں لیکن ایسا عالم دین کہ کتب خانہ کا کتب خانہ ہی جس کے سینے میں محفوظ ہو، سوائے حضرت مولینا انور شاہؒ کے میں نے کوئی بھی نہیں دیکھا'' ❶

۲)...... جناب مولینا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی (مرحوم) نے اپنے مکتوبات کی اشاعت کی مجبوریاں واضح کرتے ہوئے مولینا مدنیؒ رقمطراز ہیں کہ:۔

''آپ کو معلوم ہے کہ مجھ میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ اور تبحر نہیں۔ نہ حضرت عبید اللہ صاحب مرحوم اور مولینا کفایت اللہ صاحب مرحوم کی ذکاوت ہے۔ نہ مولینا شبیر احمد صاحبؒ کی حسن تحریر و تقریر اور عاملیت ہے۔ نہ ان حضرات کا تبحر اور وسعت علمی ہے، پھر ان حضرات کے مکتوبات کا شائع نہ ہونا اور میرے مکتوبات کی اشاعت کس قدر بے شرمی اور انانیت کی بات ہے۔ ❷

۳)...... ایک اور موقعہ پر مولینا سید حسین احمد مدنیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''امارت کے لئے بہت سے اہل اور لائق اشخاص موجود ہیں مولینا کفایت اللہ صاحب، مولینا انور شاہ صاحب، مولینا شبیر احمد صاحب (عثمانی) وغیرہ میں ان حضرات کے دست مبارک پر بیعت امارت کرنے کے لئے تیار ہوں'' ❸

حضرت شاہ صاحبؒ اور مولینا مدنی رحمہما اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ عرض کرنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ یہ دونوں صاحب بیک وقت دار العلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے۔ لیکن شاہ صاحب جس طرح عمر میں مولینا مدنی سے دو تین سال بڑے تھے اسی طرح مدارج تعلیم میں بھی آگے تھے، دورہ حدیث سے شاہ صاحبؒ نے ۱۳۱۴ء میں اور مولینا مدنی نے ۱۳۱۵ھ میں فراغت حاصل کی۔

بہر کیف دونوں صاحبوں کو حضرت شیخ الہند سے شرف تلمذ حاصل تھا اور دونوں کی ذات سے حضرت موصوف علیہ الرحمۃ کو اونچی امیدیں وابستہ تھیں۔ چنانچہ ۱۳۱۵ء میں سفر حجاز کے وقت آپ نے اگر شاہ صاحبؒ کو دار العلوم دیوبند کی صدارت کے مسند کا مشکل مقام سپرد کیا تو مولینا مدنیؒ کو ابتلاء و آزمائش کے اس سفر میں مالٹا تک اپنا شریک کار بنایا۔

ان دونوں عظیم الشان ہستیوں کے طرز تدریس کے متعلق جو تجزیہ حضرت مولینا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے رقم فرمایا ہے اس موضوع پر حرف آخر کا درجہ رکھتا ہے۔

---

❶ ...... ماہنامہ ''دار العلوم'' دیوبند جولائی ۱۹۶۴ء۔ ❷ ...... مکتوبات شیخ الاسلام (از مولینا نجم الدین صاحب اصلاحی) جلد سوم ۲۲۴ مکتوب ۸۵۔ ❸ ...... ایضاً جلد اول ۱۲۶۔

آپ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت شاہ صاحبؒ کا انداز درس حدیث حافظانہ، داعیانہ محدثانہ اور تبحرانہ تھا جبکہ مولینا مدنیؒ کے درس کا انداز عالمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ مجاہدانہ اسپرٹ سے بھرپور اور جذبات عمل سے زیادہ سے زیادہ لبریز ہوتا تھا'' ❷۔

ان اکابر حضرات کے متعلق مولینا ازہر شاہ صاحب کے یہ جملے بھی قابل ملاحظہ ہیں:۔

''مولینا عبید اللہ سندھی اپنے استاد (حضرت شیخ الہندؒ) کے سیاسی کاموں کے رازدار ٹھہرے، مولینا انور شاہ کاشمیری کو استاذ نے اپنے علمی منصب پر دارالعلوم میں فائز کیا، مولینا شبیر احمد عثمانی حضرت شیخ الہندؒ کی زبان تھے، مولینا حسین احمد مدنی ان کے دست و بازو اور مولینا آزاد کا قلم ان کا قلم تھا۔'' ❶

ہر گلے را از رنگ و بوئے دیگر است

☆☆☆☆☆

حضرت شاہ صاحبؒ اور مولینا عبید اللہ سندھیؒ

ان کو نندو

حضرت شیخ الہند مولینا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ پہلی عالمگیر جنگ ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کے زمانہ میں اس تمنا سے بے تاب ہو رہے تھے کہ انجام کار یہ ہنگامہ کوئی ایسی شکل اختیار کر جائے جس کے نتیجہ میں ہندوستان اور دیگر مشرقی ممالک انگریزی امپریل ازم سے نجات حاصل کر لیں اور ہندوستان کی چھینی ہوئی آزادی و خود مختاری ایک بار پھر واپس مل جائے۔ ۱۹۱۴ء سے ہی آپ نے ارادہ کیا کہ آپ عالمگیر جنگ کے نتائج سے آزادی ہند کا مقصد حاصل کرنے کی کوئی سبیل نکالیں۔ اس سلسلہ میں چونکہ انگریزوں کے خلاف شریک جنگ طاقتوں خاص کر ترکی اور جرمنی سے رابطہ پیدا کرنا ضروری تھا جس کے ذرائع مفقود تھے۔ اس لئے آپ کی نظر کابل کی طرف اٹھنے لگی اور آپ کے ذہن میں یہ تجویز پرورش پانے لگی کہ اگر ایک طرف افغانستان کو انگریزوں کے خلاف لڑنے پر آمادہ کر لیا جائے اور دوسری طرف صوبہ سرحد کے آزاد قبائل علاقوں میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک کے بچے ہوئے مجاہدین کے ذریعہ صوبہ سرحد کے عوام اور نیم آزاد جنگجو قبائل

❶...... مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول ۵ (مقدمہ از حکیم الاسلام مولینا طیب صاحب)۔ ❷...... ''یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ'' ۲۰۔

کو آمادۂ جہاد کرلیا جائے تو شاید جس وقت انگریز پر اتحادیوں کا دباؤ بڑھ رہا ہو اس وقت ہندوستان کے شمال مغرب کی طرف سے ایک اچھا سا بھرپور حملہ ہندوستان کو برطانوی امپریل ازم کے پنجے سے چھڑا لینے میں کارگر ثابت ہو سکے گا۔

حصول آزادی کا یہی منصوبہ تھا جس کو بروئے کار لانے کے لئے حضرت شیخ الہند نے مولینا عبید اللہ سندھی کو کابل، مولینا منصور انصاری کو قبائلی علاقوں میں بھیجا اور خود ترکی حکومت سے براہ راست تعلقات پیدا کرنے کے لئے حرمین وحجاز کا سفر کیا اور دار العلوم کی تعلیمات کی صدارت کا کام جو آپ کا اولین اور دوامی فریضہ تھا اس کے لئے اس موقع پر آپ کی نظر انتخاب اپنے تلمیذ خاص اور محرم اسرار مولانا محمد انور شاہ کشمیری پر پڑی جن کو آپ اپنے علوم اور فیضان کا خازن بنا چکے تھے اور جو آپ کی تدریسی خصوصیات کو فنانی الشیخ کی حد تک اپنے سینے میں سمیٹ چکے تھے۔

اس پس منظر کو بیان کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ مولینا عبید اللہ سندھی اور حضرت شاہ صاحب حضرت شیخ الہندؒ کے فیض یافتہ علماء میں سے نہایت ممتاز اور غیر معمولی دل ودماغ سمجھنے والی دو شخصیتیں تھیں اور دونوں کے فطری رجحانات کو دیکھتے ہوئے مشفق استاد نے دونوں کو دو مختلف کاموں کی انجام دہی کے لئے ترتیب دے کر تیار کیا تھا۔ جہاں مولینا سندھی کے انقلابی ذوق وشوق کو دیکھ کر انہیں سیاسی انقلاب کے میدان کا شہسوار بنا دیا تھا وہاں شاہ صاحب کے مخصوص رجحانات کو پیش نظر رکھ کر انہیں تدریسی وتعلیمی مرشد ومربی بننے کے راستے پر ڈال دیا تھا۔ دہلی کے امینیہ اور بارہمولہ کے فیض عام کے تجربوں کے بعد دار العلوم دیوبند میں اونچے درجہ کے مدرسین میں شامل کر کے ان کی بے نظیر قابلیتوں کو جانچ لیا تھا اور دار العلوم میں اب اپنی جانشینی کے قابل بنانے کے لئے ان میں علم وعمل کے شعلے اس حد تک فروزاں کر دیئے تھے کہ جب استاد نے اس شاگرد کو نازک وقت میں اپنی مسند حوالہ کر دی تو کسی کو اس پر حیرت نہ ہوئی۔ اس طرح حضرت شاہ صاحبؒ اور مولینا سندھی اگرچہ ایک ہی درخت کی دو شاخیں تھے۔ مگر اپنے مربی کی اسکیم کے مطابق اپنے پھول اور پھل کے لحاظ سے دو مختلف قسم کی ہستیاں بن کر تیار ہو گئے تھے۔ چونکہ دونوں بے حد ذہین تھے۔ اس لئے طالب علمی کے زمانہ میں بھی اور فراغت کے بعد بھی دونوں کے درمیان ذہنی قرب تھا۔ اپنی ملکوتی فطرت کی وجہ سے دنیا سے بے نیازی اور بلند مقاصد کے لئے ہمہ تن فدائیت ومحویت دونوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سے بحصہ وافر نصیب ہوئی تھی۔ متاہل زندگی سے آزادرہ کر مقاصد عالیہ کے لئے ہمہ تن وقف ہو جانا بھی ایک ایسا مشترک وصف تھا جو دونوں نے اپنا رکھا تھا (مولینا سندھی تو آخر عمر تک بے خانگی اور تجرد پر کاربند رہے البتہ حضرت شاہ

صاحب" آگے چل کر اپنے اساتذہ اور بزرگوں کے اصرار سے مجبور ہو کر تجرد سے اس وقت دستبردار ہوئے جب آپ کی عمر قریباً ۴۴ سال کو پہنچ چکی تھی۔

یہ ایک قدرتی بات تھی کہ ان دو فاضل ہستیوں کے درمیان اونچے درجہ کے مسائل کبھی کبھی زیر بحث آجائیں اور کہیں کہیں رائے کا اختلاف بھی ہو جائے اور ایسا ہوہی جایا کرتا تھا۔ خاص کر مابعد الطبیعات کی دنیا کے مسائل کی فلسفیانہ موشگافیوں میں کبھی دونوں کے درمیان بحث وتکرار کا سلسلہ ہوتا تھا۔ آخر ایسے دو بڑے عبقری عالموں سے یہ توقع کون رکھ سکتا ہے کہ وہ ایسے مواقع پر ہر نکتے میں ایک دوسرے سے متفق رہیں گے بتایا جاتا ہے کہ دونوں کے درمیان اس قسم کی علمی مباحثات کے دوران کبھی کبھی ضرورت سے زیادہ کشمکش ہو جاتی تھی جو بحث ومباحثہ میں ایک فطری بات ہے مگر مخلصین بحث کے بعد ہمیشہ اس قسم کی تیزی کے لئے ایک دوسرے سے معافی خواہ ہو جایا کرتے ہیں۔ لیکن جب ۱۹۱۵ء میں مولینا سندھی ناگاہ کابل چلے گئے تو اغلباً جاتے وقت آپ شاہ صاحب سے مل بھی نہ پائے اور شاہ صاحب کو یہ خیال ستانے لگا کہ اگر اس طویل جدائی کے وقت باہمی درشت کلامی کی ایک دوسرے سے معافی مانگ لی ہوتی جو بحث ومباحثہ کے دوران سرزد ہو جایا کرتی تھی تو یہ امر متقین کے شیوہ کریمانہ کے مطابق رہتا۔ برسوں تک یہ احساس حضرت شاہ صاحب کے قلب نازک کے لئے بے چینی کا موجب رہا۔ اس مدت میں مولینا سندھی کابل سے واپس آجانے کے بدلے اور بھی آگے دور تک بڑھتے ہی چلے گئے۔ کبھی ماسکو اور لینن گراڈ میں، کبھی برلن میں اور کبھی قسطنطنیہ اور انگورہ میں جہاں ان تک چٹھی پہنچنے کے امکانات بھی کالعدم ہو گئے تھے۔

اسی دوران مولینا سندھی کی زندگی میں ایک ایسا مرحلہ بھی آیا جب آپ آزادی وطن کے عشق میں بے تاب اور اضطراب سے اس مرض کے نئے نئے علاج سوچتے ہوئے مارکس ازم کو بھی ہندوستان کی مشکلات کا حل اور غلامی کی بیڑیوں سے نجات کا ایک راستہ سمجھ کر اس پر غور کرنے لگے لیکن چونکہ آپ کے ذہن کی ساخت وہ تھی جس کی آبیاری حضرت شیخ الہند نے قرآن وسنت کے آب حیات سے کی تھی اور جس کا سانچہ حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز اور حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے تیار کردہ خمیر سے بنایا گیا تھا اس لئے آپ لاملوک ولا کلیسا کی حد تک تو مارکس ازم کو مفید سمجھنے پر آمادہ ہو سکتے تھے لیکن مارکس ازم کے تیسرے "لا"، یعنی لا الہ کو کسی طرح بھی قبول نہیں کر سکتے تھے اور الا اللہ سے دستبرداری آپ کے لئے ناممکنات حیات میں سے تھی، اس لئے آخر کار مارکس ازم کو ایک طرف رکھ کر آپ نے نہ صرف ہندوستانی عوام کی بلکہ دنیا بھر کے بنی نوع انسان کی تمام قسم کی غلامیوں کی نجات کو لا الہ

الا اللہ محمد رسول اللہ میں تلاش کرنا شروع کیا اور اس مقصد کے لئے جب حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فلسفہ انقلاب کو اٹھا کر سامنے رکھا تو آپ کی آنکھیں کھل گئیں اور آپ کو محسوس ہوا کہ جس چیز کو میں زمانہ جدید کی نعرہ بازیوں میں تلاش کر رہا تھا وہ اپنے ہی خزانے میں موجود ہے۔ چنانچہ آپ نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تمام تصنیفات بالخصوص حجۃ اللہ البالغہ تفہیمات و فیوض الحرمین وغیرہ کا مطالعہ شروع کیا اور لینن کے روس اور کمال اتاترک کے ترکی کو پس پشت پھینک کر آپ واپس آ کر مکہ معظمہ میں مقیم ہو گئے اور ولی اللہی فلسفہ انقلاب پر تحقیقات کرنا شروع کر دی۔ اس لئے مطالعہ کے بعد آپ نے سیاست کے کچھ جدید نظریات مرتب کئے جن کی تفصیلات میں جانا اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ یہاں صرف اس حقیقت کا اظہار مطلوب ہے کہ جس زمانہ میں مولینا سندھی مکہ معظمہ میں بیٹھ کر ولی اللہی نظریات پر مبنی انقلاب کے پروگرام کی نوک پلک درست کر رہے تھے اور ابھی ہندوستان میں آپ کی واپسی پر پابندیاں عائد تھیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے آنے جانے والے حاجیوں کے ذریعہ آپ کے ساتھ رابطہ پیدا کیا اور پہلی فرصت میں خط لکھ کر مولینا سندھیؒ کے ساتھ سینہ صفائی کی اور ان سے معذرت طلب کی۔

واقعی یہ احتیاط اور یہ حوصلہ حضرت شاہ صاحبؒ جیسے عالم ربانی اور محدث بے نظیر کو ہی نصیب ہو سکتا ہے۔

اس سلسلے میں مولینا سید حسین احمد مدنیؒ اپنی خود نوشت سوانح عمری ''نقش حیات'' جلد دوم ص ۱۴۴ کے حاشیہ پر یوں رقمطراز ہیں:۔

> ''حضرت مولینا انور شاہ صاحب مرحوم نے مولینا سندھیؒ کے نام مکہ معظمہ کے قیام کے زمانے میں پیغام بھیجا تھا کہ قیام دیوبند کے زمانہ میں غلط فہمی کی وجہ سے آپ کے لئے تکلیف کا باعث بنا تھا۔ اب میرے دل میں آپ سے کوئی رنج نہیں ہے۔ امید ہے کہ آپ بھی معاف فرمائیں گے۔''

ممکن ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ اور مولینا سندھیؒ کی یہ مراسلت اور بھی آگے بڑھی ہو لیکن اس کی تفصیلات ہمیں معلوم نہیں ہیں۔

بہر حال مولینا سندھیؒ نے قریباً بارہ سال مکہ مکرمہ میں گزارے اور وطن واپسی پر اگر وہ شاہ صاحب کو بقید حیات پاتے تو نہ جانے دونوں کے تعاون سے ملت کی کتنی امنگیں پوری ہوتیں۔

۲۵ سال کی طویل جلاوطنی کے بعد مولینا سندھی ۱۹۳۹ء میں ہندوستان واپس تشریف لائے، تو دیوبند کی مجالس علمیہ میں اور دوسرے مواقع پر ہمیشہ نہایت وقیع الفاظ میں حضرت شاہ صاحبؒ کا ذکر فرماتے تھے اور حضرت موصوف کے متعلقین کے ساتھ بھی اپنے گہرے اور مشفقانہ تعلق کا



اظہار بھی فرماتے تھے۔

چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ کے بڑے فرزند مولینا ازہر شاہ صاحب اپنی کتاب ''یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ''، تحریر فرماتے ہیں کہ:

۱۹۳۹ء میں جب مولینا (سندھی) کی واپسی کی تحریک اٹھی تو دیوبند مولینا سے اپنے قدیم تعلقات کی بنا پر خاص طور پر اپنے اس گم شدہ فرزند کی بازیابی کا خواہشمند تھا اور ہم سب کی خواہش تھی کہ جس مرد مجاہد کے عزم و حوصلہ کی بہت سی داستانیں ہم نے اپنے ماحول میں سنی ہیں، اسے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیں، آخر ایک دن شام کو معلوم ہوا کہ مولینا دہلی سے بغیر کسی اطلاع کے دیوبند پہنچے اور لوگوں نے انہیں اس حالت میں پایا کہ وہ اسٹیشن سے مدرسہ میں پہنچ کر مدرسہ کی مسجد میں شکرانہ کی دو نفلیں پڑھ رہے تھے، دیوبند آنے کی اطلاع آپ نے پہلے سے اس لئے نہیں دی تھی کیونکہ یہاں وہ اپنے استقبال اور شان و شوکت کو پسند نہیں فرماتے تھے، دوسرے دن مولینا صبح کے وقت راقم الحروف کے گھر پر تشریف لائے، (میں نے) دیکھا کہ ایک بوڑھا انسان سب سے آگے ہے اور اس کے پیچھے پچاس ساٹھ آدمیوں کا ہجوم ہے میں نے مولینا کو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اس لئے پہچان نہیں سکا، مولینا نے میری حیرت کو ختم کرنے کے لئے پیش قدمی فرمائی اور ارشاد ہوا عبید اللہ سندھی! اور پھر مجھے سینہ سے لگالیا، پیشانی پر بوسہ دیا، مجھ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ میرے رفیق درس اور رفیق فکر مولینا انور شاہ کشمیری کی نشانی ہیں۔

میری والدہ محترمہ مولینا سے اس وقت سے نیاز رکھتی تھیں جب مولینا دیوبند تشریف فرما تھے، والدہ نے چائے کا انتظام کیا، چائے کے وقت مولینا شبیر احمد عثمانی اور کئی اور بزرگ بھی موجود تھے، مولینا بڑی بے تکلفی اور سادگی سے چائے پیتے جاتے تھے۔ اسی مجلس میں انہوں نے بڑی شفقت سے مجھ سے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں اردو کے ایک رسالہ میں تمہارا مضمون ہم نے پڑھا تم ہمارے ساتھ رہو، ہم تمہیں کام کرنے کا ڈھنگ بتا دیں گے۔ میں نے برجستہ جواب دیا کہ حضرت! یہ جھگڑا میرے بس کا نہیں، آپ خانہ بدوش آدمی ہیں ۲۵ سال کے بعد اب گھر واپس آئے ہیں کابل، روس، ترکی اور حجاز کی زمین ناپتے رہے فقر و فاقہ میں آپ کی بسر ہوتی ہے، اپنا عیش و آرام آپ نے تج کر دیا ہے، میں غریب ان مصیبتوں کو جھیلنے کے لئے حوصلہ کہاں سے لاؤں گا۔ مولینا اس پر ہنس دیئے۔

اللہ اللہ! عجیب لوگ تھے جو خود کو مٹا کر قوم کو بنا گئے جنہوں نے اپنی ساری زندگی، زندگی کی ساری راحتیں، زندگی کے سارے ولولے زندگی کا سارا عیش اپنے مقصد پر قربان کر دیا۔

شاہ صاحبؒ اور ہندوستان کے علماء اہلحدیث

مولینا ثناء اللہ صاحب امرتسری:...... حضرت مولینا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ کے متعلق گزشتہ صفحات میں ایک جگہ ہم نے مفصل طور پر حاشیہ میں عرض کیا کہ موصوف کے والد ماجد کشمیری تھے اور بعد ازاں وہ امرتسر میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ ایک دنیا جانتی ہے کہ حضرت شاہ صاحب اپنے زمانے میں فقہ حنفی کے اولین علمبردار تھے اور مولینا ثناء اللہ صاحب کو "سردار اہل حدیث" کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ اس کے باوجود مولینا ثناء اللہ صاحب حضرت شاہ صاحبؒ کے قدردان اور علمی عظمت کے معترف تھے۔ دونوں عمر بھر مختلف المشرب ہونے کے باوجود اسلام کی حفاظت اور دفاع کے محاذوں پر سرگرمی کے ساتھ ایک دوسرے کو تعاون دیتے رہے۔ ذاتی تعلقات کا یہ عالم تھا کہ مولینا ثناء اللہ صاحب جب دیوبند جاتے تھے تو حضرت شاہ صاحب کے ہاں قیام فرماتے اور جب بھی حضرت شاہ صاحبؒ امرتسر آتے تو اکثر مولینا موصوف کے ہاں قیام فرماتے تھے اور علماء اہل حدیث احناف کی نسبت زیادہ تعداد میں حضرت شاہ صاحبؒ کی مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے اور اس کا خصوصی اہتمام رکھتے تھے اور اس طرح سے علمی رموز و دقائق خاص کر تبلیغ اسلام اور ردِ قادیانیت پر باہم تبادلۂ خیالات فرماتے تھے۔

حضرت مولینا ثناء اللہ صاحبؒ امرتسری نے حضرت شاہ صاحب کے وصال پر اپنے اخبار "اہلحدیث" میں ایک طویل مقالہ بھی سپردِ قلم کیا اور اس میں اپنے دردِ دل کا اظہار کیا اور حضرت کے ذاتی مناقب اور علمی فضائل بیان کئے اور محبت بھرے الفاظ میں متعدد ملاقاتوں کا ذکر کیا اور یہ کہ! "بے نظیر عالم دین رخصت ہو گیا" [1]

مولینا میر سیالکوٹی و دیگر اکابر علماء اہلحدیث:...... مولینا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی مرحوم مولینا محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالہ، مولینا عبدالتواب ملتانی، مولینا داؤد غزنوی لاہوری، مولینا غلام نبی صاحب مبارک کشمیری اور دیگر اکابر علماء اہل حدیث کا بھی یہی حال ہے۔ مثلاً مولینا میر سیالکوٹی صاحب موصوف نے قادیان کے پہلے بے نظیر اجتماع میں جب حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر سنی تو فرمایا کہ "اگر مجسم علم کسی کو دیکھنا ہو تو مولینا انور شاہ کو دیکھ لے"۔ مولینا عبدالتواب ملتانی (تلمیذ مولینا عبدالجبار غزنوی) نے علماء اہل حدیث کے مجمع میں حضرت شاہ صاحب کے علمی کمالات اور بزرگی کا برملا اعتراف کیا ہے اور اسی طرح مولوی محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالہ نے اسی مجمع میں کہا ہے کہ "مولینا انور شاہ تو حافظ حدیث ہیں"۔ وغیر ذلک۔

---

[1]...... حیات انور ص ۳۳۷۔

حضرت شاہ صاحبؒ اپنے وطن میں

از: جناب سید نبیہ احمد اندرابی شہید۔ الحاج سید مبارک شاہ فطرت گیلانی

تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت مولینا انور شاہ صاحبؒ کو زندگی کا بڑا حصہ اپنے وطن عزیز یعنی کشمیر سے باہر بسر ہوا۔ دہلی کے امینیہ دیوبند کے دارالعلوم اور ڈابھیل گجرات کے مدرسہ جامعہ اسلامیہ علم کے اس بحر ناپیدا کنار سے سیراب ہوتے رہے خود خطہ کشمیر کی قسمت میں اس باران رحمت کے محدود قطرات ہی لکھے گئے تھے، سوانح مرتب کرتے ہوئے ہم نے بہت چاہا کہ آپ کے کشمیری فیض یافتہ علماء وفضلا کے قلم وزبان سے آپ کی شخصیت کے بعض پہلو روشنی میں لائے جائیں لیکن اس راستے میں مشکلات کے ناقابل عبور پہاڑ حائل پائے۔ بارہ مولہ کا مدرسہ فیض عام جو آپ نے آج سے ستر یا اسی سال قبل قائم کیا تھا اس کا ایک بھی تعلیم یافتہ آج اس دنیا میں موجود نہیں ملتا جن لوگوں نے کشمیر سے دیوبند جا کر آپ کی شاگردی کا امتیازی شرف حاصل کیا تھا مثلاً مولینا سید میرک شاہ اندرابی، میر واعظ مولینا محمد یوسف شاہؒ، مولینا غلام مصطفےٰ شاہ مسعودی، مولینا سید عنایت اللہ شاہ بخاری، مولینا عبدالکبیر رینہ اور مولینا سید محمد یوسف شاہ وتر ہیلی وغیرہم یہ سب لوگ اس دنیائے فانی سے ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے ہیں۔ مشکل سے ہم کو دو بوڑھے عمر رسیدہ علم دوست بزرگ جناب سید نبیہ احمد صاحب اندرابی (1) اور الحاج سید مبارک شاہ فطرت

---

(1) ...... محترم سید نبیہ احمد اندرابی حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک فاضل اجل شاگرد مرحوم مولینا سید میرک شاہ صاحب اندرابی کے فرزند ہیں مدرسہ عالیہ امدادیہ مراد آباد سے درس نظامی کی تکمیل کر کے محکمہ تعلیم میں تعینات ہوئے تھے اور اب وظیفہ حسن خدمت حاصل کرنے کے بعد ملازمت سے سبکدوش ہوئے ہیں۔

مولینا میرک شاہ صاحب مرحوم کا تذکرہ چند سطروں میں یہاں کیا جائے تو بے محل نہ ہوگا۔ مرحوم صفر ۱۳۰۶ھ میں کشمیر میں پیدا ہوئے اپنے وطن میں علوم عربیہ وفارسیہ کی ابتدائی تعلیم حاصل کر کے ان کے دل میں علوم دین کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا اشتیاق بڑھ گیا خوش قسمتی سے اسی دوران حضرت شاہ صاحبؒ کچھ مدت کے لئے دیوبند سے کشمیر تشریف لائے تو میرک صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب نے انہیں دیوبند آنے کا مشورہ دیا، چنانچہ دیوبند جانے پر حضرت شاہ صاحب کی شفقت ان کے شامل حال رہی، دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد کچھ وقت وہاں مدرس بھی رہے اور دارالافتاء میں بھی خدمت انجام دیں۔ مولوی فاضل کے امتحان میں شامل ہوئے تو یونیورسٹی بھر میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند کے علاوہ سرائے میر اعظم گڑھ، سندھ، کرنال اور لاہور وغیرہ متعدد شہروں میں تشنگان علوم کی پیاس بجھائی، تقسیم ملک سے پہلے اورینٹل کالج لاہور میں ایک ممتاز پروفیسر کی حیثیت سے کام کیا۔ آخر میں صوبہ سندھ کے ایک مشہور مدرسہ میں درس حدیث کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

گیلانی ❶ صاحب کو قیام کشمیر کے مواقع پر دیکھا گیا اور آپ کی مجالس وعظ وتذکیر میں بھی شامل ہوئے ہیں۔ دونوں صاحبوں نے اپنی قوت حافظہ کے بھروسہ پر پچاس پچاس سال پرانے واقعات کے بارے میں جو کچھ عطا کیا ہے وہ ہدیہ ناظرین ہے۔ کوندو

☆☆☆☆☆☆

حضرت شاہ صاحبؒ کا قیام سرینگر

جناب سید ن نبیا احمد اندرابی شہید

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین وعلی الہ الطیبین واصحابہ الطاہرین.

میں کیا اور میری بساط کیا؟ حضرت فخر المحدثین رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات کے کسی گوشہ پر کچھ روشنی ڈال سکوں۔ تاہم میں نے عزیز محترم عبدالرحمٰن صاحب کوندو کی فرمائش پر مندرجہ بالا عنوان کے تحت چند واقعات پیش کرنے کی کوشش کی ہے اگرچہ ان سطور کی بنیاد صحیح واقعات پر ہے مگر پھر بھی ناظرین کرام کی خدمت میں اپنی فروگزاشتوں سے درگزر کرنے کی درخواست کرتا ہوں۔

مجھے تو حضرت شاہ صاحبؒ سے براہ راست شرف تلمذ بھی حاصل نہیں ہے البتہ میرے والد ماجد حضرت الاستاذ مولینا سید میرک شاہ صاحب اندرابی علیہ الرحمۃ حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور ان ہی کی بدولت ہمارے میر محلہ ملارٹہ کو یہ شرف نصیب ہوا تھا کہ حضرت فخر المحدثین رحمۃ اللہ علیہ اس میں تقریباً بیس پچیس روز تک قیام پذیر رہے تھے۔

میری عمر اس وقت چھوٹی تھی مگر اس کے باوجود شعوری طور پر حضرت کی صحبت سراپا عظمت سے

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) آپ کی تصانیف میں موطا امام مالک کا حاشیہ محیط الدائرہ کا حاشیہ فلسفہ کی اعلیٰ ترین کتاب اسفار اربعہ کی ایک جلد کا اردو ترجمہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ آزادی کے سلسلے میں خاص کر ۱۹۳۱ء کی انقلابی تحریک میں انہوں نے سرگرم رہنمایانہ کارنامے انجام دیئے ہیں لیکن بعد میں سیاست سے کنارہ کشی کر کے دوبارہ علمی زندگی میں قدم رکھا اور آخری عمر تک اسی ماحول سے وابستہ رہے۔ بالآخر ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۹۳ھ کو لاہور میں ان کا انتقال ہوا۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ (کوندو)

❷ ...... جناب فطرت کاشمیری کو علم وادب اور شعر وسخن کا ذوق ورثے میں ملا ہے اور ترکستان اور ختن وغیرہ ممالک کی سیاحت نے ان کے اس شوق وذوق کو اور بھی ابھارا ہے۔ فارسی زبان میں اکثر ان کا کلام ہے لیکن کبھی کبھی اردو اور کشمیری میں بھی سخن سرا ہوئے ہیں پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات کے پاس کر کے ریاست کے محکمہ تعلیم میں تعینات ہوئے تھے اور ا وظیفہ حسن خدمت پانے کے بعد ملازمت سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ (کوندو)

دور رہنا اپنے لئے باعث نقصان وحرمان ہی سمجھ لیتا تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کی معیت کی سعادت اکثر و بیشتر اوقات میں نصیب ہوتی تھی۔

حضرت شیخ کی قیام گاہ:...... حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے والد ماجد علیہ الرحمۃ کے مہمان تھے۔ ہمارا ایک مکان سڑک کے کنارے واقع تھا اور وہی مہمان خانہ بھی تھا۔ حضرتؒ اسی مکان میں رونق افروز رہتے تھے ہمارے ایک بزرگ حضرت مولینا سید احمد سعید صاحب اندرابی رحمۃ اللہ علیہ کا مکان سڑک سے کچھ فاصلہ پر واقع تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس مکان میں بھی کافی وقت گزارتے تھے اور خانقاہ اندرابیہ میں پنجگانہ نماز ادا فرماتے تھے۔ درس حدیث درس تصوف اور مواعظ حسنہ کی کچھ مبارک مجلسیں کبھی اس خانقاہ میں ہوتی تھی اور کبھی دونوں قیام گاہوں میں۔

مصاحبین اور مجالس کی برکات:...... میرہ محلہ میں ان دنوں بڑی بڑی صاحب علم وفضل ہستیاں موجود تھیں۔ جو حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ بے پناہ محبت وعقیدت رکھتی تھیں اور حضرت شاہ صاحب بھی ان حضرات سے کافی انس ومحبت فرماتے تھے۔ ابتدائی ملاقاتوں میں ہی باہمی گہرے روابط قائم ہوگئے تھے۔ سچ ہے ''انما یعرف ذا الفضل من الناس ذووہ'' واقعی ایک فاضل اجل اور جامع کمالات ہستی کو ان صاحب فضل ہستیوں نے بہت اچھی طرح پہچانا تھا اور ان ایام میں یہاں کی یادگار مجلسیں بلا مبالغہ ایسی تھیں کہ رات دن علوم ومعارف کے دریا بہتے تھے، لمحہ لمحہ رحمت خداوندی کا نزول ہوتا تھا کوئی وقت ایسا نہیں گزرتا تھا جو علمی ودینی مذاکرات سے خالی ہوتا۔ آج جب وہ دن یاد آتے ہیں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے اور جگر پھٹا جاتا ہے۔ بس ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بارگاہ عالم پناہ خداوندی (جل جلالہ) درگاہ فیض پناہ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور درس گاہ اکابر دین متین کے فیوض وبرکات کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر لہرا رہا ہے۔ آہ وہ مبارک مجلسیں اب خواب میں بھی نصیب نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحبؒ کے درجات کو بلند فرمائے اور انہیں کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب کرے۔ یہ سب کچھ ان کی صحبت سراپا رحمت کا صدقہ تھا تمام اہل مجلس بزبان حال کمال خلوص کے ساتھ پکارتے رہتے تھے۔

احب الصالحین ولست منهم
لعل الله یرزقنی صلاحا

یعنی میں تو صالح بزرگوں سے محبت کرتا ہوں حالانکہ خود ان میں سے نہیں ہوں ہاں مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان صلحاء رحمۃ اللہ علیہم کے صدقے مجھے بھی صلاحیت پارسائی اور پرہیزگاری کی دولت سے مالا مال فرمائے گا۔

میرہ محلہ ان ایام میں مرجع خاص وعام بنا ہوا تھا۔ طالبان علوم دین، شائقان معارف راہ یقین اور تشنگان فیضان اولین وآخرین اس یگانہ روزگار لاثانی ہستی سے منٹ منٹ میں ایسے سیراب ہوتے تھے کہ واقعی ان کی پیاس بجھ جاتی تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم کے اس مایہ ناز سپوت کے ہوتے ہوئے نہ اب کسی کتاب کی حاجت ہے اور نہ کسی استاد کی ضرورت بلکہ کسی اور طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی احتیاج بھی نہیں۔ ان کا تو یہ حال تھا کہ۔

اے لقاء تو جواب ہر سوال

حقیقت یہی ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں جو بھی سائل آتا تھا وہ اپنی استعداد کے مطابق اپنے سوال کا تسلی بخش جواب سن کر مطمئن ہو جاتا تھا۔ حضرت شاہ صاحب کی بے پناہ اور لاجواب علمی قابلیت پر ان کی قدیم المثال قوت حافظہ واقعی چار چاند لگاتی تھی۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں تھا کہ شاہ صاحب ایک چلتا پھرتا عظیم الشان کتب خانہ تھے جس سے مختلف علوم وفنون کے معرکۃ آلاراء مسائل کے بارے میں بغیر کسی تکلف کے وقتاً فوقتاً استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے مواعظ حسنہ:...... یہ اس تقریباً ایک ماہ کی مستقل قیام گاہ کی مختصر بلکہ مجمل جھلکیاں تھیں۔ اس دوران میں خانقاہ اندرابیہ کے علاوہ مسجد جامع سری نگر خانقاہ معلی سری نگر اور خانقاہ نقشبندیہ سرینگر وغیرہ میں بھی حضرت کی تقریریں ہوتی تھیں جن کا خلاصہ ان ہی مجلسوں میں قلم بند بھی کیا گیا تھا اور پھر چھپ کر شائع بھی ہوا تھا۔ میرا خیال ہے کہ التقریرات کے لفظ سے بحساب ابجد سرینگر کے اس قیام خوش ہنگام کا سال بھی ظاہر ہوتا ہے۔ مگر بعض دوستوں کے اظہار کے مطابق قیام سرینگر کے سال پُر اقبال میں کچھ فرق بھی ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ چونکہ اس زمانے میں کچھ اشخاص اور قاصرین نے مذہب حنفیہ کے خلاف ایک ہنگامہ برپا کیا تھا۔ اس لئے حضرت شاہ صاحبؒ نے خاص طور پر فاتحہ خلف الامام، رفع الیدین اور آمین بالجہر وغیرہ مسائل پر بقدر ضرورت روشنی ڈالی تھی اور حضرت امام الائمہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے ٹھوس دلائل وبراہین دے کر ثابت فرمایا تھا کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مختارات بدلائل قویہ راجح ہیں اس کے ساتھ ساتھ آپ نے مرزائیوں کے دجل وفریب کو براہین قاطعہ کی روشنی میں طشت از بام فرمایا تھا۔

مسجد جامع میں تقریر:...... مسجد جامع میں حضرت شاہ صاحب نے محراب کی دائیں جانب سنگ سیاہ کے بنے ہوئے منبر پر نماز جمعہ کے بعد کھڑے ہو کر تقریر فرمائی میر واعظ مولینا احمد اللہ صاحب علیہ الرحمۃ اس سے تھوڑی دیر پہلے شمال کی طرف وعظ فرما رہے تھے۔ جوں ہی حضرت شاہ

صاحب کی تقریر شروع ہوئی میر واعظ صاحب موصوف سامعین کی جماعت کے ساتھ قبلے کی جانب تشریف لائے اور حضرت شاہ صاحب کی تقریر کمال اشتیاق سے سنی۔

خانقاہ معلیٰ میں تقریر:...... خانقاہ معلیٰ میں حضرتؒ کی تقریر دوسری منزل "سلطان خانہ" پر ہوئی۔ غالباً اسی مجلس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے مرزائیوں کے دو فرقوں (لاہوری اور قادیانی پارٹیوں) کے متعلق سوال کیا گیا۔ حضرت موصوفؒ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں بس لَعین ❶ اور لُعین ❷ کا فرق ہے۔ دوران تقریر میں مشہور مرزائی (اور پھر بہائی) مولوی عبداللہ وکیل صاحب کھڑے ہوئے اور کچھ پوچھنا چاہا مگر ان پر ایسا رعب طاری ہوا تھا کہ وہ تمہیدی الفاظ کو بھی صحیح رنگ میں ادا نہیں کر سکے چنانچہ یوں گویا ہوئے کہ "جناب میں فرماتا ہوں۔" چونکہ میں فرماتا ہوں کہ الفاظ بدحواسی کے عالم میں زبان پر جاری ہوئے اور یہ الفاظ ایسے وقت میں ایک سائل کے لئے آداب مجلس اور تہذیب کلام کے لحاظ سے عوام کی نظروں میں بے محل اور ناموزوں تھے اس لئے تمام سامعین اور حاضرین نے وکیل صاحب کا مذاق اڑایا اور وہ کھسیانے ہو کر ایسے بیٹھ گئے کہ دوبارہ اٹھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ حالانکہ شاہ صاحبؒ کی طرف کسی کو بھی سوال پیش کرنے کی ممانعت نہیں تھی۔ ہم نے ان ہی ایام میں سنا ہے کہ وکیل صاحب مذکور نے اپنی پارٹی کے خاص لوگوں سے کہا تھا کہ اس شخص کے علم کے سامنے سرنگوں ہو کر سجدہ کرنا چاہئے تھا۔

خانقاہ نقشبندیہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر:...... خانقاہ نقشبندیہ میں حضرت شاہ صاحبؒ نے طویل تقریر ارشاد فرمائی معترضین نے بہت سے سوالات کئے اور حضرت موصوف نے دلائل و براہین کی روشنی میں مسکت جواب دیئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی تقریروں میں چند علمی اور تحقیقی باتیں بھی بیان فرمادیں۔ علم دوست حضرات کی ضیافت طبع کے لئے مختصر الفاظ میں کچھ باتیں لکھی جاتی ہیں۔

مسلک امام ابوحنیفہؒ کی اصلی بنیادیں اور مآخذ:...... حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت امام العالمؒ کا یہ ارشاد بروایات صحیحہ وثابتہ مشہور جلیل القدر محدث حضرت امام بیہقیؒ نے کتاب المدخل میں نقل کیا ہے:

ماجاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعلی الرأس والعین وما جاء عن الصحابہ نختار منھم وما جاء عن التابعین فھم رجال ونحن

---

❶...... بڑا لعنتی۔ ❷...... چھوٹا لعنتی۔

رجال وفی روایة زاحمناهم.

یعنی جو کچھ (دین کے بارے میں) ہم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا ہے وہ ہمیں بسروچشم تسلیم ہے۔ ہم اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ جو کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ہم تک پہنچا ہے ہم ان سے اس بارے میں اپنے لئے واضح اور راجح راہ عمل اختیار کریں گے اور جو کچھ حضرات تابعین رحمہم اللہ سے ہم تک پہنچا ہے۔ اس میں بنیادی بات یہ ہے کہ وہ بزرگان دین بھی تابعی ہونے کا شرف رکھتے ہیں اور ہم بھی الحمد اللہ اس شرف سے مشرف ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ہم ان (تابعین کرام) سے (راجح ومرجوح کے پرکھنے اور صحت روایات وغیرہ اصول دین کے سلسلے میں بشرط ضرورت اور بقدر حاجت) مزاحمت بھی کریں گے۔ مزاحمت بھی کریں گے۔ (کیونکہ شرف تابعیت کی وجہ سے علمی ودینی معلومات میں ہمارے اندر یہ اہلیت بھی موجود ہے)۔

قرأت خلف الامام کے متعلق تحقیق:...... حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ قرأت خلف الامام پر بولتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس مسئلے میں سب سے مقدم اور مافوق یہ ارشاد الٰہی ہے وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا ۔ یعنی جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اس کے سننے کے لئے خاموش رہو توقع اور امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا قال احمد اجتمعت الامة علی انها نزلت فی الصلوة یعنی حضرت امام احمد بن حنبل [1] رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ یہ آیت کریمہ نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس پر ساری امت کا اتفاق ہے آپ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عارف کامل مولینا جلال الدین رومیؒ کا یہ شعر بھی پیش کیا۔

انصتوا گوش کن خاموش باش
چوں زبان حق نگشی گوش باش

یعنی ارشاد الٰہی انصتوا (قرآن سننے کے لئے خاموشی اختیار کر) پر گوش وہوش سے متوجہ ہو کر خاموش رہو۔ اگر تم زبان حق نہیں بنتے (کہ پیش امام بن کر قرآن پڑھتے) تو (مقتدی بن کر) کان ہی بنو سنتے جاؤ۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس شعر میں زبان حق سے مراد امام اور گوش سے مراد مقتدی ہے۔ امام کا مقتدیوں پر مقدم ہونا اور مقتدیوں کا صف بصف امام کے پیچھے کھڑا رہنا اس میں یہی خاص بات ہے کہ نماز میں امام ہی قرآن عزیز پڑھے اور مقتدی امام کی قرأت کو خاموش ہو کر سنتے رہیں آپ نے علامہ ابن القدامہ حنبلی کی کتاب المغنی کے حوالہ سے حضرت امام احمد حنبل کا یہ

---

[1] ...... حضرت امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) کی تالیفات میں مسند احمد کو ایک ممتاز مقام حاصل ہے جس میں تیس ہزار حدیثیں نقل کی گئی ہیں (کوندوی عفی عنہ)

قول نقل فرمایا: قال احمد ما سمعنا احدا يقول صلى خلف الامام ولم يقرا بفاتحة الكتاب لا تجوز صلوته یعنی ہم نے کسی (اہل علم) کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ جو شخص امام کی اقتداء میں نماز پڑھتا ہے اور سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا ہے اس کی نماز جائز نہیں۔ مطلب یہی ہے کہ امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے پر قرأت واجب ہی ❶ نہیں ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اکثر ائمہ جہری نمازوں میں وجوب قرأت خلف الامام بلکہ جواز کے بھی قائل نہیں ہیں۔

چنانچہ حضرت امام احمد حنبل فرماتے ہیں:

هذا النبى صلى الله عليه وسلم (ارشارہ ذہنی ہے) وهذامالك من المدينة وهذا سفيان من الكوفة وهذا الاوزاعى من الشام وهذا ليث بن سعد من مصر ما قالوا لرجل صلى خلف رجل ولم يقرأ خلفه لا تجوز صلوته

یعنی حضرت امامؒ کا ارشاد ہے کہ یہ ہیں حضرت نبی اکرم ﷺ اور یہ ہیں مدینہ طیبہ کے امام مالکؒ اور یہ ہیں کوفہ کے امام سفیان ثوریؒ اور یہ ہیں شام کے امام اوزاعی۔ اور یہ ہیں مصر کے لیث بن سعدؒ ان میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں کہ جو شخص کسی امام کا مقتدی ہو اور اقتداء کی حالت میں قرأت نہ پڑھے تو اس کی نماز جائز نہ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت امام شافعیؒ کی ''کتاب الام'' اور ''کتاب الامام'' میں وجوب قرأت کا کوئی ذکر نہیں ہاں متاخرین شافعیہ کا کہنا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عمر شریف کے آخری دو سال میں وجوب کے قائل ہو گئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ حدیث میں وارد ہے من ادرك الركوع فقد ادرك الركعة یعنی امام کے ساتھ صرف رکوع پانے والا رکعت کو بھی پالیتا ہے۔ صاف بات یہ ہے کہ اگر مقتدی کے لئے قرأت واجب ہوتی تو وہ صرف رکوع میں امام کے ساتھ بغیر قرأت کے شامل ہو کر کیسے اور کس طرح رکعت پالیتا۔

حضرت امام بخاری عطر اللہ مرقدہ کا ذکر جمیل:...... حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ امام الحدیث اگر اپنے دست مبارک بلند کریں تو باعتبار حدیث دانی کے عرش مجید تک پہنچا سکتے ہیں آپ حضرت امام العالم امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بواسطہ و بلا

---

❶...... قال النبى صلى الله عليه وسلم من كان امام فقراة الامام قراة له یعنی جو شخص امام کی اقتداء کرتا ہے تو امام ہی کی قرأت مقتدی کی بھی قرأت ہے (صرف منفرد تنہا نماز پڑھنے والے پر ہی قرأت پڑھنا لازم ہے) وقال صلى الله عليه وسلم من صلى ركعة لم يقرأ فيها بأم القران فلم يصل الا ان يكون [illegible] راء الامام یعنی (جس) منفرد شخص نے ایک رکعت پڑھی اور اس میں ام القرآن (سورۃ فاتحہ) نہیں پڑھی اس نے نماز [illegible] نہیں پڑھی (کیونکہ قرأت نہیں پڑھی) ہاں اگر امام کے پیچھے ہو تو قرأت نہ پڑھے۔ معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے قرأت پڑ [illegible] نی نہیں چاہئے۔

واسطہ شاگردوں مثل عبداللہ بن مبارک وکیع بن الجراح، ابو بکر بن شیبہ یحییٰ بن معین، علی بن مدینی اور مکی ❶ بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہم کے شاگرد ہیں حضرت امام بخاریؒ نے جزء القرأۃ کے نام سے ایک رسالہ تالیف فرمایا ہے جس کا اکثر حصہ قرأت خلف الامام کے مسئلہ پر حاوی ہے۔ میرے استاد الاساتذہ زبدۃ المحدثین حضرت مولینا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ میں اس کا جواب باصواب لکھا ہے اور مضامین رسالہ پر محدثانہ کلام فرمایا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے علامہ قاضی شوکانی علیہ الرحمۃ پر جرح فرمائی کہ انہوں نے چند کتابوں کی عبارات میں ادھر ادھر ہیر پھیر کر کے بخیال خود احادیث پر تنقید کی ہے اور حضرت امام اعظمؒ کی موید احادیث کو نظر انداز کر کے متعصبانہ روش اختیار کی ہے۔ قاضی مرحوم ادنیٰ تحقیقات کے آدمی تھے، میں فخریہ نہیں بلکہ اپنی وسعت معلومات وتحقیقات کی بناپر کہتا ہوں کہ میری علمی تحقیقات ان کی تحقیقات سے بدرجہا بڑھ چڑھ کر ہیں۔ میں نے ان کے اکثر وجوہ استدلال کے ایسے جوابات دیئے ہیں کہ قاضی صاحبؒ کی بات ہی نہیں بلکہ ان کے فرشتوں کو بھی ان کی اطلاع نہیں ہوگی۔"

بہر حال یہ شاہ صاحب کی تقریروں کی خاص باتیں ہیں جو محض اہل علم کی ضیافت طبع کے لئے درج کی گئی ہیں ورنہ ان مسائل پر کسی قسم کا تبصرہ کرنا یا اس کو زیر بحث لانا ہرگز میرا مدعا نہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا روحانی شعور بھی بہت تیز تھا۔ خانقاہ اندرابیہ میں پہلی مرتبہ (غالباً عصر کی نماز پڑھائی۔ نماز پڑھا کر دعاء کے لئے قوم کی طرف منہ کیا مگر پیٹھ ذرا جنوب کی طرف مائل تھی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد پوری طرح قوم کی طرف منہ کر کے پشت بقبلہ ہو کر بیٹھ گئے۔ دعاء سے فارغ ہوئے تو حاضرین سے دریافت فرمایا کہ ادھر جنوب کی طرف کون بزرگ مدفون ہیں۔ حاضرین نے عرض کیا کہ یہ سید السادات شیخ وسید میر محمد میرک اندرابی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پُر انوار ہے، اس کے بعد بھی اس طرف پیٹھ کر کے نہیں بیٹھے۔

حضرت مخدوم شیخ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد مبارک کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے بڑا مجمع ساتھ تھا، جن میں اہل علم وفضل بھی شامل تھے۔ جوں ہی بالائی ڈیوڑھی میں قدم رکھا فوراً جوتے اتار دیئے۔ آپ کی تقلید میں تمام مجمع نے بھی جوتے اتار دیئے۔

ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ بصیرتِ قلبی اور روحانی کمالات سے بھی مالامال تھے۔

---

❶ ...... حضرت مکی بن ابراہیمؒ حضرت امام اعظمؒ کے شاگرد رشید تھے اور حضرت امام بخاری عطر اللہ مرقدہٗ کے زمانہ تک زندہ رہے اور ان کی شاگردی اختیار کی۔ یہ وہی مکی بن ابراہیم ہیں جن کے طفیل سے حضرت امام بخاریؒ کو اکثر ثلاثیات کا افتخار حاصل ہوا ہے۔ ثلاثیات امام بخاری محدثین کرام میں مشہور ہیں اور امام بخاریؒ ان کی بدولت مخصوص فضائل کے حامل ہیں (تذکرۃ الحفاظ حقیقۃ الفقہ)

جھیل ڈل کی سیر اور مثنوی کا درس:...... حضرتؒ کے قیام سرینگر کے دوران ایک دن سرینگر کی مشہور لمبی چوڑی جھیل (ڈل) کی سیر کا پروگرام بنا۔ بڑے بڑے اہل علم وفضل خصوصاً بزرگان میر محلّہ ملارٹہ ساتھ تھے۔ جھیل کے وسط میں پانی کی لہروں خودرو آبی نباتات، آس پاس اور دور ونزدیک اگاتی ہوئی گوناگوں سبزیوں، سرسبز وشاداب پودوں اور مثمر وغیر مثمر درختوں، جھیل کی چاروں طرف نظر آنے والی کچھ برف پوش، کچھ ننگی، اور کچھ سرسبز پہاڑیوں، مغل باغات کی تعمیرات کے ماحول میں نظر فریب آبشاروں اور قدرت کے دلکش ودل ربا نظاروں کے ساتھ ساتھ جاذب نظر صناعیوں کی بے مثال کشش اور بحیثیت مجموعی ان تمام مناظر قدرت کے عارفانہ مطالعہ سے آنکھوں میں نور اور دلوں میں سرور پیدا ہو رہا تھا کہ ایک بزرگ نے کمال متانت کے ساتھ باوقار سریلی آواز میں مثنوی کے دو تین اشعار پڑھے۔ پہلا شعر یہ تھا

بشنو از نے چوں حکایت می کند
واز جدا ئیہا شکایت می کند

اسی شعر کی تشریح میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے زبان کھولی اور مسلسل تین چار گھنٹے تک درافشانی فرماتے رہے۔ حاضرین ہمہ تن گوش بن کر سنتے رہے اور حضرت اقدس (شاہ صاحبؒ) درس دیتے رہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ درس کیا تھا؟ صاف معلوم ہوتا تھا کہ دین حق اور معرفت الٰہیہ کے دریا بہہ رہے ہیں۔ حاضرین میں اکثر علماء اور مشائخ کرام تھے جو اس قدر محظوظ ہو رہے تھے کہ گویا علوم دین اور معارف راہ یقین کی بدولت ان کے قلوب اسرار الٰہی (جل مجدہ) وانوار محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے معمور، معرفت کے شراب طہور سے متلذذ ومخمور اور عوارف انوریہ سے مسرور ہو رہے تھے۔ میں ان دنوں ایک معمولی لکھاپڑھا لڑکا تھا تاہم یہی سمجھ رہا تھا کہ علم وعرفان کا ایک بڑا شیریں چشمہ ابل پڑا ہے۔ واقعی حضرت شاہ صاحبؒ عارف کامل حضرت مولائے روم قدس سرہ سے بھی روحانیہ مکمل فیضیاب تھے۔

عامۃ المسلمین کے ساتھ حسن ظن:...... ایک دن صبح سویرے منہ اندھیرے کہیں تشریف لے گئے۔ کئی آدمی ساتھ تھے۔ خصوصاً ایک شخص خواجہ محمد اکبرا گو بھی بالکل ساتھ ساتھ تھے۔ فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ کر واپس (پیدل) تشریف لارہے تھے۔ راستے میں نقض وضو کیا اور محمد اکبرا گو مرحوم کے ہمراہ ایک مسجد کے طہارت خانہ میں گئے۔ استنجاء کے بعد وضو کیا اور مسجد میں تحیۃ المسجد والوضوء کے لئے داخل ہوئے۔ اب چاشت کا وقت بھی ہو گیا تھا۔ آس پاس کے لوگ حسب عادت سو کر اٹھے تھے اور مسجد میں فجر کی نماز (قضاء) پڑھ رہے تھے۔ جب حضرت شاہ صاحب محمد اکبر مرحوم

کے ہمراہ میر محلہ کی طرف چل پڑے تو ان سے فرمایا: "یہ لوگ بڑے صالح ہیں کہ کافی تعداد میں نماز چاشت پڑھنے کے لئے مسجد میں آتے ہیں۔" یہ عام مسلمانوں کے ساتھ ان کا حسن گمان تھا۔

حضرت شاہ صاحب کی اردو تصانیف:...... چونکہ میرا موضوع حضرت شاہ صاحب کا قیام سرینگر تک محدود ہے۔ میں نے اسی موضوع کے تحت کچھ عرض کیا ہے۔ اگر چہ کچھ مزید معلومات بھی فراہم کر سکتا تھا۔ مگر میں نے یہی مناسب سمجھا کہ اپنی یادداشت اور حضرت کی تقریروں سے ضروری باتیں عرض کر کے حضرت شاہ صاحبؒ کے کمترین خدام میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کروں۔ اللہ تعالیٰ عزیز دوست عبدالرحمٰن صاحب کونڈو کو جزائے نیک دے کہ انہوں نے یہ موقع فراہم کیا۔ جو خوش قسمت حضرات حضرت شاہ صاحبؒ کی صحبت بابرکت سے فیضیاب ہو چکے ہیں وہ یہی یقین رکھتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب اپنے علمی و عملی کمالات میں انفرادیت رکھتے تھے۔ آپ کے شیوخ اساتذہ کو بھی آپ پر بڑا فخر اور ناز تھا۔ قوت حافظہ معارف علم حدیث میں آپ کو لاثانی مقام حاصل تھا۔ آپ کی اکثر تصانیف عربی زبان میں اور کچھ فارسی زبان میں طبع ہو کر تشنگان علوم کو برابر سیراب کر رہی ہیں۔ ان تصانیف پر اہل علم حضرت تفصیل سے روشنی ڈال چکے ہیں، میں اس پر اتنا ضرور اضافہ کرتا ہوں کہ حضرتؒ کے تین مندرجہ ذیل رسائل اردو زبان میں میرے پاس موجود ہیں:

۱۔ خطبہ صدارت جمعیۃ علماء ہند دہلی (سال ار سن محفوظ نہیں)

۲۔ دعوت حفظ ایمان ۱

۳۔ دعوت حفظِ ایمان ۲

دعوت حفظ ایمان کے رسالے مرزا قادیانی اور ان کے چیلے چانٹوں کی تردید میں لکھے گئے ہیں۔ میر غالب خیال ہے کہ دعوت حفظ ایمان کے کچھ مزید نمبرات بھی شائع ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ حضرت شاہ صاحبؒ مرزائی تحریک کی سرکوبی کو جز ایمان یقین کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرتؒ نے یہ سلسلہ سادہ لوح مسلمانوں کی ایمانی دولت کو مرزائی کفریات وواہیات سے بچانے کے لئے شروع فرمایا تھا۔ میں اس پر اپنی اس ناچیز تحریر کو ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحبؒ کے درجات کو بلند فرمائے اور بزرگان دین کے صدقے مجھ نامہ سیاہ و سراپا گناہ کی مغفرت فرمائے۔

سبحان اللّٰہ رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للّٰہ رب العالمین.

حضرت شاہ صاحبؒ کی نظرِ عنایت

از جناب سید مبارک شاہ گیلانی فطرت

شیخ الحدیث علامہ انور شاہ کشمیریؒ شہر کے چند اہل علم اور فضلاء کی دعوت پر ایک مذہبی تقریر ارشاد فرمانے کے لئے سرینگر تشریف لے آئے تھے۔ اور غالباً یہ ۱۹۲۵ء تھا۔ آپ اپنے آبائی مسکن موضع درنو (لولاب) سے تشریف لاکر خانقاہ معلیٰ کے سلطان خانہ کے بالائی حصے میں فروکش ہوئے۔ لوگ بکثرت حاضر تھے۔ آپ نے ایک جم غفیر کو مذہب حنفیہ کے اصول وفروع سے آگاہ فرمایا۔ شہر کے علماء وفضلاء نے آپ کی تقریر دلپذیر سے حظ وافر حاصل کیا۔ اس موعظہ میں حضرت نے خاص طور پر قادیانی عقائد کی تردید فرمائی اور اکثر تعلیم یافتہ حاضرین نے آپ کی اس تقریر کو قلمبند بھی کیا۔

میرے برادر مرحوم مبلغ اسلام سید یاسین گیلانی آپ کے خاص خاص معتقدین میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ راقم الحروف ان دنوں عربی متعلم تھا، کسب علم کا بے حد شوقین تھا۔ حضرت شاہ صاحب جب خانقاہ معلیٰ کی مجلس تقریر سے فارغ ہوئے تو سر سید یاسین صاحب گیلانی کی دعوت قبول فرما کر ہمارے فقیر خانہ (خانقائے معلے) میں تشریف لے آئے، مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے ہمارے مکان کا کوئی کمرہ خانہ نہ تھا۔

بہر حال آپ کی نظر انور اتفاقاً مجھ حقیر پر پڑی اور میرے برادر محترم یاسین صاحب سے فرمانے لگے کہ یہ عزیز آپ کا کیا لگتا ہے؟ آپ نے عرض کی کہ حضرت یہ میرا برادر خورد ہے ہم اپنے والد ماجد کے صرف دو ہی فرزند ہیں۔ میرا یہ بھائی ذہین تو ہے مگر شوخ طبع اور شعر وشاعری کا دلدادہ ہے، میں چاہتا تھا کہ یہ اپنی توجہ زیادہ سے زیادہ مذہبی تبلیغ کی طرف متوجہ کرے۔

حضرت نے فرمایا کہ شعر حسن برا تو نہیں ہے۔ الشعراء تلامذ الرحمن...... ان فی الشعر لحکمة۔ اچھا اس کا نام کیا ہے؟ آپ نے عرض کی کہ حضرت! یہ تو نام کا مبارک ہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت مولینا نے نہایت ہی مشفقانہ انداز میں فرمایا کہ ان شاء اللہ المستعان کام کا بھی مبارک ہوگا۔ ہاں اس کو کسی عرصہ کے لئے درنو (لولاب) بھیج دیجئے۔ گو میں عدیم الفرصت ہوں۔ لیکن علماء دیوبند میں سے میرے ایک ساتھی عزیز الرحمٰن صاحب ایک صوفی منش بزرگ ہیں۔ کسی مدت کے لئے ان کی صحبت میں رہ کر آپ کا بھائی ضرور محظوظ ہوگا۔ اور اگر فرصت ملی تو میں اپنے

برادر صغیر مولوی سیف اللہ شاہ کے ساتھ اس کو بھی پڑھاؤں گا۔ یقیناً یہ تو مولینا کا فرمان واجب الاذعان تھا کہ مجھ میں حضور انور سے استفادہ کا شوق دامنگیر دل و دماغ ہوا اور میں آپ کی واپسی کے چند ہی دنوں کے بعد ورنو (لولاب) روانہ ہوا۔

میں سیدھے مولینا کے کاشانہ علم وادب میں داخل ہوا۔ میرے ساتھ آپ کے بھائی حکیم عبداللہ شاہ صاحب تھے۔ جو بسم اللہ شاہ کے عرف سے معروف تھے۔ آپ نے میرے لئے سفارش کی۔ حضرت مولینا مرحوم نے فرمایا کہ یہ سفارش کے بغیر ہی میرے منظور نظر ہیں۔ بات تو صرف اتنی ہے کہ میں مصروف ہوں۔

بہر حال حضرتؒ نے اپنے دوسرے بھائی مرحوم سلیمان شاہ صاحب سے فرمایا کہ آپ اسے مولینا عزیز الرحمٰن سے ملایئے اور ان کو تاکید کیجئے کہ فی الحال سیف اللہ شاہ اور مبارک شاہ کو مشکوٰۃ شریف کا درس دیں۔

دوسرے دن ہم دونوں اکٹھے مولینا عزیز الرحمٰن صاحب کے گھر پر حاضر ہوئے۔ جو موضع کاری میں سکونت پذیر تھے۔ جونہی میری نظر آپ کے نورانی چہرے پر پڑی۔ میں آپ کا شیفتہ ہوا۔ آپ پرلے درجہ کے متقی اور زاہد تھے۔ اپنے ہاتھ سے اپنی زمین میں مکئی بوتے اور کاشت کا کام خود کر لیتے تھے۔ اسی پیداوار سے آپ کی غذا حلال تھی، آپ ایک بھینس بھی پالتے تھے، اس کے دودھ وغیرہ کے ساتھ مکئی کی روٹی تناول فرماتے تھے۔ آپ نے شاہ صاحب کا فرمان بسرو چشم قبول کیا اور ہم دونوں (سیف اللہ شاہ مرحوم اور راقم الحروف) ان سے درس حدیث مع اسناد حاصل کرتے رہے۔ میں نمبردار دہ رحیم میر ورنو ولد کریم میر مرحوم کے گھر میں سکونت پذیر ہوا۔ یہ نہایت ہی مخلص اور علم دوست آدمی تھا۔

بہر حال میں روزانہ مولینا عزیز الرحمٰن صاحب دیوبند سے درس حدیث لے لیتا تھا۔ شام کو حضرت شاہ صاحبؒ کی صحبت میں رہ کر تذکرۃ العلماء کے حظ وافر سے محظوظ رہتا تھا۔

غالباً دو مہینے یہی سلسلہ جاری رہا بعد میں حضرت شاہ صاحبؒ کو دیوبند سے اچانک بلاوا آیا اور وہ دیوبند تشریف لے گئے۔ اور پھر میں بھی آپ کی غیر حاضری میں وہاں پر مطمئن نہ رہ سکا اور چونکہ اسی اثناء میں مولینا عزیز الرحمٰن کی صحت بھی خراب ہوئی۔ اس لئے میں واپس اپنے گھر ت کو سرینگر روانہ ہوا۔

از در شاہ چگویم بچہ سامان رفتم
ہمہ ذوق آمدہ بودم ہمہ حرمان رفتم

بہر کیف یہی وجہ ہے کہ مجھے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی کے ساتھ بے انتہا عقیدت ہے۔

''شام از زندگی خویش کہ کارے کردم''

حضرت ممدوح ہی سے راقم کو ایک لاینحل مسئلہ طے ہوا میں طالبعلمی کی وجہ سے اور العلم حجاب الاکبر کے بموجب استمداد من ارواح الانبیاء والاولیاء کے بارے میں مشتبہ عقیدہ کا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ بچہ اہر عمل کا دارومدار نیت پر ہے۔ انما الاعمال بالنیات اگر عقیدۃً یا حقیقتاً انبیاء واولیاء سے استمداد کیا جائے تو کفر ہے خبردار اس بارے میں نیت کو صاف و پاک کیا جائے ورنہ ع

'چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی'

اور آپ خاندان نبوی سے نسبت کے مدعی ہیں لہٰذا آپ سے زیادہ احتیاط مطلوب ہے۔

اس کے علاوہ حضرت کی صحبت میں ہمارے حنفی عقائد کے بہت سے پیچیدہ مسائل بھی حل ہوئے۔ صلوات اللہ وسلام علی النبی عرض کرنے کے وقت سرینگر میں لوگ دونوں ہاتھ دعا کے طور پر اٹھاتے تھے ہم نے آپ سے عرض کیا کہ صلوۃ وسلام کے وقت ہم اپنے ہاتھوں کو نماز کی طرح ادب سے باندھیں گے یا بصورت دعا دونوں ہاتھ پھیلائیں گے؟ حضرتؒ نے جواباً فرمایا ادب سے ہاتھ باندھو تو عین ادب ہے پھر مولینا رومیؒ کا یہ شعر زبان پر آیا ۔

کہ دم از عقل سوالے کہ بگو ایمان چیست
عقل در گوش دلم گفت کہ ایمان ادب است

خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ادب کا ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی است

اور اگر کوئی دعا کی نیت سے ہاتھ اٹھائے تو الصلوۃ علی النبی دعاء یعنی سرور کائنات ﷺ پر درود پڑھنا دعا ہے۔ قرآن حمید میں آیا ہے ان صلوتک سکن لھم آپ ﷺ کی صلوۃ یعنی دعاء مومنوں کے لئے طمانیت قلب ہے۔

اسی طرح آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کشمیر میں حضرت سید عبدالرحمٰن بلبل نے سب سے پہلے اسلام پھیلایا وہ خود حنفی المذہب تھے آپ کے بعد جناب امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ نے بھی اس ملک میں حنفی عقیدت ہی کی تعلیم فرمائی۔ حالانکہ وہ خود شافعی المسلک تھے۔ کیونکہ جب کسی

جماعت نے اپنا ایک مذہب مقرر کیا تو پھر اس میں دوسرا مذہب جونسا فتنہ وفسادات کا باعث ہے۔اور قرآن عزیز بھی اس سے منع کرتا ہے۔ والفتنة اشد من القتل۔

غرض احقر نے آپ کی صحبت میں تمام مذہبی شکوک رفع کیے ہیں اس کوتاہ مضمون میں ان کا اندراج طول کلام ہوگا۔ الکلام ما قل ودل۔

حضرت شاہ صاحب کے متعلق یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ آپ حضرت بابا مسعود نروری کی اولاد مجاز میں سے ہیں۔ الناس معادن کمعادن الذهب والفضة۔ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ لوگوں میں کانیں ہیں جس طرح کے سونے اور چاندی کی کانیں ہیں۔ اس حدیث شریف کی رو سے آپ اپنے جد بزرگوار کی علمی کان کے ایک امانتدار تھے۔ شیخ علی متقی محدث ایک آیہ کریمہ کے اقتباس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ صلاحیة الاب تورث للولد ولو طغی۔ یعنی باپ کی بزرگی اولاد کو ورثہ میں ملتی ہے۔ اگرچہ وہ (بالفرض) نافرمان ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی دلیل وثبوت یہ ہے کہ وکان ابوهما صالحا یہ واقعہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خضرؑ کی ملاقات کے سلسلے میں قرآن کریم میں مذکور ہے۔

غرض حضرت بابا مسعود نروریؒ اس قسم کے متقی، عارف اور صوفی صافی تھے کہ حضرت میر سید میرک اندرابیؒ نے اپنی صاحبزادی کا عقد ان سے باندھا۔ حالانکہ شیخ مسعود آل صوری نہیں تھے۔ مگر آل معنوی ضرور تھے۔ کیونکہ کل تقی آلی۔ باوجود اس کے حضرت شاہ صاحب کی تقویٰ شعاری کا یہ مقام تھا کہ اس مضمون کے ماتحت کسی اخبار نویس نے آپؒ کے اسم گرامی کے ساتھ سید لکھا یہ ہمارے ہی وقت کا واقعہ ہے کہ حضرت نے اس بارے میں ایک بیان اخباروں میں بھیجا کہ۔

''میں رسول اللہ کی اولاد کا غلام ہوں، محب عترت ہوں، سید نہیں ہوں۔''

آپ ﷺ سے کوئی استفتاء کرتا تو ہرگز کوئی اجرت نہیں مانگتے اور نہ ہی لیتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ کے والد بزرگوار مولینا معظم شاہ صاحب کی خدمت میں اکثر لولاب کے لوگ استفتاء کے لئے آتے رہتے اور ہدیہ کے طور پر کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور ساتھ لے آتے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے کچھ سیب لائے۔ شاہ صاحب کی نظر جب اس شخص پر پڑی تو سخت رنجیدہ ہوئے۔ اپنے والد ماجد سے کمال ادب سے عرض کی کہ فتویٰ لکھنے کے عوض کوئی تحفہ نہ لیا کریں ہاں ہدیہ لینا کوئی ناجائز، امر نہیں۔ تهادو اتحابو احدیث صحیح ہے۔ ہدیہ دینے سے محبت بڑھتی ہے مگر فتویٰ لکھتے وقت ہدیہ قبول کرنا مشتبہ امر ہے۔ [1]

---

[1] ...... آج کل کے جو فتویٰ فروش مفتی اور شکم پرست نیم ملا فتویٰ لکھنے سے پہلے ہی مستفتی سے چکا مکا کر اجرت فتویٰ حاصل کرتے ہیں ان کی ضمیر کی آنکھیں کھولنے کے لئے حضرت شاہ صاحب کا یہ ارشاد سرمہ بصیرت ہونا چاہئے۔ کوندو

آہ کایں قمری فردوس مکان آمدورفت
بلبل آسا بگلستان جہان آمدو رفت

آکاہ یں ماہ منور چہ شیہ انور بود
ہمچو نور قمری آہ چاں آمدورفت

پر تو مہر درخشان، بجہانے بنمود
صبح وش برسر ما نور فشاں آمدورفت

گرچہ خفاش صفت ماند ز نورش محروم
ہمچو خورشید ضیالیک عیان آمدورفت

مرہم زخم جگر داروی درد دلہا
چوں مسیحا بمریضان گمان آمدورفت

فطرت ایں پیش رو زمرۂ اہل ایقان
زین خرابات جہاں سوئی جناں آمدورفت

☆☆☆☆☆☆☆

نمونہ

ملفوظاتِ انورؒ

۱۔ علم سے (صرف) معاش کا کام لینا اور اسی مقصد کے لئے اسے حاصل کرنا ایک بدترین مصیبت ہے ان لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بازار سے ایک قیمتی شال اس لئے خرید کرتا ہے کہ وہ اس سے اپنے جوتے صاف کیا کرے گا۔ (بحوالہ تاریخ دیوبند ۴۰۰)

۲۔ اشھد ان محمدارسول اللہ ۔ کے وقت انگوٹھا چومنا بے اصل ہے، سوا ایک اثر کے جسے حضرت ابوبکرؓ سے ملا علی قاریؒ نے موضوعات میں ذکر کیا ہے لیکن وہ منکر وضعیف ہے۔ مولینا عبدالحیؒ نے السعایہ (حاشیہ شرح وقایہ) میں بسیط بحث کی ہے۔ (فیض الباری جلد ۲ ص ۲۶)

۳۔ میلاد کا قیام بدعت ہے۔ تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ ملک اربل نے اسے رائج کیا ابن وحیہ نے میلاد کی کتاب لکھی تھی۔ سید یحیٰ اور ابن حجر قوموا السید کم سعد ابن

معاذ پر قیاس کر کے اجازت دیتے ہیں۔ مگر قیاس مع الفارق اور قیاس المحقق علی الموہوم ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۳۱۹)

۴۔ مولینا شمس تبریز خان صاحب آروی رسالہ دار العلوم (جولائی ۱۹۶۷ء میں مقدمہ مشکلات القرآن کے حوالہ سے رقمطراز ہیں:

"آپ کی (یعنی حضرت شاہ صاحب کی) رائے تھی کہ قرآن کا اسلوب تالیف و ترتیب کا نہیں بلکہ خطیبانہ اسلوب ہے جو سامعین کا لحاظ رکھتا ہے اور حسب موقع گفتگو کا رخ بدلتا رہتا ہے۔ کیونکہ عرب کا مزاج ایسا ہی تھا۔ آپ کا کہنا تھا کہ قرآن واقعات کی کتھونی اور حیات و ممات کا رجسٹر نہیں بننا چاہتا، بلکہ اس کا مقصد تذکیر و نصیحت اور عبرت و موعظمت ہے اس لئے واقعات کا بھی اسی حد تک ذکر کرتا ہے اور اجمال و تفصیل سے کام لیتا ہے۔ آپ کا خیال تھا کہ قرآنی بیانات کی تکرار قند مکرر کا لطف دیتی ہے۔ اسی لئے قرآن خود اپنی تفسیر و تشریح بھی کرتا ہے۔ جس سے موضوع کی اصیت بھی کھل جاتی ہے۔ جیسے نماز کا ذکر ۹۰۰ مرتبہ سے زیادہ آیا ہے۔ مولینا حمید الدین فراہیؒ۔ (صاحب نظام القرآن) کی طرح شاہ صاحب بھی ربط آیات اور قرآن مکمل منظم اور مربوط ہونے کے قائل تھے۔ فرماتے تھے کہ ہم اپنی کم فہمی سے وہ ربط نہیں سمجھ پاتے، مگر فقہاء کے مرتب کلام کی طرح ہر بات کسی اصل اور قاعدے کے تحت ہوتی ہے۔ نسخ قرآن کے وہ قائل نہ تھے۔ سیوطی بیس آیتوں اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ پانچ آیتوں میں (نسخ کے) قائل ہیں۔ مگر ان کا کہنا تھا کہ بظاہر منسوخ آیتوں کا حکم بھی کسی نہ کسی طرح موجود ہے۔ وہ قرآن میں کسی زائد حرف کے بھی قائل نہ تھے۔ بلکہ ایسے حروف کو کسی مزید فائدہ پر مشتمل سمجھتے تھے"۔ (مقدمہ مشکلات القرآن ۷۶-۸۰)

۵۔ "عالم برزخ یہی زمین و آسمان کے درمیان کی فضا ہے۔" (بحوالہ حیات انور ص ۱۹)

۶۔ احادیث مقدسہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روحیں قیامت تک عالم برزخ میں رہیں گی۔ جنت یا دوزخ میں داخلہ قیامت کے روز حساب و کتاب کے بعد ہوگا۔ قیامت تک جنت یا دوزخ کے آرام یا تکلیف ان روحوں پر پہنچتے رہتے ہیں اور وہ ان اثرات کی راحت یا اذیت محسوس کرتی رہتی ہیں۔ (بحوالہ حیات انور ص ۱۹)

۷۔ (ایک دفعہ عقلی مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے فرمانے لگے)

"ذرا ان منطقیوں کے حماقت ملاحظہ کیجئے کہ درخت ایک مرکب حقیقت ہے جڑ، تنا،

شاخیں، برگ وبار سب ہی اس کے اجزاء ہیں فرق کیجئے کہ کوئی ہلکا سا پتا گر گیا تو منطقی کہہ دے گا کہ درخت باقی نہ رہا اس لئے کہ جز کا ارتفاع کل کے ارتفاع کو ملزم ہے"۔ (دارالعلوم مئی ۱۹۷۱ء ص ۱۴)

۸۔ حافظ ابن حجر سے فجر کی سنتوں کے بارے میں حدیث کی مراد سمجھنے میں سہو ہوا ہے، حالانکہ فجر کی سنتوں کے بارے میں ترمذی ۵۷ پر ہے۔"من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلها ما تطلع الشمس" یہ حدیث مسند احمد اور دارقطنی میں پانچ طریقوں سے ثابت ہے۔ اس کے علاوہ تین سنن وبیہقی، دو صحیح سنن ابن حبان، دو مستدرک اور ایک طبقات ذہبی کی سنن کبری اور طحاوی میں ہیں ان سب کا مدار حدیث قتادہ ہے۔ (العرف الشذی علی جامع الترمذی ص ۹۲،۹۴ مطبع القاسمیہ)

۹۔ "اگر آدمی صحیح بصیرت کے ساتھ احادیث میں غور وفکر کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ اکثر وبیشتر احادیث قرآن کے اجمال کا بیان اور اس کے اشارات کی توضیحات ہیں بلکہ کثرت سے ایسی احادیث ہیں جن میں تعبیرات قرآنی کے لطیف اشارے ملتے ہیں۔ اس نقطہ نظر سے مطالعہ کے لئے سیوطی کی درمنثور بہت مفید کتاب ہے۔" (مقدمہ مشکلات القرآن از مولینا محمد یوسف صاحب بنوری ص ۱۴)

۱۰۔ کل امت کا اس پر اجماع ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ناروا الفاظ کہنے والا کافر ہے۔ اور جو شخص اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (اکفار الملحدین فی ضروریات الدین ۴۳)

۱۱۔ فلسفہ قدیم ابعد عن الاسلام ہے۔ اور فلسفہ جدید اقرب الی الاسلام ہے۔ حق تعالی کی مشیت ایسی معلوم ہوتی ہے کہ جن عقلاء زمانہ نے اسلامی چیزیں معجزات وروحانیت وغیرہ کا انکار کیا تھا، ان ہی کے فلسفہ ریسرچ اور تحقیقات سے وہ سب چیزیں دنیا والوں کے لئے ثابت ومشاہد ہوجائیں۔

(چنانچہ روح اور روحانیت کا اقرار وہ کر چکے، خوارق وعادات بھی تسلیم ہو چکے جن سے معجزات اسلام کا استبعاد عقل ختم ہوا۔

قرآن مجید میں ہے اہل جنت واہل جہنم آپس میں ایک دوسرے کو دیکھیں گے پہچانیں گے اور باتیں کریں گے حالانکہ ان کے درمیان بہت غیر معمولی فاصلہ ہوگا۔ تو اب ٹیلیفون، سلکی، تلغراف، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی ایجادات نے اس کو بھی قریب عقل ومشاہد کر دیا ہے۔

اصوات واعمال کا ریکارڈ مستبعد سمجھا جاتا تھا مگر گراموفون کی ایجاد نے اس سے بھی مانوس کر دیا کہ حق تعالیٰ نے زمین اور اس کے متعلقات میں بھی اخذ وریکارڈ کا مادہ ودیعت فرما دیا تھا۔ جس کو ہم یورپ کی ان ایجادات سے پہلے عقل ومشاہد کی رو سے نہ سمجھ سکتے تھے۔

(نطق انور حصہ اول ص ۶۱۔ از مولینا سید احمد رضا صاحب بجنوری)

۱۲۔ آخرت میں اعمال کا ثمرہ جو ملے گا وہی عمل ہونگے۔ ان کی ایک صورت ہے کہ عالم دنیا کی اور دوسری عالم آخرت کی، عمل ایک ہی ہے لیکن مکان کے اعتبار سے فرق ہے کہ وہی عمل وہاں جزاء کی صورت میں ہوگا۔ اور اس کی دلیل آیت قرآنی ووجدوا ماعملو حاضرا ہے۔ جس کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ بعینہ اپنے کیئے ہوئے اعمال ہی کو آخرت میں موجود پائیں گے۔ اور یہ مفہوم دوسری آیات واحادیث سے بھی موید ہوتا ہے۔

(نطق انور حصہ اول ص ۹۰)

۱۳۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کا کشف ہے کہ ''محشر میں پیشی کے وقت داہنی طرف اللہ اکبر، بائیں طرف سبحان اللہ، پچھلی طرف الحمد للہ اور سامنے سے لا الہ الا اللہ یہ چاروں کلمات رفیق ہوں گے۔

یہ ترتیب اس لئے ہے کہ اللہ اکبر اعلان کی چیز ہے، چنانچہ نعرہ تکبیر جہاد وغیرہ میں ہے اور یہ علَم جہاد بھی داہنے ہاتھ میں ہوتا ہے لہذا داہنی جانب مناسب ہے۔

سبحان اللہ تسبیح ہے نقائص وعیوب سے اور صفت سلبی ہے۔ لہذا ڈھال کی جگہ (بائیں طرف) مناسب ہے۔ الحمد للہ یہ آخر میں اور ہر کام کے پیچھے ہوا کرتا ہے، جیسے کھانے کے بعد، اور ترازو میں بھی آخر میں ہوگا۔ لہذا پیچھے ہونا مناسب ہے۔ اور لا الہ الا اللہ چونکہ ہادی اور رہنما ہے۔ اس کا سامنا ہونا مناسب ہے۔ (نطق انور حصہ اول ۹۲)

۱۴۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کی وجہ علم زیادہ ہونا ملائکہ سے بتلایا جاتا ہے لیکن میرے نزدیک چونکہ حضرت آدمؑ کی خلقت ہی میں عبدیت زیادہ تھی۔ بہ نسبت ملائکہ کے اس لئے وہ خلافت سے سرفراز ہوئے ہیں۔ کیونکہ خلافت عطا فرمانے کی بات اور اس پر ملائکہ کی طرف سے عرض ومعروض پہلے ہی ہو چکی تھی، پھر جب یہ مکالمہ (یا مناظرہ) ختم ہو چکا تو حق تعالیٰ نے ایک کرشمہ بھی دکھایا کہ حضرت آدمؑ کو علم عطا فرما کر ظاہر میں حجت بھی قائم فرما دی یعنی ارشاد خداوندی عطاء منصب خلافت پر ملائکہ نے بنی آدم کے ظاہری احوال سے ''سفک

دما " "وفساد فی الارض " " کا اندازہ لگا کر جو بے محل سوال کر دیا تھا حق تعالیٰ نے صرف انی اعلم مالا تعلمون فرمادیا اور فرشتے بھی اپنے بے محل سوال پر نادم ہو گئے، پھر بعد کے واقعات نے ظاہر کر دیا کہ حضرت آدمؑ نے ہر موقع پر جناب باری میں نہایت عاجزی، غایت تذلل اور تضرع وابتہال ہی کا اظہار کیا، اور کوئی بات بھی بجز عبودیت کے ظاہر نہ فرمائی، حالانکہ وہ بھی حجت ودلیل اور سوال وجواب کی راہ اختیار کر سکتے تھے، چنانچہ جب حضرت موسیٰ سے مناظرہ ہوا تو حضرت آدمؑ نے ایسی قوی حجت پیش فرمائی کہ حسب ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے، ظاہر ہے کہ یہی دلیل وہ حق تعالیٰ کی جناب میں بھی پیش کر سکتے تھے، مگر وہاں ایک حرف بھی بطور عذر گناہ نہیں کہا، بلکہ اس کے برخلاف اپنی قصور ہی کا اعتراف فرما کر مدت دراز تک توبہ واستغفار، عجز ونیاز اور گریہ وزاری میں مصروف رہے، میرے نزدیک یہی عبودیت اور سراپا اطاعت ونیاز مندی کا وہ مقام تھا جس کی وجہ سے حضرت آدم خصوصی فضیلت اور خلعت خلافت سے سرفراز ہوئے ہیں پھر اس کے بعد جو حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے وصف علم کو اس موقع پر نمایاں کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کا وصف ظاہر تھا، جس کو سب معلوم کر سکتے تھے، اس لئے نہیں کہ وہ مدار فضیلت تھا، بخلاف وصف عبودیت کے کہ وہ مشہور و پوشیدہ وصف تھا، جس کو معلوم کرنا دشوار تھا۔ الخ (نطق انور حصہ اول ص ۱۶۶-۱۶۷)

۱۵۔ امام شافعیؒ چونکہ فقیہ النفس تھے اس لئے انہوں نے امام محمدؒ کی کما حقہ تعریف کی ہے۔ کبھی فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ دل اور نگاہ دونوں کو بھر دیتے ہیں (کیونکہ خوب صورت تھے اور علم بھی اچھا تھا) کبھی فرماتے ہیں کہ جب امام محمدؒ گفتگو کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وحی نازل ہو رہی ہے، ایک بار فرمایا کہ میں نے ان سے دو اونٹوں کے بوجھ کے برابر علم حاصل کیا۔ جہاں تک محدثین کی بات ہے تو ان میں جو لوگ فقیہ نہیں ہیں انکو امام محمدؒ کی قدر ومنزلت معلوم نہیں اس لئے ان لوگوں سے امام محمدؒ کے بارے میں تعریفی کلمات منقول نہیں ہیں۔ محدثین کی ناپسندیگی کی وجہ یہ ہے کہ امام محمدؒ پہلے شخص ہیں جس نے فقہ کو حدیث سے الگ کیا۔ ان سے پہلے تصنیف کا انداز یہ تھا کہ حدیث اور فقہ کو ایک ساتھ مخلوط کر کے ذکر کرتے تھے۔ بہر حال چونکہ انہوں نے محدثین کے انداز کے خلاف کیا اس لئے ان لوگوں نے اس بارے میں ان کو مطعون کیا حالانکہ آخر کار تمام مذاہب والوں کو ان کی اتباع کرنی پڑی اور سب نے انہیں کا طریقہ کار اختیار کیا۔ (فیض الباری ج ۱۵۲-۱۵۳)

۱۶۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ فلاسفہ میں سے کوئی بھی عالم کے قدیم ہونے کے قائل نہیں ہے، افلاطون بھی عالم کو حادث کہتا تھا۔ یہاں تک کہ رسوائے زمانہ ارسطو آیا اس نے عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد قائم کیا لیکن یہ اعتقاد بالکل غلط ہے۔ اس کا قائل کافر ہے [1]۔
تمام آسمانی مذاہب بھی عالم کے حادث ہونے پر متفق ہیں۔ ہاں بعض صوفیاء کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے بعض چیزوں کو قدیم مانا ہے۔ مثلاً شیخ اکبرؒ، علامہ شعرانی شافعی نے فرمایا ہے کہ یہ عبارتیں بعد کی ملائی ہوئی ہیں، میرا خیال یہ ہے کہ شیخ اکبر بعض مسائل میں منفرد ہیں۔ چنانچہ انہوں نے فرعون کے ایمان کا اعتبار کرلیا ہے۔ اگر اس نے توبہ نہ کی ہوگی تو اس کو اس کے اعمال کی سزا ملے گی مگر شیخ اکبر کے نزدیک وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رکھا جائیگا۔ بحر العلوم نے شیخ اکبر کی طرف بعض اشیاء کے قدیم ہونے کو منسوب کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ نسبت صحیح ہے لیکن دوانی نے ابن تیمیہ کی طرف عرش کے قدیم ہونے کی جو نسبت کی ہے یہ درست نہیں ہے۔ (فیض الباری ج ا ص ۱۲۶)

۱۷۔ جان لو کہ فلاسفہ میں کوئی حدوث ذاتی کا قائل نہیں تھا، ابن سینا نے آکر یہ اصطلاح ایجاد کی اس کا مقصد یہ تھا کہ اسلام اور فلسفہ کے درمیان بیچ کا راستہ نکال لے۔ فلاسفۂ یونان افلاک اور عناصر کو شخصی طور پر قدیم مان رہے تھے اور موالید ثلثہ (جمادات حیوانات ،نباتات) کو نوعی اعتبار سے قدیم مانتے تھے۔ میں نے اپنے رسالہ میں اس عقیدہ کے بطلان کو واضح کیا ہے۔ ابن رشد نے
تہافت التہافت نامی ایک کتاب لکھی ہے جس کے اندر امام غزالی پر اعتراضات کئے ہیں، میں نے غزالی پر کئے گئے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ایک رسالہ لکھا ہے مگر اب تک اس کے طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ میرے خیال میں ابن رشد ابن سینا سے زیادہ ماہر ہے اور ارسطو کا کلام ابن سینا سے زیادہ سمجھتا ہے۔ (فیض الباری ج ا ص ۱۲۶)



[1] ..... کیونکہ اس کا فلسفہ چند بنیادی مسائل میں اسلامی عقائد سے متصادم ہے۔ کوندو



حضرت شاہ صاحبؒ کے عربی کلام کا نمونہ

حضرت شاہ صاحب نے "اکفار الملحدین فی شئی من ضروریات الدین" کے نام سے ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے، جس میں مسائل اجماعیہ وقطعیہ کے منکرین اور ضروریاتِ دین یعنی متواتراتِ شرعیہ میں تاویلیں کرنے والوں کی تکفیر کا مسئلہ کافی اور وافی دلائل کے ساتھ نہایت شرح وبسط سے واضح فرمایا ہے۔ اس رسالہ میں حضرت ممدوحؒ نے ایک قطعۂ انجازیہ بھی ان ظم فرمایا ہے جو اُمّتِ محمدیہ اور بالخصوص علماء کی خدمت میں بطور استدعاء کے ہے اس میں مرزا قادیانی علیہ ماعلیہ کی کفریات (جن کی وجہ سے وہ کافر قطعی قرار پایا) کی تردید میں دلائل دیئے گئے ہیں۔

حضرت موصوف قدس سرّہٗ کے ارشد تلمیذ حضرت مولانا سیّد محمد ادریس صاحب سکھروڑوی مرحوم نے ان اشعار کا اُردو ترجمہ بہ تکمیل حوالہ جات ضروری تشریح کے ساتھ۔

"صَدْعُ النِّقَابِ عَنْ جَسَّاسَةِ الْفَنْجَابِ"

نام کے رسالہ میں شائع کیا ہے۔ یہ رسالہ ۱۹۲۵ء میں مطبع قاسمی دیوبند سے "اصل" کی تمام تر خوبیوں کا برقرار رہنا ممکن نہیں اس لیے ہم حضرت موصوفؒ کی عربی نظم بھی ترجمے کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ قارئین کرام کی خدمت میں مختصر حواشی کے ساتھ ہماری یہ پیش کش تبرکا بھی ہے اور بطورِ نمونہ کلامِ حضرت ممدوحؒ بھی۔

کوندو عفی عنہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَلَا يَا عِبَادَ اللّٰهِ قُوْمُوْا وَ قَوِّمُوْا خُطُوْبًا أَلَمَّتْ مَا لَهُنَّ يَدَانِ[1]

خبردار اے خدا کے بندو تیار ہو جاؤ اور جو ناقابلِ برداشت مصائب ٹوٹ پڑے ہیں اُن کو درست کردو۔

وَقَدْ كَانَ يَنْقَضُّ الْهُدٰى وَمَنَارُهٗ وَزَحْزَحَ خَيْرٌ مَا لِذَاكَ تَدَانِ[2]

بہت قریب ہے کہ ہدایت اور نشانِ ہدایت گر جائیں اور خیر دور ہوگئی ہے جو پھر نزدیک ہونے کو نہیں ہے۔

---

[1]……اس شعر میں حضرت شاہ صاحبؒ کی غرض اُمّت مرحومہ اور بالخصوص جماعت علماء کو قادیانی فتنہ کی طرف توجہ دلانا ہے۔

[2]……ہدایت اور نشانِ ہدایت گر جانے سے آیات قرآنی میں دخل وقسل اور انبیاء علیہم السلام کی توہین وتذلیل کیے جانے کی طرف اشارہ ہے۔

يُسَبُّ رَسُوْلٌ مِّنْ اُوْلِى الْعَزْمِ فِيْكُمْ   تَكَادُ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ تَنْفَطِرَانِ[1]

ایک اولوالعزم رسول تمہارے سامنے ذلیل کیا جارہا ہے، قریب ہے کہ آسمان اور زمین پھٹ پڑیں۔

وَطَهَّرَهٗ مِنْ اَهْلِ كُفْرٍ وَلِيُّهٗ   وَاَبْقٰى لِنَارٍ بَعْضَ كُفْرِ اَمَانِى[2]

جس رسول کو حق تعالیٰ نے کافروں کے ناپاک ہاتھوں سے پاک کیا اور محض دوزخ کے لئے بعض کفر جھوٹی موت کی خیال بندیوں کا چھوڑ دیا۔

وَحَارَبَ قَوْمٌ رَبَّهُمْ وَنَبِيَّهٗ   فَقُوْمُوْا لِنَصْرِ اللّٰهِ اِذْ هُوَ دَانِ[3]

ایک قوم نے اپنے خدا اور نبی سے لڑائی باندھی۔ پس تم اللہ کی مدد پر کھڑے ہو جاؤ جو تمہارے قریب ہے۔

وَقَدْ عِيْلَ صَبْرِىْ فِىْ انْتِهَاكِ حُدُوْدِهٖ   فَهَلْ ثَمَّ دَاعٍ اَوْ مُجِيْبُ اَذَانِىْ

خدا کی حدود توڑی جانے کی وجہ سے میرا صبر مغلوب ہوگیا، پس ہے کوئی اس جگہ بلانے والا یا میری آواز کا جواب دینے والا؟۔

وَاِذْ عَزَّ خَطْبٌ جِئْتُ مُسْتَنْصِرًا بِكُمْ   فَهَلْ ثَمَّ غَوْثٌ يَا لَقَوْمِ يُدَانِىْ

اور جب مصیبت حد سے بڑھ گئی تو میں تم سے مدد چاہنے آیا، پس اے قوم ہے کوئی فریادرس جو میرے نزدیک ہو۔

لَعَمْرِىْ لَقَدْ نَبَّهْتُ مَنْ كَانَ نَاعِسًا   وَاَسْمَعْتُ مَنْ كَانَتْ لَهٗ اُذُنَانِ

قسم ہے مجھے کہ میں نے سوتے کو جگایا   اور جس کے کان تھے اُس کو سنایا

وَنَادَيْتُ قَوْمًا فِىْ فَرِيْضَةِ رَبِّهِمْ   فَهَلْ مِنْ نَصِيْرٍ لِّىْ مِنْ اَهْلِ زَمَانِ

اور قوم کو اُس کے خدا کی فرض کی طرف بلایا   پس ہے کوزمانہ میں جو میرا مددگار ہو؟

دَعُوْا كُلَّ اَمْرٍ وَاسْتَقِيْمُوْا لِمَا دَهٰى   وَقَدْ عَادَ فَرْضَ الْعَيْنِ عِنْدَ عِيَانِ[4]

سب کو چھوڑ دو اور جو فتنہ درپیش ہے اس کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اگر آنکھ کھول کر دیکھے تو ہر شخص پر فرض عین ہوگیا ہے۔

---

[1] رسول اولوالعزم سے مراد یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جن کی توہین وتذلیل میں مرزا قادیانی نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

[2] اس شعر میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے ہاتھوں سے مامون رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

[3] قوم سے مراد یہاں ملحدہ اور شیاطین کی ایک مخصوص جماعت قادیانی گروہ ہے۔

[4] ان اشعار میں اس فتنہ کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ تمام فتنوں سے بڑھ کر یہ فتنہ ہے۔ اس کے انسداد کی فکر ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔

فَشَانِئُ شَانِ الْاَنْبِیَاءِ مُکَفَّرٌ　　وَمَنْ شَکَّ قُلْ هٰذَا لِاَوَّلَ ثَانٍ[1]

انبیاء کی توہین کرنے والا کافر ہے۔ اور جو اُس کے کفر میں شک کرے وہ پہلے کا دوسرا ہے۔

وَاَکْفَرُ مِنْهُ مَنْ تَنَبَّاَ کَاذِبًا　　وَکَانَ انْتَهَتْ مَا اَمْکَنَتْ بِمَکَانٍ

اور اُس سے بھی بڑھ کر وہ شخص کافر ہے جس نے جھوٹا دعویٰ نبوت کیا، حالانکہ نبوت ختم ہو چکی تھی۔

وَمَنْ ذَبَّعَنْهُ اَوْتَاَوَّلَ قَوْلَهٗ　　یُکَفَّرُ قَطْعًا لَیْسَ فِیْهِ تَوَانٍ[2]

اور جس نے اس کے قول کی تاویل یا اس کی طرف داری کی وہ بھی یقیناً بلا توقف کافر کہا جائے گا۔

کَاَنِّیْ بِکُمْ قَدْقُلْتُمُوْا لِمَ کُفْرُهٗ　　نَهَاکُمْ نَقُوْلَا جُلِّیَتْ لِمُعَانٍ[3]

غالباً تم مجھ سے پوچھو گے وہ کیوں کافر ہے؟ تو تم لے لو نکلیں اُس کے کفر کی جو با توفیق کے لئے ظاہر ہیں۔

فَمَا قَوْلُکُمْ فِیْ مَنْ حَبَا مِثْلَ ذٰلِکُمْ　　مُسَیْلَمَةَ الْکَذَّابَ اَهْلَ هَوَانٍ

تمہارا اُس شخص کے حق میں کیا عقیدہ ہے جس نے مُسیلمہ کذاب (مدعی نبوت) کے حق میں ایسی مہربانی کی جو مسیلمہ ذلیل اور رسوا ہے۔

فَقَالَ لَهُ التَّاوِیْلُ اَوْقَالَ لَمْ یَکُنْ　　نَبِیًّا هُوَالْمَهْدِیُّ لَیْسَ بِجَانٍ

پس وہ کہنے لگا کہ مسیلمہ کے لئے بھی تاویل ہے یا کہا کہ مسیلمہ نبی نہ تھا وہ تو مہدی تھا مُجرم نہیں ہے۔

وَهَلْ تَمَفْرُقٌ یَسْتَطِیْعُ مُکَابِرٌ　　وَحَیْثُ ادَّعٰی نَلْیَاتِنَا بِبَیَانٍ

اور کیا کوئی منہ زور مسیلمہ اور اس جھوٹے نبی میں فرق کر سکتا ہے اور اگر کوئی مُدّعی فرق ہے تو بیان کرے۔

وَکَانَ عَلٰی اَهْدَاثِهٖ وَجْهُ کُفْرِهٖ　　تَنَوُّهٗ مَشْهُوْدَ کُلِّ اَوَانٍ

مسیلمہ کے کفر کی وجہ باوجود اور بہت سے مخترعات کے دعوائے نبوت ہی مشہور وجہ ہر وقت ہوئی ہے۔

کَذَاتِیْ اَحَادِیْثُ النَّبِیِّ وَبَعْدَهٗ　　تَوَاتَرَ فِیْمَا دَانَهُ الثَّقَلَانِ

احادیثِ نبی ہیں اور اُس کے بعد تمام جن و انس میں دعویٰ نبوت ہی اُس کے کفر کی وجہ متواتر رہی۔

---

[1] ..... اس شعر میں مرزا کے کفر کی وجوہات میں سے ایک وجہ کفر سمجھا گیا ہے یعنی اُس نے انبیاء علیہم السلام کی توہین و تذلیل کی ہے جو اس کے کفر کی علت اور سبب ہے اور اُس کے کفر میں شک کرنے والی ایک دوسری جماعت (لاہوری) کے کفر کی بھی تصریح فرمائی ہے۔ [2] ..... کسی مُدّعی نبوت کے قول میں تاویل کرنا یا اس کے قائل کی تحسین کرنا بھی ویسا ہی کفر ہے جیسا کہ اُس کلمۂ کفر کا کہنا کفر ہے۔ [3] ..... اس شعر میں علامہ مرحوم کا مقصد اس امر کا سمجھانا ہے کہ آیندہ اشعار میں جھوٹے مُدّعیانِ نبوت کے واقعات اور ان کے متعلق علماءِ اُمت کے فیصلے جو تنظیم کئے گئے ہیں وہ مرزا کے کفر کے نظائر ہیں جن سے مرزا کے لئے بھی فتویٰ لیا جائے۔

فَإِنْ لَمْ تَكُنْ أَوْ قَدْ وُجُوهٌ لِكُفْرِهِ فَأَشْهَرُهَا دَعْوَاهُ تِلْكَ كَمَانِي[1]

مسیلمہ کے کفر کی وجوہ اور ہوں یا نہ ہوں مگر بڑی چلتی ہوئی مشہور وجہ دعوائے نبوت ہے جیسے مانی (کذاب) کے کفر کی وجہ دعوائے نبوت تھی۔

وَأَوَّلُ إِجْمَاعٍ تَحَقَّقَ عِنْدَنَا لَفِيهِ بِإِكْفَارٍ وَسَبْيِ عَوَانِي[2]

اور سب سے پہلا اجماع جو ہمارے علم میں ثابت ہوا ہے وہ مسیلمہ کی تکفیر اور اُن کی عورتوں کی اسیر کرانے میں ہوا ہے۔

وَكَانَ مُقِرًّا بِالنُّبُوَّةِ مُعْلِنًا لِخَيْرِ الْوَرٰى فِي قَوْلِهِ وَأَذَانِ[3]

باوجود یہ کہ مسیلمہ نبی خیر البشر کی نبوت کا اپنے قول اور اذان میں اعلان اور اقرار کرتا تھا۔

وَمَا قَوْلُكُمْ فِي الْعِيسَوِيَّةِ أَوَّلُوا رَسُولًا لِأُمِّيِّينَ خَيْرًا كِيَانِ[4]

تمہارا کیا فتویٰ ہے فرقۂ عیسویہ میں جو یہ کہتا ہے کہ نبی خیر الکائنات کی رسالت صرف اُمیوں ہی کے لئے ہے۔

وَهَلْ ثَمَّ مَالَا فِيهِ تَاوِيلُ مُلْحِدٍ وَمَنْ حَجَرَ التَّاوِيلَ رَمْيُ لِسَانِ

اور کون سی جگہ ہے جہاں ملحد تاویل نہ کر سکے اور کون ہے جو تاویل کرنے والے کی زبان بائکل بند کر دے۔

وَهَلْ فِي ضَرُورِيَّاتِ دِينٍ تَأَوُّلٌ بِتَحْرِيفِهَا إِلَّا كَكُفْرِ عِلَانِ

اور کیا ضروریاتِ دین میں تحریف کر کے تاویل کرنا صریح کفر نہیں ہے؟۔

وَمَنْ لَمْ يُكَفِّرْ مُنْكِرِيهَا فَإِنَّهُ يَجُرُّ الْإِنْكَارَ يَسْتَوِيَانِ

اور جو ضروریاتِ دین کی تکفیر نہیں کرتا وہ انکارِ ضروریات کو اپنے سر لیتا ہے۔

---

[1]......مانی کذاب مدعیِ نبوت کی طرح مسیلمہ کذاب کی تکفیر کا سبب بھی ادعائے نبوت ہوا ہے اور دونوں باتفاقِ اُمت دعویٰ نبوت کی بناء پر کافر قرار دیئے گئے اور قتل کئے گئے۔ [2]......مسیلمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ میں مدعیِ نبوت ہوا اور آنجناب کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیقؓ خلیفۂ وقت نے مسیلمہ پر چڑھائی کی اور نصرت و کامیابی کے ساتھ قتال کیا اور ان کی عورتوں کو اسیر کر کے لائے۔ [3]......مسیلمہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو مانتا تھا مگر یہ کہتا تھا کہ مجھے بھی نبوت میں شریک کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے جو خط نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا اس میں لکھا تھا (رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کی خدمت میں یہ ہے کہ میں امر میں شریک کیا گیا ہوں یعنی مجھ کو نبوت میں خدا کی طرف سے شریک کیا گیا ہے)۔ [4]......عیسیٰ اصبہانی ایک شخص کا نام ہے جس کی طرف نسبت کر کے یہودیوں کی ایک جماعت کو عیسویہ کہا جاتا ہے اس شخص کا خیال تھا کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول برحق ہیں مگر آپ کی بعثت اور رسالت صرف اُمیوں کی طرف ہوئی ہے۔ ہمارے لئے رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے۔

وَمَا الدِّیْنُ اِلَّا بَیْعَةٌ مَعْنَوِیَّةٌ ۔۔۔ وَمَا هُوَ کَالْاَنْسَابِ فِی السَّرَیَانِ [1]

دین تو صرف ایک بیعتِ معنویہ ہے۔ وہ نسبوں کی طرح چلنے والا نہیں۔

فَاِنَّهُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَكَ فَاتْلُهَا ۔۔۔ وَلٰکِنْ بِاٰیَاتٍ مَالَ مَعَانِیْ [2]

مُشرکین بھی نبی کریم ﷺ کی تکذیب نہیں کرتے تھے۔ پڑھ لو ولکن الظّٰلِمِیْنَ ...... الخ
مگر خدا نے مَآل اور انجام کے اعتبار سے اُن کو منکر قرار دیا۔

تَنَبَّا اَنْ لَا یُمْتَرٰی بِبَطَالَةٍ ۔۔۔ کَحَجَّامِ سَابَاطٍ صَرِیْوُ غَوَانٍ [3]

ساباط کے رہنے والے حجام کی طرح ایک نازنینوں کے پچھاڑے ہوئے نے بیکاری سے
بچنے کی وجہ سے دعویٰ نبوت کیا۔

وَمُعْجِزَةٌ مَنْکُوْحَةٌ فَلَکِیَّةٌ ۔۔۔ یُصَادِفُهَا فِیْ رُقْیَةِ الْکَرَوَانِ [4]

اور اس کا معجزہ ایک منکوحہ آسمانی ہے جس کو منتر اطوق کری اطوق کری انّ النعامۃ فی القری
کہہ کر پانے کی اُمید کرتا ہے۔

وَمَنّٰی لَهُ الشَّیْطَانُ فِیْهَا بِوَحْیِهٖ ۔۔۔ رِفَاءً وَوَصْلًا خِطْبَةً وَتَهَانِیْ

اور اس منکوحہ کے قصہ میں شیطان نے مرزا کو اپنی وحی سے آسائش اور منگنی اور وصل کی آواز دلائی۔

فَفَضَّحَهُ رَبُّ السَّمَآءِ بِحَوْلِهٖ ۔۔۔ وَقُوَّتِهٖ وَاللّٰهُ فِیْهِ کَفَانِیْ

رَبُّ السّمٰوات نے اپنی طاقت وقوت سے اس کو خوب ہی رسوا کیا اور اس میں ہم کو اللہ کافی ہوا۔

---

[1]...... ان دو شعروں میں مرزا اور اُس کے ماننے والی جماعت کے کفر کی تیسری وجہ بیان کی گئی ہے۔ ختمِ نبوت، ختم رسالت اور ختم شریف کا مسئلہ ایک اجماعی اور قطعی اور ضروریات ومتواترات فی الدین سے مانا گیا ہے۔ جس کا منکر ماؤل قطعاً کافر ہے۔ [2]...... اس شعر میں آیت کا اقتباس ہے۔ فَاِنَّهُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَكَ وَلٰکِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیَاتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ۔ یعنی اے محمد! کفار تیری تکذیب نہیں کرتے لیکن وہ خدا کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ گو کفار مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا نہ کہا یا آپ کے مقولوں کو نہ جھٹلایا کیونکہ آپ کی راست بازی اور سچائی کو ہر ایک جانتا تھا لیکن انہوں نے خدا کی آیتوں سے حجّود کیا اور خدائی احکام کو بالآخر نہ مانا۔ اس لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے اُن پر کفر کا الزام ہوا اور انجام کار ان کو آیتوں کا منکر قرار دیا۔ مؤلف کی غرض اس میں مرزا کے کفر کی چوتھی وجہ بیان کرنی ہے کیونکہ اس کی نبوت سے خدا کی آیتوں کا انکار لازم آتا ہے۔ [3]...... ساباط ایک جگہ کا نام ہے، یہاں ایک حجام رہتا تھا جس کی عادت تھی کہ اپنی ماں کو چوراہے پر بٹھا کر اس کی حجامت بنایا کرتا تاکہ کسی کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ہو کہ یہ بیکار ہے اور اس کے پاس کوئی حجامت بنوانے نہیں آتا، اسی طرح مرزا کو بھی سوجھی کہ مُدّعی نبوت ہی بن جاؤ۔ اس دام میں آکر مخلوقِ خدا پھنس جائے گی۔ [4]...... منکوحہ آسمانی سے محمدی بیگم کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جس پر مرزا صاحب کی رال ٹپک گئی تھی اور بہت سی تدبیریں کیں کہ کسی طرح یہ شکار ہاتھ آئے، کبھی اس کے والد کو خطوط لکھے اور کبھی معجزہ کی دھمکی دی، مُدتوں الہامات میں نکاح کے مدعی رہے، اس کے بعد وعید کا بھی خوف دلایا، نکاح ہونے کو قضاءِ مُبرم بھی ٹھہرایا۔ بہرحال آخر کار مرزا اس حسرت وآرزو کو اپنے ساتھ ہی لے گئے۔

وَكَانَ ادَّعٰى وَحْيًا سِنِيْنَ عَدِيْدَةً ... فَجَآءَ يُحَاكِي فَعْلَةَ الظَّرِبَانِ

مرزا اس معاملہ میں مدتوں وحی کا دعوی کرتا رہا اور بالآخر وہ مثل حرکت ظربان کے نکلی

وَدَلَّاهُ شَيْطَانَاهُ فِيْ ذَاكَ بُرْهَةً ... وَلَمْ يَدْرِ شَيْطَانَانِ لَا يَفِيَانِ[1]

مرزا کو دو شیطانوں نے ایک زمانہ تک پھسلایا اور اُس نے یہ نہ جانا کہ اس میں دو شیطان وفا نہیں کریں گے۔

وَمَا ذَابَ فِي الْعُمْرِ الطَّوِيْلِ لَهٗ فَذَا ... هِجَآءُ خِيَارِ الْخَلْقِ غِبَّ لِعَانَ

اور اس کو تو اپنی طویل زندگی میں سوائے برگزیدہ لوگوں کی ہجو اور لعنت کرنے کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔

تَفَكَّهَ فِيْ عِرْضِ النَّبِيِّيْنَ كَافِرٌ ... عُتُلٌّ زَنِيْمٌ كَانَ حَقَّ مُهَانِ[2]

کافر فحش گو اصیل بنے ہوئے نے انبیاء کی آبروریزی میں خوب مزہ درست کیا جو خود ہی حقیقی معنی سے نفس الامر میں ذلیل تھا۔

يَلَذُّ لَهٗ بَسْطُ الْمَطَاعِنِ فِيْهِمْ ... وَيَجْعَلُ نَقْلًا عَنْ لِسَانِ فُلَانِ

اس کو انبیاء علیہم السلام پر طعن کرنے میں لذت آتی ہے اور طریقہ طعن دوسروں کی زبانی بنایا ہوا ہے۔

يَصُوْغُ اصْطِلَاحًا اَنَّ هٰذَا مَسِيْحُكُمْ ... كَمَا سَبَّ اُمًّا هٰكَذَا اَخَوَانِ

مرزا مسیح ابن مریم پر اصطلاحیں گھڑ گھڑ کر طعن کرتا ہے کہ اے نصاریٰ! یہ جو تمہارا مسیح ہے جیسے دو حقیقی بھائی ایک دوسرے کو گالی دیں دوسرے کی ماں کہہ کر۔

وَهٰذَا كَمَنْ وَافٰى عَدُوًّا يَسُبُّهٗ ... بِجَمْعٍ اَشَدَّ السَّبِّ مِنْ شَنَانِ

اور یہ اس شخص کی طرح ہے جو اپنے دشمن کے سامنے آیا ایسے حال میں کہ وہ ایک جماعت کے رُوبرُو اُس کو سخت گالیاں عداوت سے دے رہا تھا۔

فَصَيَّرَهٗ رُؤْيَا وَقَالَ بِاٰخِرٍ ... اِذَا انْفَتَحَتْ عَيْنِيْ مِنَ الْخَفَقَانِ

پس اس دشمن گالیاں دینے والے نے اس کو خواب کی صورت میں ڈھال دیا اور کہا پھر اخیر میں میری نیند سے آنکھ کھل گئی۔

وَقَدْ يَجْعَلُ التَّحْقِيْقَ ذٰلِكَ عِنْدَهٗ ... اِذَا مَا خَلَا جَرٌّ كَمِثْلِ جَبَانِ

---

[1] دو شیطانوں سے مراد اُس کے دو مرید ہیں جن کو دو فرشتے کہتا تھا۔ ...... مرزا کی ساری زندگی برگزیدہ لوگوں کی ہجو میں گذاری اور ہمیشہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی توہین۔

اور کبھی نامرد کی طرح میدا خالی دیکھ کر ان ہی اُمور کو (جو دوسروں کے حوالہ سے نقل کرتا تھا) واقعی اور تحقیقی بنالیتا ہے۔

وَيَنْفِثُ فِي اِثْنَاءِ ذٰلِكَ كُفْرَهُ　　وَيُغْرِبُ فِي عِيْسٰى بِمَا هُوَ شَانِئْ

اور اس اثنا میں مرزا کفراُگلتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں بغض دلی کو ظاہر کرتا ہے۔

وَكَانَ هُنَا شَيْئٌ لِتَحْرِيْفِ عَهْدِهِمْ　　فَصَيَّرَهُ حَقًّا لِخُبْثِ جَنَانٖ

حال یہ ہے کہ نصاریٰ کے عہدِ قدیم وجدید کے مُحرّف ہونے کی وجہ سے ایک شے تھی جس کو مرزا نے اپنے خبث باطنی سے حق بنایا۔

وَقَدْ اَخَذُوْا فِيْ مَالِكِ بْنِ نُوَيْرَةٍ　　بِصَاحِبِكُمْ لِلْمُصْطَفٰى كَادَانِيْ[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مالک بن نویرہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لفظ صاحبکم ادنیٰ درجہ کا لفظ کہنے پر گرفت کر کے قتل کیا۔

وقصة دُبَّاءٍ رَأَى الْقَتْلَ عِنْدَهَا　　اَبُوْيُوْسُفَ الْقَاضِيْ وَلَاتَ اَوَانٖ[2]

امام ابو یوسفؒ نے ایک شخص کو یہ کہنے پر قتل کر دیئے جانے کا حکم دیا کہ مجھے کدو پسند نہیں اور وہ وقت معافی کا نہ تھا۔

وَقَدْ عَمِلَتْ حُكْمَ الشَّرِيْعَةِ فِيْهِمْ　　حُكُوْمَةُ عَدْلٍ لِلْاَمِيْرِ اَمَانٖ[3]

امیر امان اللہ خان جلالت مآب کی عادل حکومت نے اس مسئلہ میں حکم شریعت پر عمل کر کے فیصلہ کیا۔

تَحَطَّمَ فِيْ جَمْعِ الْحُطَامِ وَنَيْلِهَا　　وَبَسْطِ الْمُنٰى فِيْ حَاصِلَاتِ مَجَانِيْ

مرزا بوڑھا ہو گیا دنیا کے کس وخاشاک جمع کرنے میں اور تمنائیں پوری کرنے میں چندہ کی رقمیں جمع کر کر کے۔

وَكُلُّ صَنِيْعٍ اَرْدَهَاءٍ فَعِنْدَهُ　　لِنَيْلِ الْمُنٰى بِالطَّرْدِ وَالدَّوَرَانٖ

اور جو تدبیر یا مکر ہے اُس کے یہاں اُلٹا سیدھا کر کے اپنے مطالب ہی حاصل کرنے میں ہے۔

---

[1]..... مالک بن نُویرہ ایک شخص تھا جس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لفظ صاحبکم (جو ادنیٰ اور گھٹیا درجہ کے لوگوں کے حق میں استعمال کیا جاتا تھا) استعمال کیا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اُس کے اس لفظ پر گرفت کی اور قتل کر دیا۔ [2]..... امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حدیث بیان فرمار ہے تھے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کدو کو پسند فرمایا کرتے تھے اور رغبت سے کھایا کرتے تھے اس پر ایک شخص جماعت میں سے اُٹھا اور بہت اونچی آواز اور سخت لہجہ سے کہنے لگا کہ مجھے تو پسند نہیں۔ جس پر امام موصوف نے اُس کے قتل کا حکم دیا اور بالآخر اس نے توبہ کی جس سے اُس کی معافی ہوئی۔ [3]..... اس شعر میں نعمت اللہ خان مرتد کے قتل کی طرف اشارہ ہے، جس کے متعلق حکومت افغانستان کی طرف سے قتل کا فیصلہ دیا گیا تھا اور قرآن وحدیث کے مطابق اس فیصلہ کا نفاذ ہوا ہے۔ مرزائی جماعت نے بہت شور وغل مچا کر اس فیصلہ کو خلاف تعلیم قرآن بنانے کی کوشش کی۔

اَھٰذَا مَسِیْحٌ اَوْ مَثِیْلُ مَسِیْحِنَا تَسَرْبَلَ سِرْبَالًا مِّنَ الْقِطْرَانِ

کیا یہی ہے مسیح یا مثیل مسیح جس نے کُرتہ پہن لیا گندھک کا۔

وَکَانَ عَلٰی مَاقَالَ مَاجُوْجَ اَصْلُہٗ فَصَارَ مَسِیْحًا فَاعْتَبِرْ بِقِرَانٖ

مرزا اپنی تحقیق کی بنا پر ماجوج کی نسل سے تھا۔ پھر بن بیٹھا مسیح پس عبرت لو اس جوڑ سے۔

نَعَمْ جَآءَ فِی الدَّجَّالِ اِطْلَاقُہٗ کَذَا فَقَدْ اَدْرَکَتْہُ خِفَّۃُ السَّرْعَانِ[1]

ہاں دجال پر بھی مسیح کا اطلاق آیا ہے۔ پس مرزا کو غلطی لگی اوچھے پن سے جلد بازوں کی۔

اَلَمْ یَھْدِ لِلْقُرْاٰنِ یَحْفَظُہٗ وَلَمْ یَحُجَّ لِفَرْضٍ صَدَّہُ الْحِرْمَانُ

کیا مرزا کو قرآن حفظ کرنے کی ہدایت نہ ہوئی۔ اور حج کا فرض ادا نہ کیا، حرمین نے اُسے روک دیا۔

فَیَسْرِقُ فِیْ اَلْفَاظِہٖ بَاطِنِیَّۃً وَقَرْمَطَۃً وَحْیٌ اَتَاہُ کَذَانِیْ

چُراتا ہے اپنے الفاظ میں فرقہ باطنیہ اور قرمطہ سے۔ یہ وحی ہے اُس کی دوغلی یا کادیانی۔

وَتَابَعَہٗ مَنْ فِیْہِ نِصْفُ تَنَصُّرٍ وَمَنْ فِیْہِ کُفْرٌ مُوْدَعٌ بِھَبَانِیْ

مرزا کی متابعت ایسے لوگوں نے کی جو پہلے سے نیم نصرانی تھے اور جن کی سرشت میں کفر ودیعت رکھا تھا۔

وَکَفَّرَ مَنْ لَّمْ یَعْتَرِفْ بِنُبُوَّۃٍ لَہٗ وَھُوَ فِیْ ھٰذَا لَاَوَّلُ جَانٖ

اور مرزا نے اُس شخص کی تکفیر کی جس نے اُس کی نبوت کو نہ مانا اور حال یہ ہے کہ وہ خود اس میں اوّل مجرم ہے یا اوّل پھل پانے والا ہے۔

اَلَا فَاسْتَقِیْمُوْا وَاسْتَھِیْمُوْا لِدِیْنِکُمْ فَمَوْتٌ عَلَیْہِ اَکْبَرُ الْحَیَرَانِ

خبردار درست ہو جاؤ اور اپنے دین پر سرگشتہ ہو جاؤ اور دین پر مرنا ہی بڑی زندگی ہے

وَعِنْدَ دُعَاءِ الرَّاْبِ قُوْمُوْا وَشَمِّرُوْا حَنَانًا عَلَیْکُمْ فِیْہِ اَثْرُ حَنَانٖ

اور خدا کی آواز پر لبیک کہہ کر تیار ہو جاؤ اس میں خدا کی تم پر مہربانیوں پر مہربانی ہے۔

وَکُنْ رَاجِیًا اَنْ یَّظْھَرَ الْحَقُّ وَارْتَقِبْ لِاَوْلَادِ بَغْیٍ فِی السُّھَیْلِ یَمَانِیْ

اور حق کے غالب ہونے کی خدا سے اُمید رکھو اور برساتی کیڑوں کے مٹ جانے کا بوقت

---

[1] یعنی احادیث میں مسیح کا لفظ دجال اور مسیح میں مشترک تھا جس اشتراک سے مرزا کو غلطی ہوئی۔ یعنی تھا تو وہ حقیقت میں مسیح دجال اور بن گیا مسیح بن مریم۔

نوٹ:.... پوری نظم کے ۷۳ اشعار ہیں جن میں صرف ۱۶ اشعار نقل کئے گئے ہیں۔ پوری نظم کے لئے ملاحظہ ہو اکفار الملحدین ص ۸۶، ۹۰۔

طلوع (اشارہ) سہیل انتظار کرو۔

وَلِلْحَقِّ صَدْعٌ كَالصَّدِيعِ وَصَوْلَةٌ وَطَعْنٌ وَضَرْبٌ فَوْقَ كُلِّ بَنَانٍ

حق صبح صادق کی طرح ظاہر ہوتا ہے اور حق کے لئے صولت، نیزہ اور مار ہے ہر سرانگشت پر۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلَّذِيْ لِنُصْرَةِ دِيْنِ الْحَقِّ كَانَ هَدَانِيْ

اور آخری پکار ہماری یہ ہے کہ حمد کی مستحق وہی ذات ہے۔ جس نے دین حق کی حمایت میں ہم کو ہدایت کی۔

وَصَلّٰى عَلٰى خَتْمِ النَّبِيِّيْنَ دَائِمًا وَسَلَّمَ مَا دَامَ اعْتَلَى الْقَمَرَانِ

اور خدا کی رحمتیں حضرت خاتم النبیین ﷺ پر نازل ہوتی رہیں جب تک چاند اور سورج بلند ہوتے رہیں۔

☆☆☆☆☆☆

حضرت شاہ صاحبؒ کے فارسی کلام کا نمونہ

مُربّع نعتیہ فارسی

حضرت شاہ صاحبؒ اپنی تصنیف عقیدۃ الاسلام فی حیٰوۃ عیسیٰ علیہ السلام کے آخر میں اپنا ایک نعتیہ قصیدہ فارسی زبان میں شامل فرمایا ہے۔ جس سے حضرت نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ اُن کی والہانہ عقیدت اور عربی کے علاوہ فارسی میں بھی اُن کی قادرالکلامی کا ثبوت ملتا ہے۔

بطورِ نمونہ کلام اور تبرّک یہ نعت ہدیۂ ناظرین ہے:

کوندو عفی اللہ عنہ

دوش چوں از بے نوائی ہم نوائے دل شدم عہدِ ماضی یاد کردہ سوئے مستقبل شدم
از سفر وامانده آخر طالبِ منزل شدم کز تگا پوسو بسو شامِ غریباں در سید

دشت وگلگشت وبہارستان وخارستان ہم فکر وہم ہمدم نفس اندر قفس زادِ رہم
پیش وپس بانگِ جرس از کارواں در قدم دیدۂ عبرت کشودم مَخلصے نامد پدید

تا سروشِ غیب از الطاف قدسم یاد کرد رحمتِ حق ہم چومَن در ماندہ را امداد کرد
مأمنِ خیر الوریٰ بہرِ نجات ارشاد کرد مقصد ہر طالبِ حق آں مُرادِ ہر مُرید

قبلۂ ارض و سما مرآتِ نورِ کبریا | سید و صدورِ علیٰ شمسِ ضحیٰ بدرِ دجیٰ
شافعِ روزِ جزا وانگہ خطیبِ انبیاء | صاحبِ حوض و لواءِ ظلِّ خدا روزِ عید

صاحبِ خلقِ عظیم و مظہرِ جودِ عمیم | آیتِ رحمت کہ شانِ او رؤف ست و رحیم
رحمۃ للعالمین خواندش خداوندِ کریم | خَلق و خُلق و قول و نحل و ہدیٰ و سَمتِ او حمیم

دستِ او بیضا ضیا اجود تر از بادِ صبا | حبذا وقتِ عطا ابرِ سخا آبِ بقا
وقف امرِ عالمے بر ضحکِ آں رحمت لقا | عالمِ اشہب از جمالِ طلعتش عیدِ سعید

داغِ مہرِ او چراغِ سینۂ اہلِ کمال | شورِ عشقش در سرِ عمار و سلمان و بلال
ثبت بر ایمائے وے نعمان و مالک بے خیال | والہ آثارِ وے معروف و شبلی با یزید

از حدیثِ وے سمر در حیطۂ اصلِ اثر | مُسلم و مثلِ بخاری وقف بر وصلِ سیَر
سنتِ بیضائے وے نورِ دل ہر ربِ البصر | اتقیاء را اُسوۂ اقدامِ وے تقلیدِ جید

سیّدِ عالم رسول و عبدِ ربِّ العالمین | آں زماں بودہ نبی کآدم بُد اندر ماء و طین
صادق و مصدوقِ وحیِ غیب و مامون و امین | در ہر آں چیزے کہ آورد ست از عد و وعید

منبرِ او سِدرۂ و معراج او سبع قباب | در مقامِ قربِ حق بر مقدمِ او فتحِ باب
کاندر انجا نورِ حق بود و نبد دیگر حجاب | دید و بشنید آنچہ جز وے کس نشنید و ندید

مدح حاش رفعِ ذکرش شرحِ وصفش شرحِ صدر | او امامِ انبیاء صاحب شفاعت روزِ حشر
ہمگناں زیرِ لوایش یومِ عرض و نیست فخر | سیّدِ مخلوق و عبدِ خاصِ خلاقِ مجید

اخیرِ و خیر الوریٰ خیر الرسل خیر العباد | قدوۂ اہلِ ہدایت اُسوۂ اہلِ رشاد
فخرۂ از ہمت او خلق را زادِ میعاد | عالم از رشحاتِ انفاسِ کریمش مستفید

انتخابِ دفترِ تکوینِ عالم ذات او | برتر از آیاتِ جملہ انبیاء آیاتِ او
مشرقِ صبحِ وجود ما سوا مشکوٰۃ او | مستنیر از طلعتِ او ہر قریب و ہر مجید

دینِ او دینِ خدا تلقین او اصلِ ہُدیٰ	نطقِ او وحیِ سما حقا نجومِ اہتدا
صاحبِ اسرارِ او ناموسِ کبریا بر ملا!	علم او از اولین وآخرین اندر مزید

مولدش اُمُّ القُریٰ ملکش بشام آمد قریب	خاکِ رہِ طیبہ از آثارِ وے بہتر ز طیب
شرق وغرب از نشرِ دینِ مستطابش مستطیب	اُمتش خیرُ الاُمم بر امثال بودہ شہید

خاص کردش حق با عجازِ کتابِ مُستطاب	حُجت و فرقان و مخبر محکم و فصلِ خطاب
نجم نجمش در براعت ہست برتر ز آفتاب	حرف حرفا ور شفا ہست وہُدیٰ بہرِ رشید

الغرض از جملہ عالم مصطفیٰ و مجتبےٰ	خاتمِ دورِ نبوت تا قیامت بے مرا
افضل نہ اکمل ز جملہ انبیاء نزدِ خدا	نعتِ اوصافِ کمالِ او فزوں تر از عدید

تا صبا گلگشتِ گیہاں کدہ می باشد مدام	بوئے گل بر دوشِ وے گردد بعالم صبح وشام
یاد بروے از خدائے وے درود وہم سلام	نیز بر اصحاب ال وجملہ اخیارِ عبید

وز جنابِ وے رضا برا حقرانِ مُستہام	خاصہ آں انور کہ افقر ہست از جُملہ انام
مُستغیث است الغیاث اے سرورِ عالی مقام	در صِلہ از بارگاہت در نشیدِ ایں قصید



حضرت شاہ صاحبؒ کے اردو کلام کا نمونہ

دنیا کی بے ثباتی

عام طور پر حضرت شاہ صاحبؒ عربی زبان میں ہی مشقِ سخن فرماتے تھے اور کبھی کبھی فارسی میں بھی نعتیہ کلام وغیرہ لکھ کر دیا کرتے تھے۔ اردو زبان میں آپ کے رشحاتِ قلم چنداں مشہور نہیں ہیں۔ لیکن مشہور مصنف و مؤرخ مرحوم منشی محمد الدین فوق (جو حضرت شاہ صاحبؒ کے بے تکلف دوست اور محبِّ خاص تھے) نے اپنی کتاب تاریخ اقوام کشمیر جلد دوم مطبوعہ لاہور جولائی ۱۹۴۳ء میں حضرت شاہ صاحب کی ایک اردو نظم "دنیا کی بے ثباتی" کے بارے میں نقل کی ہے جو بجائے خود اردو زبان میں آپ کی قادر الکلامی اور روانی کا شاندار ثبوت ہے اس لئے حضرت موصوف کی یہ نظم بھی بطورِ نمونہ کلام قارئینِ کرام کی ضیافتِ طبع کے لئے پیش کی جا رہی ہے:
کوندو

سفر کی منزل ہے دارِ دُنیا، ذرا تو اس کا خیال سا کر
سدا نہیں ہے یہ دیس تیرا، ضرور جانا ہے دِن نبھا کر
کبھی تامُّل سے داہنے بائیں، آگے پیچھے کو دیکھ کر
کدھر کو جاتے ہیں دوست پیارے، کہاں وہ رہتے ہیں یہاں سے جا کر
وہ چل بسے سارے باری باری، یہ باقی خلقت بھی چل بسے گی
تو چشمِ عبرت سے دیکھ غافل، کبھی تو اپنی نظر اُٹھا کر
چلے ہی جاتے ہیں قافلے سب یہاں کا ٹھہرا ہوا ہے یہ ڈھبا
کسی کا آنا کسی کا جانا، کبھی ہنسا کر کبھی رُلا کر
کبھی نکل کر تو جنگلوں میں، خدا کی قدرت کا دیکھ جلوہ
کہیں ہے اُونچا کہیں ہے نیچا، کہیں اندھیرا ہے جگمگا کر
کسی کا اقبال زور پر ہے، کسی پر ادبار چھا رہا ہے
کوئی ہے آتا کما کما کر، کوئی ہے جاتا لُٹ لُٹا کر

کوئی ہے دُکھیا کوئی ہے سُکھیا، کوئی ہے خنداں کوئی ہے گریاں
یہ غمزدہ غم گھٹا گھٹا کر، وہ خوش ہے خوشیاں منا منا کر

غرض یہاں ہیں سب آتے جاتے، دن اپنے اپنے نبھاتے جاتے
نہیں ہے رہنا یہاں کسی کو، کوچ اک دن ہے مِٹ مِٹا کر

اگر ہوں اعمال اپنے اچھے، بُری نہیں ہے یہ زندگانی
فرشتے اعمال نیک والے، نکال لیں گے بچا بچا کر

نماز پڑھنا، قیام کرنا، رکوع کرنا، سجود کرنا
کبھی کھڑے ہوکے گاہ جھک کر، زمین پہ ماتھا ٹِکا ٹِکا کر

جو خواب غفلت میں مست سوتے ہیں، بے خبر عاقبت سے اپنی
جگا کے ان کو بھی ہوش میں لا، یہ نظمِ انور سُنا سُنا کر

کوندو

☆☆☆☆☆☆☆

الرثاء

لمولٰنا محمد ادریس الکاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب التعلیق الصبیح علیٰ مشکوۃ المصابیح

سلامٌ علٰی حفظِ الکِتابِ وَسُنَّةٍ ... وَحِفظٍ وَضَبطٍ بعدَ شَیخٍ مُبَجَّلٍ

اُریدُ بِہٖ نُورَ الھِدایَةِ اَنوارًا ... کَبَدرٍ مُبِینٍ فِی دُجَی اللَّیلِ الَیلِ

فَقَدْ کَانَ اِعجازًا لِدِینِ نَبِیِّنَا ... کَمِثلِ البخاری او کنحوا بن حنبل

وکان امامًا حافظًا و مُحَدِّثًا ... الیہ انتھٰی شدُّ المطایا وَاراحَلَ

وقد کان فردًا حافظَ العصرِ جامعًا ... معارف اعلامِ الھُدیٰ والتَفَضُّلِ

بکٰی عالمُ الاسلام طرًّا واعولا ... لخطبٍ جلیلٍ قَدْ اَناخَ بِمنزل

بکاہُ مکامُ الدَّرسِ والوعظِ حاسِرًا ... بکتہُ لواحی الارض والفلك العَلی

فَقَدْ کَانَ رُمْحًا سَمْھرِیًّا مُثَقَّفًا ... لِمِثلِ مَسِیحِ الکَادِیَانِ المُخَبَّلَ

رابِضُ ھندیًا لِکُلِّ مُسْلِمٍ — وکلِّ سَاغٍ فی نبوّۃ مُرسلٍ
توفّیتَ یا راس التقیٰ و ترکتنی — لِفَقْدِکَ رویۃ بدمعٍ مُسَلْسَلٍ
شَرَحتَ لنا الآثارَ اِذْ فی اشکلتْ — وفَسّرتَ اٰیاتِ الکتابِ المقفلٖ
وعَطّرَ اُفُقَ الارضِ مِنْ عُرفِکَ الشذی — یباری شداہ روح منك و منذل
عَلیکَ سلامُ اللّٰہِ یا قبرَ انورٍ — ورحمتہٗ تتریٰ کردق مُجلجل

بفضلك یا مولی الوریٰ قُلْ لِرُوحہٖ
ایاروحَ عَبْدِی ھٰذہِ الجنّۃَ الدْخُلی

☆☆☆☆☆☆

فارسی مرثیہ

دروازہ بند

از پیر عبدالقادر شاہ آثم موحرم

کشمیر میں فارسی شاعری بیسویں صدی کی پہلی تہائی تک دانشوروں کے اظہار خیال کا مؤثر ذریعہ تھی۔ سرینگر کی جامع مسجد کے چاروں طرف صدیوں سے علماء و فضلاء پیدا ہوتے چلے آئے ہیں، خاص کر محلہ ملارٹہ جو پانچ سو (۵۰۰) سال سے اہلِ علم کا مرکز چلا آیا ہے سرینگر کا ''شیراز'' کہلانے کا مستحق ہے۔ اس آخری دور میں بھی جامع مسجد کے گردونواح اور ملارٹہ اور پاندان وغیرہ محلوں میں فارسی شاعری کی شمعیں روشن تھیں۔ پیر عبدالقادر شاہ آثم زبان وبیان پر اُستادانہ قدرت کے لحاظ سے ان سب میں ممتاز تھے۔ ایران کے مُتاخرین شعراء میں جیب قاآنی کی روانی کشمیر میں مرحوم آثم صاحب کے حصے میں آئی تھی۔ آپ کا سارا کلام اس حقیقت کا گواہ ہے اور حضرت علامہ کشمیریؒ کی وفات سے متاثر ہوکر آپ نے بارہ ترکیب بند کا جو مرثیہ لکھا ہے وہ ہر لحاظ سے قاآنی کے قصائد کے مقابلہ میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ حقائق اور جذبات وتأثرات کا یہ شہکار ذیل میں ہدیۂ ناظرین ہے۔

پیر عبدالقادر شاہ آثم مرحوم (ولادت ۱۳۱۵ھ وفات ۱۳۶۴ھ) کا شجرۂ نسب حضرت خواجہ مسعود پانپوریؒ تک منتہی ہوتا ہے جو دسویں صدی ہجری کے مشائخ میں مشہور ومعروف گذرے ہیں۔

(کوندو)

فلک از دیدۂ انجم شدہ خونبار چرا روز گردیدہ مبدّل شب تار چرا
دہ بدہ شہر بشہر اینچہ عز اور داد است حلقۂ ماتمیان کوچہ وبازار چرا
غنچۂ خونین جگر و پیرہنِ گُل چاک است گشتہ پامال خزان رونق گلزار چرا
پائے رفتار نماندہ است درین راہروان زدہ اند آئینہ سان پُشت بدیوار چرا
ہر یکے نوحہ کنان نعرہ زنان جامہ دران عیش کم غصہ فزون سینۂ پُر افکار چرا
اشک آبی است چساں آتش سوزندہ شد نالہ آہی است زآہی روشِ خار چرا
عجمی وعربی عالم و جاہل یکساں رفتہ از صبروسکون اندبیکبار چرا

ہر کجاے نگرم دیدہ گریانی ہست
ہر کجا گوش نہم نالہ وافغانی ہست

کاروان ماندہ برہ قافلہ سالار برفت ازتن قوم سر اُفتاد کہ سردار برفت
حُجۃ اللہ امام عرفاء وعلماء وارثِ شاہِ رُسل صاحب اسرار برفت
یادگارِ سلف آں خازنِ اخبار نبی ﷺ افتخارِ خلف آن مخزنِ آثار برفت
کانِ دین جانِ یقین حضرت استاذ زمان حامی، شرع مُبین عُمدۂ اخیار برفت
سیّدی مُعتمدی شاہ محمد ﷺ انور بگلستانِ جنانِ طوطیِ طیّار برفت
مطلعِ نورِ رُخِ انورش اللہ اللہ عالم افروز شدہ عالم انوار برفت

خلق محمود حسن داشت آں رُشدِ رشید
یافت زان قاسم فیضِ نبوی دین تجدید

آنکہ مہر فلکِ مذہب نعمانی بود حرف خرش ادب وحکمتِ لُقمانی بود
آنکہ تحقیقِ حقائق بدقایق میکرو آنکہ در علم وعمل مکیتن ولاثانی بود
آنکہ گر مُنتہی روے بدو آوردے پیش او مُبتدی وطفلِ و بستانی بود
آنکہ در فتنۂ تاویل بعصرِ حاضرِ پُشت اسلام ومددگار مُسلمانی بود
آنکہ در طے مقامات باطوارِ سلوک گوئیا ثانی آن شبلیؒ و خرقانیؒ بود

نظرش بر قدم وہوش بدم گوش بحق خلوتش جلوتی محفلِ عرفانی بود
بضیا پاشی انوارِ علومش نازم انجم انجمنِ مُلکِ خدا دانی بود
صورتش مشرقِ اغرارِ ولی اللّٰہی
سیرتش آمر معروف در منکر ناہی

در غمش فقہ جُدا گرویدہ وتفسیر جُدا منطق وفلسفہ وسُلّم وتحریر جُدا
محشرستان نہ ہمیں ضلع سہارنپور است چین جُدا ہند جُدا خطۂ کشمیر جُدا
بیقرار است چو سیماب ازین ماتم سخت خطۂ خاک جُدا وفلکِ پیر جُدا
سایہ اش تازسر ازہرو انظر برخاست خونفشان سیف جُداوٗ پدر، پیر جُدا
آو خارفت بناگاہ دریغادردا ہے زعمِ چارہ جُدا نالد وتدبیر جُدا
ماہِ ما مشعل دین آہ نہان شد بحجاب شاہ ماکرد زمابازیِ تقدیر جُدا
مرگ خواسیت کہ ہر فرد بشرے بلبند خواب مرگِ علماء واشتہ تعبیر جُدا
مرگِ عالِ، ہمگی ظلمتِ دُنیا باشد
مرگ عالم بیقین محشرِ کُبریٰ باشد

وقت آن است اگر روحِ بخاری گرید ترمذی آمدہ چوں ابرِ بہاری گرید
نسائی وار مُسلم غم او مسلم راست نووی عود نوا گشتہ بزاری گرید
آہ تقریرِ مُصفّاہیِ موطا کہ کُند عبد برشام وسحر برادرِ ب اری گرید
وائے آلودہ باندوہ ابو داؤد است عونِ معبود وبصد سینہ فگاری گرید
دلِ مشکوٰۃ ہمی سوزو ومرقات اُفتد بغوی زاد، ہمینالد وقاری گرید
بحرِ مواج رسد کز پے آن عین العلم زندہ رودی کشد ازہر مژہ جاری گرید
صدمۂ رحلتش ازطبری و رازی برسید شیوۂ قاضی بیضاست زیادی گرید
باب خواہم کہ بیانے زنو آغاز کند
با شارات لبش شرح شفا باز کند

کردی ہر گاہ بیان نکتۂ قرآنی را — ے شمیدیم ازو نحۂ رحمانی را
چوں بگفتار ہمے آمدی آن کانِ حدیث — میزدی مہرِ خموشی لبِ شوکانی را
ہر کجا تاختی آن ضیغمِ باطل افگن — لرزہ افتادے بہ تن زمرۂ شیطانی را
بخلافت شدہ ممتاز چو ازشیخ الہندؒ — داد ترویج اتم مذہب نعمانی را
نسبتش بود یار باب سلاسل محکم — حرزِ ایمان بخشش طالبِ حقانی را
توتیا دیدہ وران کردہ خاکِ قدمش — کہ نہ بُد خاصیتش کحلِ صفاہانی را
روشنم خود نشدے عالمِ ربانی چیست — گرنہ من دیدے آن عالمِ ربانی را

طلعتِ فرخ او سیر ندیدیم و برفت
شربتے از لبِ لعلش نچشیدیم و برفت

کے بود کے کہ دگر بزمِ حدیث آراید — گرہِ مشکلِ اربابِ خرد بکشاید
کے بود کے کہ سر آید سخنے از لبِ نوش — رونما جان ستد وچہرہ بما بنماید
بہرِ سرکوبی دجال پرستانِ مضلِ — کے بود کے کہ دگر بارہ بکشمیر آید
حلقۂ درسِ بخاریش زیادم نرود — صدر ایں تخت ہموبود وہموی باید
پدرانِ علویمویہ کنان می گویند — ہم چو فرزند ندانیم کہ مادر زاید
آسمان اے ہمہ بیدادبدہ بارے داد — مخزنِ علم کفن پوش بمدفن شاید
باز آن صیقل آئینہ دلان راخوانم — باشد از خاطرِ مازنگِ الم بزداید

صدر ایوانِ بہشت ازچہ بہشتی مارا
سرد مہری نسزد گرم دِگر کن جارا

ایک بودہ است ہمہ فقر وفنا شیوۂ تو — تافتن روزِ غنا بہرِ خدا شیوۂ تو
دل مُستغنی تو فخر ہمیلرد بفقر — بذل واحسان وکرم جودوسخا شیوۂ تو
صوفی صاف درون عارفِ بے لاف وگزاف — کس ندیدہ است بجز صدق وصفا شیوۂ تو
گہ زآئینہ ضمیری تو مکدر نشدی — صد خطا شیوۂ مابود وعطاء شیوۂ تو
طلعتِ پاک تو تصویرِ توکل سرِ پا — برقضا آمدہ تسلیم ورضا شیوۂ تو

فضلاء پیشِ تو زانوے ادب تہ کردند　　　بود تا ب وو بمکین وحیا شیوۂ تو
شرحِ اوصافِ تو ہر چند مطول گویم　　　مختصر کے شود یک شمہ ادا شیوۂ تو

بزم بگذاشتہ در کنجِ رخ، ول ازچہ شدی
چہ خطا سرزدہ ازما تو ملول ازچہ شدی

بسفر رختِ سفر بستہ تختی دل ما　　　برق جولان تو آتش زدہ در حاصلِ ما
روضۂ خلد شد آراستہ از مقدم تو　　　مید مدخار مغیلان ہمہ از منزلِ ما
ساقی مصطبۂ علم کفن پوش شدی　　　جام بشکستی و ب رہم زدۂ محفلِ ما
اے ہما زور پریدی زلبِ بامِ جہان　　　زاغ طبیعم مگر وائے دل غافل ما
نیست امکان کہ رود مہر تو بیرون از سر　　　کہ سرشتند وفائے تو درآب وگلِ ما
زندۂ زندۂ جاوید بماندی از نام　　　مرگ تعبیر اگر کرد دلِ جاہل ما
باز آ باز کہ سر در قدمت اندازیم!　　　تاب ہجر تو ندارد جگر لبمل ما

آب آہن کہ نم ورختہ بخارا فگنم
دیدہ دریا کنم وصبر بصحرا فگنم

سحرے گر برِ ماہم چو صبامے آئی　　　غم زدا عیش فزا عقدہ کشامے آئی
بمدارائے عزیزان ویتیمان بارے　　　چہ شود گر زرہِ لطف وعطامے آئی
خوب دانم کہ ترا پاسِ پدر بسیار است　　　بہرِ او باز بیا گر نہ بمامے آئی
بکشا چشمِ خدا بین اَلَم اخوان بین　　　چشم دارند بفریاد وندامے آئی
اللہ اللہ کہ چہا غافل و نادانم مَن　　　چقدر ہرزہ سرایم تو کجامے آئی
رخت افگندۂ دربارگہِ خاص الخاص　　　کے بدین عالمِ فانی زبقامے آئی
نزدِ خود خواند تو اسیدِ لولاکٍ لقب　　　کے ازان شمسِ ضحیٰ سوی نہ جامے آئی

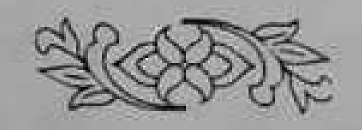
سایۂ طوبیٰ او تسنیم تر خوش آمد
دولتِ سرمدِ دیدارِ خدا خوش آمد

اے مۓ فیضِ تو پُر کردہ اَیاغِ عالَم — ہست از عرف شذی مست دماغ عالم
کرد تبلیغ بلیغت مددِ مِلّت ودین — رفت در خواب فنا فتنۂ لاغِ عالم
ظلمت آباد شد از رفتنِ تو عرصۂ دہر — شمعِ ایوانِ جنان چشم وچراغِ عالم
ماہمہ سینہ فگاریم بداغِ غمِ تو — از طبیبان کہ کند مرہم داغِ عالم
بکجا جوییت اے لالۂ نعمانی را — بے تو پژمردگی افتاد براغِ عالم
عندلیبان خبر از قمری وطوطی پُرسند — بکجا رفتہ بہار وگل باغِ عالم
چارم ماہِ صفر چہرہ نہفتی گہِ شام — سال بشمرد ولم آہ چراغِ عالم

بر تو نازل ہمہ دَم رحمتِ دادار شواد
قبرِ پاکت ہمگی مہبطِ انوار شواد

تا بکے اشم ازین واقعہ گریان باشی — وزپے خرمنِ دل آتشِ سوزان باشی
تا بکے از اثرِ تیر جگر دودِ فغان — رخنہ انداز درین گنبدِ گردان باشی
تا بکے لالہ صِفت غرقہ بخون داغ بدل — ہم چو سنبل ہم ہ جا سخت پریشان باشی
تا بکے لوحِ رُخ از اشک بشوی صدبار — وین الفِ ہا بکشی طفلِ دبستان باشی
فاتحہ ازراہِ اخلاص برو ہدیہ بیار — تا کہ از صِدق او صفا جمع محبان باشی
کُلُّ نَفْسٍ بہمہ آمدہ توقیع قضا — بہتر آن است خبردار ز فرمان باشی

بَرضا کوش در آئینِ قضا بود ہمین
صبر کن صبر کہ تقدیرِ خدا بود ہمین



آہ اے شیخ الحدیث!

(اُردو مرثیہ)

(از مولانا قاری جمال الدین صاحب لبیب)

مولانا قاری جمالُ الدین صاحب المتخلص بہ لبیب جن دنوں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بحیثیت طالب علم تھے تو حضرت شاہ صاحبؒ کی ایک اچانک رحلت پر ایک تعزیتی جلسہ میں موصوف نے مندرجہ ذیل نظم پڑھی تھی۔

اپریل ۱۹۷۰ء میں یہ نظم ماہنامہ دارالعلوم دیو بند میں شائع ہوئی تھی اور اب مدیرِ دارالعلوم کے شکریہ کے ساتھ پھر ہدیہ ناظرین ہے۔
کوندو

آہ اے شیخ الحدیث جامعہ فخرِ زمن
حامیِ دینِ متین اور ماہر ہر علم وفن

تیرے جانے سے ہر اک محفل کا رنگ جاتا رہا
اور خصوصاً جامعہ کا ہوگیا سونا چمن

تھا ترا ہر لفظ مومن کے لئے آبِ حیات
اور ہر نکتہ تھا باطل کے لئے دارورسن

ان کی رحلت سے بشیرُ الدین مرزا خوش نہ ہو
اُن کا ہر شاگرد ہے تیرے لئے دنداں شکن

وہ تیرا درسِ بخاری اور تحقیقِ انیق!
جس میں مانا تھا تجھے دُنیا نے یکتائے زمن

جس کی برکت سے نہ کچھ معمور رہے ہندوستان
بلکہ ہے مرہون مِنّت آج تک چین ویمن

یوں تو دنیا میں بہت آئے محدّث اور فقیہ
لا نہیں سکتا مگر ثانی ترا چرخِ کہن

مدّتوں سے ہم نے چھوڑا تھا وطن جس کے لئے
اور یہاں رہ کر اٹھائے سینکڑوں رنج و محن

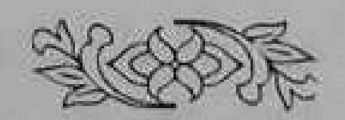
آہ وہ سیراب گاہِ تشنہ کامانِ علوم
سو رہا ہے قبر میں باندھے ہوئے سر سے کفن

اس مری آہ و فغاں پر غیب سے آئی ندا
تو فراقِ شاہ میں اس طرح سے مجنوں نہ بن

تیری تسکین کے لئے کافی ہیں شبیر ❶ و سراج
اپنے اپنے طرز میں ہر ایک ہے دُرِّ عدن

اور وہ ❷ حضرات بابرکت، جن پر مدّتوں
فیضِ انور شاہ کشمیری رہا سایہ فگن

شیخ سے قلبی محبت ہے اگر تجھ کو لبیب
پھر دُعائے خیر کا پابند رہ ہر سرّ و علن



---

❶ ......شبیر و سراج یعنی حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا سراج احمد رشیدیؒ۔

❷ ......مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا محمد ادریس سکھروڈوی، مولانا محمد یحیٰی تھانوی، مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی سابق اساتذہ جامعہ ڈابھیل (یہ سب حضرات شاہ صاحبؒ کے تلامذہ ہیں)



تتمات

تتمہ (۱)

حضرت شیخ الہند

(ولادت ۱۸۵۱ء ۱۲۶۸ھ، وفات ۱۹۲۰ء ۱۳۳۹ھ)

شخصیات کے تذکرے صرف ان کے اپنے کارنامہ ہائے حیات کو فراہم کر دینے سے ہی حاصل نہیں ہو جاتے۔ جن ہستیوں نے ان کی علمی اور روحانی تربیت کی، اور فیوض و برکات کے جن چشموں نے ان کے کمالات کی آبیاری کی ہے قاری کو ان سے متعارف کرانا بھی تذکرہ نگار کے فرائض میں شامل ہے۔

حضرت شاہ صاحب کا نسبی تذکرہ کسی حد تک آپ کے حالات کی ابتداء میں مرقوم ہو چکا اور تتمہ ۲ میں حضرت الشیخ مسعود نروریؒ اور ان کی ذریات کے مشاہیر کی صورت میں مزید تفصیلات بھی آرہی ہیں لیکن شاہ صاحبؒ کی ذات ستودہ صفات کو سمجھنے کے لئے نسبی پس منظر سے بھی زیادہ حسبی پس منظر پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے کتاب ہذا کے مختلف عناوین کے تحت ہم نے کوشش کی ہے کہ آپ کے اساتذہ کے حالات جس قدر بھی اور جہاں کہیں سے بھی میسر ہوں سمیٹ لئے جائیں لیکن ان اساتذہ میں سے ایک عظیم ہستی زبدۃ العلماء والمحدثین حضرت شیخ الہند مولینا محمود الحسنؒ کی بھی ہے، جن کی حسن تربیت و تعلیم نے شاہ صاحب کے جوہر فطرت کو تابنا کی بخشی اس لئے یہ ضروری ہے کہ آپ کا تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ آجائے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے کمالات و حالات ایک بحرِ بے کراں ہیں جن کو بیان کرنے کے لئے ایک ضخیم کتاب بھی مکتفی نہیں ہو سکتی۔ محض آپ کی ذات گرامی کے تعارف کے طور پر ہم آپ کے پاکیزہ کوائف حیات کا مختصر سا خاکہ ذیل میں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں:

خلاصہ حیات:...... حضرت شیخ الہندؒ دارالعلوم کے سب سے پہلے شاگرد ہیں، ان ہی کی نسبت کہا گیا ہے کہ جس نے (مدرسہ دیوبند کے قائم ہونے پر اس درسگاہ کے) سب سے پہلے استاد ملا محمود کے سامنے کتاب کھولی وہ محمود تھا[1]۔

---

[1] ...... مولانا ملا محمود (م ۱۳۰۴ھ) علوم حدیث و فقہ کے بہت بڑے عالم و فاضل تھے ۱۲۸۳ھ میں جب حضرت نانوتوی نے اولا چھتہ کی مسجد میں دارالعلوم کا مدرسہ قائم کیا تو اس وقت ملا محمود میرٹھ کے مطبع ہاشمی میں ملازم تھے۔ مدرسی کے لئے حضرت نانوتویؒ نے ملا محمود کو بلایا۔ الغرض یہ دارالعلوم کے سب سے پہلے مدرس ہیں حضرت شیخ الہندؒ مولینا محمود حسن نے چھتہ کی مسجد کے پاس ایک درخت کے نیچے ان ہی سے سب سے پہلا سبق پڑھا تھا۔ اللہ اللہ استاد بھی محمود اور شاگرد بھی محمود (گوندو)

حضرت شیخ الہند کی پیدائش ۱۸۵۱ء بمطابق ۱۲۶۸ھ میں بریلی میں ہوئی۔ جہاں ان کے والد ماجد مولینا ذوالفقار علی سرکاری محکمہ تعلیم سے وابستہ تھے (آپ بھی بانیان دار العلوم دیوبند میں سے تھے)۔ (نونہاد محمود نے) ابتدائی تعلیم اپنے مشہور عالم چچا مولینا مہتاب علی مرحوم سے حاصل کی۔ (فقہ میں) قدوری اور (منطق میں) شرح تہذیب پڑھ رہے تھے کہ دار العلوم کا قیام عمل میں آیا، آپ اس میں داخل ہوگئے، انصاب دار العلوم کی تکمیل کے بعد حضرت مولینا محمد قاسم نانوتویؒ کی خدمت میں رہ کر علم حدیث کی تحصیل فرمائی فنون کی بعض اعلی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ ۱۸۷۳ء ۱۲۹۰ھ میں حضرت نانوتویؒ کے دستِ مبارک سے دستار فضیلت حاصل کی۔ زمانہ تعلیم ہی میں آپ کا شمار حضرت نانوتویؒ کے ممتاز تلامذہ میں ہوتا تھا، اور حضرت نانوتوی خاص طور سے شفقت فرماتے تھے، چنانچہ انکی اعلی علمی اور ذہنی صلاحیتوں کے پیش نظر دار العلوم کی مدرسی کے لئے اکابر مدرسہ کی نظر انتخاب آپ کے اوپر پڑی اور ۱۸۷۴ء ۱۲۹۱ء میں مدرس چہارم کی حیثیت سے آپ کا تقرر عمل میں آیا جس سے بتدریج ترقی پاکر ۱۸۹۰ء ۱۳۰۸ھ میں دار العلوم کے) صدر المدرسین کے منصب پر فائز ہوئے۔

ظاہری علم وفضل کی طرح آپ کا باطن بھی آراستہ تھا، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے خلافت حاصل تھی، دار العلوم میں صدارت تدریس کا مشاہرہ اس وقت ۷۵ روپے تھا، مگر آپ نے ۵۰ روپے سے زیادہ کبھی قبول نہیں فرمائے۔ بقیہ ۲۵ روپے (ہر ماہ) دار العلوم کے چندے میں شامل فرمادیتے تھے۔ آپ کی زبردست علمی شخصیت کے باعث طلباء کی تعداد ۲۰۰ سے بڑھ کر ۶۰۰ تک پہنچ گئی تھی۔ آپ کے زمانہ میں ۸۶۰ طلباء نے حدیث نبویؐ سے فراغت حاصل کی، حضرت شیخ الہندؒ کے فیض تعلیم نے مولینا محمد انور شاہ کشمیری، مولینا عبید اللہ سندھی، مولینا منصور انصاری، مولینا حسین احمد مدنی، مولینا مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولینا شبیر احمد عثمانی، مولینا سید اصغر حسین دیوبندی، مولینا سید فخر الدین احمد، مولینا محمد اعزاز علی امروہی، مولینا محمد ابراہیم بلیاوی، مولینا سید مناظر احسن گیلانی، مولینا احمد علی لاہوری۔ جیسے مشاہیر اور نامور علماء کی جماعت تیار کی۔

(تاریخ دیوبند از سید محبوب رضوی مطبوعہ علمی مرکز دیوبند ۱۹۷۲ء ص ۳۵۳۔ ۳۵۴)

شیخ الہند کی سیاسی جدوجہد:

...... حضرت شیخ الہند مولینا محمود حسن صاحب دیوبندی قدس اللہ سرہ، چودھویں صدی ہجری کے نصف اول کے اعلم العلماء اور اولیاء کاملین میں سے تھے۔ اللہ تعالی نے آپ کو بے پناہ علم وفضل اور فرشتوں کے سے اوصاف تقوی وطہارت عطا کر رکھے تھے اور ان کمالات کے ساتھ ساتھ آپ کو میدان عمل کا شہسوار بھی بنایا تھا۔ آپ ایک طرف دار العلوم دیوبند کی صدارت المدرسین کی مسند پر رونق افروز ہوکر قال اللہ وقال الرسول کی نہروں سے طالبان علوم دین کے قلوب کو سیراب کررہے تھے اور دوسری طرف وطن عزیز یعنی برصغیر کو انگریزوں کے تسلط سے آزاد کرانے کے

لئے سیاسی جدوجہد میں اپنے زمانہ کے دیگر سیاسی رہنماؤں کے لئے علمی نمونہ تھے۔

برطانوی امپیریل ازم کے خلاف علم جہاد بلند رکھنا آپ کو اپنے اساتذہ اور پیران طریقت حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی، حضرت مولینا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولینا رشید احمد گنگوہیؒ سے وراثت میں ملا تھا۔ اس وراثت کو آپ نے زندگی بھر سینے سے لگائے رکھا اور اسی جذبہ جہاد کی وجہ سے آخری عمر میں اپنی علالت اور ضعف پیری کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آپ نے ہجرت پھر قید و بند اور جلائے وطنی اور ہندوستان سے پانچ ہزار میل دور سمندر میں مالٹا نامی ایک جزیرہ میں نظر بندی و اسیری کو لبیک کہا اور ان تمام مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا، آزادی ہند کی تحریک کے لئے حضرت شیخ الہندؒ کی یہ قربانیاں آپ کے تلامذہ، ہندوستان کے دیگر علماء اور ان سرفروش مسلمانان ہند کے لئے ایک روشن نمونہ بن گئیں جنھوں نے کبھی مجلس خلافت، کبھی نیشنل کانگریس اور جمعیۃ العلماء ہند کے جھنڈے کے نیچے اور کہیں مسلم لیگ، مجلس احرار اور دوسری حریت پسند تنظیمات میں شامل ہو کر انگریزی حکومت کی قوت قاہرہ کے خلاف اسوقت تک جنگ جاری رکھی جب تک کہ سامراجی طاقت نے اپنا بوریا بستر باندھ کر ساحل بمبئی کو الوداع نہ کہہ دیا۔

علمی اقدامات: ...... ۱۹۱۴ء میں جب جنگ عظیم چھڑ گئی تو آپ کی جماعت کے مرکز یاغستان میں آپ کے متعدد معتمد کارکن عرصہ سے تنظیمی کام انجام دے رہے تھے۔ ان سرفروش کارکنوں کو آپکا حکم پہنچا کہ اب میدان میں آجاؤ اور سربکف ہو کر کام شروع کرو۔ سرحد میں مجاہدین کے اجتماع کو دیکھ کر انگریزی فوج نے حملہ کر دیا۔ مجاہدین نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور انگریزی فوج کے پلٹنوں کی پلٹنیں صاف کر دیں۔ حضرت شیخ الہند کے پاس جہاد کی کیفیات کی خبریں برابر آتی رہتی تھیں۔ اس اثنا میں کارکنان مراکز مجاہدین کا پیغام آیا کہ ہم رسد اور ایمونیشن (AMMUNITION) ختم ہو جانے کی وجہ سے سخت مجبور ہیں، جب تک ان دونوں چیزوں کا انتظام نہ ہو، جہاد حریت جاری نہیں رہ سکتا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے دوران جنگ مجاہدین سرحد کی تائید و اعانت کا ایک مرکز کابل میں قائم کرنا چاہا اور ارادہ کیا کہ مولینا عبیداللہ سندھی ❶ کو وہاں بھیجدیا جائے اور خود دنیا کے آزاد اور

---

❶ ...... آپ سیالکوٹ میں ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء کو پیدا ہوئے اور دین پور میں ۲۲ اگست ۱۹۴۴ء کو انتقال فرما گئے۔ آپ ایک سکھ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اوائل عمر میں ہی مشرف باسلام ہوئے۔ آپ کے باپ کے نام رام سنگھ، دادا کا نام جسپت رائے اور ان کے باپ کا نام گلاب رائے تھا وطن اور نسل کے لحاظ سے آپ پنجابی تھے لیکن ابتدائی تعلیم و تربیت چونکہ سندھ میں حاصل کی تھی اس لئے عمر بھر سندھی کہلائے۔ دیوبند پہنچ کر علوم کی تکمیل حضرت شیخ الہندؒ سے کی اور حضرت نے اپنے شاگرد کی بے چین اور انقلابی فطرت کے رجحانات کا اندازہ کر لینے کے بعد آپ کو اپنے سیاسی منصوبوں کا ہمراز بنالیا۔ آپ کے ارشاد پر ۱۹۱۵ء میں آپ ریشمی خطوط کی مہم کے سلسلہ میں وطن سے روانہ ہوئے۔ سات سال کابل میں رہے۔ سات مہینہ ماسکو (روس) میں تین سال انگورہ (ترکی) اور پھر تقریباً بارہ سال مکہ معظمہ میں۔ انگریزی حکومت نے ہند میں آپ کا داخلہ ممنوع کر رکھا تھا۔ جلائے وطنی کے پچیس برس گزارنے کے بعد مارچ ۱۹۳۹ء میں آپ ہندوستان واپس آئے۔

انگریزوں کے مخالف ممالک ترکی اور جرمنی وغیرہ سے امداد حاصل کرنے کی کوشش کی جائے چنانچہ مولینا سندھیؒ کے پاس حکم پہنچتا ہے کہ "میں حجاز جاتا ہوں تم کابل پہنچو"۔

حضرت شیخ الہند کا سفر حجاز:...... پہلی عالمگیر جنگ زور پکڑ گئی تھی، جرمنی اور ترکی جو آپس میں حلیف تھے اور برطانوی اقتدار کے خلاف دوش بدوش لڑ رہے تھے، ہندوستان کے عوام خاص کر مسلم عوام کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں۔ برطانوی حکومت نے ہندوستان میں سیاسی تحریکوں کو دبانے کے لئے ایمرجنسی قوانین کا نفاذ کر کے مولینا آزاد، مولینا محمد علی، مولینا شوکت علی، لالہ لاجپت رائے اور اسی درجے کے رہنما ہر صوبے میں گرفتار کر کے اپنے اپنے گھروں سے دور مقامات میں نظر بند کر دیئے۔ گرفتار کئے جانے والے لیڈروں کی جو فہرست وائسرائے ہند کے پولیٹیکل محکمہ نے مرتب کی تھی اس میں حضرت شیخ الہندؒ کا نام سر دفتر تھا، لیکن آپ گورنمنٹ کے فوری اداروں سے بے خبر تھے اور حج وعمرہ کی نیت سے حرمین شریفین کے سفر کی تیاری میں مصروف تھے۔

حکومت کی عبرتناک ناکامی:...... دارالعلوم میں صدر المدرسین کے منصب پر ذہن میں حضرت شاہ صاحبؒ کو اپنی جانشینی کے لئے مقرر کر رکھنا بھی اسی سفر کی تیاری کا ایک حصہ تھا۔ اسی اثناء میں آپ کے فدا کار مرحوم ڈاکٹر مختار احمد انصاری دہلوی کو اپنے ذرائع سے پتہ چل گیا کہ حکومت ہند نے حضرت شیخ الہندؒ کی گرفتاری اور نظر بندی کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے حضرت شیخ الہندؒ کو اطلاع دے دی لیکن حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے سفر کے پروگرام میں ذرہ بھر بھی تغیر وتبدیل نہ کیا اور ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم کے مطابق آپ دیوبند سے ماہ شوال ستمبر ۱۹۱۵ء ۱۳۳۳ھ میں رخصت ہوئے اور دارالعلوم کی صدر مدرسی اور اپنی جانشینی کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ کا اعلان کر کے روانہ حجاز ہو گئے۔ اس اولوا العزمانہ اقدام سے حکومت ہند بوکھلا اٹھی اور اس کو حضرت شیخ الہندؒ کے عزائم کے بارے میں وئی شبہ باقی نہ رہا۔ چونکہ حکومت ترکی ان دنوں جنگ میں سخت آ الجھی ہوئی تھی۔ اور حجاز پر ابھی ترکی خلافت کا تسلط موجود تھا۔ اس لئے حکومت ہند کو یقین ہو گیا کہ حضرت شیخ الہندؒ وہاں جا کر ترکی اور جرمنی سے حریت ہند کے لئے امداد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے، لہذا ان کو روکنا اور گرفتار کر لینا ضروری ہے۔ چنانچہ آپ کی گرفتاری کے احکام فوراً جاری کر دیئے گئے۔ لیکن بمبئی تک ہر جگہ آپ کے دیدار اور زیارت کے مشتاق ہزار ہا لوگوں کا بے پناہ اژدہام تھا اور آپ پر ہاتھ ڈالنے سے بڑے ہنگامے کا خطرہ تھا۔ اس لئے حکومت کی ہمت نہ پڑی کہ مولینا کو بمبئی کے راستے میں گرفتار کیا جائے۔ اب حکومت کی سکیم یہ تھی کہ بمبئی میں قیام کے دوران راتوں رات آپ کی گرفتاری عمل میں لائی جائے۔ چنانچہ

گرفتاری کے لئے گورنمنٹ بمبئی کے نام گورنر یوپی نے ایک تار بھی بھیجا مگر وہ تار اس وقت پہنچا جب حاجیوں کا جہاز حضرت شیخ الہند کو لے کر ساحل بمبئی سے روانہ ہو چکا تھا۔ پھر گورنر مذکور نے بواسطہ مرکزی سرکار عدن کے گورنر کو تار دیا کہ مولینا محمود حسن کو جہاز سے اتار لو۔ مگر یہاں بھی کامیابی نہیں ہوئی جب تک جہاز جدہ پہنچ کر آپ کو مقدس سرزمین حجاز پر ا

امپیریل ازم کے لمبے ہاتھ:...... لیکن حکومت ہند نے حضرت مولینا کے ساتھ متعدد سی، آئی۔ ڈی بمبئی پہلے سے متعین کر دیئے تھے جو بظاہر حاجیوں کے بھیس میں تھے تا کہ وہ تمام حرکات وسکنات کی نگرانی رکھیں مگر جہاز سے اترتے ہی بعض لوگوں نے ترکی پولیس کو اطلاع کر دی کہ فلاں فلاں اشخاص انگریزوں کے سی۔ آئی۔ ڈی ہیں ان کو پولیس نے گرفتار کر لیا۔ اس کے باوجود کچھ مخفی لوگ پھر بھی باقی رہ گئے جو آپ کی گرفتاری کے وقت تک اپنے خبث باطن کی ڈیوٹی انجام دیتے رہے۔

مولینا مدنیؒ کی سیاست میں شمولیت:...... مولینا سید حسین احمد مدنی کا ان دنوں مدینہ شریف میں مستقل قیام تھا اور آپ وہاں تعلیم وتدریس کے شغل میں مصروف تھے اس لئے ہندوستان کی سیاست میں ابھی باقاعدہ شریک نہیں ہوئے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے حجاز پہنچنے پر جب آپ کے تازہ ارادوں سے واقف ہوئے اور آپ کے خیالات سے متاثر ہوئے تو عملی سیاست میں کود پڑے۔

قیام حجاز کی مصروفیات:...... مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، طائف اور دیگر مقامات میں آزادی وطن کی جدوجہد کے سلسلے میں حضرت شیخ الہند، مولینا حسین احمد مدنی اور دیگر رفقاء نے کیا کیا اقدامات کئے۔ یہ ایک طویل اور دلچسپ باب ہے۔ حضرت شیخ الہند کا اس دوران قرآن شریف کے ترجمہ کے کام میں مصروف رہنا، دوبار حج بیت اللہ سے مشرف ہونا، مکہ میں وہاں کے گورنر غالب پاشا سے ملنا، ترکی کے وزیر جنگ اور مشہور ومعروف ہیرو غازی انور پاشاہ اور چوتھے ڈویژن کے کمانڈر جمال پاشا سے مدینہ منورہ میں ملنا، اس سے تجربات حاصل کرنا، تحریرات کو نہایت رازداری سے وطن بھیجنا اور حضرت مولینا کا ترک اکابرین سے تحریک آزادی ہند کی حمایت حاصل کرنا، طائف روانہ ہونا اور اسی اثناء میں شریف حسین (والی مکہ) کا انگریزوں سے ساز باز کر کے ترک خلیفۃ المسلمین کے خلاف بغاوت کر دینا اور طائف میں حضرت مولینا کا محصور ہو جانا اس مدت قیام حجاز کی کچھ مختصر جھلکیاں ہیں۔

حرم مکہ میں گرفتاری اور قاہرہ میں سزا:...... خلاصہ کلام یہ ہے کہ شریف مکہ نے انگریز حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے حضرت مولینا کو مکہ مکرمہ میں گرفتار کر کے ۲۴ صفر ۱۳۳۵ھ کو آپ کے رفقاء سمیت جدہ پہنچایا اور انگریزوں کی فوجی حراست کے سپرد کر دیا آپ ۲۵ دن وہاں حراست میں رکھے گئے۔ ۸ ربیع الاول کو زیر حراست آپ سویز بھیجے گئے۔ ۲۲ کو وہاں

سے گورہ فوج کی حراست میں آپ کو قاہرہ بھیجا گیا اور مقام جیزہ کے سیاسی جیل معتقل ❶ میں داخل کردیئے گئے جیزہ کے جیل میں تقریباً ایک مہینہ رکھنے اور بیانات لے لینے کے بعد امپریل ازم کے کارندوں نے فیصلہ کیا کہ آپ (حضرت شیخ الہند) اور آپ کے رفقاء میں سے مولینا سید حسین احمد صاحب مدنی، مولینا عزیز گل، حکیم نصرت حسین اور مولوی وحید احمد کو عالمگیر جنگ کے اختتام تک جلائے وطن اور نظر بند کردیا جائے۔

مقام اسارت کے لئے مالٹا کا انتخاب:...... چونکہ ہندوستان، مصر اور عرب سب جگہ انگریز دشمن تحریکات چل رہی ہیں ان تینوں ممالک میں شیخ الہند کا اثر ورسوخ ہے۔ اس لئے یورپ کے کسی انگریزی مقبوضہ مقام پر آپکو نظر بند رکھا جائے۔ دلی سے لے کر لندن تک مشوروں اور بہت رد وکد کے بعد انگریز حکام نے یہ طے کیا کہ شیخ الہند کو براعظم ایشیا اور براعظم افریقہ کے بدلے براعظم یورپ میں نظر بند رکھا جائے اس غرض کے لئے ملک ایطالیہ میں رومہ سے قریب ایک سمندری جزیرہ ''مالٹا'' کا انتخاب کیا گیا جس میں جنگ شروع ہونے کے وقت سے ترکی اور جرمنی کے وہ فوجی افسر جنرل، کرنل اور انگریزوں کے بڑے بڑے مخالف لاکر نظر بند کئے جاتے تھے جو بدوران جنگ گرفتار کرلئے جاتے تھے۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ☆ ہر بوالہوس کے واسطے دار ورسن کہاں؟

جزیرہ مالٹا کو حضرت مولینا محمود حسن اور آپ کے رفقاء کی منتقلی کا فیصلہ ہوجانے کے بعد ان کے پاسپورٹ مرتب کئے گئے۔ ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ (۱۶ فروری ۱۹۱۷ء) کو ایک سمندری جہاز ان مقدس قیدیوں کو لیکر مالٹا کی طرف روانہ ہوگیا۔ جو ۲۹ کو مالٹا پہنچ گیا۔

جزیرہ مالٹا:...... جزیرہ مالٹا نہایت سرد جگہ پر واقع ہے اور فروری کا مہینہ جس میں آپ وہاں پہنچے سرما کا ہی مہینہ شمار ہوتا ہے۔ حضرت شیخ الہند ہندوستان کے ایک گرم صوبے یوپی کے رہنے والے تھے سرد مقامات کی آب وہوا آپ کی صحت کے لئے ضرر رساں تھی۔ ابتداء میں آپ کو اور آپ کے رفقاء کو مالٹا میں کسی مکان کے بجائے خیموں میں ہی رکھا گیا تھا جو سرد ہواؤں کے جھونکوں سے ہر وقت پھڑ پھڑاتے رہتے تھے۔ مولینا حسین احمد مدنی نے تحریر فرمایا ہے کہ سردی خیموں کے باہر تو انتہائی درجہ کی پڑتی ہی تھی مگر اندر بھی اس قدر پڑتی تھی کہ باوجود یکہ لکڑی کی چارپائیوں پر نیچے گدہ اور اوپر دو کمبل ہوتے تھے۔ پھر بھی آدھی رات کے بعد سردی کی شدت سے نیند نہیں آتی تھی۔ مگر حضرت حسب عادت ڈیڑھ دو بجے اٹھتے، پیشاب وغیرہ سے فارغ ہوکر ٹھنڈے پانی سے وضو

---

❶ ...... معتقل عقال کا اسم ظرف ہے۔ اس کا معنی ہے وہ جیل جس کے قیدیوں کو بیڑیاں اور زنجیریں پہنائی جانا ضروری ہو۔

کرتے اور چونکہ (ضعیف العمری کے باعث) پیشاب کے بار بار آنے کی تکلیف لاحق تھی شب بھر میں کئی کئی مرتبہ ادرار کی ضرورت پڑتی تھی۔ لیکن چونکہ عادت شریف ہر وقت باوضو رہنے کی تھی اس لئے شدت سرما کے باوجود آپ ہر بار تجدید وضو فرماتے اور ذکر الٰہی میں مصروف ہو جاتے۔

رہائی اور واپسی وطن:...... بہر کیف ۲ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ کو تقریباً ۳ برس دو مہینہ مالٹا جیل میں رکھ کر وہاں سے روانہ کیے گئے۔ ۲۵ جمادی الثانی کو اگن بوٹ اسکندریہ پہنچا۔ ۱۸ روز وہاں ٹھہرنے کے بعد ۱۳ رجب کو وہاں سے سویس کو روانہ کیے گئے۔ سویس میں اسیروں کے سنگیو میں (سینگوں کے پہرہ میں پونے دو مہینہ تک انہیں رکھا گیا۔ الغرض ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۸ء (مطابق ۸ جون ۱۹۲۰ء) کو میں ۳ برس سات مہینے کے بعد بمبئی پہنچا کر ان کو رہا کیا گیا۔

محبت وعقیدت کے مظاہرے:...... بمبئی میں مولینا شوکت علی اور ہزاروں اشخاص وممبران خلافت کمیٹی نے آپ کا پرجوش استقبال کیا اور نعرہائے تکبیر سے فضا کو گونجادیا۔ مولینا عبدالباری فرنگی محلی لکھنؤ سے اور گاندی جی احمد آباد سے آکر استقبال میں شریک ہوئے۔ بمبئی کے دو دن کے مختصر قیام میں خلافت کمیٹی اور اہلیان شہر کی طرف سے حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا گیا۔ آخر کار ۲۵ رمضان ۱۳۳۸ھ کو دہلی میں ۲۶ رمضان ۱۳۳۸ھ (۱۲ جون ۱۹۲۰ء) کو آپ دیو بند پہنچ گئے۔

مدت مدید کی اسارت کی مشقتیں برداشت کر کے جب حضرت شیخ الہندؒ ہندوستان واپس تشریف لائے تو جذبہ عزت اور انگریزی دشمنی میں کوئی کمزوری یا کمی نہیں آئی بلکہ آپ کے سینہ میں آزادی وطن کی مبارک آگ زیادہ بھڑکی اور آخر انگریز کے ساتھ ترک موالات کا فتوی دے دیا۔ جس سے ملک میں زبردست ہیجان پیدا ہو گیا حتی کہ ایک موقعہ پر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ تک کو لوگ بند کرنے میں آمادہ ہو گئے۔

اپنے مرحوم رفیق سجن کی والدہ کی تعزیت:...... سفر حرمین اور مالٹا کی قید میں جو لوگ حضرت شیخ الہندؒ کے رفیق تھے ان میں ایک بزرگ حکیم نصرت حسین صاحب بھی تھے۔ حکیم صاحب نہ صرف حضرت کے شاگرد بلکہ مخلص خادم بھی تھے۔ باوجویکہ حکیم صاحب حضرت شیخ الہند کی سیاسی تحریک کے باضابطہ ممبر نہ تھے لیکن حکام برطانیہ نے بوکھلاہٹ میں آپ کو بھی شیخ الہند کے انقلابی رفقاء میں شمار کر کے حجاز مقدس میں گرفتار کر لیا اور مالٹا لیجا کر حضرت کے ساتھ ہی نظر بند کر دیا۔ آپ وہیں پر بیمار پڑ کر انتقال کر گئے۔ (رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ)

حضرت شیخ الہند نے وطن واپس آکر دیو بند میں چند دن قیام فرما کے ضروری سمجھا کہ مرحوم کے گھر واقع کوڑا جہاں آباد (ضلع فتح پورہ) میں جا کر حکیم صاحب مرحوم کی والدہ محترمہ اور دیگر

لواحقین کی تعزیت پرسی کی جائے چنانچہ حضرتؒ نے ایسا ہی کیا۔

دیگر مقامات کا سفر:...... کوڑا جہاں آباد کے سفر کے ساتھ ہی حضرت شیخ الہندؒ الہ آباد اور لکھنو وغیرہ مقامات پر بھی تشریف لے گئے۔ سخت علالت ہی میں ۱۶ صفر ۱۳۲۹ھ (۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء) کو علیگڑھ میں مسلم نیشنل یونیورسٹی (جو کہ بعد میں) جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نام سے موصوم ہوئی اور علی گڑھ سے دہلی منتقل ہوئی کی بنیاد ڈالی۔

اس تقریب پر دعوت دینے والوں کے اصرار پر یہ فرما کر حضرت نے رضامندی ظاہر کی کہ اگر میری صدارت سے انگریز کو تکلیف ہوگی تو جلسہ میں ضرور شریک ہونگا،

آپ ان دنوں اسقدر علیل تھے کہ ضعف ونقاہت کی وجہ سے خود چل بھی نہیں سکتے تھے دو شخصوں کے کندھوں پر ٹیک کر چلنا ہوتا تھا۔ آپ کی طرف سے خطبہ صدارت آپ کے فیض یافتہ مولینا شبیر احمد عثمانی نے پڑھا جس کے مندرجہ ذیل فقرے قابل ذکر ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کی یادگار تقریر:...... (۱) ...... "میں نے اس پیرانہ سالی اور علالت ونقاہت کی حالت میں آپ کی اس دعوت پر اس لئے لبیک کہا کہ میں اپنی ایک گم شدہ متاع کو یہاں پانے کا امیدوار ہوں۔ بہت سے نیک بندے ہیں جن کے چہروں پر نماز کا نور اور ذکر اللہ کی روشنی جھلک رہی ہے۔ لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جلد از جلد اٹھو اور اس امت مرحومہ کو کفار کے نرغے سے بچاؤ تو ان کے دلوں پر خوف وہراس طاری ہوجاتا ہے۔ خدا کا نہیں بلکہ چند ہستیوں کی مستیوں کا اور ان کے سامان حرب وضرب کا"۔

(پھر چند سطور کے بعد ارشاد فرماتے ہیں)

(۲)...... "اے نونہالان وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غم خوار (جس میں میری ہڈیاں پگھلی جارہی ہیں) مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور اسکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں دیوبند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا"۔

(آگے چل کر اس خطبہ مبارک میں ارشاد فرمایا:)

(۳)...... آپ میں سے جو حضرات محقق اور باخبر ہیں وہ جانتے ہونگے کہ میرے بزرگوں نے کسی وقت بھی اجنبی زبان سیکھنے یا دوسری قوموں کے علوم اور فنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔ الخ [1]

---

[1] ...... حتی کہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اپنے زمانے میں فتویٰ دیا تھا کہ انگریزی پڑھنا علوم جدیدہ کا حاصل کرنا اسلام کی روایات اور روح کے بالکل مطابق ہے۔ (کوثر)

جمعیۃ العلماء کی صدارت:...... علی گڑھ کے اس جلسہ میں شرکت اور جامعہ ملیہ کی سنگ بنیاد ڈالنے سے فراغت کے بعد آپ واپس دہلی تشریف لائے اور وہاں ۷، ۸، اور ۹ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو جمعیۃ العلماء ہند کے تاریخی اجلاس کی صدارت فرمائی اور آخر وہیں ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ (۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء) کو آپ نے اپنی جان حضرت جان آفرین کے سپرد کی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

رحلت شیخ الہند:...... مولینا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کا بیان ہے کہ (جس کو مولینا جلیل صاحب نے نقل فرمایا ہے) کہ رحلت فرمانے سے کچھ دیر پہلے) حضرت (شیخ الہند) نے تھوڑی دیر آنکھ کھولکر چھت کی طرف دیکھا پھر فرمایا کہ مرنے کا تو کچھ افسوس نہیں ہے مگر افسوس ہے کہ میں بستر پر مر رہا ہوں، تمنا تو یہ تھی کہ میں میدان جہاد میں ہوتا اور اعلاء کلمۃ الحق کے جرم میں میرے ٹکڑے کئے جاتے۔ اس کے بعد بلند آواز سے اللہ اللہ سات مرتبہ کہا۔ آٹھویں مرتبہ آواز بلند ہوئی دیکھا تو زبان تالو سے لگی ہوئی تھی۔ (نقش حیات ج ۲۶۵۲)

حضرت شیخ الہند کی وفات حسرت آیات کی خبر شہر دہلی میں پھیل گئی تو آنا فانا تمام دکانیں بند ہوئیں۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم کی کوٹھی کے سامنے میدان میں ہزاروں مسلمانوں کی جماعت نے نماز جنازہ پڑھی۔ اس کے بعد ریلوے اسٹیشن پر دوسری دفعہ نماز جنازہ پڑھی گئی پھر شہر میرٹھ اور چھاؤنی میرٹھ پر بھی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ ساڑے سات بجے شام کو تابوت دیوبند اسٹیشن پر پہنچا۔ عقیدت مندوں کا جم غفیر عام تھا دوسرے دن صبح کی نماز صبح کو بعد جنازہ دار العلوم میں پہنچایا گیا۔ جہاں حضرت شیخ الہند کے برادر مکرم مولینا حکیم محمد حسن صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی ۹ بجے صبح کا وقت تھا جب بقول مولینا سید حسین احمد مدنی شریعت وطریقت کے اس آفتاب عالمتاب کو (حضرت نانوتویؒ کی قبر مبارک کے قریب) ہمیشہ کے لئے نظروں سے چھپا دیا گیا۔

مولینا مدنی نے نقل فرمایا ہے (اس وقت ایک غمزدہ کی زبان نے بھرائی ہوئی آواز سے کہا۔

مٹی میں کیا سمجھ کے چھپاتے ہو دوستو!
گنجینۂ علوم ہے یہ گنج زر نہیں

تصانیف:...... حضرت شیخ الہند نے بے شمار فیض یافتہ علماء وفضلاء یادگار چھوڑے ان کے علاوہ قرآن مجید کا اردو ترجمہ جہد المقل، احسن القری، ادلۂ کاملہ، ایضاح الادلہ، الابواب والتراجم، مختلف فتاوی اور متعدد سیاسی خطبات حضرت ممدوح کی تصنیفی یادگار ہیں۔

خراج تحسین:...... جو جانبازی حضرت شیخ الہندؒ نے دکھائی وہ تو کوئی اور کیا دکھائے گا۔ (مولینا

انور شاہ کشمیری) (بحوالہ دارالعلوم دیوبند جولائی ۱۹۶۴ء مقالہ مولینا ائل پوری)

حضرت شیخ الہندؒ صرف تفسیر وحدیث، فقہ واصول، منطق اور فلسفہ، حساب اور مساحت، ہیئت اور معقولات کے ہی بحرِ ذخار نہیں تھے بلکہ ان کو ادبیات عربیہ وفارسیہ (اردو شعر وسخن، اساتذہ فن کے مقالات اور قصائد غزلیات اور مثنویاں وغیرہ اس قدر یاد اور ازبر تھیں کہ سننے والا حیران ہوجاتا تھا۔ اور تعجب کرنے لگتا تھا کہ ان کے حافظہ میں کس قدر بے شمار علوم اور محصولات کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔

مولینا سید حسین احمد مدنیؒ (بحوالہ نقش حیات جلد ۱۔ ۱۳۲)

''میں نے حضرت شیخ الہندؒ سے حضرت مولینا محمد قاسمؒ کی حجۃ الاسلام پڑھی کتاب پڑھتے ہوئے کبھی کبھی یوں محسوس کرتا کہ جیسے علم اور ایمان میرے دل میں اوپر سے نازل ہورہا ہے۔'' مولینا عبید اللہ سندھیؒ (بحوالہ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ۲۶۶)

حلقہ درس کو دیکھ کر سلف صالحین اور اکابر محدثین کے حلقہ حدیث کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا۔ قرآن وحدیث حضرت کی زبان پر تھا اور ائمہ اربعہ کے مذاہب ازبر، صحابہ وتابعین فقہاء، مجتہدین کے اقوال محفوظ تقریر میں نہ گردن کی رگیں پھولتی تھیں، نہ منہ میں کف آتا تھا، نہ مغلق الفاظ سے تقریر کو جامع الغموض اور بھدی بناتے تھے۔ نہایت سبک اور سہل الفاظ بامحاورہ اردو میں، اس روانی اور جوش سے تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ دریا امنڈ رہا ہے۔ یہ کچھ مبالغہ نہیں ہے ہزاروں دیکھنے والے موجود ہیں کہ وہی منحنی اور منکسر المزاج ایک مشت استخوان، ضعیف الجثہ مرد خدا جو نماز کی صفوں میں ایک معمولی مسکین طالب علم معلوم ہوتا تھا مسند درس پر تقریر کے وقت یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک شیر خدا ہے جو قوت وشوکت کے ساتھ حق کا اعلان کررہا ہے۔ آواز میں کرختگی آمیز بلندی نہ تھی لیکن مدرسہ کے دروازے تک بے تکلف قابل فہم آواز آتی تھی۔ لہجے میں تصنع اور بناوٹ کا نام نہ تھا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے تقریر میں اثر دیا تھا۔ بات دلنشین ہوجاتی تھی اور سننے والا بھی یہ سمجھ کر اٹھتا تھا کہ وہ جو فرما رہے ہیں حق ہے۔

مولینا میاں اصغر حسین دیوبندی (حیات شیخ الہند بحوالہ تاریخ دارالعلوم دیوبند ۴۵۴، ۴۵۵)

۱۔ مولینا محمود حسن صاحب کی صحبت مغتنمات میں سے ہے۔

۲۔ بخاری شریف مولینا محمود حسن صاحب سے پڑھنا

۳۔ مولینا محمود حسن صاحب کی ذات قدسی نمونہ سلف ہے۔ ان کے اخلاق کا مطالعہ رکھو۔ اقتباساً رہے۔ مکتوب حضرت مولینا عبدالحیٰ لکھنوئیؒ۔ بنام فرزند ارجمند مولینا ڈاکٹر عبدالعلی چشتی (بحوالہ حیات عبدالحی ۳۵۰، ۳۵۱)



تتمہ (۲)

حضرت الشیخ بابا مسعود نوریؒ

آپ کا زمانۂ ولادت:...... جہاں تک آپ کی تاریخ پیدائش کا تعلق ہے کشمیر کی وہ تاریخی کتابیں جن میں آپکا تذکرہ آتا ہے خاموش ہیں۔ اندازاً آپ کی ولادت دسویں صدی ہجری کے ربع اول میں ہونی چاہئے۔ آپ نے حضرت میر احمد کرمانی سہروردیؒ کے دست مبارک پر بیعت کرلینے کے بعد دنیائی تعلقات ترک کردیئے ذہنی انقلاب اور ترک دنیا سے قبل آپ ایک کامیاب تاجر کی حیثیت میں شہرت عام حاصل کرچکے تھے۔ اپنے ہم پیشہ تاجروں اور امراء دربار میں اپنی شخصیت کا سکہ اس حد تک بٹھا رکھا تھا کہ تاجر لوگ آپ کو ملک التجار کے لقب سے پکارنے لگے تھے اور امراء دربار میں سے ایک بڑے فوجی امیر ملک علی چک نے (جو آگے چل کر بادشاہ بھی بنا اور علی شاہ چک کہلایا) اپنی بیٹی آپ کے عقد میں دے دی تھی، (آپ کے دو مشہور ترین فرزند الشیخ بابا عبداللہؒ اور الشیخ بابا حاجیؒ اسی زوجہ محترمہ کے بطن سے تھے) مال و دولت کاروبار تجارت کی یہ ترقی، اپنے زمانہ کے روسا و امراء میں اثر ورسوخ اور حصول وجاہت کے لئے زندگی کے تجربات اور پختہ سن و سال کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان واقعات کو ملا کر تاریخ نہ سہی مگر زمانہ پیدائش کا اندازہ کرلینا مشکل نہیں۔

حضرت میر سید احمد کرمانیؒ کا کشمیر میں اس وقت ورود ہوا ہے جب سلاطین کشمیر میں سے محمد شاہ اور فتح شاہ امراء دربار کی سازشوں سے یکے بعد دیگرے بار بار معزول اور بار بار تخت نشین ہوتے تھے۔ (یہ ڈرامہ کئی سال تک چلتا رہا اور اس میں محمد شاہ پانچ بار اور فتح شاہ تین بار تخت نشین ہوئے) اس لئے حضرت کرمانیؒ کی کشمیر میں رونق افروزی ۹۲۵ھ کے ماقبل یا مابعد زمانہ میں متعین ہوتی ہے۔ یہی زمانہ حضرت شیخ بابا مسعودؒ کے ترک دنیا انابت الی اللہ اور سلسلہ سہروردیہ میں بیعت وتربیت حاصل کرنے کا ہے۔ اگر اس موقعہ پر آپ کی عمر تیس سال بھی مان لی جائے تو آپ کی پیدائش لگ بھگ ۹۱۵ھ سے ۹۲۰ھ کے مابین متصور ہوگی۔

آپ کے ذہنی انقلاب کے عوامل:...... یہ امر محقق ہے کہ انقلاب کے اسباب اور عوامل ہوتے ہیں اور ذہنی انقلاب تو زیادہ سے زیادہ موثر عوامل کا تقاضا کرتا ہے۔ یوں ہی بیٹھے بٹھائے کوئی دولتمند تاجر اور بڑا امیر شخص اپنی دولت دنیا کو لات نہیں مار سکتا۔ جب حضرت مسعود نوریؒ نے دولت وحشمت سے بیزار ہوکر فقیری اختیار کی اور پھر صوفیائے کرام کے زمرہ میں شامل ہوگئے۔ اس وقت کشمیر کے شاہمیری سلاطین کا اقتدار چراغ سحری تھا۔ دیگر اہل بصیرت کی طرح آپ نے بھی کشمیر کی سیاسی بساط پر محمد شاہ اور

فتح شاہ کے مہرے پٹتے ہوئے دیکھے اور ان کے جانشینوں سلطان ابراہیم سلطان شمس الدین، اسماعیل شاہ، ابراہیم شاہ ثانی، نازک شاہ اور اسماعیل شاہ ثانی کی ڈگمگاتی ہوئی حکومتیں اور نازک شاہ کے دور میں مرزا حیدر کاشغری کی سربراہی وغیرہ سب کچھ دیکھا تھا اور امراء سلطنت کے ایک گروہ کا تشیع کی طرف جھک جانا اور پھر حبیب شاہ پر اس کے حقیقی ماموؤں کے ہاتھوں شاہمیری سلاطین کا خاتمہ اور چکوں میں سے غازی چک، حسین چک اور علی چک اور آخر الذکر کے بیٹے یوسف شاہ چک اور اس کے بیٹے یعقوب چک کا یکے بعد دیگرے کشمیر میں بادشاہت کرنا اور ان کی حکومت کا دولت مستعجل ثابت ہونا اور مغل اعظم جلال الدین اکبر کا کشمیر کو سلطنت ہندوستان میں شامل کر لینا یہ تمام عبرتناک تغیرت ہیں جو حضرت مسعودؒ نے چشم خود دیکھے۔ مسعود صاحب کے حساس قلب کے لئے یہ واقعات عبرت وغعظت کا ایک فرد اپنے اندر لئے ہوئے تھے۔ اس لئے یہ تاریخی ماحول آپ کے ذہنی انقلاب کا سب سے مؤثر سبب اور عامل تھا۔

خلاصہ حیات:...... کشمیر میں دسویں صدی ہجری کے صوفیاء کرام کو آج کے مجاوروں اور گدی نشینوں پر قیاس کرنا اپنے آپ کو بڑے مغالطے میں ڈالنا ہوگا۔ اس وقت صوفی، ریشی اور مشائخ حسب مراتب قوم کے اجتماعی امور میں رہنمایانہ پارٹ ادا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ سیاسی امور سے بھی وہ لاتعلق نہ رہتے تھے۔ اسلئے حضرت مسعود بھی اجتماعی زندگی سے واسطہ رکھتے تھے۔ قوم کی اجتماعی زندگی میں آپ کے سرگرم حصہ لینے کے حالات اور آپ کی زندگی کے اہم واقعات سے آپ کا زمانہ یہ بھی بالکل متعین ہو جاتا ہے۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ ۹۵۰ھ میں آپ ایک باجاہت تاجر ہیں تو ۹۶۰ھ میں تارک الدنیا زاہد و عابد ہیں اور ۹۷۰ھ میں شیخ وقت ہونے کے لحاظ سے سلسلہ سہروردیہ کے عظیم الشان پیران طریقت حضرت سید احمد کرمانی اور سید محمد مسافر کرمانی کی خلافت کا تاج زیب سر کئے ہوئے ہیں ۹۸۰ھ اور ۹۹۰ھ میں آپ دیگر مشائخین وقت حضرت سلطان العارفین مخدوم شیخ حمزہؒ، حضرت ایشان علامہ شیخ یعقوب صرفیؒ، حضرت مخدوم احمد قاریؒ، اور حضرت بابا داؤد خاکیؒ وغیرہم کے دوش بدوش ان خراب حالات کی اصلاح کرتے ہوئے دیکھے جا رہے ہیں جو چک خاندان کے پہلے اور دوسرے تشدد پرست حکمرانوں سے شیعیت کو آڑ بنا کر سیاسی اغراض براری کے لئے پھیلا دیئے تھے اور جن کی وجہ سے کشمیر کے عوام ہرج ومرج میں مبتلا تھے اور ملک میں عدل وانصاف اور امن وامان کا فقط نام ہی باقی رہ گیا تھا۔

حضرت شاہ کرمانؒ سے بیعت:...... حضرت مسعودؒ کے ذہن میں جو انقلاب آیا تھا اس نے ترک دنیا کی صورت اختیار کر لی۔ آپ اپنی تجارت کے شغل کو ترک کر کے اور دست از ہمہ شستہ قلندر تشنیم کے مطابق اپنی قیمتی جائیدادیں چھوڑ کر مرشد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ آپ کی جائے سکونت واقع نردرہ سے جڈیبل کا محلہ بالکل قریب تھا اور آپ کے کانوں تک میر شمس الدین

عراقی کی شہرت بھی پہنچ چکی تھی۔ چونکہ میر عراقی ابتداءً مستور الحال تھے اور بعضوں کو آپ پر کبرویت کا گمان بھی تھا۔ اس لئے شاذ و نادر ہی کسی کو معلوم تھا کہ آپ شیعیت کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ حضرت مسعودؒ نے بھی میر عراقی کے پاس جانے کا ارادہ کیا لیکن وہاں جانے سے قبل ہی آپ کو کسی غیر معمولی اشارے سے اصلیت معلوم ہوگئی اور آپ نے یہ ارادہ ترک کر دیا لیکن روح کی پیاس بجھانے کے لئے آپ نے اس پر بھی تلاش جاری رکھی۔ آخر کار تقدیر الٰہی رہبر بنی اور آپ محلہ بلبل لنکر میں حضرت سید السادات شاہ کرمان میر سید احمد کرمانیؒ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ چند ابتدائی امتحانات سے مرشد روشن ضمیر کو حضرت مسعودؒ کی استعداد کا اندازہ ہو گیا اور پھر بیعت اور سلوک کے مدارج طے ہونے لگے اور تربیت و ریاضت کی منازل طے کر کے آپ اپنے مرشد کے محبوب ترین مرید اور دست راست بن گئے اور نہ صرف بذات خود اس مشن کی تکمیل میں وقف ہو گئے۔ جس کے لئے حضرت کرمانی نے کشمیر کو اپنا وطن بنا لیا تھا بلکہ اپنے بیٹوں کو بھی آبائی شغل تجارت اور کاروبار کی بجائے علم دین حاصل کرنے پر کمر بستہ کیا اور اس طرح سے انکی زندگیاں بھی دین کی حفاظت و اشاعت کی نذر کر دیں۔

حضرت مسعودؒ کے تین مرشد:...... علم سلوک کی رو سے طالب کے ایک پیر بیعت و تربیت ہوتے ہیں ایک پیر صحبت اور پیر خلافت۔ بعض اوقات تینوں مرحلے ایک ہی شخصیت کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن حضرت بابا مسعودؒ کی ان تین مرحلوں میں تین بزرگوں سے واسطہ رہا۔ حضرت میر سید احمد کرمانیؒ آپ کے وہ مرشد تھے جن سے آپ بیعت بھی ہوئے اور جنہوں نے آپ کی تربیت بھی فرمائی۔ لیکن مرشد کی ہدایت کے مطابق آپ نے مرشد کے ایک بڑے خلیفہ حضرت سید جلال الدین کے ساتھ سالہا سال تک صحبت رکھی اس لئے سید جلال الدین آپ کے پیر صحبت تھے۔ حضرت میر سید احمد کرمانیؒ کے فرزند سید محمد مسافر کرمانیؒ تھے۔ جو آپ کے خلیفہ اعظم بھی تھے۔ حضرت میر نے اپنے فرزند کو یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ سلسلہ سہروردیہ کرمانیہ کی خلافت شیخ مسعود کو عطا کر دینا چنانچہ ۹۷۶ھ میں حضرت سید محمد مسافر کرمانی نے حضرت شیخ بابا مسعود نروریؒ کو مسند خلافت پر بٹھا دیا۔

آباء و اجداد:...... حضرت مسعودؒ کے والد کا نام جنید تھا اور جنید کے والد قاسم تھے جن کو تجارتی اور کاروباری حلقوں میں ''قاسم میمون'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ قاسم کے والد عبداللہ تھے اس امر کی وضاحت پہلے بھی آ چکی ہے۔ اور خود حضرت مولینا انور شاہ کشمیریؒ کی تحریرات سے بھی اس کی تائید پیش ہو چکی ہے کہ یہ خاندان کشمیر میں لاہور سے، لاہور میں ملتان سے اور ملتان میں بغداد سے منتقل ہوتا ہوا چلا آیا تھا، ہر نئے وطن میں کئی کئی پشتیں گزرتی تھیں۔ اس لئے یہ سفر کئی سو برس میں پورا ہوا ہوگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت مسعود کی اولاد کی دوسری شاخوں کے اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت مسعودؒ کا

نسب نامہ اوپر جا کر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت پر منتہی ہوتا ہے۔ حضرت امام صاحبؒ کے مشہور فرزند حماد تھے اور حماد کے دو بیٹے اسماعیل اور ابوحیان، حضرت مسعود کا نسب نامہ ابوحیان سے متصل ہوتا ہے۔ دوسری روایت یوں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے دادا کا نام بھی نعمان تھا۔ اس نعمان اول کے دو فرزند تھے۔ ثابت بن نعمان زوطی (امام صاحبؒ کے والد ماجد) اور حارث بن نعمان زوطی۔ حضرت امام ابو حنیفہ تو ثابت کی اولاد ہیں مگر حضرت شیخ مسعود نروریؒ کے آباء کرام حارث کی اولاد ہیں۔

ان روایات کے علاوہ مسلسل شجرہ ہائے نسب بھی اکثر شاخوں میں منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں جو نظریات بالا کے موید ہیں۔ **واللہ اعلم بالصواب و الیہ المرجع والمآب۔**

اولاد:...... اکثر تواریخ کشمیر میں حضرت مسعود کے حسب ذیل چار فرزندوں کا تذکرہ آتا ہے۔

(۱) **الشیخ بابا عبداللہ الجانی:**...... آپ کا شمار اپنے زمانہ کے علماء و اتقیاء میں ہوتا ہے۔ نصف سے زیادہ مسعودیان کشمیر کا سلسلہ آپ ہی کے ذریعہ حضرت مسعود تک پہنچتا ہے۔

(۲) **الشیخ بابا حاجی:**...... اس وقت نرورہ میں مسعودیوں کے جو گھر آباد ہیں ان کی اکثریت حضرت حاجی کی اولاد سے ہیں۔

(۳) **الشیخ بابا ابراہیم:**...... آپ کی اولاد ضلع اسلام آباد کے آکھرن (کلگام) وغیرہ دیہات میں آیا ہے۔

(۴) **بابا یحییٰ:**...... آپ کی اولاد کھروشار میں آباد ہے۔

(۵) **بابا یوسف:**...... آپ کا تذکرہ صرف ایک تاریخی کتاب ''خوارق السالکین'' مصنفہ ملا احمد بن عبدالصبور ہادی میں ملتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ان سب حضرات کو کشمیر کے تذکرہ ہائے صوفیاء کرام میں مورخین نے اپنے وقت کے صالحین اور اولیاء کرام میں شمار کیا ہے۔

حضرت بابا مجنون نروریؒ:...... آپ بابا حاجی کے فرزند تھے۔ اپنے علمی کمالات اور روحانی درجات میں آپ اپنے بنی اعمام سے ممتاز تھے۔ آپ نے تعلیم کی تکمیل سرینگر کے بعد سیالکوٹ لاہور اور دہلی میں جا کر کی جو گیارہویں صدی ہجری میں مشہور علمی مراکز تھے تفسیر و حدیث اور فقہ کے علاوہ علم طب یونانی بھی آپ نے حاصل کیا اور کشمیر میں آپ طب یونانی کے بانی اور استاذ اول ثابت ہوئے۔ قریباً تین سو یا ساڑھے تین سو سال تک وادئ کشمیر میں لاکھوں لوگوں کے علاج کا دارومدار اور طب یونانی پر رہا جو بابا مجنون کے احسانات میں شمار ہوتا ہے۔ ظاہری علوم ادیان اور علوم ابدان کے جامع ہونے کے باوجود حضرت بابا مجنون کی سب سے زیادہ توجہ علم سلوک کی طرف تھی۔

صاحب اسرار الابرار محدث بابا داوٗد مشکوتی بابا مجنونؒ کے شاگردوں اور فیض یافتہ گان میں نمایاں تھے۔ جب مجنون صاحب کے فرزند اور خلیفہ بابا محمد آبرو آپ کی حیات میں ہی وفات پاگئے تو آپ نے حضرت مشکوتیؒ کو اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر کیا۔ ۱۰۶۶ھ میں آپ نے رحلت کی اور اپنے بزرگوں کے پہلو میں محواستراحت ہو گئے۔

حضرت مسعود زوّاج تھے:...... اسرار الابرار میں علامہ داوٗد مشکوتیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت سلطان العارفین مخدوم شیخ حمزہ کشمیریؒ اور حضرت بابا مسعود نروریؒ کے درمیان باہم مجالست و موانست بہت زیادہ تھی اور ایک دوسرے کے کمالات سے واقف تھے۔ مگر دونوں میں ایک فرق تھا۔ حضرت مخدوم صاحب "مجرد تھے اور تجرد و تنہائی کو تاہل پر ترجیح دیتے تھے۔ لیکن حضرت بابا مسعود متاہل تھے۔ چار بیبیوں کے شوہر اور کثیر الاولاد تھے۔ حضرت مخدوم صاحبؒ حضرت مسعودؒ کے روحانی کمالات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ:

"بابا مسعود نروریؒ اگر زواج یعنی متعدد بیبیوں کے شوہر نہ ہوتے تو مشائخ کشمیر میں ان کے رتبے کو کوئی بھی نہ پہنچ سکتا۔"

حضرت مسعود کا مدفن:...... حضرت مسعود نروریؒ اور آپ کے بڑے دونوں فرزندوں اور آپ کے پوتے بابا مجنون اور آپکے ایک خلیفہ بابا اسحاق کا مدفن و مزار نروره میں زیارت علم صاحب کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ کشمیر کے دیگر مشائخ کے برعکس ان بزرگوں کے مقابر پر کوئی تعمیر یا سقف نہیں ہے۔ یہ فلک نیلی فام کی کھلی چھت کے سایہ میں آرام فرما ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

تحریک حریت کشمیر اور مسعودیان محلہ نروره:...... کشمیر کی سیاسی تحریک میں وادی بھر کے مسعودیوں کی طرح نروره کے مسعودیوں نے بھی نمایاں حصہ لیا ہے۔ سیاسی تحریک ۱۹۲۱ء میں ابتداء جموں اور سرینگر کے دو شہروں کی تحریک تھی۔ پریس اور اخبارات کا اس زمانے میں وجود ہی نہ تھا اور دیہاتی علاقوں میں تعلیم بھی معدوم تھی۔ ایسے حالات میں کشمیر میں گاؤں گاؤں اور گھر گھر تک پھیلا ہوا پیری مریدی کا سسٹم تحریک کے حق میں آب حیات ثابت ہوا کشمیر میں پیری مریدی کا رواج آٹھویں صدی ہجری سے مسلسل چلا آرہا ہے۔ اس کے مطابق گاؤں کے ہر گھر کا موروثی پیر سال میں دو بار یا کم از کم ایک بار گاؤں کا دورہ کرتا ہے اور چند دن اپنے مریدوں کے گاؤں میں رہ کر اپنی علمیت اور قابلیت کے مطابق وعظ و نصیحت تبلیغ و تعلیم اور تعویذ و تلقین کے ساتھ ساتھ نذر و نیاز بھی حاصل کرتا ہے۔ ۱۹۲۱ء کی سیاسی تحریک میں چونکہ علماء اور پیرزادگان طبقہ پیش پیش تھا اس لئے قریباً تمام پیر صاحبان تحریک حریت کے نہایت موثر مبلغ ثابت ہوئے یہ دیہات میں پھیل کر اپنے مریدوں میں سیاسی تحریک

کو مقبول بنانے میں ناقابل فراموش کارنامہ انجام دے گئے۔ ان میں سادات گیلانی، اندرابی (بیہقی) بخاری و قادری و نقشبندی اور پیرزادگان مخدومی، مسعودی، رفیقی، ہمدانی کاملی وریشی اور خاندان واعظان، مفتیان و مولویان کا حصہ اس قدر نمایاں رہا ہے کہ اس کی تفصیلات کے لئے ایک کتاب ہونی چاہئے۔

محلہ زروو سرینگر کے مسعودیوں میں سے حافظ کلام اللہ پیر قمر الدین (م ۱۳۷۳ھ) پیر سلام الدین (م ۱۳۷۵ھ) پیر خلیل اللہ شاہ (م ۱۳۹۲ھ) حافظ پیر قاسم شاہ (م ۱۳۹۴ھ) اور پیر سیف الدین صاحب وغیرہ ابتداء تحریک سے ہی مبلغین دعوت آزادی بن کر دیہات کے لوگوں میں جاگیر شاہی کے خلاف کام کرتے رہے اور قومی مطالبات کو گاؤں کے لئے بے خبر لوگوں کے ذہنوں پر نقش کر کے ان کو قومی جدو جہد کے دھارے میں صف آرا ہو جانے کے لئے تیار کرتے رہے۔

مرشد مسعودؒ میر سید احمد کرمانیؒ:...... کرمان ملک ایران کا قدیم سے ایک مشہور شہر ہے اور اس علاقے کا مرکز رہا ہے۔ جو آج کے بلوچستان کے جنوب مغربی ضلع قلات کی سرحدوں سے ٹکراتا ہے۔ سادات کے بعض خاندان دوسری و تیسری صدی ہجری میں ہی کرمان میں آباد ہو گئے تھے۔ ان میں بڑے بڑے مشہور عالم، عارف اور تاجر پیدا ہوئے۔ ساتویں صدی ہجری کے نصف اول میں سید محمود اور سید احمد دو بھائی تجارت پیشہ تھے جن کے اونٹوں کے قافلے کرمان سے ایرانی، عراقی اور عربی مال لیکر ملتان سے گزرتے ہوئے لاہور تک آتے تھے۔ ملتان اسوقت سلسلہ سہروردیہ کا مرکز تھا۔ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے سب سے بڑے خلیفہ حضرت مخدوم بہاؤالدین زکریاؒ ملتانی کی ذات مرجع خاص وعام تھی یہ کرمانی سید بھی ملتان میں آپ کے سلسلہ میں داخل ہو گئے۔ چونکہ سلسلۂ سہروردیہ کے ہی ایک بزرگ حضرت سید شرف الدین بلبل شاہؒ نے ۷۲۵ھ میں سب سے پہلے سرزمین کشمیر میں اسلام کا پر ثمر درخت نصب کیا اس لئے آٹھویں، نویں اور دسویں صدی ہجری میں جو علماء فقراء اور اولیاء اس درخت کی آبیاری کے لئے کشمیر آتے رہے ان میں سلسلۂ سہروردی کی مختلف شاخوں کے ساتھ تمسک کرنے والوں کی اکثریت ہے۔ دسویں صدی ہجری کے حضرت شاہ احمد کرمانیؒ کی شخصیت تو مشہور و معروف ہے۔ آپ سے قبل آئے ہوئے کرمانی سادات میں سے کئی ایک سید احمد کرمانی سید محمد کرمانی اور سید محمود کرمانی ہیں جو وادی کشمیر کے متعدد علاقوں میں اپنے مشن یعنی تبلیغ دین اور اصلاح خلق کا فریضہ ادا کر کے محو خواب ہیں۔ سب کرمانیوں کے نام کتب تواریخ میں کہاں؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں ۔

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

ایں ہمہ نوا کدل کے مقبرہ میں سید محمد کرمانی اور سید احمد کرمانی، بچھ گام میں سید احمد کرمانی اور سید محمد کرمانی اور مقبرہ، ملا نازک تاشوانی، اندرونی قلعہ سرینگر، مقبرہ سازگری پورہ سرینگر اور موضع ہائی گام علاقہ سوپور ہر ایک میں کم از کم ایک ایک محمد کرمانی کی موجودگی کا تذکرہ آج بھی اوراق تواریخ کشمیر کی زینت ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کشمیر میں اسلام کو پھیلانے کی مہم پر سالکین کا جو لشکر مصروف کار تھا۔ اس میں کرمانی سادات کی کتنی بڑی تعداد شامل تھی۔ ان کرمانی سادات میں سے اکثر کا تعلق سہروردیت اور کبرویت سے تھا۔ اور کشمیر کو آتے ہوئے ملتان اور لاہور۔ ان کی پہلی منزلوں کا کام دیتے تھے۔ کشمیر میں کرمانی سادات کا نام جس عظیم الشان شخصیت کے وجود سے روشن تر ہوا وہ ہیں حضرت میر سید احمد کرمانی سہروردیؒ۔

دسویں صدی ہجری کے نصف اول تک کشمیر کے مسلمان صرف اہلسنت والجماعۃ کے مسلک پر تھے۔ سلطان فتح شاہ کے زمانہ میں امامیہ مذہب یا شیعہ مسلک کا چرچا پہلی بار ہوا جب ایران کے صفوی داعیوں میں سے ایک داعی میر شمس الدین عراقی نے اس مسلک کی اشاعت کے لئے سرینگر کے محلہ جڈی بل میں ایک مرکز قائم کیا۔ اس وقت حضرت میر سید احمد کرمانیؒ ملتان، لاہور، دہلی اور آگرہ وغیرہ میں اہل سنت والجماعت کے طریقہ کی حمایت میں سرگرم تھے جب آپ کو معلوم ہوا کہ کشمیر میں شیعہ سنی اختلافات نے سر اٹھایا ہے تو آپ کشمیر چلے آئے اور بلبل لنکر میں حضرت بلبل شاہ صاحبؒ کی خانقاہ میں بیٹھ کر سنیت کی حمایت کا فریضہ انجام دینے لگے۔ اس کے بعد کشمیر کو آپ نے اپنا مستقل مرکز بنالیا اور تاحیات یہیں رہ کر علمی اور روحانی فیوض کے دریا بہاتے رہے اور وفات کے بعد مقبرہ سلاطین میں مدفون ہوئے ہیں مقبرہ کے جنوب مشرقی گوشے میں آپ کا مرقد شریف زیارت شاہ کرمان کے نام سے مشہور ہے۔ (جبکہ جنوب مغربی گوشے میں حضرت شیخ بہاؤالدین صاحبؒ کا مزار ہے)۔ زیارت شاہ کرمان کی چھت کے نیچے تین قبریں ہیں۔ ایک خود حضرت میر سید احمد کرمانیؒ اور دوسری آپ کے فرزند میر سید محمد مسافرؒ کی اور تیسری آپ کے خلیفہ سید جلال الدین کی۔ حضرت شاہ کرمان کی وفات ۹۷۶ھ یا اس سے کچھ قبل متصور کی جاتی ہے۔

مسعودی مشاہیر

حضرت الشیخ بابا مسعود نروریؒ کا تذکرہ آپ کی اولاد کے مشاہیر کے تذکرہ کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ لیکن یہ مشاہیر تقریباً پانچ سو سال کی مدت کے طویل زمانہ پر پھیلے ہوئے ہیں اور ان میں علماء وصلحاء کی اتنی بڑی تعداد شامل ہے کہ ان سب کو تلاش کرنا اور سمیٹ لینا بہت مشکل ہے اور چونکہ کتاب کا موضوع بھی ان میں سے شخص واحد (حضرت علامہ انور شاہ کشمیری) کی ذات ہے اس لئے دیگر مشاہیر مسعودیہ کا استیعاب اپنی حدود سے تجاوز کا سبب ہوسکتا ہے۔ بایں ہمہ ہم نے

بطور مشتے نمونہ از خروارے چند ایک ایسے حضرات کا تعارف یہاں پر مختصر ترین الفاظ میں کرا دیا ہے جو زمانہ قریب میں عوامی زندگی پر اپنے علم عمل اور اقدامات سے اثر انداز ہوتے رہے ہیں۔

حضرت بابا عبد الغفورؒ

(م ۱۰۵۱ھ)

بارہ مولہ سے دریا جہلم وادی کو چھوڑ کر سر سبز پہاڑوں کے ایک گہرے درے میں داخل ہو جاتا ہے اور قصبہ منظفر آباد تک جنگلات سے ڈھانپی ہوئی اونچی دیواروں کے درمیان شور مچاتا ہوا تیزی کے ساتھ بہتا چلا جاتا ہے۔ بارہ مولہ سے کوئی سات میل آگے جا کر جہلم کے دائیں کنارے پر اوڑی تحصیل کے علاقہ میں پیرنیاں نام کے گاؤں میں ایک زیارت گزشتہ تین سو سال سے مرجع عوام چلی آتی ہے۔ یہ بابا عبد الغفورؒ ابن بابا عبد الرحیمؒ ابن بابا علی، ابن بابا عبد اللہ ابن حضرت شیخ بابا مسعود نروریؒ کی زیارت ہے۔ جو پہلے سلسلہ سہروردی کے کاملین میں سے تھے اور ملتان جا کر حضرت الشیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کے خلفاء سے فیضیاب ہوئے تھے۔ بعد ازاں حضرت بعد علی قلندرؒ سے متاثر ہو کر بقیہ زندگی مجذوبانہ اور قلندرانہ کیفیت میں بسر کی۔ آپ کی اپنی اولاد میں سے کوئی بلوغ کو نہیں پہنچا آپ کے برادر کی اولاد ہمیشہ آپ کے فیض کی وارث رہی ہے۔ اسی شاخ میں سے موجودہ سجادہ نشین پیر محمد مقبول فرزند پیر سیف الدین ہیں۔ حضرت بابا عبد الغفورؒ کی کرامات جو اس علاقہ میں زبان زد خاص و عام چلی آتی ہیں ان کو ایک طرف چھوڑ کر آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ اس علاقہ کے دیہات کے عوام میں اسلام کی محبت اور دین کی پابندی اب تک نمایاں طور پر قائم ہے۔

قاضی شاہ عبد الکبیرؒ

(وفات تقریباً مابین ۱۲۵۰ھ ۱۲۶۰ھ)

آپ نے کشمیر پر لاہور کی خالصہ حکومت کے زمانہ میں لولاب سے دل برداشتہ ہو کر علاقہ دراوہ (نیلم) کی سکونت اختیار کر لی، اسوقت اس علاقہ پر ایک نیم آزاد جاگیردارانہ راجہ منصور خان حکمران تھا جس نے آپ کے علم و تقوی سے متاثر ہو کر آپ کو اپنی قلمرو کا قاضی مقرر کر دیا آپ زندگی بھر اس مطب پر فائز رہے۔ درمیانی عمر ہی میں وفات پائی اور اپنے بعد محمد شاہ، منور شاہ محی الدین شاہ، مکرم شاہ، موسیٰ شاہ اور معظم شاہ کچھ بیٹے چھوڑ گئے، جن سے آپ کی زیارت وادی نیلم اور وادی لولاب میں پھیلی۔ آپ کے سب سے چھوٹے بیٹے مولینا معظم شاہ واپس لولاب آئے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک سے ایک قابل فرزند عطا کیے جن میں سے امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کو خدا تعالیٰ نے عالمگیر شہرت کا مستحق بنایا۔

بابا نعمت اللہ صاحب

دودھ ون (کپواڑہ) کے مسعودی پیروں کے جدِ امجد پیر نعمت اللہ رحمۃ اللہ علیہ ریاضت کیشی، قلندری اور مجذوبیت کا عجیب معجون مرکب گذرے ہیں۔ آس پاس کے پہاڑوں میں مسلسل بارہ سال تک خلوت گزین رہنے کے بعد واپس متاہل زندگی کی طرف رجوع کیا تو خدا تعالیٰ نے آپ کو آٹھ فرزند عطا کئے جو علم و عمل میں نمونہ آباء کرام تھے۔ حضرت بابا مسعود نروریؒ تک بابا نعمت اللہ کا شجرہ نسب یوں ہے:

بابا نعمت اللہ ابن بابا کمال، ابن بابا شکر الدین، ابن بابا غلام نبی، ابن بابا عبد اللہ مدنی، ابن بابا مومن، ابن شیخ بابا تقی الدین، ابن شیخ بابا عبد اللہ، ابن حضرت شیخ بابا مسعود نروریؒ اس علاقہ کے دیہات، دودھ ون، ٹکری، ہیری، گلگام، میر ناگ، ہائی ہامہ، ہامہ، ڈولی پورہ، مقام اور ترہگام وغیرہ کے مسعودی پیران ہی پیر نعمت اللہ صاحب کی اولاد ہیں۔ نعمت اللہ کا مزار جنگلوں کے درمیان ایک اونچی اور پر فضا پہاڑی پر واقع ہے۔

پیر شاہ محمد صالحؒ

(م قریباً ۱۳۲۰ھ)

آپ لولاب کے موضع سایہ ون میں پیدا ہوئے۔ حضرت بابا مسعود نروریؒ تک آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔ شاہ محمد صالح ابن شاہ عبد الشکور، ابن بابا عبد الرزاق ابن بابا غلام رسول، ابن بابا صدیق اللہ، ابن بابا عمر، ابن بابا علی، ابن الشیخ بابا عبد اللہ، ابن الشیخ بابا مسعود نروریؒ ضروریات دین کی تعلیم کے بعد آپ عبادت اور ریاضت میں مصروف تھے نو عمری میں ہی متاہل بھی ہو گئے۔ زراعت کو ذریعہ معاش بنایا۔ اسی اثنا میں ۱۲۳۴ھ میں کشمیر پر لاہور کے مہاراجہ رنجیت سنگھ کا قبضہ ہو گیا۔ زراعت پیشہ لوگوں کے لئے زمین کا قبضہ عذاب جان بن گیا پیداوار کا اکثر حصہ حکومت کو دے کر نہ جان محفوظ تھی۔ اور نہ عزت۔ اکثر لوگ گھر بار چھوڑ کر وادی کشمیر کو خیر باد کہنے لگے۔ شاہ محمد صالح بھی ترک وطن کر کے ضلع مظفر آباد کے علاقہ دراوۃ میں لوات نام کے گاؤں میں چلے گئے اور جنگل کاٹ کاٹ کر نئی زرعی زمین حاصل کی۔ وہاں آپ کو خدا تعالیٰ نے بہت ذہین بیٹے عطا کئے جن کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کر کے مشاہیر وقت کے زمرہ میں شامل کر دیا۔ مولوی مختار شاہ، پیر رحمت اللہ شاہ، قاضی عبد الاحد شاہ اور پیر احمد شاہ اپنے معاصرین کے لئے قدم قدم پر قابل رشک ثابت ہوئے اپنے علم و عمل سے دین کی بھی خدمت کرتے رہے اور دینوی وجاہت سے بھی

بہرہ ور رہے۔ جب نیا زمانہ آیا تو شاہ محمد صالحؒ کے پوتوں نے کشمیر کی سیاسی تحریکات میں پہلی صف میں پہنچ کر تاریخی رول ادا کیا۔ شاہ محمد صالحؒ نے ۱۳۲۰ء سے کچھ قبل لوات ہی میں وفات پائی۔

پیر سیف اللہ شاہ دودھ ویؒ

جناب پیر سیف اللہ شاہ فرزند پیر نور الدین ابن شکر الدین آپ بابا نعمت اللہ کے نبی اعمام میں سے تھے۔ اپنے علم اور زہد وتقویٰ کے لئے مرجع خلائق تھے۔ آپ ہی کی دختر بلند اختر مال دیدی صاحبہ تھیں جن کو فخر المحدثین حضرت علامہ انور شاہؒ کی والدہ بزرگوار بننے کا شرف حاصل ہوا۔ سیف اللہ صاحب نے مدت تک حضرت شاہ صاحبؒ کو اپنی نگرانی میں رکھا اور اپنے گاؤں کے متصل سہپورہ گاؤں کے مشہور معلم مولوی غلام محمد صاحب جندل سے آپ کو تعلیم دلواتے رہے۔ علامہ جلیل حضرت شاہ صاحبؒ کی ذہنی ساخت جس سانچے میں ڈھالی گئی اسکی تربیت میں آپ کے نانا پیر سیف اللہ شاہ مرحوم کا براہ راست دخل تھا۔

مولوی سمندر شاہ (فاضل دیوبند)

مسعودیوں کی اس شاخ سے پیر لسہ اور پیر حسین شاہ دو بھائی ڈولی پورہ گاؤں میں رہتے تھے۔ موخر الذکر کے ایک فرزند سمندر شاہ تھے۔ جنہوں نے دیوبند میں تکمیل علوم کر کے امتیازی سندات حاصل کیں۔ اور واپس آکر تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ مگر ابھی اپنی سکیموں کو علمی جامہ نہ پہنا سکے تھے کہ بعالم جوانی ہی اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔

حضرت پیر عبد الغفار شاہ رحمۃ اللہ علیہ

(م ۱۳۴۰ھ)

بیسویں صدی عیسوی کے پہلے رابع میں حضرت پیر عبد الغفار شاہ صاحبؒ مسعودی لاہور میں مرجع خاص وعام تھے۔ حضرت شیخ مسعودی نروریؒ تک پیر صاحب مرحوم کا سلسلہ نسب بصورت ذیل ہے:

پیر عبد الغفار شاہ ابن پیر احمد شاہ، ابن پیر مصطفے شاہ ابن نور شاہ، ابن فاضل شاہ۔ ابن پیر عبد الوہاب، ابن بابا عبد القادر، ابن بابا ظاہر، ابن بابا یعقوب، ابن الشیخ بابا عبد اللہ، ابن الشیخ بابا مسعود نروری رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت پیر عبد الغفار شاہ صاحب مسعودیوں کی اس شاخ کے گل سر سبز تھے جو کامراج ضلع بارہمولہ کے گاؤں ترگہ پورہ میں مقیم ہے۔ حضرت بابا عبد القادر اس گاؤں میں مقیم ہو گئے تھے۔ ترگہ پورہ کے

علاوہ چک شنلو ہہ اور آس پاس کے بعض دوسرے دیہات میں بھی اس خاندان کے افراد آباد ہیں۔ ملحقہ علاقوں کے لوگ ان کے موروثی مرید ہیں۔ بابا عبدالقادرؒ کے ایک فرزند بابا صالح کھوئی ہامہ کے کونیل مقام گاؤں میں تھے خود تو لاولد تھے لیکن آپ کے بھائی بابا عزیز الدین کی اولاد اب بھی اس گاؤں میں آباد ہے۔ جن میں پیر لسہ شاہ مرحوم ماضی قریب میں اور پیر وحکیم طیب شاہ زمانہ حال میں غیر معمولی شخصیتیں میں پیدا ہوئی ہیں۔ خود بابا صالح لار کے موضع مینگورہ کے اوپر پہاڑ کے دامن میں مدفون ہیں۔

کشمیر سے باہر سب سے اول پیر عبدالغفار کے دادا پیر مصطفےٰ شاہ گئے جو ابتدائے عمر میں حصول فیض باطنی کے لئے بغداد و ملتان، وغیرہ مراکز کا دورہ کرتے رہتے تھے اور آخر عمر میں لاہور سے قریب باری علاقہ میں مقیم ہوگئے اور وہیں انتقال فرمایا۔ ان کے بعد ان کے فرزند پیر احمد شاہ ترگہ پورہ چھوڑ کر لاہور چلے گئے اور محلہ تکیہ سادھواں میں مقیم ہوگئے۔ پیر عبدالغفار شاہ نوعمری میں ہی باپ کے ہمراہ لاہور گئے۔ وہیں آپ کی تعلیم و تربیت کے مراحل طے ہوئے اور وہیں آپ کی شادی بھی ہوگئی لیکن بیوی کوئی دو سال کے بعد ایک بیٹا (محمد اشرف) چھوڑ کر وفات پا گئی۔ اس کے بعد پیر صاحب عمر بھر مجرد رہے اور اپنا سارا وقت عبادات اور ریاضت شاقہ میں صرف کرنے لگے۔ جب عوام کا رجوع آپ کی طرف ہوگیا تو آپ نے مدرسہ غوثیہ کے نام سے لاہور میں ایک دارالعلوم قائم کردیا۔ جس میں تفسیر قرآن، حدیث نبوی اور فقہ حنفی کی تعلیم بہت اعلیٰ پیمانہ پر دی جاتی تھی۔ آپ کی ساری زندگی اس قدر پاکیزہ اور مثالی زندگی تھی کہ لاہور جیسے نکتہ چین شہر کے لوگ آپ کے گرویدہ تھے۔ درود شریف اور نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مجموعے مرتب کرنا اور چھاپ چھاپ کر عوام میں بلا قیمت تقسیم کرنا آپ کا محبوب مشغلہ تھا پابندی سنت اور تقویٰ میں آپ سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ آپ کا لباس ایک لمبے کرتے تہ بند اور کشمیری ٹوپی تک محدود تھا اور کھانا اس قدر سادہ اور قلیل کہ حیرت ہوتی تھی۔ آپ اس پر زندہ کیسے ہیں۔ طویل عمر پا کر آپ نے ۱۳۴۰ھ میں انتقال فرمایا۔ حضرت مولینا محمد انور شاہ صاحب دیوبند سے آپ کی تقریبات فاتحہ میں شمولیت کے لئے لاہور تشریف لے گئے تھے۔ لاہور میں پیر عبدالغفار شاہ صاحب کی وفات کے بعد آپ کا فرزند پیر اشرف شاہ آپ کا خلیفہ بنا جس نے کئی سال کے بعد آپ کا تابوت سابق قبر سے نکال کر لاہور کے باہر کل بیگم کے باغ علاقہ مزنگ میں منتقل کرلیا اور وہاں اس پر روضہ تعمیر کر کے خود بھی وہیں رہائش اختیار کرلی۔ پیر عبدالغفار شاہ صاحب کے علمی فیضان کو آپ کے برادرزادہ فاضل اجل پیر عبداللہ شاہ (فرزند رسول شاہ) نے جاری رکھا۔ آپ لاہور کی مسجد قاضی خان کے خطیب بھی تھے۔ ترگہ پورہ اور چک شنلو ہہ میں پیر صاحب کے اقرباء میں بہت سے حضرات نے علمی ترقی اور شہرت نیک حاصل کی ان میں سے مرحوم مولینا پیر عبدالکبیر شاہ مسعودی فاضل دیوبند (سابق استاد جامعہ مدینۃ العلوم حضرت بل) اور پیر غلام حسن شاہ صاحب ایڈیشنل انسپکٹر جنرل پولیس کشمیر و حال ویجلنس کمیشنر قابل ذکر ہیں۔



پیر احمد شاہؒ

(م ۱۹۶۵ء)

شاہ محمد صالح کے فرزند پیر احمد شاہ صاحب نے سیاست میں سرگرم حصہ لینے کی ذمہ داری اپنے بیٹوں خاص کر مولینا محمد سعید مسعودی اور مولوی محمد انور مسعودی پر ڈال رکھی تھی اور بذات خود بزرگ خاندان کے طور رہتے تھے۔ ۱۹۴۷ء تک سیاست میں آپ کے بیٹوں کے حصہ لینے کی وجہ سے آپ کی ذات پر حکومت نے کبھی اعتراض نہیں کیا لیکن ۱۹۴۷ء میں جب آپ کے گاؤں موضع لوات پر قبائلوں کا قبضہ ہوگیا تو آپ سے اس بات پر باز پرس کی گئی کہ آپ کے دو بیٹے محمد سعید اور محمد انور کیوں سرینگر میں کشمیر کی اس حکومت کا ساتھ دے رہے ہیں؟ چنانچہ قبائلوں نے اس بناء پر پیر احمد شاہ صاحب کو حراست میں لیا اور اپنے ہیڈ کوارٹر پر لے جا کر سترہ دن تک نظر بند رکھا۔ جب آپ کو واپس اپنے گھر جانے کی اجازت دی گئی تو آپ نے بیٹوں اور بھتیجوں کو گرفتار شدہ اور سارے عیال کو خوف زدگی اور پریشانی میں پایا۔ آخر کار آپ نے ترک وطن کا فیصلہ کیا اور زمین مکانات، مال مویشی اور ہر قسم کی جائیداد چھوڑ کر راتوں رات گھر کے سب چھوٹے بڑے انسانوں کو اپنے ساتھ لیکر نکلے اور دریائے کشن گنگا کو عبور کر کے سیز فائر لائن کے اس طرف آئے وادی کشمیر میں پہنچ کر ترہگام کے پاس گوگلوسہ نام کے ایک گاؤں میں مقیم ہوگئے۔ جہاں قریبا اٹھارا سال مزید رہ کر ۱۹۶۵ء میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ

مولینا غلام مصطفےٰ مسعودی

آپ پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل اور منشی فاضل تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ سے بھی آپ کو شرف تلمذ حاصل تھا او دیوبند و ڈابھیل میں کئی سال تک آپ کی صحبت میں رہے تھے۔ اس دوران آپ نے تفسیر حدیث میں خاص خذافت پیدا کی۔ شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد کشمیر چلے آئے۔ عملی سیاست میں حصہ لیا۔ ۱۹۳۴ء میں سال بھر کے لئے ریاست سے جلائے وطن کئے گئے۔ ۱۹۳۹ء میں مظفر آباد سے کشمیر اسمبلی کے ممبر چنے گئے۔ ۱۹۴۸ء میں قبائلوں نے آپ کو اپنی برادری کے چار دیگر افراد (مولوی محمد یوسف شاہ ابن پیر امیر شاہ، مولوی عزیز الرحمٰن بن پیر عبداللہ شاہ، پیر موسیٰ شاہ فرزند قاضی عبدالکبیر، فیروز شاہ ابن پیر احمد شاہ) سمیت گرفتار کر کے صوبہ سرحد میں اٹک کے مشہور قلعہ میں سال بھر قید رکھا۔ جنوری ۱۹۴۹ء میں وہاں سے رہا ہو کر جموں پہنچے اور جموں سے

ہوائی جہاز میں سرینگر آرہے تھے کہ بانہال کے پہاڑ کی ایک اونچی چوٹی سے یہ جہاز ٹکرا کر پاش پاش ہوگیا اس حادثہ کا شکار ہونے والے ۲۵ مسافروں میں تین مسعودی علماء (مولینا غلام مصطفےٰ، مولوی عزیز الرحمٰن اور مولوی محمد یوسف) بھی تھے تینوں فضلائے پنجاب یونیورسٹی) اور تینوں ہی تحریک حریت کشمیر کے سرگرم مجاہد تھے۔

مولینا غلام مصطفےٰ صاحب ایک آتش بیان مقرر تھے عوامی جلسوں کے علاوہ ان کی ہنگامہ خیز تقریروں سے قانون ساز اسمبلی کے ایوان میں سناٹا چھا جایا کرتا تھا اور سرینگر جیسا مغرور وزیر اعظم بھی آپکی جرأت و دلیری اور صداقت بیان کا لوہا مانتا تھا۔ آپ کا اکلوتا فرزند عبداللہ شاہ کشمیر کے محکمہ بجلی میں ملازم ہے۔

مفکر کشمیر حضرت مولینا محمد سعید مسعودی مدظلہ العالی

حضرت شیخ بابا مسعود نوریؒ کی اولاد میں سے چند مشاہیر کو جب اس تتمہ میں شامل کرنے کا اردہ ہوا تو میں نے چاہا کہ تحریک حریت کشمیر کے ایک عظیم مجاہد اور علم وفضل کی ایک مثالی شخصیت مولینا محمد سعید مسعودی قبلہ کے حالات بھی اس میں شامل کئے جائیں مگر وہ اپنی افتاد طبع کی وجہ سے اس پر راضی نہ تھے اور بار بار اپنی نسبت کچھ لکھنے سے منع کرتے رہے۔ آخر بہت کچھ حیل وحجت اور میرے اصرار پر مجبور ہوکر آپ نے ایک نشست میں اپنی زندگی کے مختصر حالات خود بیان فرمائے جن کو نہایت اختصار کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔

پیر احمد شاہ صاحب مسعودیؒ کا ذکر اوپر آچکا ہے آپ کے پانچ فرزند ہیں جو کبھی زندہ موضع لوات وادی نیلم میں ماہ شوال ۱۳۲۱ھ جنوری ۱۹۰۳ء میں آپ کا پہلا بیٹا پیدا ہوا۔ جس کا نام آپ نے محمد سعید رکھا۔ اس زمانہ میں علاقہ بھر میں کہیں سکول کا وجود نہ تھا۔ محمد سعید کے اولین استاد اس کے ماں اور باپ تھے۔ قرآن پاک اور فارسی کے مدارج تک کتابیں والد ماجد اور والدہ محترمہ نے پڑھائیں۔ بعض اسباق اپنے عم محترم مولوی مختار شاہ، اپنے نانا پیر لسہ شاہ اور اپنے ماموں پیر عبدالجبار شاہ مرحوم سے بھی پڑھے۔ لواب سے قریب ایک دوسرے گاؤں کٹھ پیراں میں ایک درس گاہ تھی جس میں مولوی ظہور الحق اور مولوی محمد اسرائیل (فاضل دیوبند) درس دیتے تھے۔ جن سے صرف نحو اور فقہ کی بعض کتابیں پڑھیں تعلیم کی دوسری منزل ضلع ہزارہ کے مانسہرہ، داتہ اور بھوئی گاڑاں کی درسگاہیں تھیں جن کے بعد لاہور کا رخ کیا اور اچھرہ کے مدرسہ قمریہ اور لاہور کے مدرسہ نعمانیہ سے منطق وفلسفہ اور فقہ واصول کی تکمیل کے بعد ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۲ء میں اورینٹل کالج لاہور کے درجہ مولوی فاضل میں شامل ہوئے اور ۱۹۲۴ء میں وہاں سے فراغت حاصل کی ۱۹۲۵ء

میں واپس وطن آکر متاہل زندگی شروع کی ۔ ۱۹۲۷ء میں مظفر آباد ہائی سکول میں ملازمت اختیار کی ۔ ۱۹۲۸ء میں پرنس آف ویلز کالج جموں میں ۱۹۲۹ء میں ایس ، پی ، کالج سرینگر میں اور ۳۱ ، ۱۹۳۰ء میں ہری سنگھ ہائی سکول رعناواری سرینگر میں تعلیمی خدمات انجام دینے کے بعد فروری ۱۹۳۲ء میں ملازمت سے استعفےٰ دے دیا اور کشمیر کی تحریک آزادی سے وابستگی اختیار کر کے سنٹرل جیل کی راہ لی اور بقول ان کے یہ سیاست کا نشہ کچھ اس بری طرح سے سر پر سوار ہوا کہ ہمیشہ کے لئے سیاست سے چپک کر رہ گئے ۔ علم کانفرنس اور نیشنل کانفرس کے بانیوں اور ممتاز رہنماؤں میں شمار ہوتے رہے نیشنل کانفرنس کے قیام ۱۹۳۹ء سے ۱۹۵۳ء تک مسلسل پندرہ سال اس کے جنرل سیکرٹری رہے ۔ ۱۹۳۲ء سے ۱۹۴۷ء تک کشمیر میں شاید ہی کوئی ایسا پرائم منسٹر ہوا ہوگا کہ جس کے دور میں آپ جیل نہ گئے ہوں بعد کے زمانہ میں کبھی کشمیر اسمبلی کے ممبر ، کبھی ہند کی کانسٹی چیونٹ اسمبلی کے ممبر اور کبھی ممبر پارلیمنٹ رہے ۔ نیز کئی اخباروں کے مدیر بھی رہے اور بھی نہ جانے کون کون سے پاپڑ بیلے ۔ ۱۹۵۳ء کے بعد بخشی وزارت کے زمانہ میں ۳ سال ، صادق وزارت کے حکم سے ساڑھے تین سال اور قاسم وزارات کے آرڈر سے صرف دو ماہ قید میں رہے ۔ جب آپ کی عمر ۷۰ سال سے متجاوز ہوئی ۔ تو یہ سب ہنگامے ختم ہوگئے اور زمانے کی بے رخی کو دیکھ کر اب آپ نے ۱۹۷۲ء سے گوشہ نشینی اور خاموشی کو اوڑھنا بچھونا بنالیا اور بس ۔

آپ کے چار بھائیوں میں سے مولوی محمد انور شاہ مسعودی (سابق ایم ایل اے) اور مولوی نظیر احمد (سیکریٹری) محکمہ جنگلات سیز فائر لائن کے اس طرف ہیں اور مولوی فیروز شاہ مولوی محی الدین شاہ موضع لوات علاقہ دراوہ میں ہیں جو آزاد کشمیر کا ایک حصہ ہے ۔

مولینائے محترم مسعودی صاحب کے دو فرزند بشیر احمد اور شبیر احمد ہیں ۔ دونوں ایم اے ، ایل ایل بی ہیں ۔ کوئی ۲۰ سال ہوئے بشیر احمد مسعودی امریکہ چلے گئے وہاں نیویارک یونیورسٹی سے مزید تعلیمی سندات حاصل کرنے کے بعد اسی ملک کو اپنا وطن بنا کر وہیں رہ پڑے اور آج کل ریاست انڈیانہ میں سوشل ایڈوائزری بورڈ کے ڈائریکٹر ہیں ایک امریکن نو مسلم پروفیسر زبیدہ جو سے کے ساتھ شادی بھی وہیں کی ہے اور اب ایک بیٹے (عمر سعید) اور بیٹی (حنیفہ) کے باپ ہیں ۔ شبیر احمد کشمیر ہائی کورٹ کے ایڈوکیٹ ہیں اور گاندربل میں مقیم ہیں ۔ پیشہ وکالت کے ساتھ ساتھ متاہل زندگی بسر کر رہے ہیں ۔

سطور بالا اسوقت میں نے سپرد قلم کی تھیں جب کتاب ہذا کا پہلا ایڈیشن زیر ترتیب تھا اور ان دنوں مولینا نے گوشہ نشینی اور خاموشی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا تھا ۔ اب اپریل ۱۹۷۷ء میں قریباً پانچ سال کی عزلت نشینی کے بعد مولینا دوبارہ سیاست میں سرگرم عمل ہوئے مولینا کن حالات میں اور

کن وجوہات کی بناپر از سر نو میدان عمل میں آئے ان کی تفصیلات میں جانا اسوقت طول کلام ہوگا۔
مولینا اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں۔آپ کی ذات گرامی پر مشتمل کتاب لکھی جا سکتی ہے۔اس لئے ان سطور میں آپ کی ہمہ پہلو ہستی کا کیا حق ادا ہو سکے گا؟ آپ ایک وسیع النظر محقق اور مفکر ہیں۔سیاسی میدان کے ازمودہ کار اور بے لوث رہنما ہیں۔اس پر مستزاد یہ کہ آپ خاندان انوری کے ایک مایہ ناز عالم اور بزرگ ہیں بقول مولینا سعید احمد اکبر آبادی آپ حضرت شاہ صاحب کے لئے صاحب البیت ہیں۔
کشمیری عوام کے لئے بالعموم اور اولاد شیخ مسعودؒ کے لئے بالخصوص آپ کا وجود گرامی مغتنمات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں تادیر سلامت رکھے۔ پورے غیر منقسم ہندوستان کے ارباب علم وفضل آپ کے تفکر وتدبر کے معترف ہیں۔

مولینا محمد انور شاہ مسعودی

آپ پیر احمد شاہ مسعودی مرحوم کے دوسرے فرزند ہیں ١٩٠٦ء میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم والدین سے اور کٹھ پیراں کی درس گاہ کے علاوہ بڑے بھائی سے حاصل کی متاہل ہو جانے کے بعد محکمہ جنگلات کی بعض غیر سرکاری فرموں میں ملازم رہے۔اس کے بعد تجارت کا شغل اختیار کیا ١٩٣٢ء میں کشمیر کی سیاسی تحریک کے سلسلہ میں گرفتار اور سزایاب ہوئے۔اس کے بعد سیاست سے لگاؤ پیدا ہو گیا۔مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس کی مظفر آباد ضلع کی شاخیں ہمیشہ آپ کی سرگرم اعانت کا فائدہ اٹھاتی رہیں۔انتخابات کے وقت تنظیمی امیدوار کی کامیابی آپ کی دماغی کاوشوں کی مرہون منت تسلیم کی جاتی تھیں۔قبائلی حملے اور قبضے کے وقت آپ کو گھر بار ترک کر کے وادی میں منتقل ہونا پڑا جب پیر احمد شاہ صاحب اور کنبہ کے سب لوگ جلائے وطن ہو کر سیز فائر لائن کے اس طرف آگئے تو آپ ان کی پابجائی۔از سر نو بحالی اور پرورش کے لئے وقف ہو کر رہ گئے۔یہی زمانہ تھا جب آپ کو اپنے والد بزرگوار کی خدمت کرنے اور دعائیں لینے کا خاص موقعہ میسر ہوا۔ ١٩٥١ء سے ١٩٥٨ء تک آپ کشمیر اسمبلی کے اور اس کے بعد اپر ہاؤس کے ممبر رہے۔آپ کی عوامی مسائل پر بے لاگ تقریریں سب سے خراج تحسین حاصل کرتی رہیں۔مدت سے آپ نے سیاسی سرگرمیوں کو خیر آباد کہہ دیا ہے اور حج سے واپسی کے بعد اپنا زیادہ وقت تلاوت اور عبادت کی نذر کرتے ہیں آپ کا صرف ایک فرزند پیرزادہ مطیع اللہ (سلمہ) ہے جو ابھی تک مصروف تعلیم ہے۔

مولوی نذیر احمد مسعودی

پیر احمد شاہ صاحب کے سب سے چھوٹے اور پانچویں فرزند مولوی نذیر احمد ہیں جو ١٩٢٢ء میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گھر میں ملی اور اس کے بعد مظفر آباد ہائی اسکول اور رعناواری ہائی اسکول سے

پڑھتے رہے ایس پی کالج سرینگر سے بی ایس سی پاس کرنے کے بعد ڈیرہ دون کے جنگلات کالج سے ڈی ڈی آر کیا اور جنگلات میں رینجر ہو گئے۔ قبائلی حملہ کے زمانہ میں انڈین افواج اور عوام کے درمیان لیزان کے طور پر فرائض انجام دیئے۔ پھر کئی سال ڈپٹی کنسرویٹر رہے اور چند سال سے کنسرویٹر جنگلات کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے۔ محکمہ کے تجارتی شعبہ لمبرنگ ڈیپارٹمنٹ کے جنرل مینجر کے فرائض انجام دینے کے بعد اب اس محکمہ کے سب سے بڑے منصب یعنی چیف کنسرویٹر جنگلات کے عہدہ پر فائز ہو چکے ہیں۔

طالب علم کی حیثیت میں آپ نے مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس کی جدوجہد میں براہ راست حصہ لیا اور سٹوڈنٹ لیڈر کی حیثیت سے ۱۹۳۸ء میں گرفتار ہو کر سزایاب ہوئے۔ لیزان آفیسر کی حیثیت سے جو کام کیا وہ بھی بڑی حد تک سیاسی نوعیت کا کام تھا۔

مولوی مفتی عبدالجبار شاہ

آپ تاحیات جامع مسجد سوپور کے خطیب اور امام رہے۔ حضرت شاہ صاحب نے جب بارہ مولہ میں مدرسہ فیض عام قائم کیا تو اس کے اولین طلباء میں عبدالجبار صاحب بھی تھے اگرچہ تعلیم کی تکمیل کا موقع نہ ملا تھا لیکن اپنی محنت ریاضت اور اوصاف کے ذریعہ اس کی کمی پوری کر لی تھی۔ شمالی کشمیر میں آپ کا فتویٰ حکم آخر کا درجہ رکھتا تھا۔ زندگی بھر حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ اپنا علمی تعلق قائم رکھا۔

مولوی غلام محمد حنفی سوپور

آپ کشمیری زبان کے شاعر تھے۔ حنفی آپ کا تخلص تھا۔ آپ کا بڑا کارنامہ قرآن شریف کا بزبان کشمیری ترجمہ تھا۔ جو افسوس ہے کہ چھپ نہ سکا اس کے علاوہ بھی آپ کے اقرباء کے پاس آپ کی کچھ غیر مطبوعہ کتابیں ہیں۔

مولینا محمد یٰسین شاہ

آپ مولوی غلام محمد حنفی کے بے حد ذہین فرزند تھے۔ آپ دارالعلوم دیوبند اور امرتسر کے بعض مدارس کے تعلیم یافتہ تھے ۱۹۳۱ء میں جب کشمیر کی سیاسی تحریک نے جنم لیا تو مولینا یٰسین صاحب نے اپنی شعلہ بار تقریروں سے قصبہ سوپور اور شمالی کشمیر کے دیہات میں ایک زلزلہ پیدا کر دیا۔ مسلم کانفرنس کو

عوام میں جو ہردلعزیزی نصیب ہوئی۔ اسمیں آپ کی فصیح وبلیغ تقریریں سب سے زیادہ ذمہ دار تھیں۔

الحاج پیر غلام حسن شاہ

حضرت الشیخ بابا مسعودی نروریؒ کی اولاد میں سے الحاج پیر غلام حسن شاہ ریاست جموں وکشمیر کے ایڈیشنل انسپکٹر جنرل پولیس (جو آج کل انٹی کرپشن مہم میں ویجلنس کمشنر کے عہدے پر فائز ہیں ایک غیر معمولی شخصیت کے مالک ہیں۔ شیخ مسعودؒ کی ذریت میں سے بابا عبدالحمیدؒ اور بابا عبدالقادرؒ کی جو شاخ ترگہ پورہ اور اس کے قرب وجوار کے مواضعات چک شتلو بہ وغیرہ میں آباد ہے۔ آپ اس کے لئے موجب فخر ہیں۔ والد صاحب کی طرف سے آپ کا شجر نسب بابا عبدالحمید اور والدہ کی طرف سے بابا عبدالقادر کے ساتھ ملتا ہے، لاہور کے مشہور اہل اللہ بزرگ حضرت پیر عبدالغفار شاہ مرحوم (جن کا مختصر تذکرہ کتاب ہذا کے صفحہ ۲۰۱،۲۰۷ پر ہے) آپ کی والدہ محترمہ سروہ خاتون (متوفی ۱۹۳۵ء) کے عم محترم تھے۔ پیر عبدالغفار صاحب کے دوسرے بھائی پیر رسول شاہ آپ کے نانا تھے پیر عبدالغفار صاحب کے تذکرے میں یہ بات عرض کی گئی کہ آپ کے علمی فیضان کو آپ کے برادرزادہ عبداللہ شاہ (فرزند رسول شاہ) نے جاری رکھا آپ لاہور کی مسجد قاضی خان کے خطیب تھے۔ آپ کے ہاں کشمیریوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ حصول علم کے لئے کشمیر کے جو طلبا لاہور جایا کرتے تھے۔ پیر عبداللہ شاہ کی تمام شفقتیں ان کے لئے وقف رہا کرتی تھیں۔ تحریک حریت کشمیر کے سلسلے میں یہاں کے جو سیاسی زعماء عمائدین لاہور جایا کرتے تھے اکثر وبیشتر پیر عبداللہ شاہ کے ہاں ہی قیام پذیر ہوتے تھے۔

پیر غلام حسین شاہ کے والد ماجد پیر محمد مقبول شاہ (متوفی ۱۹۴۳ء) اپنے علاقے میں نہایت ہی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ علاقہ کا مراج بالخصوص ترگہ پورہ، چک شتلو بہ اور اس سے ملحق دیہات کے جن لوگوں نے پیر محمد مقبول صاحب مرحوم کو قریب سے دیکھا ہے ان کا بیان ہے کہ آپ علم وعمل اور زہد وتقوی کے لحاظ سے اپنے اسلاف کرام کا نمونہ تھے۔ قرآن حدیث اور فقہ پر آپ کی گہری نگاہ تھی۔ علم وحدیث میں آپ کو علاقہ سوپور کے مشہور عالم مولینا احمد صاحب سیلو سے باضابطہ شرف تلمذ حاصل تھا۔ آپ کو امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ کی ذات گرامی کے ساتھ بے پناہ عقیدت تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ جب دیوبند سے کشمیر تشریف لاتے تھے تو حضرت شاہ صاحب کی وعظ وتلقین کی مجالس میں شریک ہونا آپنی سعادت عظمی سمجھتے تھے۔ اپنی زندگی کے آخری چند سالوں میں جب حضرت شاہ صاحبؒ فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی کے لئے کمربستہ ہوئے تو کشمیر کی ضرورت کے پیش نظر آپ نے دعوت حفظ ایمان نام سے چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ مراتب فرمائے تھے۔ وادی کشمیر کے

اطراف واکناف میں حضرت شاہ صاحبؒ کے جو محب و معتقد عامۃ المسلمین میں ان رسالوں کی تقسیم کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ ان میں پیر محمد مقبول صاحب مرحوم بھی پیش پیش تھے۔ مولوی حفیظ اللہ شاہ، محمد مظفر شاہ، غلام حسن شاہ اور محمد یٰسین شاہ۔ آپ کے چار فرزند ہیں۔ آپ کی بیٹی فوت ہو چکی ہے۔ اور دوسری کا نکاح پیر غلام محمد نسیم (ساکن نوپورہ جاگیر تحصیل بارہ مولہ) کے ساتھ ہوا ہے۔

پیر غلام حسن شاہ کی پیدائش کا سال ۱۹۲۶ء ہے۔ جدید تعلیم کے منازل طے کرنے کے بعد ۱۹۴۸ء میں جبکہ وادی کشمیر کے عوام قبائلی حملہ کے نتیجہ میں اجڑے ہوئے اور تباہ حال تھے اور اپنی از سرنو آبادی کے لیے نوجوانان قوم کی اعانت اور امداد کے محتاج تھے۔ پیر غلام حسن شاہ صاحب نے محکمہ پولیس میں اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ آپ نے پولیس میں سب انسپکٹر کے چھوٹے سے عہدے سے ابتداء کر کے محض اپنی محنت، دیانت اور ذہانت کے بل بوتے پر ترقیات کی منزلیں اپنے معاصرین کے مقابلے میں حیرت انگیز تیز رفتار کے ساتھ طے کیں۔ آپ جس طرح کلکتہ انسٹی ٹیوٹ میں پولیس آفیسر کی ٹریننگ کے موقعہ پر ہندوستان بھر کے امیدواروں میں ممتاز رہے تھے اسی طرح اپنے محکمہ میں بھی قدم قدم پر امتیازات نے آپ کا ساتھ دیا۔

قومی خدمات میں آپ کے تاریخی کارناموں میں سے سوپور شہر کو قحبہ خانے کی لعنت سے نجات دلانا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اس شہر کے وائل دوب نام کے محلہ کو زمانہ دراز سے چکلہ اور قحبہ خانہ جات کے طور سے استعمال کیا جا رہا تھا۔ آپ نے اپنے چند ایک دوسرے خدا ترس ہمنواؤں بالخصوص خواجہ غلام رسول صاحب لون (مالک نیولائٹ ہوٹل سوپور) کی اعانت اور اشتراک سے ایک ایسی اصلاحی مہم چلائی کہ اس ناپاک مرض کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ اہل سوپور نے بھی آپ کے اس کارنامہ کی یہ قدر کی کہ اس محلے کا نام تبدیل کر کے آپ کے شکریہ کے طور پر آپ کے نام پر اس کو "شاہ آباد" کے نام سے پکارنے لگے اور وہاں سکول اور مسجد تعمیر کر کے اس آبادی کی کایا ہی پلٹ دی۔

۱۹۶۳ء میں پیر غلام حسن شاہ زیارت حرمین شریفین اور فریضہ حج کی ادائیگی سے مشرف ہو چکے ہیں۔ ۱۹۷۴ء سے ریاست میں رشوت ستانی کا خاتمہ کرنے کے لئے حکومت نے آپ کو ویجلنس کمشنر مقرر کر رکھا ہے اور اب تک آپ سینکڑوں راشیوں کو کیفر کردار تک پہنچا چکے ہیں۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ مارچ ۱۹۷۷ء میں جموں و کشمیر قانون ساز اسمبلی کو توڑ کر پہلی بار ریاست پر گورنر راج نافذ ہوا۔ لیکن لا اینڈ آرڈر کی بگڑتی ہوئی صورت حال سے نئے امتحانات کرانا ناممکن نظر آ رہا تھا۔ چونکہ پیر غلام حسن شاہ کئی سال تک نیک نامی اور کامیابی کے ساتھ ڈی آئی جی کشمیر کے فرائض انجام دے چکے تھے۔ اس لئے ریاستی گورنر مسٹر ایل۔ کے جھا نے اپنے مشیر مسٹر بنرجی کے

مشورہ پر شاہ صاحب کی خدمات حاصل کیں۔ شاہ صاحب نے اپنے سابق تجربات سے فائدہ اٹھایا اور نہایت تدبر کے ساتھ صورت حال کا مقابلہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کشمیر کی تاریخ میں پوے تیس سال بعد پہلی بار آزادانہ اور غیر جانبدارانہ ماحول میں انتخابات ہوئے۔ انتخابات کے نتائج نکلنے کے کوئی ایک ہفتہ بعد شاہ صاحب اپنے عہدہ پر واپس لائے گئے۔

تتمہ (۳)

حضرت شاہ صاحبؒ اور مسئلہ سیادت

از عبدالرحمٰن کوندہ

وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقٰکم۔

(الحجرات-۱۲)

امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے اپنے اقوال وتحریرات، آپ کے والد ماجد کے ارشادات اور کشمیر کی معتبر تاریخ کی ورق گردانی کے بعد حقیقت اور صداقت کے متلاشی سوانح نگار کو اس نتیجہ پر پہنچنے میں کوئی چیز مانع نہیں رہتی کہ آپ لفظ سید کے مروج مشہور اصطلاحی معنوں میں سید نہ تھے۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو بے نقاب واقعات کے ہوتے ہوئے بھی تسلیم نہ کرنا کھلا مکابرہ ہے۔ اس سلسلے میں ذیل کے نکات پر نظر رکھنی چاہئے۔

(۱) حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی بعض تصنیفات کے خاتمہ پر اپنے نام کے ساتھ اپنے آباؤ اجداد کا شجرہ نسب حضرت شیخ مسعود نروریؒ تک اپنے قلم سے بصورت ذیل تحریر فرمایا ہے:

''محمد انور شاہ بن مولینا محمد معظم شاہ بن شاہ عبدالکبیر بن شاہ عبدالخالق بن شاہ محمد اکبر بن شاہ حیدر بن شاہ محمد عارف بن شاہ علی بن شاہ عبداللہ بن الشیخ مسعود النروری الکشمیری الحنفی''۔

اس طرح سے آپ نے اپنے شجرہ نسب کو دسویں صدی ہجری کے کشمیری مشائخین اسلام میں سے ایک بزرگ حضرت شیخ مسعود نروریؒ تک ثبت جرید (RECORD) کر کے کسی قسم کی تاویل اور کھینچا تانی کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہنے دی۔

(۲) حضرت شیخ مسعود نروریؒ کو تذکرہ الاولیاء کشمیر کے تمام مصنفین نے ان اولیاء کرام ومشائخ عظام میں شمار کیا ہے جو نسبا سید نہ تھے۔ ملاحظہ ہوں:

(۱) اسرار الابرار مصنف حضرت بابا داؤد مشکواتیؒ (۱۰۹۷ھ) (۲) خوارق السالکین

مصنفہ ملا احمد بن الصبور ہادی (م ۱۱۰۹ھ) (۳) واقعات کشمیر مصنفہ خواجہ اعظم دیدہ مری (م ۱۱۷۹ھ) (۴) خمسہ ملا بہاؤ الدین متو (م ۱۲۲۸ھ) (۵) اسرار الاخیار (تاریخ کشمیر کی جلد ثالث) مصنفہ پیر حسن شاہ کھو یہامی (م ۱۳۱۶ھ) (۶) تحائف الابرار المعروف تاریخ کشمیر مصنفہ حاجی محی الدین مسکین سرائے بلی (تاریخ تصنیف ۱۳۲۱ھ) (۷) تاریخ اقوام کشمیر از منشی محمد دین فوق (م ۱۳۲۶ء) (۸) تاریخ اقوام پونچھ از منشی محمد دین فوق

حضرت شیخ مسعود نروری دسویں صدی ہجری کے خاتمہ کے بزرگ ہیں اور آپ کے تذکرہ نگار فاضل مؤرخین وہ لوگ ہیں جن کا سلسلہ گیارہویں، بارہویں، تیرہویں اور چودھویں صدی یعنی پوری چار صدیوں پر پھیلا ہوا ہے۔ جب حضرت مسعود نروریؒ کو معتبر ترین مصنفین نے چار سو سال تک کشمیر کے ان مشائخ میں شمار کیا جو سادات نہ تھے اور حضرت موصوف کے بیٹوں پوتوں وغیرہ فضلاء نے ان تحریرات کو مسلم ٹھہرایا۔ نہ کبھی ان کی تردید میں کوئی حرف لکھا اور نہ ہی کبھی دعوائے سیادت کیا تو آج اس کے خلاف ادعا کی گنجائش ہی کہاں رہ جاتی ہے۔؟

یہ وہ مصنف ہیں جو ذاتی تقوی، صداقت بیانی اور تاریخ وانساب کے علوم میں مہارت تامہ کے لحاظ سے مرتبہ علیا پر تسلیم کیے گئے ہیں۔ خاص کر کتاب اسرار الابرار کے مصنف حضرت علامہ بابا داؤد مشکواتیؒ اپنے ذات کے اکابر محدثین وفقہاء میں سے تھے۔ مشکوۃ شریف متناً وسنداً ازبر نوک زبان ہونے کی وجہ سے ''مشکواتی'' آپ کا لقب بن گیا تھا۔ آپ حضرت شیخ مسعود نروری کے پوتے یعنی حضرت بابا مجنون نروری کے شاگرد اور خلیفہ تھے۔ اس لئے اکابر خاندان مسعودیہ کے حسب ونسب سے آپ کی واقفیت براہ راست تھی۔ جب حضرت مشکواتیؒ نے حضرت بابا مسعود نروری کا بابا عبداللہ کا، بابا حاجی کا اور بابا مجنون کا تذکرہ مشائخ وعلماء نے اس باب میں لکھا جو سادات میں نہ تھے، اگر کوئی اور اس کے برعکس تصور کرے تو یہ محض جرأت بے جا ہوگی۔

(۳) کشمیر کے مشائخین، عرفاء اور علماء کے تذکرے تحریر کرنیوالے مصنفین کرام کا متفقہ اصول یہ ہے کہ یہ اپنی کتابوں میں جب کشمیر کے بندگان دین کے حالات لکھنا شروع کرتے ہیں تو سادات غیر سادات مشائخ، ریشیان، علماء اور شعراء کے طبقات قرار دیکر الگ الگ ابواب میں الگ الگ طبقات کے حالات لکھتے ہیں۔ پہلا باب مشائخ سادات کے لئے، دوسرا باب غیر سادات مشائخ کے لئے، تیسرا باب کشمیر کے ایک مخصوص صوفی سلسلہ کے لئے ہے جس کو ریشیوں کا سلسلہ کہا جاتا ہے۔ چوتھا باب عام علماء کے لئے اور پانچواں

شعراء کے لئے خاص کر دیا جاتا ہے۔ ان سب کتابوں کا گہرے غور وخوض کے ساتھ مطالعہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر مصنف نے حضرت شیخ مسعود نروریؒ کا تذکرہ اور علماء وصلحاء میں سے آپ کے فرزندوں اور پوتوں کا تذکرہ پوری احتیاط اور پابندی کے ساتھ اپنی کتابوں کے ان ابواب میں کیا ہے۔ جو غیر سادات مشائخ وعلماء کے لئے مخصوص ہیں۔ ان مصنف حضرات نے حضرت مسعودؒ کی بزرگی کے جو دیگر نکات ہیں وہ پوری فراغ دلی سے لکھے ہیں اور اگر سیادت کا کوہ نور بھی آپ کے تاج ولایت کی دولت میں شامل ہوتا تو یہ مصنفین جو آپ کے عقیدت منداور مداح ہیں، اس حقیقت کو آشکار کرنے سے ہرگز غافل نہ رہتے فتدبروا لاتکن من الغافلین۔

(۴) حضرت شیخ مسعود نروریؒ کی اولاد کو کشمیر میں دسویں صدی ہجری کے نصف ثانی سے آج چودھویں صدی کے آخر تک ساڑھے چار سو سال کی مدت میں غیر معمولی پھیلاؤ نصیب ہوا ہے۔ اس طویل مدت میں علم وفضل اور دینی روحانی پیشوائی کے امتیازات کا تسلسل جہاں اس نسل پر خدا تعالیٰ کی عنایات میں سے ہے وہاں انکی کثرت تعداد بھی عطیہ قدرت ہے اور وادی کے شہری ودیہاتی علاقوں میں حضرت مسعود کو اپنا جدامجد ماننے والے اس وقت تقریباً پانچ ہزار افراد ہیں۔ ان میں سینکڑوں ہیں جو قدیم وجدید ہر قسم کے علوم کے زیور سے آراستہ ہیں۔ فضلائے دیوبند، پنجاب یونیورسٹی، کشمیر یونیورسٹی اور علی گڑھ یونیورسٹی سے عربی، فارسی اور اردو زبان کے فضلاء بی اے، ایم اے، بی ایس سی، بی ٹی، ایل ایل بی، ایم بی بی ایس وغیرہ وغیرہ۔ سیاسی لیڈر، سماجی کارکن، واعظ، مفتی، خطیب، وکیل، ڈاکٹر، حکیم، پروفیسر، تاجر، مدرسین، ایڈیٹر، صوفی، سرکاری عہدوں کے منصب دار وغیرہ۔ غرض زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔ لیکن اس بات پر یہ سب آج کل حقیقی سیادت کے علاوہ بعض اوقات مصنوعی طریقوں سے دعوائے سیادت کر کے لوگ اپنی شہرت اور وجاہت کا ذریعہ بناتے رہتے ہوں۔ اس دنیا میں ان ہزاروں مسعودیاں کشمیر کا یہ کہنا کہ ''ہم سید نہیں ہیں بلکہ ہم خاک پائے اہلبیت ہیں''۔ اس مسئلہ کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

(۵) حضرت شاہ صاحبؒ کے والد بزرگوار مولینا معظم شاہ صاحبؒ کی علمی وسعت صرف تفسیر وحدیث، فقہ اور دینی علوم تک ہی محدود نہ تھی۔ بلکہ علم وتاریخ اور علم انساب وغیرہ میں بھی آپ کی مہارت مسلم تھی۔ اور ان امور میں بھی آپ کی تحقیقات حرف آخر کا درجہ رکھتی

تھی۔ آپ ہمیشہ اپنی اور تمام اولاد حضرت شیخ مسعود نروری کی سیادت کا انکار کرتے رہے۔ اور حضرت شیخ مسعود نروری کے خاندان کی سیادت وعدم سیادت کی بحث پر آپ بغیر کسی لگی لپٹی کے فریاد کرتے تھے۔ نروری پیر صاحبان کا ادعائے سیادت (اگر کہیں ہوتو) بالکل غلط ہے۔ اس سلسلہ میں جو خط آپ نے مورخ منشی محمد دین طوق مرحوم کے سوالات کے جواب میں لکھوایا تھا اور کچھ آگے جا کر ملاحظہ کیجئے۔

(۶) حضرت شیخ شاہ صاحبؒ کو دیکھنے والوں اور بقدر وسعت آپ کے ارشادات ومواعظ حسنہ سے استفادہ کرنے والوں میں سے سرینگر میں ہمیں ایک عمر رسیدہ اور علم دوست بزرگ الحاج سید مبارک شاہ گیلانی صاحب فطرت سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے بیان کیا کہ۔ ایک بار کسی اخبار نویس نے حضرت شاہ صاحبؒ کے اسم گرامی کے ساتھ لفظ ''سید'' لکھا تھا تو حضرتؒ نے اس کی تردید میں مقامی اخباروں میں ایک بیان بھیجا، جس کے الفاظ تھے کہ: ''میں رسول اللہ ﷺ کی آل واولاد کا غلام ہوں اور محبِ عترت ہوں مگر سید نہیں ہوں۔'' اس سے بعض لوگوں کا آپ کو سید کہنا اور آپ کا سید ہونے سے انکار کرنا دونوں باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۷) مشہور مورخ ومصنف منشی محمد دین فوق نے حضرت شاہ صاحبؒ کے زمانہ حیات میں ہی آپ کے حالات پہلے اخبار کشمیری لاہور میں اور بعد ازاں اپنی کتاب مشاہیر کشمیر (مطبوعہ لاہور ۱۹۳۰ء) میں سپرد قلم کئے تھے۔ کئی سال بعد جب فوق صاحب تاریخ اقوام کشمیر مرتب کر رہے تھے تو آپ نے اس میں بھی ''خاندان مسعودیہ انوریہ'' کے عنوان کے تحت چند صفحات حضرت شاہ صاحبؒ کے ذکر جمیل کے لئے وقف کئے اور حضرت شاہ صاحبؒ کے محامد ومناقب کے ساتھ ساتھ بعض تاریخی حقائق کی بھی نقاب کشائی کی۔ اس موقعہ پر سیادت کے بارے میں فوق صاحب نے لکھا ہے کہ:

> ''کشمیر میں شیخ مسعود نروریؒ بہت بڑے اہل اللہ بزرگ گزرے ہیں۔ وہ حضرت شیخ المشائخ، سرسید احمد کرمانیؒ کے خلیفۂ اعظم تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے حالات کشمیر کی تاریخوں میں درج ہیں بلکہ اکثر میں ان کے تبرکات کا بھی ذکر ہے لیکن شیخ مسعود کی ذریات جو سرینگر، لولاب، بجبہار، ترگہ پورہ، مظفر آباد، لاہور اور پونچھ وغیرہ مقامات میں پھیلی ہوئی ہے۔ آپ کے حسب ونسب کے متعلق بہت کچھ اختلاف رکھتی ہے۔ اور مصیبت یہ ہے کہ پرانے تذکرہ نویسیوں نے بھی اس امر

کے متعلق کوئی خاص توضیح نہیں کی اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ کوئی ان کو سید بتاتا ہے ،کوئی قریشی اور کوئی نو مسلم۔

زمانہ موجودہ میں شیخ مسعود کی اولاد سے ایک عظیم الشان اور فاضل اجل بزرگ شیخ الحدیث مولینا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی گزرے ہیں جو ہندوستان کے دارالعلوم عربیہ دیوبند اور ڈابھیل کے صدر مدرس بھی تھے۔ آپ نے اپنی اکثر تصانیف عربیہ میں اپنا شجرہ شیخ مسعود نروری تک لکھ کر یہ تحریر فرمایا ہے کہ "ان کے (یعنی شیخ مسعود نروریؒ کے) بزرگ بغداد سے ملتان، ملتان سے لاہور اور لاہور سے کشمیر آئے تھے۔ انہوں نے (یعنی شاہ صاحبؒ نے) کسی بزرگ کے نام کے ساتھ "سید" کا لفظ نہیں لکھا۔ البتہ لاہور کی جو شاخ آپ کو سید لکھتی ہے۔ اس نے شیخ مسعود نروری کے فرزند الشیخ عبداللہ کو سید عبداللہ لکھا ہے۔ جیسا کہ شجرہ سے معلوم ہوگا۔ شیخ عبداللہ کے تین بیٹے تھے۔ بابا علی، بابا رضا اور بابا یعقوب۔ بابا علی کی ذریات سے مولینا انور شاہ شیخ الحدیث ہیں جنھوں نے نہ کبھی اپنے نام کے ساتھ "سید" کا لفظ لکھا اور نہ کبھی سید کہلوانا پسند کیا۔ اس لئے نہیں کہ خدانخواستہ وہ اس لفظ کو اچھا نہ سمجھتے تھے بلکہ اس لئے اور صرف اس لئے کہ وہ حضرت علیؓ کی ذریات سے نہیں تھے۔ لیکن بابا یعقوب یعنی بابا علی کے بھائی کی اولاد کی ایک شاخ ❶ ڈنکے کی چوٹ اپنے آپ کو سید الحسنی الحسینی لکھتی اور کہلواتی ہے۔ میں نے اس بارہ میں مولینا محمد انور شاہ شیخ الحدیث مرحوم کے والد محترم پیر محمد معظم شاہ اور مولینا مرحوم کے بھائی پیر محمد سلیمان شاہ کو ایک خط ۸ دسمبر ۱۹۴۴ء کو لکھا جس کا جواب مجھے ۲۴ دسمبر کو ملا۔ اس خط سے چونکہ بہت سے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ اس لئے اس کا اندراج مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مولینا معظم شاہ کا مکتوب❷:

"پیرزادگان کشمیر کے چار فرقے ہیں۔ اولاد سید جو کشمیر میں مختلف خطابوں، اور عرفوں سے بھی مشہور ہیں، فرقہ ثانیہ پیرزادگان کرمانیہ جو شیخ مسعود نروری کی اولاد سے ہیں۔ چونکہ آپ حضرت سید احمد کرمانی کے فیض باطنی سے بہرہ اندوز اور ان کے خلیفہ خاص تھے۔ اس لئے ان کی اولاد کو پیرزادگان کرمانیہ کہتے ہیں۔ فرقۂ ثالثہ،

---

❶ ...... پوری شاخ نہیں بلکہ صرف لاہور میں ایک گھر ہے۔ حضرت پیر عبدالغفار شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند پیر محمد اشرف شاہ نے اپنے نام کے ساتھ سید لکھنا شروع کیا پیر عبدالغفار کے یک جدی پیروں کی اولاد تحصیل ہندوارہ کے مواضعات ترگہ پورہ، چک شلوہ وغیرہ میں آباد ہے۔ کشمیر بھر کے باقی مسعودیوں کی طرح ان کو بھی سیادت کا کوئی دعویٰ نہیں ہے۔ خود پیر عبدالغفار شاہ صاحب مرحوم نے بھی اپنے آپ کو کبھی سید نہیں کہلوایا ہے۔

❷ ...... یہ خط مولینا معظم شاہ صاحبؒ نے اپنے فرزند پیر سلیمان شاہ صاحب مرحوم سے لکھوایا ہے (کوندو)

مخدومی یہ فرقہ حضرت سلطان العارفین شیخ حمزہ مخدوم کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی
بابا علی رینہ کی اولاد میں شمار ہوتا ہے۔ فرقہ رابعہ خطائی، اس کی نسبت تحقیق معلوم نہیں
غالباً ان کے اسلاف شہر خطا سے آئے ہوں گے"۔

"بابا" کا لفظ کسی خاص ذات سے وابستہ نہیں۔ یہ بزرگی اور احترام کا لفظ ہے۔ جو ہر صالح اور خدا پرست بزرگ خصوصاً عمر رسیدہ کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے لیکن کشمیر میں جن آدمیوں کے علاوہ بابا غرباء ومساکین کے باپ یعنی مرد سخی وفیاض کو بھی کہتے ہیں۔ بلکہ بب کا لفظ بھی جس کے معنی کشمیری میں "باپ" کے ہیں، بابا سے نکلا ہے۔ (مثلاً) بارہ مولہ کے خواجہ عزیز جو لنگر وجو رئیس الرؤسا تھے۔ اپنے لنگر عام کی وجہ سے "عزہ بابا" کہلاتے تھے۔ آج کشمیر میں جو باب زادے یعنی بابا فرقہ کے لوگ ہیں انکی ذاتیں اور گوتیں دراصل مختلف ہیں:

کرمانی پیرزادگان یعنی شیخ مسعود کی اولاد کا تعلق رشتہ داری فرقہ سادات سے بھی ہے۔ چنانچہ شیخ مسعودؒ کی ایک بی بی سید زادی تھیں۔ نیز شیخ الحدیث مولینا انور شاہ کا نکاح بھی گنگوہ ضلع سہارنپور کے ایک سید گھرانہ میں ہی ہوا تھا۔ مخدومی پیرزادگان کے ساتھ بھی کرمانی پیرزادگان کے تعلقات مناکحت پائے جاتے ہیں۔

اب یہ سوال باقی ہے کہ کرمانی پیرزادگان یعنی اولاد شیخ مسعود سید ہے یا نہیں اس کے متعلق تحقیق شدہ امر یہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیث شاہ صاحب مرحوم کے پاس پنجاب اور ہندوستان کے بعض اقطاع کے لوگوں نے اس کے متعلق جب بھی گفتگو کی تو انہوں نے نہ اپنے آپ کو سید کہلانا پسند کیا اور نہ کسی کا کہنا اس بارہ میں مانا۔ اور نہ اپنی کسی تصنیف میں اپنے سلسلہ نسب کو سادات سے منسلک کیا۔ بلکہ ہر ایسے شخص پر جو غیر سید ہو کر سید کہلاتا یا کہلانا چاہتا تھا۔ اپنی علانیہ ناراضگی کا اظہار کیا کرتے تھے۔

الغرض شیخ مسعود کی ذریت جہاں کہیں بھی ہے وہ سید نہیں ہے۔ اغلب اور اکثر جوہ یہی ہیں کہ شیخ مسعود امام العالم ابوحنیفہؒ کی اولاد سے ہیں۔ جیسا کہ قبلہ والد کے مرتبہ شجرہ سے جو ان کے فرزند اکبر حضرت شاہ صاحب مرحوم کا صحیح شدہ ہے اور جس کی ایک نقل ارسال کر رہا ہوں سے معلوم ہوگا۔ جس قدر حضرت شاہ صاحب مرحوم کو علم تواریخ اور روایات کی صحت اور ان کے ضعف پر عبور تھا۔ اس کو عرب وعجم ہر جگہ قبولیت حاصل ہے اس لئے یہ شجرہ بڑی محنت سے صحیح کیا گیا ہے۔

حضرت والد ماجد کی رائے بھی یہی ہے کہ نروری پیر صاحبان کا ادعائے سیادت باطل غلط ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے سوانح حیات فاضل اجل مولینا محمد یوسف (بنوری) استاذ جامعہ ڈابھیل نے بزبان عربی۔ "نفحة العنبر من هدى الشيخ الانور" نام سے ایک ضخیم کتاب

میں لکھتے ہیں۔ اس میں بھی صاحب مصنف نے حضرت کی سیادت کے متعلق وہی روش اختیار کر رکھی ہے۔ جو حضرت قبلہ نے اپنی تصانیف میں کی ہے۔

فوق صاحب کا تبصرہ:...... آگے چل کر فوق صاحب تحریر فرماتے ہے کہ ''حضرت قبلہ شیخ الحدیث عموماً شاہ صاحب'' کے نام سے مشہور تھے۔ لیکن کشمیر میں یہ ضروری نہیں کہ شاہ کا لفظ صرف سید کے ساتھ ہی ہو۔ وہاں بابزادے اور بعض اور لوگ بھی ''شاہ'' کہلاتے ہیں جو در حقیقت سید نہیں ہیں مگر ہندوستان میں شاہ کا لفظ چونکہ سادات کے ساتھ ہی لکھا جاتا ہے۔ اس لئے آپ کے اکثر تلامذہ (اہل کشمیر کے سوا) انکو (یعنی حضرت شاہ صاحب کو) اپنے خیال میں سید ہی سمجھتے رہے اور اسی بناء پر انکے صاحبزادے مولینا ازہر شاہ جو دیوبند ہی میں رہتے ہیں اور کشمیر کے حالات ورسومات سے عموماً ناواقف ہیں۔ اپنے آپ کو اپنی تصانیف اور اپنی تحریروں میں ''سید'' لکھا کرتے ہیں حالانکہ ان کے والد (مرحوم) حضرت شاہ صاحب اور ان کے جدامجد مولینا پیر محمد معظم شاہ مرحوم اور ان کے چاروں چچاؤں نے جو بفضل خدا اس وقت بحالت حیات ہیں، کبھی سیادت کا دعویٰ نہیں کیا اور اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر تاریخ ''نگارستان کشمیر'' کے مصنف نے جو حضرت شاہ صاحب مرحوم کے شاگرد ہیں، نہ صرف شاہ صاحبؒ کو سید انور شاہ لکھا بلکہ ان کے والد پیر معظم شاہ کو بھی سید معظم شاہ اور جن کے جد اعلیٰ الشیخ مسعودؒ کو بھی سید مسعود لکھ دیا ہے۔

(تاریخ اقوام کشمیر جلد دوم از ص ۲۰۶ تا ص ۲۱۰ از منشی محمد الدین فوق مطبوعہ لاہور جولائی ۱۹۴۲ء)

یہ ہے مالہ (ماعلیہ اس بحث کا جو حضرت شاہ صاحب کو ''سید'' کہنے یا لکھنے سے پیدا ہوئی ہے۔ اب مصنف نگارستان کشمیر ہوں یا مصنف تاریخ دیوبند۔ مولانا انظر صاحب ہوں یا مولینا ازہر صاحب غرض جو کوئی بھی حضرت شاہ صاحبؒ کو ''سید'' قرار دیتا ہے۔ اپنے فعل کا خدا تعالیٰ کے سامنے اور خلق اللہ کے سامنے خود جواب دہ ہے۔

اس تتمہ کا تتمہ:...... اہل علم کے ہر ایک طبقہ الانور کا تتمہ ۳ کو تاریخی تحقیق کا شاہکار تسلیم کیا ہے اور صاحب سوانح کے حسب ونسب کے بارے میں حرف آخر قرار دیا ہے۔ البتہ حضرات محترم مولینا ازہر شاہ ومولینا انظر شاہ تتمہ کے مضمون کی صداقت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی خالص ذاتی مصلحتوں کی وجہ سے اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ الانور چھپنے کے بعد دونوں صاحبوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کی سوانح پر ایک ایک کتاب شائع کی ہے۔ جناب مولینا ازہر صاحب کی کتاب نئی نہیں ہے۔ ''حیات انور'' کا قدیم چربہ ہے۔ جس کو چند مضامین کے اضافے کے ساتھ سر نو شائع کر دیا ہے۔ البتہ مولینا انظر شاہ صاحب کی کتاب ''نقش دوام'' ایک مستقل تصنیف ہے۔ جس میں حضرت شاہ

صاحبؒ کے علمی و عملی خصائص کو فاضل مصنف نے اپنے مخصوص انداز تحریر کے آئینہ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے اپنی اس تصنیف لطیف میں الانور اور اسکے مؤلف کا نام لینے کے بغیر ہی حضرت شاہ صاحبؒ کے حسب و نسب اور مسئلہ سیادت پر ہماری تحقیق کو ہدف ملامت بناتے ہوئے غیظ و غضب کے اظہار میں پورے چار صفحات (۲۰ تا ۲۳) صرف کر دیے ہیں لیکن خود بھی جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ مفہوم یہی ہے کہ شاہ صاحب کا شجرہ نسب حضرت شیخ مسعود نروری تک ہی مستند ہے اور شیخ مسعود نروریؒ عام شہرت کے لحاظ سے حضرت امام ابو حنیفہ کے خاندان سے مانے جاتے ہیں نہ کہ خاندان اہل بیت النبیؐ سے مولینا انظر شاہ صاحبؒ کا یہ اعتراف حق موصوف کی عالمانہ احتیاط اور خدا ترسی کا ثبوت ہے جس کے لئے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ نقش دوام میں حضرت شاہ صاحبؒ کے نام کے ساتھ "سید" لکھنے سے اجتناب کر کے صرف "محمد انور شاہ" پر اکتفا کیا ہے۔ یہ طریقہ کار عند اللہ بھی مولینا انظر شاہ صاحب کے لئے موجب اجر ہے۔ اور اس سے ان تاریخی مغالطات کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے جو لفظ سید پر مولینا ازہر صاحب کے بے جا اصرار سے پھیل سکتے اور بہت سے موجودہ آیندہ اہل قلم کی بے راہ روی کا موجب بن سکتے تھے نقش دوام کے زیر حوالہ صفحات میں مولینا انظر صاحب نے جو خلاف حقیقت باتیں لکھی ہیں (مثلاً یہ کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی والدہ سیدہ تھیں۔ وغیرہ ان پر قلم اٹھانے کا یہ موقعہ نہیں اور ہمیں امید ہے کہ وہ ان امور کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے الانور پر ایک مزید نگاہ ڈالیں گے اور اپنی ان غلط فہمی کی بھی تصحیح فرمائیں گے۔ عبدالرحمٰن کوندو۔

ختم شد





کتابیات

(BIBLOGRAPHY)

عربی، فارسی اور اردو

۱۔ آثار السنن: ظہیر حسن شوق نیموی۔ احسن المطابع عظیم آباد ۱۳۲۳ھ

۲۔ آثار الصنادید: سر سید احمد خان۔ سنٹرل بک ڈپو دہلی ۱۹۶۵ء

۳۔ آزاد کی تقریریں: انور عارف نیو تاج آفس دہلی

۴۔ آزاد کی کہانی خود اس کی زبانی: مرتبہ عبد الرزاق ملیح آبادی، دلی ۱۹۵۸ء

۵۔ ابوالکلام آزاد: پبلی کیشنز ڈویژن وزارتِ اطلاعات ونشریات حکومت ہند ۱۹۵۸ء

۶۔ ازالۃ الرین فی الذب عن قرۃ العین: مولانا انور شاہ کشمیریؒ ۱۳۳۰ھ

۷۔ الاضافات الیومیہ من الافاضاتِ القومیہ مطبوعہ کراچی

۸۔ التصریح بما تواتر فی نزولِ المسیح: حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ مطبوعہ دہلی ۱۳۴۴ء

۹۔ العرف الشذی علیٰ جامع الترمذی: مرتبہ مولانا محمد چراغ صاحب مطبوعہ دیوبند ۱۳۴۲ھ

۱۰۔ النور الفائض علیٰ نظم الفرائض: حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، کتب خانہ فخریہ مراد آباد ۱۳۵۶ھ

۱۱۔ انوار الباری شرح صحیح بخاری ۱۳ جلد: از مولانا سید احمد رضا بجنوری، مکتبہ ناشر العلوم بجنوری یو۔ پی۔

۱۲۔ انوار المحمود فی شرح سنن ابی داؤد: مولانا محمد صدیق نجیب آبادی، مطبوعہ دہلی ۱۹۳۷ء

۱۳۔ اکفار الملحدین فی ضروریات الدین: حضرت العلام مولانا انور شاہ کشمیریؒ، دہلی ۱۳۵۰ھ

۱۴۔ انسائیکلو پیڈیا (اردو) فیروز سنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۶۲ء

۱۵۔ البوادرُ النوادر: مولانا اشرف علی تھانویؒ مطبوعہ ۱۳۶۵ھ

۱۶۔ الفاروق: مولانا شبلی نعمانی، آستانہ بک ڈپو دہلی

۱۷۔ البدرُ الطالع بمحاسن من بعد القرآن السابع: قاضی محمد شوکانی طبع قاہرہ، مصر۔

۱۸۔ الرحمۃ الغیثیۃ بالترجمۃ اللیثیہ فی مناقب سیدنا الامام اللیث بن سعد، از ابن حجر عسقلانی طبع مریہ بولاق مصر ۱۳۰۱ھ۔

۱۹۔ بسط الیدین لنیل الفرقدین: مولانا انور شاہ کشمیریؒ بجنور ۱۳۵۱ھ

۲۰۔ اختر درخشاں: از مولیٰ سید محمد باقر الموسوی الصفوی الکشمیری، ۱۳۹۰ھ

۲۱۔ پرانے چراغ: از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مکتبہ فردوس مکارم نگر لکھنو۔

۲۲۔ تبرکات آزاد: غلام رسول مہر، عثمانیہ بک ڈپو حیدر آباد۔

۲۳۔ تاریخ اعظمی (واقعات کشمیر): خواجہ محمد اعظم دیدہ مری ۱۳۲۲ھ

۲۴۔ تاریخ بڈشاہی: محمد الدین فوق ظفر برادرس لاہور۔ ۱۹۴۰ء
۲۵۔ تاریخ کبیر کشمیر: حاجی محی الدین مسکین سرائے بل۔ ۱۳۱۰ھ
۲۶۔ تاریخ اقوام کشمیر: منشی محمد الدین فوق، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۳ء
۲۷۔ تاریخ اقوام پونچھ: منشی محمد الدین فوق، ظفر برادر لاہور ۱۹۴۳ء
۲۸۔ تاریخ دیوبند: سید محبوب رضوی، علمی مرکز دیوبند ۱۹۷۲ء
۲۹۔ تزک بابری: ظہیر الدین بابر (بادشاہ) مطبوعہ دہلی ۱۹۲۴ء
۳۰۔ تاریخ نگارستان کشمیر: قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی ۱۹۳۴ء
۳۱۔ تاریخ حسن مولفہ: پیر غلام حسن کھویہامی، جلد اول، دوم، وچہارم۔ شائع کردہ ریسرچ اینڈ پبلی کیشن ڈیپارٹمنٹ حکومت جموں وکشمیر۔
۳۲۔ تبلیغ رسالت: جلد ہفتم، مولفہ میر قاسم علی قادیان۔
۳۳۔ تذکرۃ الواعظ: مفتی محمد شاہ سعادت۔ ۱۹۳۱ء
۳۴۔ تحیۃ الاسلام: مولانا انور شاہ کشمیری مدینہ پریس بجنور ۱۳۵۱ھ
۳۵۔ تذکرہ اولیاء کشمیر (ترجمہ تاریخ حسن): مطبوعہ کوہ نور پریس سرینگر۔ ۱۹۶۰ء
۳۶۔ ترجمان السنۃ: مولانا بدر عالم میرٹھی۔ دہلی ۱۹۴۸ء
۳۷۔ تفسیر ثنائی: مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ
۳۸۔ تذکرہ شاہ ولی اللہ: مناظر احسن گیلانی۔ لاہور ۱۹۴۶ء
۳۹۔ تذکرۃ الرشید: مولانا عاشق الٰہی میرٹھی۔
۴۰۔ تذکرہ علماءِ ہند: رحمان علی، لکھنؤ ۱۹۱۴ء
۴۱۔ تذکرہ ابوالکلام آزاد: مرتبہ مالک رام ساہتیہ اکادمی ۱۹۶۸ء
۴۲۔ تحفۂ محبوبی (سوانح حضرت شیخ حمزہ کشمیریؒ): از خواجہ غلام محی الدین مالک ومدیر "اخبار کشمیر" امرتسر۔
۴۳۔ حجۃ اللہ البالغہ: حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ: حمایت الاسلام لاہور ۱۳۰۲ھ
۴۴۔ حسن العزیز (ملفوظات حضرت تھانویؒ) شائع کردہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون (یو۔پی)
۴۵۔ حیاتِ انور: مولانا محمد ازہر شاہ قیصر، جید برقی پریس دہلی ۱۹۵۵ء
۴۶۔ حیاتِ عبدالحی: مولانا سید سلیمان ندویؒ، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۷۰ء
۴۷۔ حیاتِ شبلیؒ: مولانا سید سلیمان ندویؒ، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۴۳ء
۴۸۔ حیاتِ شیخ الہندؒ: اصغر حسین دیوبندی، دیوبند ۱۳۳۹ھ
۴۹۔ حدائق الحنفیہ: از مولانا فقیر محمد صاحب جہلمی، مطبع منشی نول کشور لکھنؤ ۱۹۰۶ء
۵۰۔ خاتمۃ الخطاب: مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مدینہ پریس بجنور ۱۹۵۳ء
۵۱۔ خاتم النبیین: مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مدینہ پریس بجنور ۱۹۵۳ء

۵۲۔ خزائن الاسرار: مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مدینہ پریس بجنور ۱۹۵۴ء

۵۳۔ دعوت حفظ ایمان: حصہ اول ودوم، مولانا انور شاہ کشمیری ۱۳۵۱ھ

۵۴۔ دیوانِ حالی: مولانا الطاف حسین حالی، دہلی ۱۹۵۰ء

۵۵۔ روشن مستقبل: طفیل احمد، دہلی ۱۹۴۵ء

۵۶۔ ذکرِ آزاد: عبدالرزاق ملیح آبادی، مطبوعہ کلکتہ۔

۵۷۔ روئداد دارالعلوم ۱۳۳۰ھ مطبوعہ دیوبند۔

۵۸۔ روداد چمن: مرتبہ محمد الحسن ندوی، مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۱۹۷۶ء

۵۹۔ روض الریاحین: مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی۔

۶۰۔ سوانح احمدی (سوانح حضرت سید احمد شہید بریلویؒ) مولوی محمد جعفر تھانیسری۔

۶۱۔ سفرنامۂ شیخ الہندؒ (اسیر مالٹا) از مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، دینی بک ڈپو، اردو بازار دہلی ۱۹۴۷ء

۶۲۔ سوانح قاسمی: مولانا مناظر احسن گیلانی، دیوبند ۱۳۷۳ھ

۶۳۔ سیرت انور: مسعود احمد قاسمی، ادارہ ہادی دیوبند، یوپی

۶۴۔ سیرۃ النعمان: حصہ اول، مولانا شبلی نعمانی، مفید عام پریس آگرہ ۱۸۹۴ء

۶۵۔ سهم الغيب فی كبد اهل الريب: مولانا انور شاہ کشمیریؒ، دہلی ۱۳۵۲ھ

۶۶۔ سیرت سید احمد شہید از مولانا ابوالحسن علی ندویؒ۔ لکھنؤ ۱۳۶۸ء

۶۷۔ سید احمد شہید: از غلام رسول مہر، لاہور ۱۹۵۴ء

۶۸۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک: (یعنی حزب ولی اللہ دہلوی کی اجمالی تاریخ کا مقدمہ) از حضرت مولانا عبید اللہ سندھی، سندھ ساگر اکادمی لاہور، ۱۹۴۴ء

۶۹۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سیاسی مکتوبات: مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۵۰ء

۷۰۔ صدع النقاب عن حماسة الفنجاب: مرتبہ مولانا محمد ادریس سکھروڑوی، دیوبند ۱۹۲۵ء

۷۱۔ ضربُ الخاتم علىٰ حدث والعالم: مولانا انور شاہ کشمیریؒ، دہلی ۱۳۴۵ھ

۷۲۔ عقيدة الاسلام فی حيوٰة عيسىٰ عليه السلام: مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مجلسِ علمی کراچی ۱۳۸۰ء

۷۳۔ علماءِ حق: مولانا سید محمد میاں دیوبندی، کتب خانہ فخریہ مراد آباد ۱۹۴۶ء

۷۴۔ علماءِ ہند کا شاندار ماضی: مولانا سید محمد میاں، دہلی ۱۹۵۷ء

۷۵۔ فتاویٰ ثنائیہ: مرتبہ مولانا محمد داؤد راز

۷۶۔ فتاویٰ عزیزی: حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی مجتبائی پریس دہلی ۱۳۱۱ھ

۷۷۔ فتح الملهم بشرح صحيح مسلم: مولانا شبیر احمد عثمانی، مدینہ پریس بجنور ۱۳۵۲ھ

۷۸۔ فصلُ الخطاب فی مسئلة اُمّ الكتاب: مولانا انور شاہ کشمیریؒ۔ دہلی ۱۳۴۸ھ

۷۹۔ فيض البارى علىٰ صحيح البخارى: مرتبہ مولانا بدر عالم میرٹھی مطبع حجازی قاہرہ ۱۹۳۸ء

۸۰۔ فیصلہ مقدمۂ بہاولپور: مطبوعہ بہاولپور، جولائی ۱۹۳۵ء
۸۱۔ فتنۂ قادیانیت: مولانا صفوۃ الرحمن صابر، ادارہ اہلسنت والجماعت حیدر آبادی
۸۲۔ کلیاتِ اقبال: نسیم بک ڈپو لکھنؤ ۱۹۵۳ء
۸۳۔ کلیات شیخ الہند: مطبع قاسمی دیو بند ۱۳۴۰ھ
۸۴۔ کشف الستر عن صلوۃ الوتر: مولانا انور شاہ کشمیریؒ، دہلی ۱۳۵۳ھ
۸۵۔ کلیاتِ شبلیؒ: معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۳۰ء
۸۶۔ کتاب التعریفات: سید شریف علی جرجانی طبع مصر۔
۸۷۔ مبشرات دار العلوم دیو بند: مولانا انور الحسن، دیو بند ۱۳۹۴ھ
۸۸۔ مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت: مولانا مناظر احسن گیلانی۔
۸۹۔ مشاہدات و معارف (ترجمہ فیوض الحرمین): حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، مترجم، پروفیسر محمد سرور سندھ ساگرا اکادمی لاہور، ۱۹۴۷ء
۹۰۔ مفتی اعظم کی یاد: مرتبہ حفیظ الرحمن واصف، دہلی ۱۳۸۶ھ
۹۱۔ مولانا انور شاہ کشمیریؒ حیات اور علمی کارنامے: قاری محمد رضوان اللہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۷۴ء
۹۲۔ مکتوبات شیخ الاسلام (مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مکتوبات) ۴ جلدیں، مرتبہ مولانا نجم الدین اصلاحی۔
۹۳۔ مکمل تاریخ کشمیر: ۳ جلد، از منشی محمد دین فوق۔
۹۴۔ مشاہیر کشمیر محمد الدین فوق: ظفر برادر لاہور، جولائی ۱۹۳۰ء
۹۵۔ مکاتیب طیب (حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب کے مکتوبات) مطبوعہ دیو بند۔
۹۶۔ مرقاۃ الطارم لحدوث العالم: مولانا انور شاہ کشمیری، مدینہ پریس بجنور ۱۳۵۱ھ
۹۷۔ مشکلات القرآن: مولانا انور شاہ کشمیریؒ جمال پریس دہلی ۱۳۳۷ھ
۹۸۔ معارف السنن: مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مجلس علمی کراچی ۱۳۸۳ھ
۹۹۔ مصباح اللغات: مرتبہ ابو الفضل عبد الحفیظ بلیاوی، مکتبہ برہان، دہلی ۱۹۵۵ء
۱۰۰۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح: ملا علی قاری، مطبع میمنہ، مصر ۱۳۰۹ھ
۱۰۱۔ منتخب التواریخ: عبد القادر بدایونی، ۳ جلد کلکتہ ۱۸۶۸ء
۱۰۲۔ نقشِ حیات: مولانا سید حسین احمد مدنی، مطبوعہ دہلی ۱۹۵۴ء
۱۰۳۔ نطق انور: مولانا سید احمد رضا بجنوری، مکتبہ ناشر العلوم، بجنور، (یو۔ پی)
۱۰۴۔ نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین: مولانا انور شاہ کشمیریؒ مجلس علمی ۱۳۵۰ھ
۱۰۵۔ نفحۃ العنبر من ھدی الشیخ الانور: مولانا سید محمد یوسف بنوری مجلس علمی ڈابھیل ۱۹۳۳ء
۱۰۶۔ نزھۃ الخواطر: جلد ۸، مولانا سید عبد الحی لکھنوی، حیدر آباد، ۱۹۴۷ء
۱۰۷۔ وِرد المویدین: بابا داود خاکیؒ مطبع محمدی لاہور، ۱۳۰۶ھ

۱۰۸۔ یادگارِ زمانہ ہیں یہ لوگ: مولانا محمد ازہر شاہ قیصر دیوبند ۱۹۷۵ء
۱۰۹۔ یادِ رفتگاں، طبع کراچی ۱۹۵۵ء

(۲) مخطوطات

۱۔ اسرار الابرار: بابا داؤد مشکوتی ۲۔ تاریخ کشمیر ملک حیدر چاڈورہ۔
۳۔ خوارق السالکین، اخوند ملا احمد بن عبدالصبور۔ ۴۔ فتحات الکبرہ: شیخ عبدالوہاب کشمیری
۵۔ فتحاتِ قادریہ: میر سید حسین قادری منطقی۔ ۶۔ خمسۂ بہائیہ: ملا بہاء الدین متو۔

(۳) رسائل و جرائد

۱۔ ماہنامہ ''الرشید'' لاہور، فاضل حبیب اللہ (شاہ عالم مارکیٹ لاہور) مارچ ۱۹۷۸ء
۲۔ ماہنامہ ''الرشید'' لاہور، دار العلوم دیوبند نمبر، نومبر ۱۹۷۶ء
۳۔ ماہنامہ ''الانور'' مولانا محمد نور الدین اختر کاشمیری (جون یا جولائی ۱۹۳۳ء غالباً)
۴۔ ماہنامہ ''برہان'' دہلی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی (۱۹۷۴ء تا ستمبر ۱۹۷۷ء)
۵۔ ماہنامہ ''تجلی'' دیوبند، مولانا عامر عثمانی (مرحوم) ۱۹۶۸ء
۶۔ ''چٹان'' لاہور، شورش کاشمیری (مرحوم) ستمبر ۱۹۷۵ء
۷۔ ماہنامہ ''دار العلوم'' دیوبند، مولانا محمد ازہر شاہ قیصر، (۱۹۶۴ء تا جولائی ۱۹۷۶ء)
۸۔ ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ، شاہ معین الدین احمد، سید صباح الدین عبدالرحمٰن، (جون ۱۹۳۳ء، مارچ ۱۹۷۶ء)
۹۔ ''نقوش'' لاہور، لاہور نمبر، محمد طفیل، ادارۂ فروغِ اردو لاہور ۱۹۶۱ء
۱۰۔ ''نقوش'' لاہور، شخصیات نمبر، ایضاً ۱۹۵۹ء
۱۱۔ ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنو، مولانا محمد منظور نعمانی، اپریل ۱۹۷۷ء تا دسمبر ۱۹۷۷ء



ENGKISHBOOKS

1. AHistoryofKashmir,
   *by*P.N.KoulBamzai-Delhi-1962.
2. AHolidayintheHappyValley,
   *by*MajorT.R.Swinburne-London1907.
3. BeautifulValleysofKashmirandLadakh,
   bySamsarchandKoul-1942.
4. EarlyHistoryandCultureofKashmir,
   byDr.SunilChandraRay-1957.
5. "IslamandAhmadism"
   byDr.SirMoh'dIqbal-Lucknow-1974.
6. "KASHIR"byDr.GhulamMohi-ul-DinSufi-Delhi-1974.
7. Kashmir(AnHistoricalIntroduction),
   byJamesP.Ferguson-London-1961.
8. KashmirinSunlightandShade,
   byC.E.TyndaleBiscoe.
9. KashmirundertheSultans,
   byMohibbulHasan-Calcutta-1959.
10 .TheEncyclopaediaofIslam,
   byB.Lewish,Ch.PellatandJ.Schacht.
   Vol.II(C-G)LuzacandCo-London1965.
11. TheJammuandKashmirTerritories,
   byFredericDrew(London1875).
12. TheReconstructionofReligiousthoughtinIslam,
   byDr.SirMoh'dIqbal-Lahore1962.
13. TheValleyofKashmir,
   byWalterR.Lawrence(London-1895).
14. HistoryofSrinagar(1846-1947),AStudyinSocio-CulturalchangebyDr.MohammadIshaqKhan,(Under Publication).



الجامعة العربية احسن العلوم
www.ahsanululoom.com